اردو ترجمہ وشرح

التبیان فی علوم القرآن

بقلم

الأستاذ بكلية الشريعة والدراسات الإسلامية بمكة المكرمة

تعارف

مؤلف

نسیم البیان

اردو ترجمہ وشرح

التبیان فی علوم القرآن

تالیف

محمد علی الصابونی

استاذ بکلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ بمکۃ المکرمۃ

مؤلف

مولانا محمد آصف نسیم [illegible]

فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان

[illegible]

مولانا زاہد الراشدی

شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

المیزان ناشران وتاجران کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان

عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

سلسلۂ مطبوعات [illegible]

سنِ اشاعت ۲۰۰۵ء

محمد شاہد نذیر نے

زاہد بشیر پرنٹرز سے چھپوا کر

المیزان، اردو بازار لاہور سے شائع کی۔

فہرست

تمت

تقریظ

نحمده تبارك و تعالى و نصلى و نسلم على رسوله الكريم و على آله و اصحابه و اتباعه اجمعين

میری ایک عرصہ سے خواہش تجویز اور کوشش تھی کہ دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں "علوم قرآن" کے حوالہ سے کوئی جامع کتاب شامل ہوتا کہ ہمارے فضلاء قرآن کریم کے معنی و تفسیر کے ساتھ ساتھ اس سے متعلقہ دیگر ضروری علوم سے بھی واقف ہوں اور قرآن کریم کی تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے آیات کے شان نزول، پس منظر اور دیگر متعلقات پر ان کی نظر رہے۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے نئے نصاب میں عرب دنیا کے معروف عالم دین اور محقق و مفسر الاستاذ الشیخ محمد علی الصابونی حفظہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف "التبیان فی علوم القرآن" کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو آج کے دور میں اس موضوع پر لکھی جانے والی متعدد کتابوں میں جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔

ہمارے فاضل دوست مولانا محمد آصف نسیم نے طلبہ اور اساتذہ کی سہولت کے لئے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے اور متعدد دیگر ارباب علم و دانش کی نگارشات کو بھی توضیح و تشریح کے عنوان کے ساتھ اس میں شامل کر کے کتاب کی افادیت کو دو چند کر دیا ہے ان کا اسلوب یہ ہے کہ الاستاذ صابونی حفظہ اللہ تعالیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس کا ترجمہ تحریر کرتے ہیں اور پھر توضیح کے عنوان سے اس کی تشریح میں دیگر ممتاز ارباب علم و دانش اور محققین کی عبارتوں سے اقتباسات نقل کر کے متعلقہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر دیتے ہیں۔

یہ ایک اچھی کاوش ہے جو دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کے ساتھ ساتھ کالجوں اور یونیورسٹی کے اساتذہ و طلبہ بلکہ عام پڑھے لکھے دوستوں کے لئے بھی خاصی افادیت کی حامل ہے کیونکہ کتاب کا اسلوب اور ترجمہ و تشریح کا انداز ایسا ہے کہ عام تعلیم یافتہ حضرات بھی تھوڑی سی کوشش کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ مولانا محمد آصف نسیم صاحب اس مفید علمی کاوش پر تبریک و تشکر کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو ثمرات و قبولیت سے نوازیں اور زیادہ سے زیادہ حضرات کو اس سے استفادہ کی توفیق دیں۔ آمین یا رب العالمین

ابو عمار زاہد الراشدی

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۱۳ ستمبر ۲۰۰۹ء

گزشتہ کئی صدیوں سے اس موضوع پر علماء کرام لکھتے چلے آ رہے ہیں اور ہر دور میں اس موضوع پر مفید سے مفید اضافہ کرتے چلے آئے ہیں۔

الاستاذ الصابونی کی یہ کتاب جہاں گزشتہ ادوار کی لکھی ہوئی کتابوں کے جملہ موضوعات کو مشتمل ہے وہیں اس دور میں علوم تفسیر اور تفسیر قرآن کو پیش آمدہ چند نئے مسائل کو بھی حاوی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک نہایت مفید کتاب ہے الاستاذ الصابونی نے اپنی کتاب میں جہاں علمی مسائل کو زیر قلم لیا ہے وہیں ان مسائل کی تعبیر کے لئے عربی زبان کی نہایت بیخانہ تعبیرات اور محاورات کا انتخاب کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک خالص فنی کتاب ہونے کے باوجود ایک نہایت دلچسپ اور ادبی کتاب بھی بن گئی ہے کہ جس کی لذت علوم عربیہ سے مناسبت رکھنے والے ہر ہر صفحہ پر محسوس کریں گے۔

"التبیان فی علوم القرآن" جب اس کے ترجمے اور توضیح کا کام میرے ذمہ ہوا تو اس فقیر کا دامن اس کتاب کی ہر قسم کی خدمت کی استعداد سے یکسر خالی تھا۔ اس کتاب کی خدمت میں اس فقیر نے جو بھی زور لگایا اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ بندہ نے فقط اس کتاب کے ترجمہ کی جسارت کی ہے اور اس کے بعد اکابر علماء کرام کی معتبر تحریروں سے اس کتاب کی ہر عبارت کے مناسب حال توضیحی عبارت نقل کر کے ترجمہ و توضیح کے عنوان سے اس کو ایک گلدستہ بنا دینے کی اپنی سی کوشش کی ہے ایک بے سلیقہ اور بے عقل انسان کی یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہے یہ تو اس کتاب کے قاری ہی بتا سکتے ہیں۔ اور اس نالائق بندہ کی یہ دعا اس کی اس کوشش کے نہایت مناسب حال ہے ؎

میری قسمت سے الٰہی یہ پائیں رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے

آخر میں بندہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب کی اس تحریر کو نقل کرتا ہے کہ جو اس ناچیز کی اس کوشش کی گویا کہ ترجمانی ہے۔

"(بندہ کی یہ ترجمہ و توضیح پر مشتمل کتاب) گداگروں کی جھولی کی طرح ہے کہ جو قسم قسم کے کھانوں اور طرح طرح کے نوالوں سے لبریز ہے اور فقیر کی گدڑی کی طرح ہے جس میں ہزاروں رنگ برنگ کے پیوند نظر آئیں گے۔ اگر کوئی اس گدائے بے نوا سے پوچھے کہ تیرے پاس یہ قسم قسم کے کھانے اور رنگ برنگ کے اطلس و کمخواب کے ٹکڑے کہاں سے میسر آئے۔ تو یہ ناچیز جواب میں یہ عرض کرے گا کہ میں تو گھر سے بے نوا ہوں مگر بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر بھیک مانگنے جاتا ہوں وہاں سے بھیک میں جو کھانے مل جاتے ہیں وہ لا کر دوستوں کے سامنے رکھ دیتا ہوں یہی حال اس گھر کے گدائے بے نوا کا ہے کہ اس (کتاب میں) جو کچھ بھی علم ہے وہ سب کا سب مختلف خسروان علم و حکمت سے ملی ہوئی بھیک ہے کہ جو ایک دریوزہ میں جمع کر دی گئی ہے اور (جہاں جہاں سے یہ بھیک اکٹھی کی ہے) ان دروازوں کے نام بھی بتلا دیئے ہیں کہ جہاں سے یہ فقیر یہ بھیک مانگ کر لایا ہے تاکہ جسے اور کچھ لینا اور مانگنا ہو وہ خود ان دروازوں تک پہنچ جائے۔ اس اظہار حقیقت کے بعد امید ہے کہ احباب کرام اس بے بضاعت کی اس تالیف میں ایک دستر خوان بچھانے والے سے زیادہ نہ سمجھیں گے۔ ورکاہلی اس فریق

معصیت کو اس وجہ توہین سے کہاں بچنے دے، دوامائے مغفرت سے نواز دیں گے۔ آمین یارب العالمین عرض حال کے جواب میں یہ بندہ اپنے پروردگار سے بصد ہزار عجز و نیاز ملتجی ہے کہ اس فقیر و حقیر کی (اس کتاب) کو قبول فرمائے: آمین ثم آمین اور میرے لئے اور میرے والدین کے لئے اور (اللہ تعالیٰ ❶ اس بندہ کو بھی صالح اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمائے آمین) عام مسلمانوں کے لئے خاص طور پر عموماً مفید اور نافع اور مشعل ہدایت بنائے۔ اور اس تحریر سراپا تقصیر کو اس حقیر و فقیر کے لئے زاد معاد اور توشہ آخرت اور خیر جاری و ذریعہ مغفرت اور سرمایہ سعادت بنائے۔ آمین یا رب العالمین و یرحم اللہ عبدا قال آمینا.

در قیامت ہر کسے در دست آرد نامہ
من نیز حاضر می شوم (این کتاب) در بغل

رب تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم.

بندہ ناچیز

محمد آصف نسیم جھنگ شہری

کان اللہ لہ وکان ہو للہ ووفقہ لما یحبہ ویرضی.

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۵ ہجری بمطابق ۴ نومبر ۲۰۰۴ یوم الخمیس۔

❶ بندہ کی ابھی تک اولاد نہیں ہے (نسیم)

انتساب

والد مرحوم میاں محمد عاشق نسیم ایڈووکیٹ صاحب کے نام کہ جنہوں نے بڑی تمناؤں کے ساتھ مجھے دینی علوم کی تحصیل کے لیے مدرسہ میں داخل کروایا۔ اور میری فراغت تعلیم سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے سے پہلے اس دنیا سے چلے گئے۔ ع

حیف کہ در چشم زدن "سایۂ پدر" آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم کہ بہار آخر شد"

اللہ تعالیٰ ان کے بال بال کی مغفرت فرمائے (آمین)

بندہ نے اس کتاب کا نام والد مرحوم کے نام پر "نسیم البیان" رکھا ہے۔

التبيان في علوم القرآن

محاضرات في علوم القرآن تبحث عن نزوله وتدوينه وجمعه وإعجازه وعن التفسير والمفسرين مع رد شبهات المستشرقين بأسلوب يجمع بين الجدة والتحقيق.

بقلم

محمد علي الصابوني

الأستاذ بكلية الشريعة والدراسات الإسلامية بمكة المكرمة

التبیان فی علوم القرآن

(یہ) "علوم قرآن" کے بارے میں (چند علمی) لیکچرز ہیں کہ جن میں قرآن پاک کے نزول، اس کی جمع و تدوین، اس کے اعجاز، اس کی تفسیر اور مفسرین کے بارے میں بحث کی گئی ہے (اور) اس کے ساتھ (ساتھ) مستشرقین کے شبہات (واعتراضات) کا رد ایسے انداز سے (کیا گیا ہے کہ) جو جدت و تحقیق کا (حسین) امتزاج ہے۔

بقلم

محمد علی الصابونی

الاستاذ بکلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ بمکۃ المکرمۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمة

الحمد لله رب العالمين والصلاة على المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله وأصحابه والتابعين لهم بإحسان إلى يوم الدين.

وبعد

فهذه مذكرات في (علوم القرآن) كتبتها لطلبة (كلية الشريعة والدراسات الإسلامية) بمكة المكرمة تحقيقاً للمنهج الدراسي في الكلية وحرصاً على فائدة أبنائنا الطلبة الذين يرغبون في العلم ويحرصون كل الحرص عليه وقد رأيت أن أجمعها في كتاب تعميماً للفائدة ونشراً للعلم والله أسأل أن يجعلها خالصة لوجهه الكريم وأن ينفعنا بها يوم الدين ﴿يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾ (الشعراء: ٨٨-٨٩)

وهو حسبنا ونعم الوكيل.

غرة رجب الفرد ١٣٩٠ھ

محمد علي الصابوني
المدرس بكلية الشريعة والدراسات
الإسلامية بمكة المكرمة.

بسم الله الرحمن الرحيم.

مقدمہ: سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اور درود و سلام ہو اس ذات پر کہ جن کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر اور ان پر جو ان کے پیچھے آئے نیکی کے ساتھ۔

(اما بعد):

علوم قرآن کے بارے میں یہ چند (علمی افادات) ہیں جن کو میں نے ● "کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیہ مکۃ المکرمہ" کے ان طلباء کے لئے کلیہ کے طریقہ تدریس کو سامنے رکھ کر لکھا اور (مرام) کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے لکھا ہے کہ جو علم میں رغبت رکھتے ہیں اور (حصول) علم کی پوری (پوری) حرص رکھتے ہیں اور میں نے (مناسب) سمجھا کہ میں ان

● یہ مکۃ المکرمہ کی شریعہ یونیورسٹی کا پورا نام ہے۔ (مترجم)

(علمی) تقاریر کو ایک کتاب میں جمع کر دوں (اور ایک کتاب کی شکل میں جمع کرنے کا میرا خیال ان علمی تقاریر کا) فائدہ عام کرنے کے لئے اور (قرآن کے) علم کو پھیلانے کے لئے (تھا)۔

اور اللہ ہی سے میں اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ وہ ان (علمی) تقاریر کو خالص اپنی کریم ذات کے لئے بنادے اور ان کے ذریعے حساب کے دن تک ہمیں فائدہ پہنچائے (آگے مولف کتاب لفظ یوم الدین کی مناسبت سے سورۃ شعراء کی آیت ۸۸-۸۹ کو نقل کرتے ہیں) ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ (جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل "چنگا") "تفسیر عثمانی"

(مولف کتاب فرماتے ہیں) اور اللہ ہی ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

غرہ رجب الفرد ۱۳۹۰ھ

محمد علی الصابونی

المدرس بکلیۃ الشریعۃ والدراسات

الاسلامیہ بمکۃ المکرمۃ

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمة الطبعة الثالثة

الحمد لله انزل كتابه المبين تبيانا لكل شيء وهدى ورحمة للمومنين والصلاة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله واصحابه شموس الهداية ونجوم العرفان والتابعين لهم باحسان الى يوم الدين وسلم تسليما كثيرا۔

اما بعد: فان القرآن العظيم معجزة (محمد) الخالدة وحجته الدائمة الناطقة بصدق رسالته وهو البرهان على انه الوحي الالهي المنزل على هذا النبي الامي الذي لم يتلق علما على يد انسان ولا عرف له صلة باحد من علماء اهل الكتاب وهو مع ذلك لا يعرف القراءة ولا الكتابة وجاء بهذا الكتاب المعجز كبرهان ساطع ودليل قاطع على انه وحي من عند رب العالمين: ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ. بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ﴾

وقد حوى هذا القرآن العظيم علوما ومعارف وجاء باحكام وتشريعات في معالجة الامراض الاجتماعية والاقتصادية والسياسية تحير الالباب ويعجز عن محاكاتها ومجاراتها فطاحل البلغاء والفصحاء وفيه من الوجوه البيانية والبلاغية ما لا يستطيعه فرسان البلاغة وفحول الادباء واهل الكلام ولهذا كان من الجدير بالمشتغلين بالدراسات القرآنية ان يبينوا للناس ما حواه هذا القرآن المجيد من اصول العلوم والمعارف وان يوضحوا وجوه الاعجاز في سوره وآياته وقصصه واخباره وفي اسلوبه وبيانه وسائر ما حواه من كنوز ودقائق۔

هذا وقد تناولت في هذا الكتاب "التبيان في علوم القرآن" بعض هذه الخصائص والمزايا وفصلت فيه شيئا من اسرار هذا الكتاب المعجز في دراستي لعلوم القرآن واخرجته في فصول عشرة هي كما يراه القارئ.

١۔ الفصل الاول: التعريف بعلوم القرآن وبيان فضائل القرآن وآداب حملته وحفظته۔

٢۔ الفصل الثاني: معرفة اسباب النزول وفوائد معرفة الاسباب في فهم آيات الكتاب وامثلة ذلك۔

٣۔ الفصل الثالث في حكمة نزول القرآن المجيد مفرقا واختلافه عن الكتب السماوية السابقة المنزلة جملة۔

٤۔ الفصل الرابع: جمع القرآن العظيم في عصر النبوة' وجمعه في مصحف متعددة في زمن ابي بكر' ثم في مصحف واحد زمن عثمان۔

٥۔ الفصل الخامس: النسخ في القرآن الكريم' ومعنى النسخ والحكمة التشريعية من نسخ الاحكام۔

٦۔ الفصل السادس: التفسير والمفسرون' وأنواع التفسير بالرواية' والدراية' وشروط المفسر لكتاب الله الجليل۔

٧۔ الفصل السابع: في التفسير الاشاري' وموقف العلماء منه' والفرق بين الاشاري' والتفسير الباطني' وغرائب التفسير۔

٨۔ الفصل الثامن: في اشهر كتب التفسير بالرواية والدراية والاشارة' والتعريف بمزايا كتب التفسير

٩۔ الفصل التاسع: بحث حول ترجمة القرآن العظيم' وما يحل منها وما يحرم' وشروط الترجمة.

١٠۔ الفصل العاشر: نزول القرآن على سبعة احرف' والقراءات السبع المتواترة' اشهر القراء من الصحابة والتابعين۔

والله اسأل ان يجعله خالصًا لوجهه الكريم' وان ينفع به اخواننا المؤمنين' ويرزقنا العمل الصالح بكتابه المبين' ليكون لنا ذخرًا يوم الدين: ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ وهو حسبنا ونعم الوكيل۔

مكة المكرمة: غرة رجب الفرد سنة ١٤٠٨ھ

وكتبه خادم الكتاب والسنة

الشيخ محمد علي الصابوني

الاستاذ بجامعة ام القرى بمكة المكرمة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ طبع ثالث

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنی کتاب مبین اتاری جو ہر چیز کو بیان کرنے والی اور (جن وانس کے لیے ہر زمان ومکان میں دینی ودنیاوی کامیابی کے لیے) ہدایت (ہے) اور (خاص طور پر آخرت کے لحاظ سے) مومنین کے لیے رحمت ہے۔

اور قیامت تک صلوٰۃ وسلام ہو اشرف الانبیاء والمرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو رحمۃ للعالمین بنا کر (اس دنیا میں) بھیجے گئے اور آپ ﷺ کی آل اور آپ کے صحابہؓ پر جو ہدایت کے سورج اور (علم و) عرفان کے ستارے ہیں۔

اور ان پر کہ جو نیکی کے ساتھ ان (صحابہ کرامؓ) کے پیرو ہوئے۔

(اے اللہ) آپ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر) بہت بہت سلامتی نازل فرمائیں۔

اما بعد: بے شک قرآن عظیم محمد (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوامی معجزہ آپ ﷺ کی دائمی حجت اور آپ ﷺ کی رسالت (و نبوت) کی صدق (وصداقت) کی (قیامت تک کے لیے) گواہی دینے والا ہے یہ (قرآن مجید) یہ وحی الٰہی ہونے پر اور اس نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہونے پر (اپنی) دلیل (آپ) ہے کہ جنھوں نے کسی انسان سے کوئی علم حاصل نہ کیا اور نہ ہی آپ کے بارے میں علماء اہل کتاب میں سے کسی سے (دینی یا دنیاوی کسی قسم کا بھی علم حاصل کرنے کے لیے) ملنا معروف ہے۔ (اور نہ ہی تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے) دریں حالیکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے (لیکن پھر بھی) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ معجزانہ کتاب لے آئے۔ (اور یہ قرآن نہ صرف یہ کہ آپ کی نبوت کی صداقت پر ایک روشن دلیل اور اس کے ساتھ ساتھ یہ اپنے وحی الٰہی ہونے پر بھی ایک واضح دلیل ہے) اسی طرح (یہ قرآن) اپنے رب العالمین کی طرف سے وحی کیے جانے پر (بھی) ایک روشن حجت اور ناقابل تردید دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ . بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۝﴾

اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے۔ بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو ملی ہے سمجھ اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں۔"

اور تحقیق اس قرآن عظیم نے ایسے علوم و معارف کو جمع کیا ہے اور معاشرے کے اجتماعی امراض کے علاج (معالجے) اور (معاشرے کے) اقتصادی اور سیاسی (مسائل کے حل) کے لیے ایسے احکام اور (ایسی) تشریعات لے کر آیا ہے کہ جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے اور دلوں کو خوش کر دیا ہے۔ دین کی دعوت لانے اور ان کا مقابلہ کرنے سے بڑے بڑے اہل فہم و دانش اور (زبردست) علماء عاجز رہ گئے اس میں بیان و بلاغت کی ایسی (ایسی) صورتیں ہیں کہ (جن کی مثل لانے کی فصاحت و) بلاغت کے شہسواروں اور بلند پایہ ادیبوں اور اہل کلام میں استطاعت نہیں۔ اسی لیے جو لوگ قرآن کی درس و تدریس میں مشغول ہیں ان کے مناسب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو علوم و معارف کے ان اسراروں سے متعارف کروائیں کہ جن پر یہ قرآن مشتمل ہے اور (لوگوں کے سامنے) قرآن کی سورتوں اور آیتوں اور اس کے قصوں اور خبروں اور اس کے اسلوب اور بیان (اور اس کے طرز نگارش) اور ان تمام (علمی و عملی) خزانوں اور باریکیوں کو کھول (کھول) کر بیان کریں کہ جن کو یہ قرآن لیے ہوا ہے۔

(آگے مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

یہ بات تو بیان ہو چکی ہے اور میں نے اس کتاب "التبیان فی علوم القرآن" میں (قرآن کی ان) (گذشتہ مذکورہ بالا) خصوصیات اور خوبیوں میں سے بعض کو لیا ہے اور میں نے اس مختصر کتاب (القرآن) کے چند امور (رموز) کو جیسے "علوم القرآن" کے اندر ہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور میں نے ان کو دس فصلوں میں (تقسیم کر کے صفحۂ قرطاس پر) درج کیا ہے جیسا کہ (اس کتاب کا) قاری یہ بات (مطالعۂ کتاب کے دوران) دیکھے گا۔

اور ان فصلوں کا اجمالی تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) پہلی فصل: علوم القرآن کی تعریف، قرآن کے لفظ کی ... کے بیان اور قرآن کے حفاظ اور اس (کے علوم) کی تحصیل کرنے والوں کے آداب کے بارے میں ہے۔

(۲) دوسری فصل: اسباب نزول کی معرفت اور قرآنی آیات وغیرہ کے نازل ہونے کے اسباب (نزول) کی معرفت کے فوائد کے بارے میں ہے۔

(۳) تیسری فصل: قرآن مجید کے رفتہ رفتہ اترنے کی حکمت اور گذشتہ آسمانی کتابوں کے (قرآن کے برخلاف) ایک ہی دفعہ نازل ہونے میں اختلاف کی حکمت کے بارے میں ہے۔

(۴) چوتھی فصل: عہد نبوی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) میں جمع قرآن اور (حضرت) ابوبکرؓ کے عہد (خلافت) میں قرآن کے متعدد مصاحف میں جمع کرنے اور پھر (حضرت) عثمانؓ کے عہد (خلافت) میں قرآن کے ایک (ہی) مصحف میں جمع کرنے کے بارے میں ہے۔

(۵) پانچویں فصل: قرآن کریم میں نسخ اور نسخ کے معنی اور احکام کے نسخ میں تدریج کی حکمت کے بارے میں ہے۔

(۶) چھٹی فصل: تفسیر اور مفسرین اور تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کی انواع اور کتاب اللہ الجلیل کے مفسر کی شرائط کے بارے میں ہے۔

(۷) ساتویں فصل: تفسیر اشاری اور علماء کے اس کے بارے میں موقف اور تفسیر اشاری اور تفسیر باطنی اور غرائب التفسیر کے درمیان فرق کے بارے میں ہے۔

(۸) آٹھویں فصل: روایت و درایت اور اشاری تفاسیر کی مشہور کتابوں (کے تعارف) اور کتب تفسیر کی خصوصیات کے تعارف کے بارے میں ہے۔

(۹) نویں فصل: ترجمہ قرآن کے بارے میں بحث اور ترجمہ کی جو قسم جائز ہے اور جو ممنوع ہے اور ترجمہ کی جو شرائط ہیں ان کے بارے میں ہے۔

(۱۰) دسویں فصل: قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے اور سات (مشہور) متواتر قراءات اور صحابہ و تابعین میں سے مشہور قراء کے بارے میں۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو خالص اپنی کریم ذات کے لیے بنائے اور اس کے ذریعے سے ہمارے مسلمان بھائیوں کو (علمی و عملی) فائدہ دے اور ہمیں اپنی کتاب مبین (قرآن کریم) پر عمل صالح کرنے کی توفیق عنایت فرمائے تاکہ (یہ اعمال) ہمارے لیے اس دن کے لیے (نجات کے لیے اعمال کا ایک) ذخیرہ ہوں کہ "جس دن نہ کام آئے گا کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا"

"اللہ ہی ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔"

مکۃ المکرمہ غرہ رجب الفرد ۱۴۰۸ھ

العاجز

خادم الکتاب والسنۃ

الشیخ محمد علی الصابونی

الاستاذ بجامعۃ ام القری بمکۃ المکرمہ

اذكر انواع الصدقات الجارية على الميت من خلال نظم الامام السيوطي لها"

قال الامام السيوطي:

إذا مات ابن آدم ليس يجري ... عليه من فعال غير عشر

علوم بثها ودعاء نجل ... وغرس النخل والصدقات تجري

وراثة مصحف ورباط ثغر ... وحفر البئر أو إجراء نهر

وبيت للغريب بناه يأوي ... إليه أو بناء محل ذكر

وتعليم لقرآن كريم ... فخذها من أحاديث بحصر

مرنے والے کے (مرنے کے بعد) صدقاتِ جاریہ کی اقسام کو امام جلال الدین السیوطیؒ کے صدقاتِ جاریہ کو (مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کردہ) نظم (کی صورت) میں یاد کیجیے۔

(۱) جب ابن آدم مر جاتا ہے تو دس اعمال کے علاوہ اس کے اعمال جاری (اور باقی) نہیں رہتے۔

(۲) ایک وہ علوم کہ جن کو اس نے (درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ) پھیلایا ہو اور (دوسرے نیک) اولاد کی دعا (کہ جو ماں باپ کے مرنے پیچھے وہ ان کے لیے کرے) اور (تیسرے چرند و پرند اور انسانوں کو سایہ کے لیے) درخت کا لگانا کہ یہ (سب) صدقاتِ جاریہ ہیں۔

(۳) اور (چوتھے) قرآن کا نقل کرنا اور (پانچویں) سرحدوں پر لشکر (اسلامی) کا پہرہ دینا اور (چھٹے) کنواں کھودنا نیز (ساتویں یہ کہ) نہر جاری کرنا۔

(۴) اور (آٹھویں) مسافر(وں) کے لیے مسافر خانہ بنانا کہ جس میں وہ (دورانِ سفر راتیں گزارنے کے لیے) ٹھکانہ پکڑیں (اور یہ بھی) یا (نویں یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر) کی جگہ (یعنی مسجد) تعمیر کرانا۔

(۵) اور (دسویں) قرآن کریم کی تعلیم دینا ہے پس تو ان سب باتوں کو (اس) زمانے کی (مفید) باتوں میں سے (جانتے ہوئے) لے لے۔

☆☆☆

الفصل الاول

علوم القرآن

"تمهيد"

يقتضينا علم التفسير أن نلم إلمامة موجزة عن (علوم القرآن) وأن نعرف ما لاقى هذا الكتاب المجيد من عناية فائقة وجهود واسعة وأبحاث مستفيضة بذلت كلها في سبيل خدمة هذا الكتاب العزيز على أيدي أساتذة أعلام، وعلماء فطاحل أفنوا أعمارهم في سبيل الحفاظ على هذا التراث الكريم والكنز الثمين من لدن عصر نزول القرآن إلى يومنا هذا، ثم انتقلوا إلى جوار الله وقد خلفوا لنا ثروة علمية هائلة لا ينضب معينها، ولا تبلى جدتها على كر الدهور، ومر الأزمان، ومع كل هذه الجهود المبذولة - في القديم والحديث - فإن القرآن يبقى بحرا زاخرا يحتاج إلى من يغوص في أعماقه ليستخرج منه اللآلئ والدرر.

ولقد تسابق الفصحاء والبلغاء والحكماء والشعراء في وصف هذا القرآن وسرد محاسنه وفضائله، ولكننا لا نجد أبلغ ولا أسمى من وصف صاحب الرسالة محمد بن عبدالله صلوات الله وسلامه عليه حيث يقول: كتاب الله فيه نبأ من قبلكم، وخبر ما بعدكم، وحكم ما بينكم، هو الفصل ليس بالهزل، من تركه من جبار قصمه الله، ومن ابتغى الهدى في غيره أضله الله، هو حبل الله المتين، وهو الذكر الحكيم، وهو الصراط المستقيم، وهو الذي لا تزيغ به الأهواء، ولا تلتبس به الألسنة، ولا يشبع منه العلماء، ولا يخلق على كثرة الرد، ولا تنقضي عجائبه، وهو الذي لم تنته الجن إذ سمعته حتى قالوا: {إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ}، من قال به صدق، ومن عمل به أجر، ومن حكم به عدل، ومن دعا إليه هدي إلى صراط مستقيم.

لغات: نَلِمُّ (إلمامة) بالمعنى: واقف ہونا۔ مُوجَزَة: مختصر۔ لَاقَىٰ: قریب حاصل ہونا، ملنا۔ عناية: توجہ۔ فائقة: بڑی۔ مستفيضة: فراواں، زیادہ۔ فطاحل فِطَحْلٌ: کی جمع، بڑا عالم۔ ثروة: دولت۔ التراث الكريم: باعزت میراث۔ الكنز الثمين: قیمتی خزانہ۔ هائلة: بہت بڑا، زبردست۔ لا ينضب: پانی بہنا، ختم ہونا۔ کر الدهور اور مر الازمان: یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں جن کا معنی ہے زمانہ کا گزرنا۔ معین فی [illegible] کی جمع [illegible]۔ اللآلی: لؤلؤ کی جمع، موتی۔ الدرر: الدرة کی جمع، بڑا اور قیمتی موتی۔ تسابق: ایک دوسرے سے آگے نکلنا۔ سَرْدٌ: بات بیان کرنا۔ أسمى: سمو سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے، بلند تر۔ الفصل: فیصلہ کن بات۔ الهزل: غیر سنجیدہ [illegible]

بات۔ قَصَمَهُ توڑنا، پیس کرنا۔ المتین مضبوط۔

ترجمہ: پہلی فصل

"علوم القرآن"

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) علم تفسیر ہم سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم علوم قرآن کو کچھ نہ کچھ سمجھیں (اور اس میں تھوڑا بہت غور وفکر کریں) اور اس گہری توجہ اور ان تھک کوششوں اور طول طویل بحثوں کو جانیں کہ) جو اس کتاب مجید (کے سمجھنے) میں صرف کی گئیں (اور) میں نے اس کتاب عزیز کی خدمت کے راستہ میں (اپنے) اکابر اساتذہ کرام کے سامنے (اپنی) یہ تمام تر (توانائیاں) لگادیں۔ اور قرآن پاک کے نزول کے زمانہ سے لے کر ہمارے آج کے اس دور تک (ہمیشہ سے) اکابر علماء کرام اپنی (قیمتی) زندگیوں کو اس باعزت میراث اور قیمتی خزانے کی حفاظت میں خرچ کرتے رہے۔ پھر (ان بے مثال خدمات کے بعد) اللہ تعالیٰ کے جوار (رحمت) میں چلے گئے۔ اور ہمارے لئے (ایک) ایسا قیمتی سرمایہ چھوڑ گئے کہ ایک عرصہ دراز اور طویل زمانہ گزرنے کے باوجود اس کا چشمہ خشک نہیں ہوتا اور اس کے (خزانوں کے قیمتی) موتی ختم نہیں ہوتے۔ اور اگلوں اور پچھلوں کی ان تمام تر کی گئی کوششوں کے باوجود (ابھی تک) قرآن ایک ایسا (خزانوں کو) چھپایا ہوا سمندر ہے کہ جو ایسے (افراد) کی تلاش میں ہے کہ جو اس کی گہرائیوں میں غوطہ لگائیں اور اسکے (علمی) جواہرات اور موتی نکالیں۔

اور فصحاء، بلغاء، حکماء اور شعراء نے قرآن پاک کی مدح وتوصیف میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ اور اس کے محاسن (اور خوبیوں) اور فضیلتوں کو بیان کیا۔ لیکن ہم قرآن کی (دوسرے) کی (مدح و) تعریف میں صاحب رسالت محمد بن عبد اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے زیادہ کسی (دوسرے) کی (مدح و) کو تعریف (فصیح و) بلیغ اور بلند پایہ نہیں پاتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "(یہ) اللہ کی کتاب (ہے کہ جس) میں تم سے پہلوں کی باتیں تمہارے بعد والوں کی خبریں اور تمہارے درمیان (کی باتوں) کا فیصلہ ہے یہ فیصلہ کن بات ہے مذاق (نہیں) ہے جس کسی جبار (یعنی ظالم) نے اس کو چھوڑا اللہ اس کو توڑ کر رکھ دے گا۔ اور جس کسی نے قرآن کے علاوہ (کسی اور چیز) سے ہدایت چاہی تو اللہ اس کو گمراہ کر دے گا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے یہ حکمت سے معمور بات ہے اور یہ (صاف) سیدھا راستہ ہے اور یہ وہ (کتاب) ہے کہ خواہشات جس (کی آڑ لے کر اور اس کے بہانے) سے کج راہ نہیں ہو سکتیں۔ اور زبانیں جس سے دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ اور علماء کا اس سے جی نہ بھرے۔ اور (اس کی جدت وتازگی) اور (اور قراءت) کی کثرت سے پرانی نہیں ہوتی (مولف کتاب اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن کے دور اور قراءت کی کثرت کی وجہ سے اس کی تازگی اور طراوت میں فرق آجائے یا اس کی لذت وحلاوت کی جدت چلی جائے) اور اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے۔ اور یہ وہ کتاب ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو رہ نہ سکے اور کہہ اٹھے ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْءَانًا عَجَبًا ۝ يَهْدِىٓ إِلَى ٱلرُّشْدِ فَـَٔامَنَّا بِهِۦ﴾ (ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب کہ سمجھاتا ہے نیک راہ سو ہم اس پر یقین لائے) "تفسیر عثمانی" جس نے قرآن کی بات کہی اس نے سچ

کہا۔ جس نے اس پر عمل کیا اس نے اجر پایا۔ جس نے قرآن سے فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا۔ اور جس نے قرآن کی طرف بلایا تو اس کو سیدھا راستہ کی ہدایت مل گئی۔ (رواہ الترمذی فی باب فضائل القرآن)

توضیح:

علامہ احمد حریری مرحوم رقمطراز ہیں کہ "آغاز نزول سے لے کر تا عصر حاضر مسلمانوں نے کتاب الٰہی کے ساتھ اعتناء کیا۔ اور اس کے مطالب و معانی اور اسرار و نکات (کو) معلوم کرنے کے لئے جو مساعی جمیلہ سرانجام دیں ہیں دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔ مگر باایں ہمہ جد و سعی قرآن کریم کی وسعت و جامعیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے بحر معانی میں غواصی کرنے والے ہر شخص کو عجز و تقصیر کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں۔ عہد رسالت سے لے کر دور حاضر تک ہزاروں تفاسیر لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔

مگر فرمان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق قرآنی نکات و اسرار ختم ہونے میں نہیں آتے۔ امام رازی نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ دس ہزار مسائل پر مشتمل ہے اور اپنے دعویٰ کو دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ آگے علامہ حریری مرحوم نے مذکورہ بالا حدیث نقل کی ہے اس کے بعد علم تفسیر کی مفصل تاریخ اور مفسرین کرام کی جہود و مساعی کے تفصیلی احوال سے معلوم ہونے کی ضرورت پر زور دیا ہے (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۸-۹ بتغییر یسیر)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ

"صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم ایک روز صفہ میں بیٹھے تھے کہ آنحضرت تشریف لائے اور فرمایا "تم میں سے کس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ روزانہ صبح کو بطحان یا عقیق (کے بازار) میں جایا کرے اور ہر روز دو بہترین قسم کی اونٹنیاں کسی گناہ یا قطع رحمی کا ارتکاب کئے بغیر پکڑ لایا کرے؟"

ہم نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! اس کو تو ہم میں ہر ایک پسند کرے گا" آپ نے فرمایا "اگر کوئی شخص روزانہ مسجد میں جا کر دو آیتیں سیکھ لیا کرے یا پڑھ لیا کرے تو یہ اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین آیتیں سیکھے تو وہ تین اونٹنیوں سے اور چار سیکھے تو وہ چار سے بہتر ہے۔"

آنحضرت نے قرآن کریم کی تلاوت اس کے معانی کا علم حاصل کرنے اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کے جو فضائل بیان فرمائے اور امت کو جس طرح اس کی ترغیب دی مذکورہ بالا حدیث اس کی صرف ایک مثال ہے۔ اور حدیث کے مجموعے اس قسم کی احادیث سے بھرے پڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ (علی صاحبہ السلام) نے قرآن کریم اور اس کے علوم کی ایسے ایسے پہلوؤں سے خدمت کی ہے اور اس کے الفاظ و معانی کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسی بے مثال کاوشیں کی ہیں کہ ان کی تفصیلات کو دیکھ کر عقل محو حیرت رہ جاتی ہے۔ (علوم القرآن ملخصاً صفحہ ۱۷-۱۸)

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں "غالب اور اقبال کے کلام کے انگریزی ترجمے ہو چکے ہیں اور سعدی کی گلستان اور

مولانا رومیؒ کی مثنوی کے ترجمے انگریزی اور اردو میں موجود ہیں جو کہ قابلیت اور بڑے اہتمام وکاوش سے کئے ہوئے لیکن ان سب مقالوں میں اصل اور اس کے ترجمہ میں ادبی ذوقی حیثیت سے کوئی مناسبت ہی نہ رہی۔ تو جب یہ حال انسانوں ہی کی لکھی ہوئی بلند پایہ معیاری کتب کا ہوا تو اب اس کتاب کے بارے میں کیا کہیے جو دنیا کی ہر عظیم کتاب سے عظیم تر اور ہر بلند و برتر شے سے بلند تر ہے اور جس کی حکمتوں، رفعتوں، نزاکتوں، لطافتوں، لامتناہی تک پورا پہنچ پانا کیا لفظی اور کیا معنوی ہر اعتبار سے حدود بشری سے ہی باہر ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے عالموں، فاضلوں، دانشوروں، ادیبوں، حکیموں، عالموں، عارفوں کے بھی بس کی بات نہیں کہ دنیا کی اس ایک ہی کتاب "الکتاب" کو کما حقہ اپنی زبان میں منتقل کر سکیں۔ کسی نہ کسی منزل پر پہنچ کر سب ہی اعتراف عجز پر مجبور پاتے ہیں۔ کہاں کلام خداوند قدوس و نا محدود اور کہاں فہم و استعداد بندہ محدود! دونوں میں اتنی نسبت بھی تو نہیں جتنی آفتاب کو ذرہ سے سمندر کو قطرہ سے ہوتی ہے۔ شارحین، مترجمین، مفسرین اگر کہیں نہ کہیں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ نہ جائیں تو کیا کریں۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

(تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۹)

ما المقصود بعلوم القرآن؟

يقصد بعلوم القرآن الأبحاث التي تتعلق بهذا الكتاب المجيد الخالد من حيث النزول، والجمع، والترتيب، والتدوين، ومعرفة أسباب النزول، والمكي منه والمدني، ومعرفة الناسخ والمنسوخ، والمحكم والمتشابه، وغير ذلك من الأبحاث الكثيرة التي تتعلق بالقرآن العظيم أو لها صلة به. والغرض من هذه الدراسة فهم كلام الله عز وجل على ضوء ما جاء عن الرسول عليه الصلاة والسلام من توضيح وبيان، وما نقل عن الصحابة والتابعين رضوان الله عليهم أجمعين، حول تفسيرهم لآيات القرآن ومعرفة طريقة المفسرين وأساليبهم في التفسير، مع بيان مشاهيرهم ومعرفة خصائص كل من المفسرين، وشروط التفسير، وغير ذلك من دقائق هذا العلم.

لغات: الخالد: دائمی۔ التدوین: مدون کرنا، درج کرنا، مجتمع کرنا۔ الدراسة: تعلیم، غور و خوض۔ اسالیب: یہ اسلوب کی جمع ہے، طریقہ، طرز، انداز نگارش۔

علوم القرآن سے کیا مراد ہے؟

ترجمہ: "علوم قرآن سے مراد وہ بحثیں ہیں کہ جو اس دائمی کتاب مجید سے متعلق ہیں۔ (جیسے مثلاً وہ ابحاث کہ جو) باعتبار نزول (قرآن)، جمع (قرآن)، تدوین (قرآن) اور اسباب نزول کا جاننا، اور (قرآن کی) مکی اور مدنی

(آیتوں اور سورتوں کا پہچاننا) اور ناسخ و منسوخ کا جاننا اور محکم و متشابہ (وغیرہ کو جاننا) اور ان (مذکورہ) ابحاث کے علاوہ وہ بہت ساری ابحاث کہ جو قرآن عظیم (کی تفسیر) کے متعلق ہیں۔ ان میں سے پہلی بحث اس (تمہید) کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور اس (پہلی بحث) تقریر سے ہماری غرض کلام اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (نقل ہو کر) آنے والی توضیح اور بیان اور قرآن کی تفسیر کے متعلق صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو نقل ہوا ہے (اس) کی روشنی میں سمجھنا اور تفسیر میں مفسرین کے طریقہ (تفسیر) اور ان کے اسلوب کو پہچاننا ہے۔ اور اس کے ساتھ (ساتھ اس علمی تقریر میں) مشہور مفسرین کا تعارف اور ہر ایک مفسر کی خصوصیات اور (اس کی) تفسیر کی شرائط کو اور اس علم کی دوسری بہت سی باریک باتوں کا جاننا ہے۔"

توضیح:

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں "جن مختلف جہتوں اور گوناں گوں پہلوؤں سے قرآن کریم کی خدمت کی گئی ہے انہی میں سے ایک خاص رخ کی خدمت وہ کتابیں ہیں جو "علوم القرآن" کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

"علوم القرآن" ایک وسیع و عریض علم ہے اور اس میں علم تفسیر کے مبادی اور اصول واضح کئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح نازل ہوتا تھا؟ وحی کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب کس ترتیب سے نازل ہوئی؟ کتنے عرصے میں اس کا نزول مکمل ہوا؟ مکی اور مدنی سورتوں کا کیا مطلب ہے؟ شان نزول کسے کہتے ہیں؟ تفسیر قرآن اور اس کا مقام کیا ہے؟ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ ہے یا نہیں؟ قرآن کے مختلف حروف اور قراءتوں کا کیا مطلب ہے؟ قرآن کریم کس قسم کے مضامین پر مشتمل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو کس طرح محفوظ رکھا ہے؟ اور اس کی کتابت اور طباعت کتنے مراحل سے گزری ہے؟ قرآن کریم کی تفسیر کے کیا اصول اور آداب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور اس راہ میں کونسی غلطیاں انسان کو گمراہی کے راستہ پر لے جاتی ہیں؟ یہ اور اس قسم کے دوسرے بہت سے سوالات کا مفصل جواب "علوم القرآن" میں دیا جاتا ہے۔

عربی زبان میں اس موضوع پر علامہ زرکشی کی "البرہان فی علوم القرآن" (چار جلدوں میں) علامہ سیوطیؒ کی "الاتقان" (دو جلدوں میں) شیخ زرقانیؒ کی "مناہل العرفان" (دو جلدوں میں) آج بھی اس علم کی معروف اور مستند اول کتابیں ہیں جو اپنے موضوع پر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اردو میں بھی اس موضوع پر متعدد کتابیں آئی ہیں جن میں علامہ عبدالحق حقانیؒ "البیان فی علوم القرآن" سب سے زیادہ جامع اور ممتاز ہے۔ (علوم القرآن ملخصا صفحہ ۱۸-۱۹)

تعریف القرآن:

(هو كلام الله المعجز' المنزل على خاتم الانبياء والمرسلين' بواسطة الأمين جبريل عليه السلام المكتوب في المصاحف' المنقول إلينا بالتواتر' المتعبد بتلاوته' المبدوء بسورة الفاتحة' المختتم

جس طرح اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔ اسی طرح اس کی تمام صفات (بھی) قدیم ہیں۔ یعنی قرآن کریم بھی قدیم ہے حادث نہیں۔ لہٰذا یہ بھی اسی عظمت و بزرگی کا مستحق ہے جو اللہ جل شانہٗ کی کبریائی کے لائق ہو۔ یہ ایک بلند پایہ کلام اور ایسی بے مثال کتاب ہے کہ

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۝﴾ (حم سجدہ: ۴۲)

"نہ اس کے سامنے سے اس میں باطل آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ تو حکیم و حمید کی بارگاہ سے نازل کردہ کتاب ہے۔" (منازل فرقان: صفحہ ۲۳، بحوالہ "احسن البیان بلفظہٖ صفحہ ۱۴ جلد ۱)

مفکر اسلام علامہ سید ابو الحسن علی ندوی نے اس موقع پر قرآن کی جو تعریف کی ہے اس کا اسلوب نہایت منفرد اور جداگانہ ہے یہاں اس کا درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پوری بحث تو اصل کتاب میں دیکھ لی جائے یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ "قرآن نے اپنے متعلق جو کچھ کہا ہے اس سے قرآن کی مختلف خصوصیت اور حیثیتوں پر بڑی روشنی پڑتی ہے اور اس کی عظمت و اعجاز کے بہت سے گوشے جو عموماً نظر سے نہاں رہتے ہیں (وہ) نظر کے سامنے آ جاتے ہیں۔ ان مختلف اور منتشر آیتوں کو جمع کرنے اور ان پر غور کرنے سے جن میں قرآن نے خود اپنا تعارف کرایا ہے قرآن کی معرفت کا ایک نیا راستہ کھلتا ہے۔ (اس کے بعد علامہ ندوی نے اس کے ذیل میں مختلف آیات اور ان کی تشریح نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) قرآن قطعی اور غیر مشتبہ علم ہے۔ یہ قرآن کی سب سے بڑی اور معجزانہ اور فوق البشریت خصوصیت ہے کہ اس کا علم قطعی اور یقینی ہے۔ قرآن کی اس خصوصیت میں کوئی انسانی کلام اور کوئی انسانی کتاب قرآن کے نہ شریک ہے اور نہ ہی شریک ہو سکتی ہے کیونکہ قرآن کا سرچشمہ اور ماخذ "علم الٰہی" اور اس کے نزول کا ذریعہ "وحی الٰہی" ہے۔ اس کا علم پورے طور پر حاوی اور محیط ہے۔ اس کے یہاں غلطی اور نسیان کا گزر نہیں۔ اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ خارج نہیں۔ یہ کتاب خدا کی خصوصیات کی حامل اور ان کا مظہر ہے۔ اس میں تعارض و اختلاف نہیں۔ اس میں کسی کی مداخلت کا امکان نہیں۔ یہ پورے طور پر مامون اور محفوظ ہے۔

(۲) قرآن محکم اور مفصل ہے۔ دین کے اصول و کلیات میں اور اس علم میں جو انسان کی نجات اخروی اور فلاح و ترقی کے لئے ضروری ہے وہ نہایت واضح و متعین اور غیر محتمل اور مفصل ہے۔

(۳) قرآن "فرقان" (فرق اور تمیز) ہے یہ اس کی ایسی امتیازی صفت ہے کہ جو اس کے نام کی قائم مقام ہوگئی ہے۔ کہ یہ ہدایت و گمراہی میں ایمان اور کفر میں اسلام اور جاہلیت میں خدا کی رضا اور عدم رضا میں یقین و ظن میں حلال اور حرام میں قیامت تک کے لئے ایسا فصل اور امتیاز پیدا کرنے والی کتاب ہے کہ جس کی نظیر سے مذہبی تعلیمات اور آسمانی صحیفوں کی تاریخ خالی ہے۔

(۴) قرآن کتب سابقہ کا مہیمن (نگران) اور مصدق ہے۔

(۵) قرآن سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا ہے اور تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔ قرآن مجید زندگی اور اس کے تمام شعبوں میں جو ہموار و مستقیم اور تمام بے اعتدالیوں سے پاک اور بے خطر راہیں ہیں کھولتا ہے۔

(۲) قرآن مجید وہ آئینہ ہے جس میں مختلف عقائد وخیالات اور اخلاق واعمال کے لوگ اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ (مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی ملخصاً از صفحہ ۱۰ تا ۳۰)

مولف تبیان خوبی کے اشعار کا مطلب بیان کرتے ہوئے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ (شعر میں مذکورہ لفظ) آیت سے مراد وہ معجزات ہیں کہ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کی تائید ونصرت فرمایا کرتے تھے۔ اور (لفظ) "انصرمت" سے مراد یہ ہے کہ وہ معجزات ان انبیاء کرام کے چلے جانے سے چلے جایا کرتے تھے اور ان کی وفات سے ختم ہو جایا کرتے تھے بعد میں ان کا کوئی وجود باقی نہ رہتا۔ (واللہ اعلم)

فضائل القرآن:

وقد وردت آثار كثيرة في فضائل القرآن وعلومه، منها ما هو متعلق بفضل التعلم والتعليم، ومنها ما هو متعلق بالقراءة والترتيل، ومنها ما له علاقة بحفظه وترجمته. كما وردت آيات عديدة في كتاب الله عز وجل تدعو المؤمنين الى تدبره وتطبيق احكامه، والى الاستماع والانصات عند تلاوته، نذكر بعض هذه الآيات الكريمة والأحاديث الشريفة.

الآيات الكريمة

أولاً: قال تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ﴾

ثانياً: وقال تعالى: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

ثالثاً: وقال تعالى: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾

الأحاديث الشريفة

أولاً: وقال ﷺ: "خيركم من تعلم القرآن وعلمه" رواه البخاري

ثانياً: وقال صلوات الله عليه: الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذي يقرأ القرآن ويتتعتع فيه (أي تتصعب قراءته عليه لعي لسانه) وهو عليه شاق له أجران رواه مسلم

ثالثاً: وقال أيضاً: أشراف أمتي حملة القرآن رواه الترمذي

رابعاً: وقال أيضاً: اقرءوا القرآن فإنه يأتي يوم القيامة شفيعاً لأصحابه رواه الترمذي

خامساً: وقال أيضاً: مثل المؤمن الذي يقرأ القرآن كمثل الأترجة ريحها طيب وطعمها طيب

سادساً: وقال أيضاً: إن هذا القرآن مأدبة الله، فتعلموا من مأدبته ما استطعتم متفق عليه

وينبغي للدارس لعلوم القرآن أن يتأدب بآداب القرآن، ويتخلق بأخلاقه، ويكون غرضه من وراء

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔" (تفسیر عثمانی)

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ۲۴)

"کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل۔" (تفسیر عثمانی)

(فضائل قرآن کے متعلق) احادیث شریفہ

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے کہ جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے۔" (رواہ البخاری) (ترجمہ از فضائل قرآن مولانا زکریا کاندھلوی)

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "قرآن کا ماہر ان ملائکہ کے ساتھ ہے (کہ) جو میر منشی ہیں اور نیک کار ہیں۔ اور جو شخص قرآن شریف کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے (یعنی اس کی زبان کے عاجز ہونے کی وجہ سے قرآن کی تلاوت اس پر مشکل ہے) اور اس میں دقت اٹھاتا ہے اس کو دوہرا اجر ہے۔" (رواہ مسلم) (ترجمہ از فضائل قرآن مولانا کاندھلوی)

(۳) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "میری امت کے شرفاء قرآن کے حاملین ہیں۔" (رواہ الترمذی)

(۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قرآن پڑھا کرو کیونکہ (یہ) قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کر آئے گا۔" (رواہ الترمذی)

(۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ۔" (رواہ البخاری و مسلم والنسائی وابن ماجہ) (ترجمہ از فضائل قرآن مولانا زکریا کاندھلوی)

(۶) نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے پس اس سے سیکھو جتنا تم سیکھ سکتے ہو۔" (متفق علیہ)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) قرآنی علوم کے پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک (کی تلاوت، تدبر، تعلیم وغیرہ) کے آداب کا لحاظ رکھے اور قرآنی اخلاق کو اپنائے اور اس (قرآنی) علم سے اس کی غرض اللہ تعالیٰ کی رضا اور دار آخرت ہو نا کہ دنیاوی ساز و سامان اور جو شخص قرآن سیکھتا ہے اس پر عمل کرتا ہو تاکہ (یہ) قرآن قیامت کے دن اس کے لئے حجت (و برہان) ہو، تحقیق کہ صحیح حدیث شریف میں آتا ہے کہ "یہ قرآن (یا تو) تیرے لئے حجت ہے یا تیرے خلاف حجت ہے۔" (اس کی تفصیل کے لئے تفسیر قرطبی کی پہلی جلد دیکھئے) شیخ الاسلام (علامہ) ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "جس نے قرآن نہیں پڑھا تحقیق اس نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ اور جس نے قرآن پڑھا اور اس کے معانی میں تدبر نہیں کیا (تو) اس نے (بھی) قرآن کو چھوڑ دیا۔ اور جس نے قرآن پڑھا اور اس کے معانی میں تدبر کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اس نے بھی قرآن کو چھوڑ دیا۔"

علامہ ابن تیمیہ اس سے قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ (الفرقان: ۳۰)

"اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک" (تفسیر عثمانی)

توضیح

قرآن کریم کی فضیلت اور عظمت کو بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ ارشاد فرماتے ہیں "قرآن کریم اس جہان میں وہ نعمت ہے کہ سارا جہاں آسمان و زمین اور ان میں پیدا ہونے والی مخلوقات اس کا بدل نہیں بن سکتیں۔ انسان کی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی اپنے مقدور بھر قرآن کریم میں اشتغال اور اس کو حاصل کرنا ہے اور سب سے بڑی شقاوت اور بدنصیبی اس سے اعراض اور اس کو چھوڑنا ہے اس لئے ہر مسلمان کو اس کی فکر فرض ہے اور ضروری ہے کہ قرآن کریم صحت لفظی کیساتھ پڑھنے اور اولاد کو پڑھانے کی کوشش کرے۔ اور پھر جس قدر ممکن ہو اس کے معانی اور احکام کو سمجھیں اور اس پر عمل کرنے کی فکر میں لگا رہے اور اس کو اپنی پوری عمر کا وظیفہ بنائے اور اپنے حوصلے اور ہمت کے مطابق اس کا جو حصہ بھی نصیب ہو جائے اس کو اس جہان کی سب سے بڑی نعمت سمجھے۔" (معارف القرآن بلفظہ جلد ۸ صفحہ ۵۹)

سید فضل الرحمن لکھتے ہیں "قرآن کریم کی عظمت اور فضیلت کو سمجھنے کے لئے یہ آیت مبارکہ ہی کافی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

(یونس: ۵۷)

"اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص پیغام نصیحت آ گیا جو ان تمام بیماریوں کے لئے جو دلوں میں ہوں شفا اور عافیت کا سامان ہے اور مومنوں کے لئے (باعث) ہدایت و رحمت ہے۔"

اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام (قرآن) لوگوں کے لئے پیغام نصیحت ہے ظاہری و باطنی امراض و عیوب کے لئے شفا، عافیت کا ذریعہ اور ہدایت اور رحمت کا خزانہ ہے ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی نعمت ہوگی۔" (احسن البیان بلفظہ جلد ۱ صفحہ ۳۱)

قرآن کریم کا سمجھنا سکھانا، پڑھنا پڑھانا، یاد کرنا کرانا، سننا سنانا غرض قرآن کے متعلق ہر ایک کام باعث خیر ہے اور موجب نجات بھی ہے۔ حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ نے ایک مستقل رسالہ فضائل قرآن کے متعلق تصنیف فرمایا ہے طالبان علوم قرآن کے لئے اس کا مطالعہ اور دیکھنا نہایت مفید ہے۔ حامل قرآن اور صاحب قرآن اہم ترین الفاظ ہیں۔ جن سے مراد حافظ قرآن مراد ہے ملا علی قاری نے اس کو بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر عزیزی میں ترتیل قرآن کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے "ترتیل لغت میں صاف اور واضح طور سے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اور شریعت شریف میں کئی چیزوں کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنے کو کہتے ہیں۔ اول حروف کو صحیح نکالنا یعنی اپنے مخرج سے پڑھنا تاکہ طاء کی جگہ تا اور ضاد کی جگہ ظاء نہ نکلے دوسرے وقوف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا تاکہ وصل اور قطع کلام کا بے محل نہ ہو جائے۔ تیسرے حرکتوں میں اشباع کرنا یعنی زیر زبر پیش کو اچھی طرح سے ظاہر کرنا

چوتھے آواز کو تھوڑا سا بلند کرنا تاکہ کلام پاک کے الفاظ زبان سے نکل کر کانوں تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔ پانچویں آواز کو اس طرح سے درست کرنا کہ اس میں درد پیدا ہو جائے اور دل پر جلدی اثر کرے کیونکہ درد والی آواز دل پر جلد اثر کرتی ہے اور اس سے روح کو قوت و تاثر زیادہ ہوتا ہے۔ چھٹے تشدید اور مد کو اچھی طرح سے ظاہر کیا جائے کہ اس کے اظہار سے کلام پاک میں عظمت ظاہر ہوتی ہے اور تاثیر میں اعانت ہوتی ہے۔ ساتویں آیات رحمت وعذاب کا حق ادا کرے۔ یہ سات چیزیں ہیں کہ جن کی رعایت ترتیل کہلاتی ہے۔ (تفسیر عزیزی ملخصا بحوالہ فضائل قرآن صفحہ ۲۳)

مولف کتاب نے قرآن کی تعلیم وتعلم میں آداب کی رعایت کو لازمی کہا ہے۔ حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "(قرآن پاک) احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ سلطان السلاطین کا فرمان ہے سطوت وجبروت والے بادشاہ کا قانون ہے کہ جس کی ہمسری کسی بڑے سے بڑے سے ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ حضرت شیخ نے آداب تلاوت میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "بندہ قرآن نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ بندہ بن کر آقا و مالک محسن و منعم کا کلام پڑھ رہا ہے۔" (فضائل قرآن ملخصا صفحہ ۹)

سید فضل الرحمن صاحب لکھتے ہیں "(آداب تلاوت میں سے یہ ہے کہ) قرآن کریم کی قراءت وتلاوت کثرت سے کرنا مستحب ہے اور قرآن کریم کا (یاد کر کے) بھول جانا گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے کہ یہ ذکروں میں افضل ترین ذکر ہے اور قرآن کی تعظیم اور منہ کی صفائی کے خیال سے مسواک کرنا مسنون ہے پاک وصاف جگہ پر تلاوت کرنا مسنون ہے۔ قراءت کے وقت قبلہ رو ہو کر خشوع وخضوع کے ساتھ باادب اور جم کر بیٹھنا مسنون ہے۔ قراءت کے آغاز سے پہلے تعوذ پڑھنا ضروری ہے۔ سورۂ براءت کے سوا ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔ تلاوت میں ترتیل مسنون ہے کہ اللہ خود فرماتا ہے کہ "اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو" تلاوت قرآن کے وقت اس کے مطالب ومعانی پر غور کرنا مسنون ہے۔ تلاوت میں خوش آوازی اور ادب ولحاظ کی رعایت مسنون ہے۔ قرآن پڑھتے وقت رونا مستحب ہے۔ اور جس کو رونا نہ آئے اس کو رونے کی صورت بنا لینی چاہیے۔ قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرنا زبانی تلاوت کرنے سے افضل ہے کیونکہ قرآن کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ کسی سے بات کرنے کے لئے تلاوت روکنا، تلاوت کے دوران ہنسنا، کپڑے یا کسی چیز سے کھیلنا یا کسی ایسی چیز کی طرف دیکھنا کہ جو تلاوت سے توجہ ہٹا دے یہ سب امور مکروہ ہیں۔ تلاوت قرآن کا سننا اور اس وقت شور وغل کا ترک کر دینا ضروری ہے۔ اور ختم قرآن کے بعد دعا مانگنا سنت ہے۔ (احسن البیان ملخصا از صفحہ ۳۴-۳۵ ج۱)

صاحب طرز ادیب ومفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ اپنے خاص انداز میں ان صفات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو قرآن کے فہم واستفادہ کے لئے (ضروری اور) معاون ہیں وہ فرماتے ہیں

(۱) "قرآن سے مستفیض ہونے کی پہلی شرط طلب ہے۔ جس کے دل میں اس کی طلب نہیں اس کے لئے قرآن کیا سود مند ہو سکتا ہے۔ کہ دین میں استغنا وبے نیازی محرومی وبدبختی کی نشانی ہے جن لوگوں میں دین کی طلب نہیں اور دین کی صدا میں ان کے لئے کوئی کشش باقی نہیں رہی ان کے لئے (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے۔"

"کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اگرچہ وہ بے عقل ہوں۔" (یونس ع ۵)

"کیا آپ ہدایت دے سکتے ہیں گمراہوں کو اگر چہ وہ دیکھتے نہ ہوں۔" (یونس: ع-۵)

(۲) دوسری شرط استماع واتباع ہے کہ قرآن بہرحال ایک (آسمانی) صحیفہ اور ایک تفہیم ہے جو اس سے متمتع ہونے کا پہلا ذریعہ یہی ہے کہ اس کو غور سے سنیئے۔ جو سرے سے کان لگا کر سنتا ہی نہیں وہ اس کے بعد کے مراحل کیا طے کرے گا۔ لیکن صرف غور سے سن لینا ہی کافی نہیں۔ جو حصہ عمل کے قابل ہو اس پر عمل کرنا ضروری ہے علم بلا عمل ایک دماغی تعیش ہے اس لئے استماع کے بعد (قرآن میں) اتباع کا (بھی) ذکر ہے۔

(۳) قرآن کی بنیاد ہی خدا کے خیال اور اس کے خوف پر ہے۔ جس کا دل بالکل خدا کے خوف سے خالی ہے اور جس کے لئے خدا کے نام میں کوئی اثر اور کشش نہیں۔ اس میں درحقیقت دین کا مادہ نہیں۔

(۴) ایمان بالغیب کہ دین کا ایک بہت بڑا اور اہم حصہ وہ ہے کہ جو انسان کے حواس خمسہ اور اس کی عقل کی حدود سے باہر ہے یہ دین کے وہ بہت سے حقائق ہیں کہ جن کا ادراک وہ اپنے ظاہری حواس سے نہیں کر سکتا اس میں عقل کام نہیں دیتی۔ اس لئے کہ عقل کا کام صرف یہ ہے کہ وہ محسوسات اور معلومات اور تجربات کے ذریعہ غیر محسوس اور غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرے۔ جن چیزوں کا علم حواس اور تجربات کے ذریعہ ممکن ہی نہ ہو وہاں عقل کیا کام دے سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات وحی فرشتے آخرت جنت اور دوزخ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو خلاف عقل نہیں لیکن وراء عقل ضرور ہیں۔ یہ سب غیب میں شامل ہیں۔ جس کے لئے انبیاء پر اعتبار کرنا اور جو کچھ وہ کہیں اس کو قبول کرنا ہی ایمان بالغیب ہے۔

(۵) تدبر کہ قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لئے تدبر بھی شرط ہے کہ قرآن میں جا بجا اس کی ترغیب ہے۔

(۶) مجاہدہ کہ قرآن کے فہم اور تدبر میں اور اس پر عمل کرنے میں (کسی درجہ کا) مجاہدہ اور مشقت بھی ضروری اور مفید ہے کہ محض ذہانت اور علم کی بنا پر اس کتاب کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا منشا معلوم کرنے کے لئے اس کی رضا پر آنا ضروری ہے۔ جب انسان قرآن کے لئے تکلیف اٹھاتا ہے طہارت اخلاق اور تزکیہ نفس سے کام لیتا ہے تو اللہ کی رحمت بھی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور اللہ اپنی کتاب کے لئے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور اس کو فہم عطا کرتا ہے۔

(۷) قرآن مجید سے استفادہ اس سے ہدایت و فیض حاصل کرنے اور روح و قلب کو اس سے جلا دینے میں اس حقیقت کا ملحوظ رہنا بھی ضروری اور مفید ہے کہ یہ محض معلومات کا کوئی دفتر یا ضوابط و قوانین کا کوئی مجموعہ نہیں ہے کہ جس کو کسی بھی طرح پڑھ لیا جائے وہ احکم الحاکمین اور سلطان السلاطین کا کلام ہے جو جمال و کمال اور صفات و کمال کی تمام صفتوں سے متصف ہے۔ (مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی ملخصاً از صفحہ ۱۶ تا ۶۵)

مؤلف کتاب نے علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے قرآن کی تلاوت یا اس میں تدبر یا اس پر عمل کرنے کو ترک کرنے کو ہجران قرآن پر محمول کیا ہے اور بتلایا ہے کہ علامہؒ نے اس کا استدلال سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۳۰ سے کیا ہے۔ علامہ شبیر احمد

عثمانیؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں

"یعنی آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قراءت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔" (تفسیر عثمانی صفحہ ۴۸۳-۴۸۴)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اس آیت کے ذیل میں رقم فرماتے ہیں۔

"وقد استدل بالآية اي قوله تعالى: اتخذوا هذا القرآن على كراهة عدم تعاهد المصحف بالقراءة فيه لانه نوع من الهجر المذموم في الآية (احکام القرآن جلد ۸ صفحہ ۳۷)

اسماء القرآن

للقرآن الكريم أسماء عديدة كلها تدل على رفعة شأنه وعلو مكانته وعلى أنه أشرف كتاب سماوي على الإطلاق فيسمى (القرآن) و(الفرقان) و(التنزيل) و(الذكر) و(الكتاب) الخ كما وصفه الله تبارك وتعالى بأوصاف جليلة عديدة منها (نور) و(هدى) و(رحمة) و(شفاء) (موعظة) و(عزيز) و(مبارك) و(بشير) و(نذير) الى غير ذلك من الأوصاف التي تشعر بعظمته وقدسيته.

وجه التسمية

(أ) أما تسميته (بالقرآن) فقد جاء في آيات كثيرة منها قوله تعالى ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ وقوله تعالى ﴿إن هذا القرآن يهدي للتي هي أقوم﴾

(ب) وأما تسميته (بالفرقان) فقد جاء في قوله تعالى ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝﴾ (الفرقان: ۱)

(ج) وأما تسميته (بالتنزيل) ففي قوله تعالى ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝﴾ (الشعراء: ۱۹۲-۱۹۳)

(د) وأما تسميته (بالذكر) ففي قوله تعالى ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ (الحجر: ۹)

(هـ) وأما تسميته (بالكتاب) ففي قوله تعالى ﴿حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾

وأما الأوصاف فقد وردت فيها آيات عديدة وقلما تخلو سورة من سور القرآن من وصف رائع مجيد لهذا الكتاب الذي أنزله رب العزة ليكون معجزة خالدة لخاتم الأنبياء نذكر منها

اولاً: قولہ تعالیٰ ﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَیْكُمْ نُورًا مُّبِینًا﴾

ثانیاً: وقولہ تعالیٰ: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِینَ وَلَا یَزِیدُ الظَّالِمِینَ إِلَّا خَسَارًا﴾

ثالثاً: وقولہ تعالیٰ ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِینَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ...﴾

رابعاً: وقولہ تعالیٰ ﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِینَ﴾

والقرآن کالقراءۃ مصدر قرأ قراءۃ وقرآناً ھکذا یری بعض العلماء ویستدلون بقولہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ ای قراء تہ فالقرآن علی ھذا الرأی مشتقاً ویری بعض العلماء انہ لیس مشتقاً من قرأ وانما ھو (اسم علم) لھذا الکتاب المجید فھو مثل (التوراۃ) ومثل اسم (الانجیل) وھذا رأی الامام الشافعی رحمہ اللہ' انظر کتاب (مباحث القرآن للأستاذ مناع القطان)

لغات: عـدیدۃ: چند کئی۔ رفعت: بلندی مرتبہ۔ نور: روشنی۔ ھدی: ھدایت۔ قدسیت: ہر نقص وعیب سے پاک ہونا۔

قرآن کے نام:

ترجمہ: ''(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) قرآن کریم کے بہت سارے نام ہیں وہ سب کے سب قرآن پاک کی رفعت شان اور علو مرتبت پر دلالت کرتے ہیں اور اس بات پر بھی (دلالت کرتے ہیں) کہ یہ علی الاطلاق سب سے زیادہ شرف (وفضیلت) والی آسمانی کتاب ہے اسکا نام قرآن' فرقان' تنزیل' ذکر اور الکتاب (بھی) رکھا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (اس کتاب کو) بہت ساری صفات جلیلہ (اور اوصاف حمیدہ) کے ساتھ متصف فرمایا ہے ان میں چند صفات (یہ ہیں جیسے مثلاً) نور' ھدی' رحمت' شفاء' موعظہ' عزیز' مبارک' بشیر' نذیر (اور اس کے علاوہ اسکی بہت سی) وہ صفات ہیں کہ جو اس کی عظمت اور قدسیت کو بتلاتی ہیں۔

توضیح

سید فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں اپنے عظیم و برتر اور بلند کلام کے متعدد نام تجویز فرمائے ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں۔

(۱) القرآن (۲) الکتاب (۳) الفرقان

علامہ شیخ ابوالمعالی کے مطابق قرآن کریم کے پچپن ۵۵ نام خود قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ بعض دوسرے حضرات نے

قرآن کریم کے ناموں کی تعداد نوے بتائی ہے۔ قرآن کریم کے جملہ ناموں میں سے قرآن سب سے زیادہ مشہور اور عام ہے۔ سورۂ حجر ۸۷، سورۂ واقعہ ۷۷ اور سورۂ بروج ۲۱ میں قرآن کے لفظ کے ساتھ اس کتاب کو یاد کیا گیا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں کہ جن میں علوم الٰہیہ کی اس جامع اور آخری کتاب کا یہی مبارک نام ذکر کیا گیا ہے۔ (مناہل العرفان ص ۲۱)

جاحظ کہتے ہیں کہ اہل عرب اپنے کلام کے جو نام رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے حصوں کے نام ان کے مروجہ ناموں سے الگ رکھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا نام قرآن رکھا۔ یہ ایسا نرالا اور بے مثال ہے کہ نہ تو کسی عرب نے اپنے مجموعہ کلام کا یہ نام رکھا اور نہ دنیا میں کسی اور کتاب کا یہ نام رکھا گیا جیسے نرالا اور بے مثل یہ کلام ہے اللہ تعالیٰ نے ویسی ہی اس کتاب کا بے مثل (اور منفرد) نام مقرر فرمایا۔ اہل عرب اپنے مجموعہ کلام کو دیوان کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا نام قرآن رکھا۔ اہل عرب اپنے کلام کے حصوں کو قصیدہ کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے حصوں کا نام سورت مقرر فرمایا۔ اہل عرب اپنے کلام کے چھوٹے سے چھوٹے جملے کو بیت کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے چھوٹے سے چھوٹے جملے کا نام آیت رکھا۔
(احسن البیان ملخصاً صفحہ ۱۹-۲۱ جلد ۱)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ "علامہ ابوالمعالی نے قرآن کریم کے پچپن نام شمار کئے ہیں ❶ اور بعض حضرات نے اس کی تعداد نوے سے بھی زائد بتائی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی صفات مثلاً "مجید" "کریم" "حکیم" وغیرہ کو نام قرار دے کر تعداد اس حد تک پہنچائی ہے۔ درحقیقت قرآن کریم کے نام کل پانچ ہیں۔ القرآن، الفرقان، الذکر، الکتاب، التنزیل ❷ خود قرآن کریم نے اپنے لئے یہ پانچوں الفاظ اسم علم کے طور پر ذکر فرمائے ہیں۔ (الفرقان کے لئے دیکھئے سورۂ آل عمران آیت نمبر ۴ اور الذکر کے لئے آل عمران ۵۸، حجر ۹ اور ص ۸ وغیرہ اور الکتاب کے لئے بقرہ ۲، نحل ۸۹، کہف ۱ وغیرہ۔ اور التنزیل کے لئے یٰسین ۵، واقعہ ۸۰ اور الحاقہ ۴۳ وغیرہ کو دیکھئے)

ان میں سب سے زیادہ مشہور نام "قرآن" ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے کم از کم ۶۱ مقامات پر اپنے کلام کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔ ❸

لغات: الفرقان: حجت، برہان، دلیل، تاکہ حق و باطل جدا کر دیا جائے۔ رائع: شاندار، تعجب خیز، پسندیدہ۔

ترجمہ: اسمِ تسمیہ

(الف) مصنف کتاب بیان فرماتے ہیں کہ رہا قرآن کا نام "قرآن" رکھا جانا تو (یہ اس لئے) کہ قرآن بہت ساری آیات میں آیا ہے ان میں سے ایک (جیسے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ (ق: ۱)

---

❶ دیکھئے البرہان فی علوم القرآن صفحہ ۲۷۳ جلد ۱ مطبوعہ عیسیٰ البابی ۱۳۷۶ ہجری۔

❷ الزرقانی: مناہل العرفان صفحہ ۷ جلد اول مطبوعہ عیسیٰ البابی الحلبی ۱۳۷۲ ہجری۔

❸ فتح الرحمن لطالب آیات القرآن صفحہ ۳۴۸ تا ۳۵۰ مطبوعہ بیروت ۱۳۲۳ ہجری۔

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ (الاسراء: ۸۲)

"اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے واسطے اور گنہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ (فصلت: ۴۴)

"تو کہہ یہ ایمان والوں کے لئے سوجھ ہے اور روگ کا دور کرنے والا۔" (تفسیر عثمانی)

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(یونس: ۵۷)

"اے لوگو تمہارے پاس آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفا دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے واسطے۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ) قرآن (لغتاً) قراءت کی طرح قَرَأَ يَقْرَأُ قِرَاءَةً وَقُرْاٰنًا کا مصدر ہے۔ بعض علماء کی یہی رائے ہے اور یہ علماء کرام (اپنے اس دعویٰ کی) اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل پکڑتے ہیں۔

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ (القیامۃ: ۱۷، ۱۸)

"وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیرے سینے میں اور پڑھنا تیری زبان سے۔ پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب "قرآنہ" کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) یعنی "قراءتہ" یعنی قرآن اس رائے کی بناء پر (اسم) مشتق ہوگا (یا کہ مشتق منہ یعنی مصدر) اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ (لفظ) قرآن "قرأ" سے مشتق نہیں (بلکہ) جز ایں نیست کہ یہ تو اس کتاب مجید کا "اسم علم" ہے تو (اس رائے کی بناء پر) یہ (لفظ قرآن) تورات (کے نام) کی طرح اور انجیل کے نام کی طرح (ایک نام) ہوگا۔ یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے (مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) اس (کی مزید تفصیل) کے لئے الاستاذ مناع القطان کی کتاب "مباحث القرآن" دیکھیں

توضیح

علامہ تقی عثمانی فرماتے ہیں "قرآن" دراصل قرأ یقرأ سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہیں "جمع کرنا" پھر یہ لفظ پڑھنے کے معنی میں اس لئے استعمال ہونے لگا کہ اس میں حروف اور کلمات کو جمع کیا جاتا ہے۔ ❶ قرأ یقرأ کا مصدر قراءۃ کے علاوہ "قرآن" بھی آتا ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

---

❶ الراغب الاصفہانی "المفردات فی غریب القرآن" صفحہ ۴۰۲ طبع المطبع کراچی ۱۳۸۰ ہجری۔

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ (القیامۃ: ۱۷)

"بلاشبہ اس (کتاب) کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔"

پھر عربی زبان میں کبھی کبھی مصدر کو اسم مفعول (Past Participal) کے معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے کلام اللہ کو "قرآن" اسی معنی میں کہا جاتا ہے یعنی "پڑھی ہوئی کتاب" ❶

قرآن کی بہت سی وجوہ تسمیہ بیان کی گئیں ہیں زیادہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا یہ نام کفار عرب کی تردید میں رکھا گیا ہے جو کہا کرتے تھے۔

﴿لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ﴾ (حم السجدۃ: ۲٦)

"تم اس قرآن کو نہ سنو اور اس کی تلاوت کے دوران لغو باتیں کیا کرو۔"

ان کفار کے علی الرغم "قرآن" نام رکھ کر اشارہ فرما دیا گیا کہ قرآن کریم کی دعوت کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے دبایا نہیں جا سکتا۔ یہ کتاب پڑھنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی۔ چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ (علوم القرآن ملتقطا صفحہ ۲۴-۲۵)

سید فضل الرحمن صاحب اس مقام پر یوں رقم طراز ہیں "اس لفظ کے بارے میں آئمہ مفسرین اور ماہرین لغت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم علم غیر مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے لئے مخصوص ہے اس لئے یہ مہموز نہیں ہے۔

امام شافعی اور بعض دوسرے آئمہ لغت و مفسرین فرماتے ہیں "یہ نہ تو مہموز ہے اور نہ ہی قراۃ سے ماخوذ ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا نام ہے کہ جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ جیسے توریت اور انجیل ان کتابوں کے نام ہیں کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں۔

فراء کہتے ہیں کہ یہ قرائن سے مشتق ہے کیونکہ اس کی بعض آیتیں بعض دوسری آیتوں کی تصدیق کرتی ہیں۔ اور کچھ آیتیں دوسری آیتوں کے ساتھ مشابہ ہیں۔ انہی باتوں کا نام قرائن (قرینے) ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ نام قرن سے ماخوذ ہے جس کے معنی جمع کے آتے ہیں۔ جیسے قرنت الشی بالشی میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جمع کیا۔ اس لحاظ سے اس کو قرآن اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں سورتیں، آیتیں، کلمات اور حروف ایک خاص انداز کے ساتھ جمع ہیں۔ اس اعتبار سے بھی یہ غیر مہموز ہی پڑھا جائے گا۔

اس کے برعکس جو لوگ لفظ قرآن کو مہموز پڑھتے ہیں ان میں بھی باہم اختلاف ہے۔

لحیانی کہتے ہیں کہ جس طرح رجحان اور غفران مصدر ہیں اسی طرح قرآن بھی قراءت کا مصدر ہے اور یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے اکثر آئمہ اور فقہاء کے نزدیک یہی اولیٰ ہے۔ قرآن کریم میں بھی لفظ قرآن "قراءت" کے معنی میں استعمال

● اس لفظ کے اشتقاق میں اور بھی کئی قول ہیں لیکن وہ تکلف سے خالی نہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اتقان صفحہ ۵۴ جلد ۱ اور مناہل العرفان صفحہ ۷ جلد ۱۔

ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ (القیامہ ۱۸)

"پس جب ہم (اپنے فرشتے کے ذریعہ) اس کو پڑھیں تو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کی اتباع پیروی کریں"

بحی معنوی اعتبار سے یہی بجز معلوم ہوتا ہے کہ لفظ قرآن کو قرء (پڑھنا اور تلاوت کرنا) سے ماخوذ قرار دیا جائے۔ لہذا کتاب اللہ کو قرآن کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ حقیقت میں پڑھنے کے لائق کتاب تو قرآن ہی ہے۔ (آگے مولانا فضل الرحمن صاحب زجاج اور ابو عبیدہ کا مذہب نقل کرنے کے بعد علامہ راغب اصفہانی کا مذہب ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں) "ہر ایک جمع کردہ شئے کو یا ہر کلام کے مجموعے کو ہرگز قرآن نہیں کہا جائے گا بلکہ کلام اللہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس نے سابقہ زمانے میں اترنے شدہ سماوی کتابوں کے جملہ علوم ومعانی کے تمام ثمرات (نتائج) جمع کر لئے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱۲:۱۱۱)

"اس (قرآن) میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔"

﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱۶:۸۹)

"(اس قرآن میں) ہر چیز کی پوری وضاحت ہے۔"

اور قرآن حقیقت میں کفران اور رجحان کی طرح مصدر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ (القیامہ: ۱۷ - ۱۸)

"بلا شبہ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو اس کے بعد آپ پڑھیں۔"

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (کتاب اللہ کا) یہ نام (قرآن) رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے اندر تمام قسم کے علوم جمع کر لئے ہیں۔ (المفردات ۴۰۲)

بعض دوسرے اہل لغت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کتاب پڑھنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ (احسن البیان ملخصاً صفحہ ۲۱ تا ۲۳ جلد ۱)

متی ابتدأ نزول القرآن:

كان بدء نزول القرآن الكريم في السابع عشر من رمضان لأربعين سنة خلت من حياة النبي الأمي محمد عليه الصلاة والسلام فبينما كان رسول الله يتحنث (أي يتعبد) في غار حراء إذ نزل عليه الوحي (جبريل الأمين) بآيات الذكر الحكيم فضمه الى صدره ثم أطلقه فعل ذلك به ثلاث

مرات - وهو يقول له في كل مرة (اقرأ) والرسول الكريم يجيبه (ما أنا بقارىء) أي لست أعرف القراءة، وفي المرة الثالثة قال له: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○﴾ (العلق: ١ - ٥)

فكان ذلك بدء نزول الوحي، وبدء نزول القرآن، ولقد سبق نزول بعض الإرهاصات (أي الإشارات والدلائل) التي تدل على قرب الوحي وتحقق النبوة للرسول الكريم، ومن هذه الدلائل (الرؤيا الصادقة) في النوم، فكان صلوات الله عليه لا يرى رؤيا إلا وقعت كما رآها في منامه، ومنها (حبه للعزلة والخلوة) فكان يخلو بغار حراء يتعبد ربه فيه.

رواية البخاري:

ولقد أخرج البخاري في صحيحه في باب (بدء الوحي) ما يشير إلى هذا، وإلى كيفية نزول القرآن، حيث روى بسنده عن عائشة أم المؤمنين أنها قالت:

أول ما بدىء به رسول الله من الوحي الرؤيا الصالحة في النوم، فكان لا يرى رؤيا إلا جاءت مثل فلق الصبح، ثم حبب إليه الخلاء، وكان يخلو (بغار حراء) فيتحنث فيه (وهو التعبد) الليالي ذوات العدد، قبل أن ينزع إلى أهله، ويتزود لذلك، ثم يرجع إلى خديجة فيتزود لمثلها حتى جاءه الحق وهو في غار حراء، فجاءه الملك فقال: اقرأ قال: ما أنا بقارىء، قال: فأخذني فغطني حتى بلغ مني الجهد ثم أرسلني، فقال: اقرأ فقلت: ما أنا بقارىء، فأخذني فغطني الثالثة ثم أرسلني فقال: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ....﴾ الآيات فرجع بها رسول الله يرجف فؤاده.

ونزول القرآن في شهر رمضان فيه نص صريح واضح في كتاب الله عز وجل حيث يقول عز من قائل: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرة: ١٨٥) وأما كون الملك الذي نزل به هو (جبريل) عليه السلام فقد ثبت أيضاً بنص صريح في القرآن وهو قوله تعالى:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ○ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ○﴾ (الشعراء: ١٩٣ - ١٩٥)

وقوله تعالى: ﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ○ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾ (النحل: ١٠٢ - ١٠٣)

والمراد بالروح الأمين أو روح القدس إنما هو (جبريل) عليه السلام باتفاق المفسرين فهو

دعوائے نبوت سے پہلے بلکہ نبی کی ولادت سے بھی پہلے حق تعالیٰ بسا اوقات دنیا میں ایسے واقعات اور نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں کہ جو خرق عادت ہونے میں مثل معجزہ کے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی نشانیوں کو محدثین کی اصطلاح میں "ارہاص" کہا جاتا ہے کیونکہ ارہاص تاسیس و تمہید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، رہص سنگ بنیاد کو کہتے ہیں (قاموس) انبیاء کرام کی دنیا میں تشریف آوری یا ان کے دعوائے نبوت سے قبل حق تعالیٰ کچھ ایسی نشانیاں ظاہر فرماتے ہیں جو معجزات کی قسم سے ہوتی ہیں وہ ایسی نشانیاں چونکہ ان کے دعوائے نبوت کے اثبات کا مقدمہ اور اس قسم کی تاسیس و تمہید ہوتی ہے اس لئے ان کو ارہاص کہا جاتا ہے (معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۸۱)

مولانا ادریس کاندھلوی فرماتے ہیں۔ "نبوت و رسالت کی عظمت رسول کی شان آنے والی نشانی کو شریعت کی اصطلاح میں ارہاص کہتے ہیں (معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۳۰ و تفسیر کبیر)

علامہ عبدالحق حقانی لکھتے ہیں "جو نبی سے قبل نبوت صادر ہوں ان کو ارہاص کہتے ہیں۔ تفسیر حقانی "مقدمہ" صفحہ ۱۰ جلد ۱

وحی

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں "وحی" اور "ایحاء" عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ اور لغت میں ان کے معنی ہیں "جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا" خواہ یہ اشارہ رمز و کنایہ استعمال کر کے کیا جائے۔ خواہ کوئی بے معنی آواز نکال کر خواہ کسی عضو کو حرکت دے کر یا تحریر و نقوش استعمال کر کے ہر صورت میں لغۃً ان پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشارے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے۔ اس لئے لفظ وحی اور ایحاء "دل میں بات ڈال دینے" کے معنی میں بھی آتے ہیں۔ حتیٰ کہ شیاطین دوسروں میں جو وسوسے ڈالتے ہیں ان کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ (الانعام: ۱۱۲)

"اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے ایک نہ ایک دشمن ضرور پیدا کیا ہے جن و انس کے شیاطین (میں سے جو) ایک دوسرے کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

کسی غیر نبی کے دل میں جو بات منجانب اللہ کی طرف سے ڈال دی جاتی ہے اس کو بھی وحی کہتے ہیں۔ لیکن یہ سب اس لفظ کے لغوی مفہوم ہیں شرعی اصطلاح میں "وحی" کی تعریف یہ ہے۔

كلام الله المنزل على نبي من الانبياء.

"اللہ تعالیٰ کا وہ کلام کہ جو اس نے کسی نبی پر نازل ہو۔" (علوم القرآن ملخصاً صفحہ ۲۸-۲۹)

سید فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں "لغت میں وحی کے معنی ہیں دوسرے پر پوشیدہ طور پر کچھ کہنا، جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا، دل میں کوئی بات ڈالنا، الہام کرنا۔ شرع کے اعتبار سے وحی اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام اور القاء ہے جو نبی کی طرف بلاواسطہ یا

دیتی ہے اور بعض اوقات یہ کسی انسان کی شکل میں بھی آ جاتا ہے اور شاذ و نادر اپنی اصلی شکل میں بھی آ تا ہے۔ (علوم القرآن ملخصاً صفحہ ۳۱-۳۴)

سید فضل الرحمٰن صاحب وحی کی اقسام یوں بیان فرماتے ہیں:

وحی قلبی

کہ فرشتہ اور حواس اور قوت سامعہ اور آواز کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ براہ راست کوئی بات دل میں ڈال دیتا ہے۔

تکلم ربانی

کہ فرشتہ کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ براہ راست نبی سے ہم کلام ہوتا ہے۔

وحی ملکی

کہ فرشتہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنا پیغام نبی کو بھیجتا ہے (احسن البیان صفحہ ۷۱ جلد ۱ تفسیر کبیر)

حضور ﷺ پر وحی کے طریقے

علامہ تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مختلف طریقوں سے وحی نازل کی جاتی تھی صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے آنحضرتؐ سے پوچھا۔ کہ آپؐ پر وحی کس طرح آتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ آواز نے کہا ہوتا ہے وہ مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی شکل میں آ جاتا ہے۔"

اس حدیث سے آنحضرتؐ پر وحی کے دو طریقے معلوم ہوئے۔

(۱) صلصلۃ الجرس

یعنی گھنٹی بجنے جیسی آواز میں۔

(۲) تمثل ملک

یعنی فرشتہ کا کسی انسانی شکل میں آ کر آپؐ کو پیغام پہنچا جانا۔

عموماً اس صورت میں حضرت جبرائیل حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت دحیہ کلبیؓ کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا ہو کہ وہ اپنے وقت کے حسین ترین انسان تھے اتنے حسین کہ اپنے چہرے کو لپیٹ کر چلا کرتے تھے۔" ● البتہ کبھی کسی اجنبی انسان کی شکل میں بھی آیا کرتے تھے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کی حضرت عمرؓ والی مشہور روایت ہے۔ بہر حال وحی لانے والا فرشتہ حضرت جبرائیل ہی تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی تاریخ میں

● العینی۔ عمدۃ القاری صفحہ ۴۴ جلد ۱ استنبول ۱۳۰۸ ہجری۔

امام شعبی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابتدائے نبوت کے تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی لاتے رہے۔ ❶ لیکن ان کے ذریعہ قرآن نازل نہیں ہوا۔ قرآن تمام حضرت جبرائیل ہی لاتے رہے ہیں۔

(۳) فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا

کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کسی انسانی شکل کو اختیار کیے بغیر اپنی اصلی صورت میں آنا۔ لیکن ایسا آپ ؐ کی تمام عمر میں فقط تین مرتبہ ہوا۔ (۱) اس وقت کہ جب آپ ؐ نے خود ان کو اپنی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ (۲) معراج میں۔ (۳) ابتدائے نبوت کے زمانے میں۔

(۴) رویائے صادقہ

آپ ؐ کو نزول قرآن سے پہلے سچے خواب نظر آیا کرتے تھے۔ جو کچھ خواب میں دیکھتے بیداری میں ویسا ہی ہو جاتا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "آپ ؐ پر وحی کی ابتداء نیند کی حالت میں سچے خوابوں سے ہوئی۔ اس وقت آپ ؐ جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سچا نکلتا۔ ❷ اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ایک مرتبہ ایک منافق نے آپ ؐ پر سحر کر دیا تھا۔ اس سحر کی اطلاع اور اس کو دفع کرنے کا طریقہ بھی آپ ؐ کو خواب ہی میں بتلایا گیا۔" ❸

(۵) کلامِ الٰہی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ؐ کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ بیداری کی حالت میں تو معراج میں اور ایک مرتبہ خواب میں بھی اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔

(۶) نفث فی الروع

کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو کسی بھی شکل میں آئے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کسی بات کا ڈال دینا اور القاء فرما دینا۔ (علوم القرآن ملخصاً صفحہ ۳۲ تا ۳۹) طالبان علوم قرآن وحی کشف الہام وحی متلو غیر متلو وغیرہ کی تفصیل کے لئے علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کی "علوم القرآن" دیکھیں۔

سب سے پہلی وحی

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: قرآن کریم دراصل کلام الٰہی ہے اور یہ ازل سے لوح محفوظ میں موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ﴾ (البروج: ۲۲)

"بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں۔"

---

❶ الاتقان صفحہ ۴۶ جلد ۱ القسطلانی۔ ارشاد الساری صفحہ ۵۹ جلد ۱۔ ❷ صحیح بخاری صفحہ ۲ جلد ۱ حدیث نمبر ۳۔

❸ صحیح بخاری باب السحر کتاب الطب صفحہ ۸۵۸-۸۵۷ جلد ۲۔

پھر لوح محفوظ سے اس کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے۔ ایک مرتبہ یہ پورا کا پورا آسمان دنیا کے "بیت العزت" میں نازل کیا گیا اس کے بعد تیئس سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا۔ قرآن میں دو لفظ انزال اور تنزیل استعمال ہوئے ہیں۔ انزال یعنی تھوڑا تھوڑا نازل کرنا اور تنزیل یعنی یکبارگی نازل کرنا۔ انزال کا لفظ جہاں بھی قرآن میں استعمال ہوا ہے اس سے مراد لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف نزول ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ﴾ (دخان: ۳)

"بلاشبہ ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں اتارا۔"

اور تنزیل کا لفظ تدریجی نزول کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا۔ (الاسراء: ۱۰۶)

"اور قرآن کو ہم نے متفرق طور سے اتارا تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔"

نزول قرآن کی دو یہ صورتیں خود قرآن کریم نے بیان کی ہیں۔ یاد رہے کہ پہلا نزول یکبارگی ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ● سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرا نزول بتدریج ہوا ہے اسی طرح خود قرآن کریم نزول قرآن کی یہ تاریخ بتلاتا ہے۔

(۱) اس کی ابتداء رمضان کے مہینے سے ہوئی۔

(۲) نزول کی رات شب قدر تھی۔

(۳) یہ رمضان کی وہی تاریخ تھی کہ جس میں بعد میں غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ یعنی ۱۷ رمضان المبارک یہی قول اصح ہے۔

صحیح تر قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی سب سے پہلے جو آیتیں نازل ہوئیں وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں۔ (جیسا کہ آگے متن کتاب میں بخاری شریف کی وہ روایت مفصل نقل کی جا رہی ہے۔ (جسم اپنا آپ پر نازل ہونے والی ابتدائی آیات تھیں۔ اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا اس زمانہ کو "فترت وحی" کا زمانہ کہتے ہیں۔ البتہ بعض روایات سے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کا پہلے نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات کی بنا پر علامہ زمخشریؒ نے سورۂ فاتحہ کو سب سے پہلی نازل ہونے والی وحی قرار دیا ہے لیکن علامہ حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں روایتوں کا رد کیا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے بھی سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے پہلی وحی ہونے کی تائید میں بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ (علوم القرآن ص ۵۲۔۵۹ ملخصاً)

● نسائی، حاکم، بیہقی، ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابن مردویہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزلت پسندی اور خلوت گزینی

قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں "بعثت سے سات برس قبل ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس روشنی کے معلوم (ہونے) سے خوش ہوا کرتے تھے۔ اس چمک میں کوئی آواز یا صورت نہ ہوا کرتی تھی۔ بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا آپؐ کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی گئی۔ آپؐ اکثر پانی اور ستو لے کر شہر سے کوئی کوس بھر پرے ایک سنسان جگہ کوہ حراء کے ایک غار میں جس کا طول چار گز عرض پونے دو گز تھا جا بیٹھتے عبادت کیا کرتے۔ اس عبادت میں تحمید و تقدیس الٰہی کا ذکر بھی شامل تھا اور قدرت الٰہیہ پر تدبر و تفکر بھی۔ جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہو جاتا شہر میں نہ آیا کرتے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب نظر آنے لگے۔ خواب ایسے سچے ہوتے تھے کہ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھا کرتے تھے دن میں ویسا ہی ظہور میں آ جاتا۔" (رحمۃ للعالمین صفحہ ۱۵ جلد ۱)

لغات: الرویاء الصالحۃ: سچے خواب۔ فلق الصبح: صبح کی روشنی اور نور کا پھیلنا۔ الخلاء: تنہائی۔ نہیں ع: لوٹنا۔ یتزود: توشہ لینا۔ غطنی: بھینچا۔ الجہد: مشقت۔ یرجف: دل تھرتھرانا، دل کا زور زور سے دھڑکنا۔

ترجمہ: بخاری شریف کی (ایک روایت)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں "بدء الوحی" کے باب میں وہ روایت اخراج کی ہے کہ جو سب سے پہلے نازل ہونے والی وحی اور قرآن کے نزول کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی سند کے ساتھ ام المؤمنین (سیدہ) عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتی ہیں

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی (کہ) آپؐ جو کچھ بھی خواب میں دیکھتے تو وہ صبح صادق کی روشنی کی مانند (بالکل کھلا ہوا اور) ظاہر ہو جاتا۔ اس لیے آپ ﷺ کو خلوت میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور (اس دوران) آپؐ غار حراء میں کئی کئی راتیں گزارتے اور عبادت کرتے گھر والوں کے پاس لوٹنے سے پہلے۔ ہو سکتے دنوں تک کے لئے آپؐ (اپنے ساتھ) توشہ لے کر جاتے۔ پھر حضرت خدیجہؓ کی طرف آتے تو نیا توشہ (پھر) لے جاتے۔ یہاں تک کہ (ایک دن) (اسی) غار حراء میں آپؐ تھے (کہ) حق (یعنی وحی) آئی۔ پس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا "اقرأ" (یعنی پڑھو) حضورؐ نے فرمایا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" (اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ بیان کیا اور) کہا "(کہ میرے اس جواب پر) فرشتہ نے مجھے پکڑا اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہوگئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور (دوبارہ) کہا "اقرأ" میں نے جواب دیا کہ "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں" فرشتہ نے مجھے پھر پکڑا اور دوبارہ اس زور سے مجھے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہوگئی پھر اس نے مجھ کو چھوڑ کر کہا کہ "اقرأ" میں نے جواب دیا کہ "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس پر اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا

اور بھینچ کر چھوڑ دیا اور کہا اقرا باسم ربك الذی خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقرا و ربك الاکرم.

"پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا پڑھو اور تمہارا رب سب سے زیادہ کریم ہے"

نبی کریم ان آیات کو لے کر گھر کی طرف واپس چلے تو آپ کا قلب (مبارک) دھڑک رہا تھا۔ (اس روایت کے ترجمہ میں احسن البیان جلد اور علوم القرآن سے مدد لی گئی ہے "ضیم")

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) قرآن پاک کے رمضان (المبارک) کے مہینہ میں نازل ہونے کے بارے میں کتاب اللہ عزوجل میں صریح اور واضح نص (آئی) ہے۔ کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵)

"مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔" (تفسیر عثمانی)

اور البتہ اس وحی کو لے کر نازل ہونے والے فرشتہ کا جبرائیل علیہ السلام ہونا تو وہ بھی قرآن کی صریح نص سے ثابت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○﴾ (الشعراء: ۱۹۳ تا ۱۹۵)

"لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا کھلی عربی زبان میں۔" (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾

(النحل: ۱۰۲ - ۱۰۳)

"تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے بلاشبہ کہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری مسلمانوں کے واسطے۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) روح الامین اور روح القدس سے مراد تمام مفسرین کے اتفاق سے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہی ہیں۔ کہ وہ اللہ کی وحی کے امین ہیں۔ اور یہی تمام انبیاء و رسل صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر وحی لے کر نازل ہوتے تھے۔

توضیح

گزشتہ صفحات میں ان تمام باتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ نقل روایت میں غالباً مولف کتاب یا کاتب سے سہو ہوا ہے کہ دیگر روایات سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا "اقراء" کہنا تین مرتبہ منقول ہے جبکہ کتاب میں دو دفعہ لکھا

ترجمہ: سب سے پہلی اور آخری (نازل ہونے والی) آیات

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"قرآن کریم میں سب سے پہلے جو نازل ہوا وہ سورۃ علق کی پہلی (پانچ) آیات ہیں (کہ جو) ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (سے لے کر) ﴿وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ تک ہیں) جیسا کہ بخاری شریف کی گزشتہ روایت میں گزرا۔ رہی قرآن کی آخری نازل ہونے والی آیت تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۸۱)

"اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔" (تفسیر عثمانی)

یہی صحیح اور راجح ہے کہ جس کو علماء نے اختیار کیا ہے اور ان کے سرخیل علامہ سیوطی ہیں۔ اور یہ حبر الامہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے امام نسائی نے حضرت عکرمہ اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں: "قرآن میں سے سب سے آخر میں جو نازل ہوا وہ (یہ آیت ہے) ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ... لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۸۱) اور تحقیق کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ۹ راتوں تک زندہ رہے پھر ربیع الاول کو سوموار کی رات میں وفات پا گئے۔ (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ اس کی تفصیل کے لئے علامہ سیوطیؒ کی الاتقان فی علوم القرآن دیکھیں) اور بعض کا یہ کہنا کہ قرآن کی آخری نازل ہونے والی آیت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ: ۳)

"آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔" (تفسیر عثمانی)

یہ رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی جبکہ آپ عرفہ کے میدان میں کھڑے تھے۔ اور آپؐ اس کے بعد ۸۱ دن تک زندہ رہے اور آپؐ کی وفات سے نو راتیں پہلے سورۃ بقرہ کی یہ آیت ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ... لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۸۱) نازل ہوئی۔ تو آخری آیت یہ ہوئی: کہ سورۃ مائدہ کی آیت۔ یہی صحیح رائے ہے۔ (کہ) اس آیت کریمہ کے نزول سے وحی (کا نازل ہونا) بند ہو گئی۔ پس یہ آسمان کا زمین سے آخری (تعلق اور) ملاپ تھا قرآن کی اختتامی آیات کے نزول کے بعد اور ادائیگی امانت اور تبلیغ رسالت کے بعد اور لوگوں کو اللہ کے دین کو سمجھا دینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ (کے جوار رحمت) کی طرف منتقل ہو گئے۔

توضیح

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت کے متعلق بحث گزر چکی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں کہ (سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت کے بارے میں) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اس کے اکتیس روز بعد آپؐ کی وفات ہوگئی۔ اور بعض روایات میں صرف نو دن بعد وفات ہونا مذکور ہے۔ (معارف القرآن صفحہ ۶۵۷ جلد ۱)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بغوی کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ "حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت آخری آیت ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ سے کہا کہ اس کو سورۂ بقرہ کی دو سو اسی آیت کے کنارہ پر رکھو" شعبی کی روایت میں اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ اکیس روز تک اور فریابی کی روایت میں سات رات تک زندہ رہے اور وفات مبارک پیر کے دن ۳ ربیع الاول کو زوال کے بعد ۱۱ ہجری میں ہوئی۔ حضرت سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے (تفسیر مظہری ملخصاً جلد ۱ صفحہ ۸۷ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

رہا سورۂ مائدہ کی مذکورہ آیت کا آخری نہ ہونا تو اس کو خود مولف کتاب دلائل سے ثابت کر رہے ہیں۔

آية المائدة متأخرة في النزول

ومما يدل على ان آية المائدة نزلت في حجة الوداع ما روى في صحيح البخاري ان يهودياً جاء الى عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال: يا أمير المؤمنين آية في كتابكم لو علينا معشر اليهود نزلت لا تخذنا ذلك اليوم عيدا! فقال عمر: واي آية تعني؟ قال قول الله تبارك وتعالى ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ فقال له عمر: والله اني لأعلم المكان الذي نزلت فيه والساعة التي نزلت فيها نزلت هذه الآية و رسول الله معرفة في يوم الجمعة بعد العصر اي انها نزلت في يوم هو من اعظم الاعياد الاسلامية فهو عيد على عيد....

ترجمہ: سورۂ مائدہ کی (مذکورہ) آیت کا بعد میں نازل ہونا

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

سورۂ مائدہ کی آیت کے حجۃ الوداع میں نازل ہونے پر جن باتوں سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے ایک بخاریؒ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ "ایک یہودی حضرت عمر ابن خطابؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا" اے امیر المومنین تمہارے قرآن میں ایک ایسی آیت ہے اگر وہ ہم یہود پر نازل ہوتی تو ہم (اس کے) نازل ہونے کے دن (اس کا) جشن مناتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تمہاری مراد کون سی آیت ہے؟ تو اس نے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا

یعنی: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدہ: ۳) تو حضرت عمرؓ نے اس کو جواب دیا "خدا کی قسم میں اس جگہ کو (بھی) جانتا ہوں کہ جس میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس وقت کو بھی جانتا ہوں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں تھے جمعہ کے دن عصر کے بعد۔" ❶

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) یعنی یہ آیت اس دن نازل ہوئی کہ جو اسلام کی سب سے بڑی عید کا دن تھا۔ اور وہ بڑی عید تھی۔

توضیح

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندیؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قرآن کی تقریباً آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت احکام سے متعلق نازل ہوئی نہیں۔ صرف ترغیب وترہیب کی چند آیتیں ہیں کہ جن کا نزول اس آیت کے بعد بتلایا گیا ہے۔ (معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۳۳)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری جلد ۳ صفحہ ۳۳۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ان دونوں آیتوں کے بارے میں روایات میں خوب تطبیق بتائی ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت کو آخری آیت قرار دیا ہے تفصیل کے لئے مذکورہ بالا حوالہ دیکھیں۔

تنبیہ

اورد العلامة السيوطي في كتابه (الاتقان في علوم القرآن) بعض الاشكالات على أول ما نزل من القرآن، وآخر مانزل، وأجاب عنها بأجوبة سديدة نلخصها فيما يلي:

الاشكال الأول

انه روي في الصحيحين من حديث (جابر بن عبدالله أنه) سئل اى القرآن أنزل قبل؟ قال: ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فقيل له: بل ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ فقال احدثكم ما حدثنا به رسول اللهﷺ قال رسول اللهﷺ: إني جاورت بحراء فلما قضيت جواري نزلت فاستبطنت الوادي، فنظرت أمامي وخلفي، وعن يميني وشمالي، ثم نظرت إلى السماء فإذا (جبريل) فأخذتني رجفة فأتيت خديجة فأمرتهم فدثروني فأنزل الله ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فهذا الحديث يدل على ان سورة المدثر هي اول ما نزل من القرآن.

وقد أجاب عن ذلك السيوطي بقوله: ويجاب عن هذا الحديث بأجوبة: أحدها: أن السؤال كان عن نزول سورة كاملة فبين ان سورة المدثر نزلت بكمالها قبل نزول تمام سورة ﴿اقْرَاْ﴾ فإنها أول ما

❶ دیکھیں صحیح بخاری باب التفسیر۔

نزل عليها صدرها ويؤيد هذا ما في الصحيحين عن جابر بن عبدالله أنه قال: سمعت رسول الله ﷺ وهو يحدث عن فترة الوحي فقال في حديثه: بينا أنا أمشي سمعت صوتا من السماء فرفعت رأسي فإذا بالملك الذي جاءني بحراء جالس على كرسي بين السماء والأرض، فرجعت فقلت: زملوني فأنزل الله ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ﴾ فقوله الملك الذي جاءني بحراء يدل على أن هذه القصة متأخرة عن قصة حراء التي نزل فيها ﴿ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ﴾ ثم سرد أجوبة أخرى لا حاجة إلى ذكرها.

وأما الإشكال الثاني

وهي أن آية المائدة وهي قوله تعالى ﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ تدل على أن الدين قد كمل وتم فكيف تنزل بعد ذلك آيات ونقول إنها ختم القرآن؟

والجواب عن ذلك

إن الله عزوجل قد أكمل الدين ببيان الفرائض والأحكام، وبين الحلال والحرام، فما تحتاج إليه الأمة قد بينه الله عزوجل، وفصل أحكامه، حتى أصبحوا على المحجة البيضاء، وهذا لا ينافي أن تنزل بعض الآيات الكريمة التي فيها التذكير والتحذير من عذاب الله، وفيها تذكير الناس بالوقفة الكبرى بين يدي أحكم الحاكمين، في ذلك اليوم الرهيب، الذي لا ينفع فيه مال ولا بنون إلا من أتى الله بقلب سليم، وقد صرح بهذا جماعة من العلماء حتى قال السدي: لم ينزل بعدها حلال ولا حرام.

لغات: أجوبة: یہ جواب کی جمع ہے۔ سديدة: ٹھیک، درست، معقول بات۔ تجاوزت: کسی جگہ الگ تھلگ رہنا، اختلاف کرنا۔ استبطنت: وادی میں آنا، تہہ تک پہنچنا، وادی کے نشیب میں اترنا۔ رجفة: لرزہ، رعشہ، کپکپی۔ دثّر: چوڑا ہوجانا۔ فترة: دو باتوں کے درمیان کا عرصہ، دو نبیوں کے درمیان کا زمانہ۔ زمّل: کپڑا اوڑھنا، کپڑے میں چھپانا۔

تشریح:

ترجمہ: مؤلف کتاب فرماتے ہیں:

''علامہ سیوطی نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں پہلی نازل ہونے والی اور آخری نازل ہونے والی آیت پر چند اشکالات کئے ہیں۔ اور ان کے (نہایت) درست جواب دیے ہیں ہم ذیل میں (اس تمام بحث کا) خلاصہ درج کرتے ہیں۔

پہلا اشکال

صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ "قرآن کی کونسی آیت پہلے نازل ہوئی تو انہوں نے فرمایا ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ ان سے عرض کیا گیا کہ (نہیں) بلکہ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ تو (اس پر) حضرت جابرؓ نے فرمایا "میں تمہیں وہ حدیث سناتا ہوں کہ جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی کہ آپ نے فرمایا "میں نے غار حراء میں خلوت نشینی اختیار کی۔ جب میں نے یہ مدت پوری کرلی اور پہاڑ سے اتر کر وادی کے نشیب میں آیا۔ (تو مجھے کسی نے آواز دی) پس میں نے اپنے سامنے کی طرف، اپنے پیچھے اپنے دائیں اور اپنے بائیں طرف (دیکھا) پھر میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو یک لخت وہ فرشتہ نظر آ گیا جس کو دیکھ کر مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ اور میں نے (حضرت) خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر کہا "مجھے (کپڑے) اوڑھا دو انہوں نے مجھے اوڑھا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل فرمائی۔

(اس روایت کے ترجمے کے لئے احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۵۰ سے مدد لی گئی ہے آگے مولف کتاب علامہ سیوطیؒ کی عبارت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی قرآن کی سورت سورۃ مدثر ہے۔ اور (علامہ) سیوطیؒ نے اس بات کا یہ کہہ کر جواب دیا ہے۔ "اس حدیث کے کئی (طرح سے) جوابات دیے گئے ہیں ایک یہ کہ "(سائل کا) سوال کامل سورت کے نزول کے بارے میں تھا تو حضرت جابرؓ نے یہ بیان کیا کہ سورۃ اقراء کے پورے نازل ہونے سے پہلے (ہی) سورۃ مدثر کامل نازل ہوگئی۔ کیونکہ سورۃ اقراء سے پہلے پہلے اس کی شروع کی آیات اتری تھیں۔ اور اس بات کی تائید صحیحین کی وہ روایت کرتی ہے کہ جو حضرت جابر بن عبداللہؓ سے (ہی) مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فترت وحی کے (زمانے کے) بارے میں کہتے ہوئے سنا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں ارشاد فرمایا" اس دوران کہ میں چل رہا تھا کہ یکا یک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی پس میں نے سر اٹھایا پس اچانک (میں نے دیکھا کہ) جو فرشتہ میرے پاس غار حراء میں آیا تھا وہ زمین اور آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے "میں لوٹ آیا اور میں نے کہا" "مجھے اوڑھا دو" پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل فرمائی۔ (علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "الملك الذی جاءنی بحراء" یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قصہ غار حراء کے اس قصے کے بعد کا ہے کہ جس میں ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ نازل ہوئی تھی۔ (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) پھر (اس کے بعد علامہ سیوطیؒ نے اس کے) کئی دوسرے جوابات (بھی) دیے ہیں جن کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔

توضیح

سید فضل الرحمٰن صاحب نے بھی اس مقام پر بعینہ اس طرح کا کلام نقل کیا ہے۔ اس کو احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۵۰ پر دیکھ لیا جائے۔ اس سے پہلے وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ طبرانیؒ نے اپنی کتاب الکبیر میں ابی رجاء العطاردی سے ایسی سند کے ساتھ جس میں صحیح ہونے کی شرطیں پائی جاتی ہیں روایت کی کہ ابو رجاء عطاردی بیان کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعریؓ ہمیں قرآن پڑھاتے

وقت حاضر ہوکر بتا دیتے تھے۔ اور خود بھی سفید و شفاف کپڑے پہن کر وضو میں بیٹھتے تھے۔ جب وہ اس سورۃ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ پر پہنچے تو فرماتے کہ یہ وہ سورت ہے کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (سب سے پہلے) نازل کی گئی (الاتقان ۱/۵۷)

(بحوالہ احسن البیان جلد: صفحہ ۴۹–۵۰)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں "صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت جابرؓ کی ایک روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر سب سے پہلے سورۂ مدثر کی آیات نازل ہوئیں۔ اسی بنا پر بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ نزول کے اعتبار سے سورۂ مدثر سورۂ علق سے مقدم ہے لیکن حافظ ابن حجر نے (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۵۴۳ میں) اس مغالطہ کی حقیقت واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ درحقیقت بخاری کی روایت میں حضرت جابرؓ کی حدیث مختصر ہے۔ اور اس میں دو جملے نقل نہیں کیے گئے۔ یہی روایت امام زہریؒ کی سند سے بخاری ہی نے بدء الوحی میں نقل کی ہے۔ اس میں حضرت جابرؓ نے سورۂ مدثر کے نزول کا واقعہ بتاتے ہوئے آنحضرتؐ کے یہ الفاظ صراحۃً نقل فرمائے ہیں "فاذا الملك الذي جاءني بحراء جالس على الكرسي" یعنی اچانک (میں نے دیکھا کہ) جو فرشتہ غار حراء میں میرے پاس آیا تھا وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ غار حراء میں سورۂ اقراء کی آیتیں پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ سورۂ مدثر بعد میں نازل ہوئی

(علوم القرآن بلفظہ صفحہ ۵۷–۵۸)

لغات: بَیَّنَ: بیان کرنا، ظاہر کرنا، واضح کرنا۔ فَصَّلَ: کلام کی تفصیل کرنا، الگ الگ حصوں میں تقسیم کرنا۔ تذکیر۔ وعظ و نصیحت۔ تحذیر: تنبیہ۔ الوقعة الكبرى: بڑا واقعہ، قیامت۔ اليوم الرهيب: خوفناک دہولناک دن (قیامت)۔ المحجة البيضاء: روشن دلیل

ترجمہ: دوسرا اشکال

یہ ہے کہ آیت مائدہ کہ جو اللہ تعالیٰ کا قول ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تحقیق دین کامل اور پورا ہو چکا تو پھر اس کے بعد کیونکر آیات کیسے اتریں؟ جبکہ ہم یہ (بھی) کہتے ہیں کہ یہ آیت قرآن کا خاتمہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اس دین کو فرائض و احکام کے بیان اور حلال و حرام کے بیان کے اعتبار سے کامل کر دیا۔ پس جس چیز کی بھی امت کو حاجت ہے وہ اللہ تعالیٰ نے بیان کر دی اور اپنے احکام کو تفصیل سے بیان کر دیا۔ حتیٰ کہ امت ایک روشن دلیل پر قائم ہوگئی اور یہ بات اس بات کے منافی نہیں کہ (اس آیت کے نزول کے بعد) بعض وہ آیات کریمہ اتریں کہ جن میں اللہ کے عذاب سے تذکیر و تحذیر (کا مضمون) ہو اور ان میں اعظم والی گھڑی کے سامنے اس (دل کو) دہلانے والے دن میں وقوع پذیری کے بارے میں لوگوں کے لئے تذکیر ہو کہ جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد مگر وہ کہ جو بھلا دل لے کر آیا۔ اور علماء کی ایک جماعت نے اس بات کی صراحت کی ہے حتیٰ کہ امام سدیؒ نے (تو یہاں تک) کہہ دیا (ہے کہ) اس آیت کے بعد کوئی حلال یا حرام (کا حکم) نہیں اترا۔"[1]

---

[1] اس کے لئے دیکھئے علامہ سیوطیؒ کی الاتقان فی علوم القرآن صفحہ ۲۷ جلد ۱۔

توضیح

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں "الیوم (اس آیت میں) سے مراد عقائد کی صراحت کر دی فرائض و واجبات، سنن، مستحبات، حلال حرام، مکروہات، مفسدات، مشروعات جیسے نماز روزہ صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ اور غیر منصوص میں اجتہاد کے قوانین ہر چیز سے واقف کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حلال و حرام فرائض سنن حدود و احکام میں سے کوئی حکم نازل نہیں ہوا (تفسیر مظہری مختصرا صفحہ ۲۳۹ جلد ۳)

سید فضل الرحمن صاحب لکھتے ہیں "(اس آیت میں) دین حق کے تمام حدود و فرائض اور احکام و آداب مکمل کر دیے گئے اب ان میں نہ کسی اضافہ کی ضرورت ہے نہ کمی کا احتمال ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد احکام اسلام (حلال و حرام فرائض سنن وغیرہ) میں سے کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا۔ لہذا اس آیت کے بعد جو چند آیتیں نازل ہوئیں ان میں یا تو ترغیب و ترہیب کے مضامین ہیں یا جو احکام پہلے نازل ہو چکے تھے ان کی تاکید ہے (احسن البیان صفحہ ۲۱-۲۰ جلد ۳)

مولف کتاب نے بھی اس اعتراض کی یہی توجیہ بیان کی ہے۔ واللہ اعلم

أول ما نزل في القتال، والخمر، والأطعمة

أولاً: نزلت في القتال آيات عديدة، ولكن هذه الآيات التي نزلت في شأن القتال كلها مدنية؛ لأن المسلمين في مكة كانوا في حالة ضعف، فكان جهادهم للأعداء باللسان لا بالسنان، ولم يشرع لهم القتال للأعداء إلا بعد الهجرة، أي بعد أن تقوى المسلمون وكثروا، وأصبح لهم دولة في المدينة المنورة فرخص عند ذلك الإذن بالقتال، وأول آية نزلت في القتال هي قول الله تبارك و تعالى في سورة الحج: ﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝﴾ (الحج: ٣٩-٤٠)

فأنت ترى في هذا النص الكريم ما يوضح الحكمة من مشروعية الإذن بالقتال، فلم يكن القتال إلا دفعاً للظلم، ودفعاً للعدوان، ولم يشرع إلا دفاعاً عن المظلومين وردعاً للمعتدين كما هو صريح النص الكريم.

ثانياً: وأما الخمر فقد نزلت فيها آيات عديدة، وكان أول ما نزل فيها قول الله تعالى في سورة البقرة: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ....﴾

روی عن ابن عمرؓ انہ قال: نزل فی الخمر ثلاث آیات فاول شیء ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ﴾ الخ۔

ثالثاً: ومن اول ما نزل من الاطعمۃ فی مکۃ قولہ تعالی فی سورۃ الانعام ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (الانعام: ۱۴۵)

وهذه نماذج مخصوصة لبعض الاحکام التشریعیۃ التی نزلت بہا آیات القرآن وھی مما ینبغی معرفتہ لیقف الانسان علی سر التشریع الاسلامی الدقیق الذی راعی حاجات الناس و مصالح البشر والتی ھی احد الاسس الحکیمۃ التی سلکھا الاسلام فی معالجۃ الاوضاع الاجتماعیۃ والامراض الخلقیۃ التی کان علیہا الناس فی الجاہلیۃ کما سنوضح ذلک فی بحث آخر ان شاء اللہ۔

لغات: اعداء، عدو کی جمع ہے دشمن۔ السنان: نیزے کا پھل (مراد تلوار ہے)۔ اُذِنَ: اجازت دی جانا۔ مقصد ہیں: ھدمت: تعمیر ڈھانا، برباد کرنا۔ صوامع: صومعۃ کی جمع، عیسائی راہب کی عبادت گاہ۔ بیع: بیعۃ کی جمع، کلیسا، یہودیوں کا عبادت خانہ۔ صلوات: صلوۃ کی جمع مراد عبادت گاہ ہے۔

ترجمہ: قتال، شراب اور اطعمہ کے بارے میں نازل ہونے والی پہلی پہلی آیات

(مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"قتال کے بارے میں بہت سی آیات اتری ہیں، لیکن قتال کے بارے میں نازل ہونے والی یہ سب کی سب آیات مدنی ہیں کیونکہ مسلمان مکہ میں ضعف کی حالت میں تھے اور (وہاں) ان کا دشمنوں سے جہاد زبان سے (کلمہ کے اقرار اور اس پر پکے حقائق کے ذریعے) تھا، تلوار سے اور ہجرت کے بعد ان کو قتال کی اجازت دی گئی یعنی مسلمانوں کے طاقتور اور زیادہ ہونے کے بعد اور ان کی مدینہ منورہ میں ایک ریاست قائم ہونے کے بعد (ان کو قتال کی اجازت دی گئی) پس اس وقت قتال کی اجازت اتری اور قتال کے بارے میں اترنے والی پہلی آیت میں سورہ حج میں اللہ تبارک وتعالی کا یہ قول ہے: ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُۨ ۝ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ۭ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝﴾ (الحج: ۳۹-۴۰)

"حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ لوگ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر نہ

ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکیئے۔ اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت۔ اور اللہ مقرر مدد کرے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی۔ بے شک اللہ زبردست ہے زور والا۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) پس اس آیت کریمہ میں آپ قتال کی اجازت کی مشروعیت کی حکمت کو کہہ رہے ہیں کہ قتال تو (تھا) ظلم کو دفع کرنے کے لیا اور زیادتی کو دور کرنے کے لئے تھا۔ اور قتال تو مظلوموں کے دفاع اور حد سے نکلنے والوں کی سرزنش کے لئے ہی مشروع کیا گیا تھا۔ جیسا کہ یہ بات آیت کریمہ میں صریح ہے۔

توضیح

سید فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں: "حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جنگ کی اجازت کے بارے میں سب سے پہلے یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی حضرت ابن عباسؓ کی مانند مجاہد ضحاک عروہ بن زبیر زید بن اسلم قتادہ اور دیگر سلف نے فرمایا کہ یہ پہلی آیت ہے کہ جو جہاد کی اجازت کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن ماجہ نسائی ترمذی ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ 'حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ستر سے زیادہ آیتوں میں قتال سے ممانعت کے بعد یہ پہلی آیت ہے کہ جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی (احسن البیان بلفظ جلد اصفحہ ۱۵ بحوالہ ہادی اعظم مولفہ سید فضل الرحمن صاحب)

ترجمہ "۲۔ شراب کہ اس کے بارے میں (بھی) بہت ساری آیات نازل ہوئیں۔ شراب کے بارے میں سب سے پہلی جو آیت نازل ہوئی وہ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الی آخر الآیہ﴾ (البقرۃ:۲۱۹)

"تم سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوے کا کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ 'شراب کے بارے میں تین آیتیں نازل ہوئیں ان میں سب سے پہلی آیت ﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾ ہے۔

توضیح

سید فضل الرحمن صاحب فرماتے ہیں "علامہ طیالسیؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ "شراب کے بارے میں تین آیتیں نازل ہوئیں۔ سب سے پہلے ﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾ نازل ہوئی اور کہا جانے لگا کہ شراب حرام ہوگئی بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں اس سے نفع اٹھانے کی اجازت دیجئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد یہ آیت ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا۟ مَا تَقُولُونَ ﴾ (النساء: ۴۳) نازل ہوئی۔ اور کہا گیا کہ اب شراب

حرام ہوگئی۔ لوگوں نے عرض کیا، رسول اللہ ہم نماز کے قریب کے اوقات میں نہیں پیا کریں گے۔ پھر بھی آپ خاموش رہے اور ان کو کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد یہ آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدہ: ۹۰) نازل ہوئی اس وقت آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ اب شراب حرام کر دی گئی۔ (احسن البیان صفحہ ۱۵ جلد ۱) بحوالہ اتقان ۱/۲۴)

لغات: الخمر: شراب۔ المیسر: ہر قسم کا جوا، تیروں سے کھیلے جانے والا جوا۔ میتة: مردار۔ دم مسفوح: بہتا خون۔ رجس: گندگی، نجاست، ناپاک چیز۔ فسق: نافرمانی، نابرا کام۔ سِرٌّ: راز، بھید۔ مصالح: مصلحت کی جمع، درستگی، منفعت۔ اُسس: اساس کی جمع، بنیاد۔ الاوضاع الاجتماعیہ: وضع کی جمع بمعنی عادت یعنی اجتماعی حالات، اجتماعی معاملات۔

ترجمہ ۳۔ (مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) کہ میں الخمر کے بارے میں سب سے پہلے جو (آیت) نازل ہوئی وہ سورۃ انعام میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الانعام: ۱۴۵)

"تو کہہ دے کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ کہ جس پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بھوک سے بے اختیار ہو جائے نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو تیرا رب بڑا معاف کرنے والا ہے نہایت مہربان" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) یہ (چند) ابتدائی آیات ہیں کہ جو شخص ان تشریعی نظام کے ساتھ خاص ہیں کہ قرآن کے احکام ان آیات کو لے کر آئے، ان آیات کو جاننا چاہیے تاکہ انسان اس بارے تشریع اسلامی کے راز کو جان سکے کہ جو انسانی حاجات اور لوگوں کی مصالح کا نگہبان ہے۔ اور یہ آیات ان پر حکمت بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہیں کہ جن پر چل کر اسلام نے (زندگی کے) اجتماعی معاملات کی درستی اور ان خلقی امراض (اور برائیوں) کا علاج کیا کہ جن میں لوگ (زمانہ) جاہلیت میں مبتلا تھے۔ جیسا کہ عنقریب ہم اس بات کو ایک دوسری بحث میں واضح کریں گے۔ ان شاء اللہ"

توضیح

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: "قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے محکم ہے کیونکہ اس آیت سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت کے وقت نزول تک کسی اور چیز کی حرمت وحی میں نہیں آئی ہے" (تفسیر مظہری جلد ۳ صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

علامہ عبدالحق حقانی لکھتے ہیں کہ "(ان مذکورہ اشیاء کی حرمت کے حکم کے بعد) مدینہ طیبہ میں سورۂ مائدہ نازل ہوئی۔ اس میں موقوذہ، متردیہ اور نطیحہ کی حرمت آ گئی۔" (تفسیر حقانی جلد ۲ صفحہ ۳۶۸)

الفَصْلُ الثَّاني

أسباب النزول

أسباب النزول

معرفة (أسباب النزول) له أثر كبير في فهم معنى الآية الكريمة، ولهذا اعتنى كثير من العلماء بمعرفة أسباب النزول، حتى أفرده بالتصنيف جماعة من العلماء كان من أقدمهم (علي بن المديني) شيخ البخاري رحمه الله. ومن أشهر ما كتب في هذا الفن كتاب (أسباب النزول) للواحدي، كما ألف فيه شيخ الإسلام (ابن حجر) وألف فيه أيضا العلامة (السيوطي) كتاباً حافلاً عظيماً سماه (لباب النقول في أسباب النزول).

ولمعرفة أهمية هذا النوع من علوم القرآن، والتأكد من ضرورته لتفهم معاني الآيات الكريمة نستطيع أن نقول: إنّ بعض الآيات لا يمكن فهمها أو معرفة أحكامها إلا على ضوء سبب النزول، فمثلاً قول الله تعالى: ﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (البقرة: ١١٥) الآية قد يفهم منها جواز التوجه في الصلاة إلى غير القبلة، وهذا الفهم خاطئ لأن استقبال القبلة شرط لصحة الصلاة، وبمعرفة سبب النزول يتضح فهم الآية، فقد نزلت هذه الآية الكريمة فيمن كان في (سفر) وأضاع القبلة فلم يعرف جهتها فإنه يجتهد ويتحرى ثم يصلي فإلى أي جهة صلى تصح صلاته، ولا تجب عليه إعادة الصلاة فيما إذا تبين له بعد الانتهاء خطأ توجهه، فالآية إذاً ليست عامة إنما هي خاصة فيمن جهل القبلة فلم يعرف جهتها.

ومثال آخر على أهمية سبب النزول في فهم الآية أن قوله تعالى: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (المائدة: ٩٣)

إنما نزلت في الخمر، وقد يفهم من هذا النص الكريم إباحة شرب الخمر – كما ظن بعض الجهلة – حيث قالوا: الخمر مباحة واحتجوا بالآية الكريمة، ولو علموا سبب نزولها لم يقولوا ذلك، فقد روي أنه لما نزل تحريم الخمر في قوله تعالى: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدة: ٩٠) قال ناس من أصحاب رسول الله فكيف بمن قتلوا في سبيل الله وماتوا، وكانوا يشربون الخمر وهي رجس؟ فنزلت الآية

الکریمة تبین ان من شربها قبل التحریم فان الله قد عفا عنه ولیس علیه ذنب او اثم لأن الله لا یؤاخذ علی ما سبق من العبد قبل الإسلام أو قبل التحریم، و بذلك نفهم الآیة ویبقی النص القطعی فی تحریم شرب الخمر.

ترجمہ: دوسری فصل

اسباب نزول کے بارے میں

لغات: اعتنی: اہمیت دینا، توجہ دینا۔ کتابٌ حافلٌ: بھرپور کتاب، ضخیم کتاب۔ الخاطئ: غلط کار، گنہگار۔ أضاع: ضائع کرنا، کھو دینا۔ جهة: طرف، سمت۔ جُناحٌ: گناہ، جرم۔ اباحت: جائز کرنا، حلال قرار دینا، اجازت دینا۔ تقوّل: بات گھڑنا، کسی کے متعلق غلط بات کہنا، تہمت لگانا۔ انصاب: نصُبٌ کی جمع، اللہ کو چھوڑ کر عبادت کے لئے کھڑا کیا ہوا پتھر جس پر زمانۂ جاہلیت میں جانور ذبح کئے جاتے تھے۔ ازلام: زَلَم کی جمع، بے پر کا تیر، زمانۂ جاہلیت کے عرب تیروں سے اپنی قسمت معلوم کیا کرتے تھے۔ اس طرح پر کہ تیروں پر اجازت یا ممانعت لکھ کر ایک برتن میں ڈال دیتے۔ پھر جب کسی کو اپنے بارے میں مشورہ مطلوب ہوتا تو وہ ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکال لیتا تھا۔ اگر اس پر اجازت یا حکم لکھا ہوتا تو وہ سے گزر جاتا اور اگر ممانعت لکھی ہوتی تو اس سے باز رہتا۔ ذنب: گناہ، جرم، غلطی۔ اثم: قابل سزا جرم۔

نزول کے اسباب

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) "اسباب نزول کے جاننے کا آیت کریمہ کے سمجھنے میں بہت بڑا (دخل اور) اثر ہے۔ اسی لئے بہت سارے علماء کرام نے اسباب نزول (کی بحث) پر (خصوصی) توجہ دی۔ حتیٰ کہ علماء کرام کی ایک جماعت نے اسباب نزول پر (ایک الگ کتاب) تصنیف کی۔ (اس موضوع پر) سب سے پہلے (قلم اٹھانے والے) امام بخاری کے شیخ علی بن المدینی تھے۔ اس فن پر لکھی جانے والی (تمام کتب میں سے) سب سے مشہور کتاب واحدی کی "اسباب النزول" ہے جیسا کہ اس موضوع پر شیخ الاسلام (حافظ) ابن حجر نے (بھی ایک کتاب) تالیف کی اور علامہ سیوطیؒ نے بھی اس موضوع پر ایک ضخیم اور عظیم کتاب لکھی اور اس کا نام "لباب النقول فی اسباب النزول" رکھا۔

علوم القرآن میں اس فن کی اہمیت جاننے کے لئے اور آیات کریمہ کے معانی سمجھنے کی ضرورت کی وجہ سے لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "بعض قرآنی آیات کا سمجھنا یا ان کے احکام کا جاننا فقط اسباب نزول کی روشنی ہی میں ممکن ہے جیسے مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ: ۱۱۵)

"اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) اس آیت سے نماز میں قبلہ کے علاوہ کسی طرف منہ کرنا جائز معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی خطا ہے کیونکہ استقبال قبلہ نماز کی درستی کی شرط ہے اور (اس آیت کے) سبب نزول کو جاننے سے (اس) آیت کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ یعنی تحقیق یہ آیت سفر کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس سے قبلہ گم ہو گیا ہو اور وہ قبلہ کا رخ نہ جان (سکتا) ہو تو ایسا شخص (قبلہ کی تلاش و جستجو میں) کوشش کرے اور (قبلہ کے پہچاننے میں) سوچ بچار کرے۔ (اس کے بعد) نماز پڑھ لے۔ پھر (جب) وہ جس طرف بھی (رخ) کر کے نماز پڑھے گا اس کی نماز درست ہو جائے گی۔ اور اس پر اس صورت میں نماز کا اعادہ لازم نہ ہوگا کہ جب نماز پوری کرنے کے بعد اس کو قبلہ کے رخ کا غلط ہونا ظاہر ہوگا۔ تو اس صورت میں یہ آیت (اپنے حکم میں) عام نہیں ہے بلکہ یہ اس شخص کے بارے میں خاص ہے کہ جو قبلہ (کے رخ) سے ناواقف ہو اور اس کی سمت نہیں جانتا۔

(اور کسی بھی) آیت کے سمجھنے میں سبب نزول کی اہمیت پر ایک اور مثال پیش کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا (یہ) قول (ہے)

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (المائدۃ: ۹۳)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر گناہ نہیں اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جب آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) بے شک یہ آیت شراب کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور تحقیق کہ اس آیت کریمہ سے شراب پینے کی اباحت سمجھ میں آتی ہے جیسے کہ بعض جاہلوں نے (یہ) سمجھ (بھی) لیا۔ وہ کہنے لگے کہ شراب مباح ہے اور جنہوں نے یہ آیت پیش کرنے لگے۔ اگر وہ اس آیت کو سبب نزول جانتے ہوتے تو وہ (قرآن پر یہ) افتراء (پردازی) نہ کرتے۔ تحقیق روایت کیا گیا ہے کہ جب شراب کی حرمت اللہ تعالیٰ نے اس قول میں نازل کی۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدۃ: ۹۰)

"اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے پوچھا کہ "ان کا کیا ہوگا کہ جو اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے اور جو مر گئے اور وہ (اس وقت شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے)

شراب (بھی) پیا کرتے تھے بچکا یہ کیا ہوگا؟ تو (اس پر) یہ آیت نازل ہوئی اس نے یہ بات بیان کی کہ جس نے شراب (کو اس) کی حرمت سے پہلے پیا تو تحقیق کہ اللہ نے اس سے درگزر فرمایا اور اس پر کوئی گناہ اور جرم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی بندے سے قبل از اسلام یا قبل از تحریم کی گئی (خطاؤں گناہوں وغیرہ کا) کوئی مواخذہ نہیں فرماتے۔ اس سبب نزول (کے جاننے) سے آیت (کا مفہوم اور اس کی مراد) سمجھ میں آ گئی۔ اور شراب کی حرمت کی نص قطعی (اپنی جگہ پر) باقی رہی۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم صاحب تحریر فرماتے ہیں: "قرآن کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ آیتیں ہیں کہ جو اللہ تعالی نے از خود نازل فرمائیں کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ اس آیت کے نزول کا سبب نہیں بنا۔ دوسری آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعہ کی وجہ سے یا کسی کے سوال کے جواب میں ہوا جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہیے یہ پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں "سبب نزول" یا "شان نزول" کہلاتا ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۷۲)

سید فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں "مفسرین کی اصطلاح میں قرآن کریم سے تعلق رکھنے والے ان واقعات کو "اسباب نزول" یا "شان نزول" کہا جاتا ہے کہ جو کسی آیتوں کے نزول کے وقت پیش آئے۔ اسی طرح اسباب نزول یا شان نزول میں وہ آیتیں بھی شامل ہیں کہ جو کسی کے سوال کے جواب میں نازل ہوئیں۔ اس لحاظ سے قرآن کریم کی آیتیں دو طرح کی ہیں۔

(۱) وہ آیات کہ جو اسباب نزول سے متعلق ہیں۔ اگر ان آیات کے اسباب نزول کا علم نہ ہو تو ان کی صحیح تفسیر معلوم نہیں ہو سکتی۔

(۲) وہ آیات جن کا اسباب نزول سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن کریم کا بیشتر حصہ ایسی آیات پر مشتمل ہے جو نہ تو کسی واقعہ یا سوال کے جواب میں نازل ہوئیں اور نہ ان میں کسی چیز کا حکم مذکور ہے۔ بلکہ یہ آیات مندرجہ ذیل مضامین سے تعلق رکھتی ہیں۔

(الف) ان میں سابقہ انبیاء اور سابقہ امتوں کے حالات و واقعات کا بیان ہے۔

(ب) گزشتہ زمانے کے واقعات پر مشتمل ہیں۔

(ج) مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے۔

(د) قیامت کا حال بیان کیا گیا ہے۔

(ھ) عذاب و ثواب کا ذکر ہے۔ (احسن البیان بلفظ جلد ۱ صفحہ ۸۰)

فوائد معرفة أسباب النزول

قد يظن بعض الناس أنه لا طائل تحت هذا الفن ولیس له أثر كبير لجريانه مجرى التاريخ

والقصص' فإن أسباب النزول – على زعمهم – ليست ضرورية لمن أراد تفسير كتاب الله' وهذا زعم خاطئ وقول مردود' لا يصدر من عالم بالكتاب' مطلع على أقوال المفسرين. وها نحن ننقل طرفا من آراء بعض العلماء' ثم نعقبها بذكر فوائد أسباب النزول.

قال (الواحدي): لا يمكن معرفة تفسير الآية دون الوقوف على قصتها' وبيان نزولها.

وقال (ابن دقيق العيد): بيان سبب النزول طريق قوي في فهم معاني القرآن.

وقال (ابن تيمية): معرفة سبب النزول يعين على فهم الآية' فإن العلم بالسبب يورث العلم بالمسبب

وهكذا تظهر أهمية هذا الفن من علوم القرآن.

وأما فوائده فيمكن تلخيصها فيما يلي

(الف) معرفة وجه الحكمة الباعثة على تشريع الحكم.

(ب) تخصيص الحكم بالسبب (عند من يرى ان العبرة بخصوص السبب)

(ج) دفع توهم الحصر' فيما ظاهره الحصر

(د) معرفة اسم من نزلت فيه الآية' وتعيين المبهم فيها. إلى غير ما هنالك من فوائد أخرى جليلة

لغات: لاطائل: تحت ذا الطائل: فائدہ اس معانی میں یہ ہمیشہ نفی کے بعد مذکور ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت میں یعنی" اس کا کوئی فائدہ نہیں" ـ زعم: گمان خیال اعتقاد دعوی قول ـ طرف ہر چیز کی حد' کنارہ ـ الباعث: سبب' مہیج' علت

ترجمہ: اسباب نزول کے جاننے کے فوائد

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) " بعض (نا سمجھ) لوگوں نے یہ (جھوٹا) گمان باندھا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور تاریخ اور قصے ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی بوجھ (اور فائدہ) اثر (علم تفسیر میں) نہیں ہے کیونکہ ان کے گمان میں کتاب اللہ کی تفسیر کرنے والے کے لئے اسباب نزول (کا جاننا) ضروری نہیں ہے۔ (ان کا) یہ خیال (نہایت) غلط اور (ان کا یہ) قول (جمہور علماء کرام کی نگاہ میں) مردود ہے کہ جو کسی کتاب (اللہ) کے عالم اور مفسرین کے اقوال جاننے والے سے صادر نہیں ہو سکتا۔ ہم یہاں (اس مقام پر) چند علماء کرام کی بعض آراء ذکر کرتے ہیں پھر اس کے بعد ہم اسباب نزول کے فوائد ذکر کرتے ہیں۔"

(علامہ) واحدی فرماتے ہیں" " کسی آیت کی تفسیر کا جاننا اس آیت کے (متعلقہ) قصے کو جانے بغیر اور اس کے نزول (کے سبب) کے بیان کے بغیر ممکن (ہی) نہیں

ابن دقیق العید کہتے ہیں۔" سبب نزول کا بیان قرآن کے معانی کو سمجھنے کا (نہایت) طاقتور طریقہ ہے۔"

ابن تیمیہ کہتے ہیں: "سبب نزول کا جاننا آیت کے مفہوم کو متعین کرتا ہے کیونکہ سبب کا علم مسبب کا علم دیتا ہے۔"

اس (تفصیل) سے علوم قرآن میں اس فن کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

اسباب نزول کے فوائد ذیل میں ان کا یہ خلاصہ ہو سکتا ہے۔

(الف) اس حکمت کی وجہ جاننا کہ جو حکم کی تشریع کا باعث ہے۔

(ب) حکم کی سبب کے ساتھ تخصیص (کرنا اور یہ بات ان کے نزدیک ہے کہ جو خصوص سبب کا اعتبار کرتے ہیں)

(ج) ان آیتوں میں حصر کے وہم کو دور کرنا کہ جن کا ظاہر حصر (کے معنی) والا ہے۔

(د) اس شخص کے نام کا معلوم ہونا کہ جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے اور آیت میں مبہم کی تعیین کرنا۔

ان کے علاوہ (اس فن کے) اور دوسرے عظیم فوائد بھی ہیں۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: "بعض ایسے لوگوں نے جنہیں علم میں گہرائی اور رسوخ حاصل نہیں ہے اسباب نزول کی اہمیت سے انکار کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ "قرآن کریم خود اتنا واضح ہے کہ اس کی تشریح کے لئے اسباب نزول کو جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے" لیکن یہ خیال بالکل باطل اور غلط ہے اور اسباب نزول کا علم تفسیر قرآن کے لئے ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کے فوائد بے شمار ہیں ان میں سے چند یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ اسباب نزول جاننے کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم کیوں اور کن حالات میں نازل فرمایا ہے۔

(۲) بسا اوقات سبب نزول کے جانے بغیر آیت کا صحیح مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آتا اور اگر سبب نزول معلوم نہ ہو تو آدمی اس آیت کا بالکل غلط مطلب بھی سمجھ سکتا ہے۔

(۳) قرآن کریم بسا اوقات ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ جن کا شان نزول کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے اور اگر ان کا صحیح پس منظر معلوم نہ ہو تو بسا اوقات (معاذ اللہ) بے فائدہ اور بے جوڑ معلوم ہونے لگتے ہیں کہ جن سے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر حرف آتا ہے۔

(۴) قرآن کریم میں ایسے مقامات بھی تھوڑے نہیں ہیں کہ جن میں کسی واقعہ کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ جب تک وہ واقعہ معلوم نہ ہو ان آیات کا مطلب سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ یہاں اسباب نزول کے تمام فوائد بیان کرنا مقصود نہیں۔ لیکن مذکورہ بالا فوائد سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ قرآن کریم کی تفسیر میں اسباب نزول کی کیا اہمیت ہے۔ اسی وجہ سے امام واحدی فرماتے ہیں: "جب تک آیت کا سبب نزول اور متعلقہ واقعہ معلوم نہ ہو اس وقت تک آیت کا مفہوم بیان کرنا ممکن نہیں۔"

لہٰذا جن لوگوں نے تفسیر قرآن کے معاملہ میں اسباب نزول کی اہمیت سے انکار کیا ہے وہ یا تو ناواقف ہیں یا اسباب نزول

سے آزاد ہو کر قرآن کے مضامین کو اپنا من مانا مفہوم پہنانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ (علوم القرآن ملخصاً از صفحہ ۶۲ تا ۶۷)

سید فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں: "قرآن کریم کی تفسیر کے لئے اسباب نزول کا علم نہایت ضروری ہے اور اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ اگر سبب نزول سامنے نہ ہو تو بسا اوقات آیت کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ قرآن کریم میں متعدد ایسے مقامات ہیں کہ جہاں کسی خاص واقعہ کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے، اور جب تک وہ واقعہ پوری طرح سامنے نہ ہو تو ان آیات کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ لہٰذا اسباب نزول کی معرفت سے نہ صرف آیات کے صحیح معانی منکشف ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے سمجھنے میں کسی قسم کا ابہام اور الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔" (احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۸۰)

أمثلة على معرفة أسباب النزول

أولاً: أشكل على (مروان بن الحكم) معنى قوله تعالى: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ﴾ (آل عمران: ۱۸۸) الآية.
فقال لخادمه: اذهب إلى ابن عباس فقل له: لئن كان كل امرئ فرح بما أوتي وأحب أن يحمد بما لم يفعل معذبا لنعذبن أجمعون، فبين له (ابن عباس) رضي الله عنهما ما أزال عنه الإشكال وقال له: إن الآية نزلت في أهل الكتاب – اليهود – حين سألهم النبي ﷺ عن شيء فكتموه إياه، وأخبروه بغيره، أروه أنهم أخبروه بما سألهم عنه، واستحمدوا بذلك إليه فنزلت الآية (رواه الشيخان)

ثانياً: كما أشكل على (عروة بن الزبير) رضي الله عنه معنى قوله تعالى: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرة: ۱۵۸) الآية. فإن ظاهر الآية الكريمة يشير إلى عدم وجوب السعي بين (الصفا والمروة) حتى قال (عروة بن الزبير) لخالته عائشة أم المؤمنين: يا خالة إن الله تعالى يقول: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَلَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرة: ۱۵۸) فأرى أنه لا بأس على الإنسان أن يترك السعي بينهما؟! فقالت له عائشة: بئس ما قلت يا ابن أختي، لو كان الأمر كما ذكرت لقال الله تعالى: فلا جناح عليه أن يطوف بهما . . . ثم أخبرته بأن الناس في الجاهلية كانوا يسعون بين الصفا والمروة وكانوا يحجون في سعيهم (الصنمين) أحدهما: على الصفا يسمى (إسافا) والثاني على المروة ويسمى (نائلة) فلما دخل الناس في الإسلام تحرج بعض الصحابة من السعي بينهما خشية أن يلتبس الأمر بعبادة الجاهلية، فنزلت الآية الكريمة تدفع عنهم الإثم والحرج وتوجب عليهم السعي لله تعالى لا للأصنام. فقد ردت عائشة على عروة فهمه وكان ذلك بسبب النزول.

ثالثاً: أشكل على بعض الأئمة معنى الشرط في قوله تعالى: ﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ

إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ﴾ (الطلاق: ٤) الآية حتى قال الظاهرية ان الآيسة (التي ينقطع دم الحيض عليها لكبر السن) لا عدة عليها إذا لم ترتب' وقد تبين خطأهم بسبب النزول' فإن الآية خطاب لمن لم يعلم ما حكمهن في العدة؟ وارتاب هل عليهن عدة أم لا؟ فيكون معنى ﴿إِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ اي إن أشكل عليكم حكمهن' وجهلتم كيف يعتدون فهذا هو حكمهن' وقد نزلت هذه الآية بعد أن قال بعض الصحابة إن عدة بعض النساء لم تذكر في القرآن وهن (الصغيرات والآيسات)' فنزلت الآية الكريمة تبين حكم عدة كل منهن' والله أعلم

رابعاً: ومن أمثلة فوائد النزول في دفع توهم الحصر ما روي عن الشافعي رحمه الله في قوله تعالى: ﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ....﴾ (الأنعام: ١٤٥) الآية. فقد قال ما معناه: إن الكفار لما حرموا ما أحل الله' وأحلوا ما حرم الله' وكانوا على المضادة والمحادة فجاءت الآية مناقضة لغرضهم فكأنه قال: لا حلال إلا ما حرمتموه' ولا حرام إلا ما أحللتموه' فلم يقصد حل ما وراءه وإنما القصد إثبات التحريم لا إثبات الحل' قال (إمام الحرمين) وهذا في غاية الحسن ولو لا سبق الشافعي إلى ذلك لما كنا نستجيز مخالفة مالك في حصر المحرمات فيما ذكرته الآية.

توضيح لمعنى الآية الكريمة

وتوضيحاً لهذه الفكرة أقول: إن ظاهر الآية الكريمة يدل على حصر المحرمات في هذه الأشياء المذكورة في الآية الكريمة وليس الأمر كذلك' فإن هناك محرمات غير هذه' وإنما وردت الآية بصورة الحصر وليس معناها الحصر للرد على المشركين في تحريمهم ما أحل الله وتحليلهم لما حرم الله.

لغات: أَشْكَل: مشکل اور پیچیدہ ہوا' الجہاد ہونا۔ مفازۃ: کامیابی' نجات۔ کَتَمَ: چھپانا' پوشیدہ رکھنا۔ اَرْأَی: حقائق وحقیقت' وظلا تا۔ شعائر: شعیرۃ کی جمع' وہ مذہبی رسم (اور علامتی کام کر) جسے انجام دینے کا شریعت نے حکم دیا ہو۔ حج کی قربانی کے لیے بھیجا جانے والا جانور۔ تحرّج: حرج سمجھنا' یا کسی کام میں تنگی اور پریشانی محسوس کرتے ہوئے اس سے بچنا۔

ترجمہ: اسباب نزول (کے فوائد) کے جاننے کی چند مثالیں

(۱) "(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) مروان بن حکم کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر اشکال ہوا

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ ------ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (آل عمران: ۱۸۸)

"تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور تعریف چاہتے ہیں بن کئے پر سو مت سمجھ ان کو کہ چھوٹ گئے

بت مروہ پر تھا اور اس کا نام تھا "نائلہ" پھر جب (اسلام کی دعوت آئی اور) لوگ (اسلام قبول کر کے) اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے تو بعض صحابہ کرامؓ نے اس ڈر سے صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے میں حرج سمجھا، کہیں یہ (حج کا) معاملہ جاہلیت (کے زمانہ) کی عبادت کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائے۔ تو (اس پر) یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نے صحابہ کرامؓ سے (صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے پر) گناہ اور حرج کو دور کیا اور ان پر اللہ کے لئے سعی کرنے کو واجب کیا نہ کہ بتوں کے لئے۔

"(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) حضرت عائشہؓ نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فہم (اور اس آیت کے بارے میں جو انہیں سمجھ میں آیا تھا اس) پر رد کیا۔

اور ایسا (فقط) سبب نزول (کے نہ جاننے) کی وجہ سے تھا۔

توضیح

سید فضل الرحمن صاحب اس واقعہ کی وضاحت ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں۔ "یہاں بھی سبب نزول کے بغیر صحیح مطلب نہیں سمجھا جا سکتا۔ کیونکہ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج یا عمرہ کے دوران صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا فقط جائز ہے۔ فرض یا واجب نہیں۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ اسی غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے انہیں بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں ان پہاڑوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام اساف اور دوسرے کا نام نائلہ تھا۔

اس لئے صحابہ کرامؓ کو شبہ ہوا کہ کہیں ان بتوں کی وجہ سے ان پہاڑوں کے درمیان سعی کرنا ناجائز نہ ہو گیا ہو۔ ان کے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔" (احسن البیان صفحہ ۸۳ جلد ۱)

علامہ عبدالحق حقانیؒ لکھتے ہیں:

"سو جب یہ جگہ محل اجابت دعا قرار پائی۔ پس جو کوئی حج یا عمرہ کے لئے جائے۔ تو اس وجہ سے کہ ایام جاہلیت میں اساف اور نائلہ کے بت (جو دو مرد و عورت تھے اور انہوں نے خانہ کعبہ کے پاس عین طواف میں زنا کا ارادہ کیا تھا جس سے ان کی صورت مسخ ہو گئی تھی) مشرکین نے رکھ لئے تھے اور ان کے گرد طواف کرتے تھے، ان مقامات مقدسہ کی بزرگی میں کوئی فرق نہ خیال کرے اگر ان پہاڑوں کے میدان میں اسی طرح سے کہ جس طرح حرم اجابت دعا کے لئے طواف کرتی پھرتی تھیں، کوئی طواف کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بلکہ اس کے لئے دعا اجابت ملنے کا وعدہ ہے یہ عجیب بات ہے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ اس کی قدردانی کرتا ہے کیونکہ وہ شکور بھی ہے یعنی قدردان اور واقف بھی۔ دنیا کے امراء اور سلاطین کی طرح غافل نہیں کہ مخلصوں کی خیر خواہی اور خدمت گزاری ان تک نہیں پہنچتی۔" (تفسیر حقانیؒ جلد ۱ صفحہ ۲ تفسیر سورۃ بقرہ بلفظہ)

لغات: آئیسہ: مایوس عورت شرعاً وہ عورت جسے کبھی حیض نہ آیا ہو یا کبر سنی کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو۔ ارتیاب: شک و شبہ کرنا، شک میں پڑنا۔

(۳) (مؤلف کتاب تیسری مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ)

مضادۃ: مخالفت۔ نستجیز: اجازت چاہنا، جائز سمجھنا۔ الفکرۃ: سوچ، خیال، رائے، خیالی رائے۔

ترجمہ: (۳) (مؤلف کتاب چوتھی مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ)

"نزول کے (اسباب جاننے کے) فوائد کی مثالوں میں سے (ایک اس) حصر کے وہم کو دور کرنا ہے کہ جو امام شافعی سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں مروی ہے۔ (وہ آیت یہ ہے)"

﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

(الانعام: ۱۴۵)

"تو کہہ دے کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ کہ جس پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بھوک سے بے اختیار ہو جائے نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو تیرا رب بڑا معاف کرنے والا ہے نہایت مہربان" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) امام شافعی نے جو (اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے) فرمایا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ "کفار نے جب اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور حرام کردہ اشیاء کو حلال کرلیا اور ایسا انہوں نے ضد اور دشمنی پر ہوتے ہوئے کیا۔ تو یہ آیت ان کی (اس نفسانی) خواہش کو توڑنے (اور ان کی مخالفت کرنے) کے لئے نازل ہوئی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے (ان کی ضد میں یوں) فرمایا وہی حلال ہے جسے تم حرام کرتے ہو اور وہی حرام ہے جسے تم حلال کرتے ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ چیزوں کی حلت (کے بیان کرنے) کا ارادہ نہیں کیا۔ بے شک (اللہ کی) مراد تحریم کو ثابت کرنا تھا نا کہ حلت کا ثابت کرنا۔ (مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی اس نہایت لطیف توجیہ پر) امام الحرمین فرماتے ہیں۔" یہ نہایت عمدہ بات ہے اگر امام شافعیؒ اس مطلب کی طرف نہ گئے ہوتے تو ہم آیت میں مذکورہ محرمات کے حصر میں امام مالکؒ کی مخالفت کو جائز نہ سمجھتے۔"

اس آیت کریمہ کے معنی کی توضیح

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے میں یہ کہتا ہوں کہ آیت کریمہ کا ظاہر اس آیت کریمہ میں مذکورہ اشیاء میں محرمات کے حصر پر دلالت کرتا ہے جبکہ بات یہ نہیں ہے کہ اس کے علاوہ بھی محرمات ہیں۔ بے شک یہ آیت حصر (کے معنی) کی صورت میں نازل ہوئی جبکہ اس آیت کا معنی حصر نہیں۔ (تو یہ حصر کی صورت فقط) مشرکین کے اللہ کی حلال کردہ اشیاء کے حرام کرنے اور حرام کردہ کو حلال کرنے پر رد کے لئے (نازل ہوئی)

(مؤلف کتاب اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے اپنے الفاظ میں یوں فرماتے ہیں کہ" یہ رومی بادشاہوں کے عمل کی طرح بادشاہ کا استبداد (یعنی بے جا زور زبردستی ہے) تو (اس پر) مروان نے (غصے سے) کہا کہ (خلیفہ کا یہ ارادہ) ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت ہے (نا کہ رومی بادشاہوں کی نقالی لیکن) حضرت عبدالرحمٰن نے (بھی تکرار کرتے ہوئے جواب دیتے ہوئے) فرمایا" (نہیں یہ تو) قیصریت (ہے) خدا کی قسم (حضرت) ابوبکرؓ نے (اس) خلافت کو اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں میں نہ رکھا۔ اور (حضرت) معاویہؓ نے تو (اس) خلافت کو اپنے بیٹے کی عزت (بڑھانے) کے لئے ہی رکھا۔ تو (اس پر) مروان نے (غصہ میں آ کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے) کہا کہ اس کو پکڑ لو (یعنی گرفتار کر لو) پس (حضرت) عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر (ان سپاہیوں کی گرفت سے بچنے کے لئے) حضرت عائشہؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ تو وہ (سرکاری ہرکارے) ان کو نہ پکڑ سکے۔ تو (اس پر) مروان نے یہ کہا کہ" یہ وہی شخص ہے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ (آیت) نازل کی۔"

﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ ... إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ (الاحقاف: ۱۷)

"اور جس شخص نے کہا اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا قبر سے اور گزر چکی ہیں بہت جماعتیں مجھ سے پہلے اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے۔ اے خرابی تیری تو ایمان لے آ۔ بے شک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں پہلوں کی۔" (تفسیر عثمانی)

(آگے روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ)

"پس حضرت عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے ارشاد فرمایا" اللہ نے ہمارے بارے میں کوئی بات قرآن میں نازل نہیں فرمائی۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا عذر (یعنی میری براءت) نازل فرمائی اگر میں اس شخص کا نام بتانا چاہوں کہ جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تو میں بتا سکتی ہوں۔" ❶

توضیح

علامہ عبدالحق" لکھتے ہیں" مروان کو معاویہؓ نے حجاز کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ وہ لوگوں کو یزید کی بیعت پر آمادہ کرتا تھا۔ عبدالرحمٰنؓ نے یہ دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ تو خلفاء راشدین کا طریقہ نہیں بلکہ شاہانہ طریق ہے اس پر مروان نے خفا ہو کر کہہ دیا کہ عبدالرحمٰن وہ ہے کہ جس کے حق میں ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ﴾ نازل ہوئی۔ مگر عائشہ صدیقہؓ نے سن کر مروان کو جھوٹا کہہ دیا اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو اس اتہام سے بری کیا۔ اس قصہ کو بخاری نے نقل کیا ہے پھر اس سے یہ سمجھنا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل ہوئی ہے غلط سمجھ ہے۔" (تفسیر حقانی بلفظہ جلد ۳ صفحہ ۱۱ تفسیر سورۃ احقاف)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں" اور دوسری آیت ﴿وَالَّذِي قَالَ﴾ لوالدیہ الی آخرہ جو کہ مروان

❶ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی شان میں بتایا ہے صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے اس کی تکذیب منقول ہے۔ مروان نے محض عداوت سے کہہ دیا تھا۔" (بیان القرآن بلفظہ جلد ۱۱ صفحہ ۸)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس اور سدی اور مجاہد کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عبداللہ کے حق میں ہوا۔ بعض روایات میں عبداللہ کی جگہ عبدالرحمٰن کا نام آ گیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو جب ان کے والدین نے اسلام کی دعوت دی تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ میرے لئے عبداللہ بن جدعان کو اور عامر بن کعب کو اور مشائخ قریش کو زندہ کر دو ان سے میں آپ کی بات کے متعلق پوچھوں گا۔ (کہ یہ ٹھیک ہے یا غلط)

میں کہتا ہوں کہ آیت مذکورہ کا عبدالرحمٰن کے حق میں نازل ہونے کا خیال مروان کے قول سے پیدا ہوا۔ اور آپ نے سن لیا کہ مروان کا قول محض دشمنی کی بنا پر تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مروان کے قول کی تردید کی اور ایک شخص کا نام لے کر فرمایا یہ آیت فلاں شخص کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو مروان کے قول کی تردید اور حضرت عبدالرحمٰن کے حق میں نزول آیت کا انکار کیا ہے یہ روایت زیادہ صحیح الاسناد اور قابل قبول ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ ایک کافر کے لئے نازل ہوئی (کہ جو اپنے ماں باپ کا) نافرمان تھا۔ حسن اور قتادہ کا یہی قول ہے۔" (تفسیر مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"مروان نے جو اس آیت کا مصداق حضرت عبدالرحمٰن کو اپنے کسی خطبے میں کہا تھا اس کی تکذیب صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے صحیح بات یہی ہے کہ مفہوم آیت کا عام ہے کسی صحیح روایت میں کسی فرد کا مصداق آیت ہونا منقول نہیں۔" (معارف القرآن جلد ۷ صفحہ ۸۰۹)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں "حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔"

"یہ ہر اس کافر کا ذکر ہے جو اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہو۔ جو اس کو رشد و ہدایت کی دعوت دیتے ہوں اور وہ ماں باپ کی بات کو ٹھکرا دیتا ہو اور مسلسل انکار قیامت کرتا رہے اور کسی طرح نصیحت پر نہ آئے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ اس آیت کا مصداق کسی معین شخص کو (ہی) قرار دیا جائے۔" (معارف القرآن مولانا کاندھلویؒ جلد ۷ صفحہ ۲۸۰-۲۸۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ اسباب نزول کے جاننے کا ایک اہم ترین فائدہ یہ بھی ہے کہ اس آدمی کا نام معلوم ہو جاتا ہے کہ جس کے بارے میں وہ آیت نازل ہوئی ہو کہ اس سے ہر قسم کا ابہام بھی اور اشتباہ بھی دور ہو جاتا ہے ورنہ آدمی گمراہی میں پڑ سکتا ہے۔ (تفہیم) واللہ اعلم

"کوئی واقعہ ہو جاتا ہے یا کوئی حادثہ ہو جاتا ہے چنانچہ اس واقعہ (یا حادثہ) کے بارے میں (ایک) آیت یا کئی آیات کریمہ نازل ہوتی ہیں تو اس واقعہ (یا حادثہ) کا نام "سبب نزول" رکھا جاتا ہے اور کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (کسی چیز کے بارے میں) حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے یا امور دین میں سے کسی امر کے بارے میں پوچھنے کے لئے سوال کیا جاتا (تھا) چنانچہ (اس سوال کے جواب میں) بعض آیات کریمہ نازل ہو جاتیں تو اس کو بھی "سبب نزول" کہتے ہیں۔"

کسی حادثہ (کے بارے میں نازل ہونے والی آیات) کی مثال وہ ہے کہ جو بخاریؒ نے حضرت خباب بن الارتؓ کے بارے میں روایت کی ہے "حضرت خبابؓ فرماتے ہیں کہ میں لوہار تھا۔ اور میرا عاص بن وائل کے ذمہ قرض تھا چنانچہ میں اس کے پاس اس سے (اپنا) قرض مانگنے گیا۔ تو وہ (بدبخت) کہنے لگا کہ میں تمہیں تیرا قرض واپس نہ کروں گا حتیٰ کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان کی دعوت) کا انکار کر دے اور لات اور عزیٰ کو پوجنے لگے۔ تو میں نے جواب دیا کہ "میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا) انکار نہ کروں گا حتیٰ کہ اللہ تمہیں موت دے دے اور تمہیں پھر (زندہ کر دے اور) اٹھائے (یعنی میں قیامت تک ایمان پر قائم رہوں گا) تو (اس پر وہ بدبخت) کہنے لگا (کہ) تو پھر تو میں مروں گا (ہی) اور پھر (دوبارہ) اٹھایا (ہی) جاؤں گا۔ پس تو مجھے اس دن تک کی مہلت دے دے۔ پھر میں مال اور اولاد دیا جاؤں گا تو میں (اس دن) تیرا قرض تجھے ادا کر دوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے عاص بن وائل کے بارے میں اپنا (یہ قول) اتارا۔

﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا﴾ (مریم: ۷۷-۸۰)

"بھلا تو نے دیکھا اس کو جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد کیا جھانک آیا ہے غیب کو یا لے رکھا ہے رحمٰن سے عہد، یوں نہیں ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اس کو عذاب میں لمبا۔ اور ہم لے لیں گے اس کے مرنے پر جو کچھ وہ بتلا رہا ہے اور آئے گا ہمارے پاس اکیلا۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"سوال (کرنے اور پھر اس پر آیت کے نازل ہونے) کی مثال وہ ہے کہ جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ یہود ہم پر غالب آتے ہیں اور چاند کے بارے میں ہم سے بہت سوال کرتے ہیں۔ یہ چاند کا معاملہ کیا ہے کہ (بالکل) باریک ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ بالکل بھر جاتا ہے اور گول ہو جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے حتیٰ کہ دوبارہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ تھا تو (اس پر اس سوال کے جواب میں) اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ (البقرۃ: ۱۸۹) "تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا، کہہ دے کہ یہ اوقات مقرر ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ معاذ بن جبل انصاری اور ثعلبہ بن غنم اللہ رضیؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے ہلال اول تو باریک سا ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے بالکل بھر جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے اس کے بعد باریک ہونا شروع ہوتا ہے حتی کہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اول میں تھا۔ ایک حالت پر نہیں رہتا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔" یہ روایت علامہ بغویؒ نے نقل کی ہے۔" (تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۲۵۹)

علامہ عبدالحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہلالوں کے متعلق سوال کیا کہ اس میں کیا بھید ہے؟ کہ اول راتوں میں چاند باریک خم دار ہوتا ہے (بعد میں) پھر بڑھتے بڑھتے بڑھ جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے اور پھر گھٹنے لگتا ہے آخر وہی باریک خم دار رہ جاتا ہے۔ چونکہ مسئلہ علم ہیئت سے متعلق تھا جس کے سمجھنے کی ان اَن پڑھ بدوؤں میں لیاقت نہ تھی۔ مفت الجھن میں پڑ جاتے اس لئے اس سے اعراض کر کے جو فائدہ تھا وہ بتا دیا گیا۔ (تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۷۲ تفسیر سورۃ بقرہ آیت ۱۸۹)

گزشتہ صفحات میں سبب نزول کی اصطلاحی تعریف اور اس کے فوائد اور اس سے انکار کرنے والوں کی غرض فاسد کو بیان کر دیا گیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ (نسیم)

كيف يعرف سبب النزول؟

يظهر مما سبق ان اسباب النزول لا يمكن أن تدرك بالرأي، ولا بد فيها من الرواية الصحيحة والسماع ممن شاهدوا التنزيل، او وقفوا على الاسباب و بحثوا فيها من الصحابة والتابعين وغيرهم ممن اكتسبوا علومهم على أيدي العلماء الموثوقين... وقد قال (ابن سيرين) سألت (عبيدة) عن آية من القرآن فقال: اتق الله وقل سدادا. ذهب الذين يعلمون فيما انزل الله من القرآن. ويعتمد في معرفة سبب النزول على (النقل الصحيح) فاذا صرح الراوي بلفظ السبب فهو نص صريح فيه كقول الراوي: سبب نزول هذه الآية كذا و كذا...

وكذلك إذا أتى بفاء تعقيبية داخلة على مادة النزول كقوله (حدث كذا... او سئل النبي عليه السلام عن كذا فنزلت) فهو نص صريح في سبب النزول أيضا..

وقد لا تكون الصيغة نصا في السبب كقولهم (نزلت هذه الآية في كذا... فقد يراد منه سبب

(۱) بعض مرتبہ کسی علمی مباحثے میں کسی صحابی نے وہ آیت بطور دلیل کے پیش کردی، مفسرین وہ واقعہ بھی مناسبت سے اس آیت کے تحت ذکر کر دیتے ہیں۔

(۲) بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقع پر کوئی آیت بطور استشہاد پڑھی، مفسرین اسے بھی آیت کے تحت نقل کر دیتے ہیں۔

(۳) جو بات کسی آیت میں بیان کی گئی ہے بعض مرتبہ وہی بات آپ نے کسی حدیث میں بھی ارشاد فرمادی، تفسیر کی کتابوں میں وہ حدیث بھی اس آیت کے تحت روایت کر دی جاتی ہے۔

(۴) بعض مرتبہ مفسرین کوئی روایت محض یہ بتانے کے لئے نقل کرتے ہیں کہ (یہ) آیت کس مقام پر نازل ہوئی۔ یہ روایت بھی تفسیر کے ذیل میں درج ہو جاتی ہے۔

(۵) بعض مرتبہ قرآن کریم کچھ لوگوں کا ذکر مبہم طور پر کرتا ہے اور ان کا نام نہیں ذکر کرتا ہے۔ مفسرین روایتوں کے ذریعے اس کا نام متعین کر دیتے ہیں۔

(۶) بعض مرتبہ کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے فلاں لفظ کو صحیح تلفظ کیا ہے، تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایات بھی درج ہو گئی ہیں۔

(۷) بعض احادیث اور آیتوں میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں یا آیتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ مفسرین ان روایات کو بھی متعلقہ مقامات پر ذکر کر دیتے ہیں۔

(۸) بعض مقامات پر ایسی احادیث بھی تفسیر کے ذیل میں منقول ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے اس حکم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح عمل فرمایا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم روایات نہ سبب نزول کی تعریف میں داخل ہیں اور نہ مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی تمام روایات سے واقف ہو۔ البتہ جو روایات واقعۃً آیت کا سبب نزول ہوں ان کا جاننا مفسر کے لئے نہایت ضروری ہے اور ان کے بغیر علم تفسیر میں دخل دینا جائز نہیں (علوم القرآن بحذف صفحہ ۸۰، ۸۱)

هل يتعدد سبب النزول؟

كثيرًا ما يذكر المفسرون لنزول الآية أسبابًا متعددة، والمعتمد في مثل هذه الحالة أن ننظر إلى العبارة التي قالوها، ونستطيع أن نستخلص ما يلي:

أولًا: أن يعبر كل منهما بقوله (نزلت هذه الآية في كذا) ويذكر أمرًا آخر غير الذي ذكره الأول، فيحمل على أنه استنباط للحكم، وتفسير لمعنى الآية، فلا منافاة بينهما كما مر لأنه ليس بسبب للنزول.

ثانياً: أن يعبر أحدهما بقوله (نزلت الآية في كذا) ويصرح الآخر بذكر سبب النزول فالمعتمد هو (التصريح) مثاله ما رواه في البخاري عن (ابن عمر) رضي الله عنه قال: أنزلت ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ (البقرة: ٢٢٣) الآية في إتيان النساء في أدبارهن وروى مسلم في صحيحه عن (جابر) رضي الله عنه قال: كانت اليهود تقول: من أتى امرأته من دبرها في قبلها جاء الولد أحول فأنزل الله ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ الآية فالمعتمد هنا الثاني وهو حديث جابر لأنه نص في السبب فهو نقل، وقول ابن عمر ليس بنص فيحمل على أنه استنباط للحكم وتفسير له.

ثالثاً: أن يذكر كل واحد سبباً صريحاً للنزول غير الآخر فيعتمد هنا الصحيح دون الضعيف.

مثاله: ما أخرجه الشيخان عن جندب قال: اشتكى النبيّ فلم يقم ليلة أو ليلتين، فأتته امرأة فقالت: يا محمد، ما أرى شيطانك إلا قد تركك فأنزل الله ﴿وَالضُّحَى ٥ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ٥ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى ٥﴾ (الضحى: ١-٣)

وأخرج (الطبراني): أن جروا دخل بيت النبيّ فدخل تحت السرير فمات، فمكث النبي أربعة أيام لا ينزل عليه الوحي، فقال: يا خولة ما حدث في بيت رسول الله؟ جبريل لا يأتيني؟ فقلت في نفسي: لو هيأت البيت وكنسته، فأهويت بالمكنسة تحت السرير فأخرجت الجرو، فجاء النبي ترعد لحييه- وكان إذا نزل عليه أخذته الرعدة- فأنزل الله ﴿وَالضُّحَى ٥ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ٥﴾ إلى قوله ﴿فَتَرْضَى﴾ فيعتمد على الرواية الأولى لأنها في الصحيحين. قال (ابن حجر) في شرح البخاري قصة جبريل بسبب (الجرو) مشهورة لكن كونها سبب نزول الآية غريب، وفي إسناده من لا يعرف فالمعتمد ما في الصحيح.

رابعاً: أن يستوي الإسنادان في الصحة فيرجح أحدهما على الآخر لوجه من وجوه الترجيحات كذكر الراوي أنه حضر القصة مثلاً أو نحو ذلك.

مثاله: ما أخرجه (البخاري) عن ابن مسعود قال: كنت أمشي مع النبيّ بالمدينة وهو يتوكأ على عسيب، فمر بنفر من اليهود، فقال بعضهم لو سألتموه، فقالوا: حدثنا عن الروح، فقام ساعة ورفع رأسه، فعرفت أنه يوحى إليه، حتى صعد الوحي ثم قال: ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّن الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ٥﴾ (بني اسرائيل: ٨٥)

وما أخرجه (الترمذي) وصححه عن ابن عباس قال: قالت قريش لليهود أعطونا شيئاً نسأل هذا الرجل عنه؟ فقالوا: سلوه عن الروح، فأنزل الله ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ (بني اسرائيل: ٨٥) الآية. فهذه الرواية تقتضي أنها نزلت بمكة، والأولى تقتضي أنها نزلت بالمدينة فترجح الرواية

الأولى لأن ابن مسعود حاضر القصة، ثم ما رواه البخاري يرجح على ما رواه غيره.

خامساً: أن تكون كل من الروايتين صحيحة الإسناد، وأن يكون بينهما تقارب في المدة، فتنزل الآية أو الآيات بسبب الحادثتين معًا، ويصار إلى الجمع بين الروايتين.

مثاله: ما أخرجه البخاري عن ابن عباس (رضي الله عنهما) أن هلال بن أمية قذف امرأته عند النبيّ بشريك بن سحماء، فقال النبيّ: البينة أو حد في ظهرك، فقال: يا رسول الله، إذا رأى أحدنا مع امرأته رجلًا ينطلق يلتمس البينة، فجعل النبيّ يقول: "البينة أو حد في ظهرك" فقال: والذي بعثك بالحق إني لصادق، ولينزلن الله تعالى ما يبرئ ظهري من الحد، فنزل جبريل، وأنزل الله عليه ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ ...﴾ حتى بلغ ﴿إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ (النور: ٩)

وما أخرجه (الشيخان) عن سهل بن سعد قال: جاء (عويمر بن نصر) إلى (عاصم ابن عدي) فقال: إسأل رسول الله عن رجل وجد مع امرأته رجلًا أيقتله فيقتل به أم كيف يصنع؟ فسأل (عاصم) رسول اللهّ فعاب السائل، فأخبر عاصم عويمر، فقال: والله لآتين رسول الله فلأسألنه، فأتاه فقال ﷺ: إنه قد أنزل فيك وفي صاحبتك قرآن وتلا الآية الكريمة ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ ...﴾ (النور: ٦) الآية

وطريق الجمع بينهما أن نقول: إن أول من وقع له ذلك (هلال) وصادف مجيء (عويمر) أيضا فنزلت فيهما جميعا.

قال ابن حجر: ولا مانع من تعدد الأسباب.

سادسًا: أن لا يمكن الجمع بين الروايات الصحيحة فيحمل على تعدد النزول وتكرره؛ لأن المدة بينهما بعيدة.

مثاله: ما روي في الصحيحين عن (المسيب) قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل عليه رسول الله وعنده أبو جهل وعبدالله بن أبي أمية فقال: أي عم، قل (لا إله إلا الله) كلمة أحاج لك بها عند الله، فقال أبو جهل، وعبدالله: أترغب عن ملة عبد المطلب، فلم يزالا يكلمانه حتى قال: هو على ملة عبدالمطلب، فقال النبيّ: لأستغفرن لك ما لم أنه عن ذلك فنزلت: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ (التوبة: ١١٣) الآية

وما أخرجه الترمذي عن علي (رضي الله عنه) قال: سمعت رجلًا يستغفر لأبويه وهما مشركان فقلت: تستغفر لأبويك وهما مشركان؟ فقال: استغفر إبراهيم لأبيه وهو مشرك، فذكرت ذلك لرسول اللهّ فنزلت ﴿ما كان للنبي...﴾ الآية

اور عشاء کے درمیان نفلیں پڑھتے رہتے تھے۔ ایک اور روایت میں انہی سے مروی ہے کہ یہ آیت ان حضرات کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو عشاء کی نماز کے انتظار میں جاگتے رہتے تھے۔ اور بعض دوسرے حضرات نے اس آیت کو تہجد گزار حضرات کے بارے میں قرار دیا ہے۔ اب بظاہر یہ اختلاف شان نزول کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ (اختلاف شان نزول کا نہیں بلکہ) آیت کے مصداق ہیں اور یہ تمام نیک اعمال آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ (علوم القرآن صفحہ ۸۶-۸۸)

ترجمہ (۲) (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"دو عبارتوں میں سے ایک تو یہ ہے کہ "نزلت الآیة فی کذا" اور دوسرا عنوان اس آیت کے بارے میں یہ سبب نزول کو صراحت بیان کرے۔ تو معتبر یہاں (وہ روایت ہے کہ جس میں سبب نزول کی) تصریح ہے" اس کی مثال وہ ہے کہ جو بخاری نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۲۳) "تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو" (تفسیر عثمانی)

(حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ) "یہ آیت عورتوں کے ساتھ پشت میں صحبت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ "یہود یہ کہتے تھے کہ جو اپنی بیوی سے پیچھے کی جانب سے لگ کر (یعنی) معدہ میں صحبت کرے گا تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔" تو اللہ تعالیٰ نے ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ والی آیت نازل فرمائی۔"

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"اس مقام پر معتبر روایت وہ دوسری ہے کہ جو حضرت جابرؓ والی ہے کیونکہ وہ سبب نزول میں نص ہے۔ کیونکہ وہ نقل ہے۔ (یعنی انہوں نے صراحۃً یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ارشاد فرمائی ہے۔) (تسہیل) اور حضرت ابن عمرؓ کا قول یہ نص نہیں ہے لہٰذا یہ حکم کے استنباط اور آیت کی تفسیر پر محمول کیا جائے گا۔"

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ "(ایک) قاعدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں دو روایتیں ہوں۔ ایک میں "نزلت الآیة فی کذا" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں اور دوسری میں صراحۃً کسی واقعہ کو سبب نزول قرار دیا گیا ہو۔ تو اس دوسری روایت پر اعتماد کیا جائے گا۔ اور پہلی روایت چونکہ شان نزول کے مفہوم میں صریح نہیں ہے اس لئے اسے راوی کے اپنے اجتہاد و استنباط پر محمول کیا جائے گا۔ مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ (بقرہ: ۲۲۳)

"تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں لہٰذا اپنی کھیتی میں آؤ جہاں سے چاہو۔"

اس آیت کے بارے میں امام بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "یہ عورتوں سے ساتھ پشت میں صحبت

کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔"[1] لیکن حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ صراحۃً اس کا شانِ نزول یہ بتلاتے ہیں کہ یہود کا خیال یہ تھا کہ اگر مباشرت پیچھے کی جانب سے اگلے ہی حصہ میں کی جائے تو اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس نے یہ واضح کر دیا کہ مباشرت کی جگہ تو ایک ہی ہے۔ (یعنی اگلا حصہ) جس سے اولاد پیدا ہو سکے۔ لیکن اس کے لیے راستہ کوئی بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔[2]

ان دونوں روایتوں میں چونکہ حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت چونکہ مفصل اور صریح ہے۔ اس لئے اس کو ترجیح ہوگی۔ اور حضرت ابن عمرؓ کے قول کو ان کا استنباط قرار دیا جائے گا۔[3] اور درحقیقت ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پشت کی جانب سے عورت سے صحبت کرنا اس آیت کی رو سے جائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس آیت سے عورتوں کے ساتھ لواطت کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔[4] (کیونکہ اس میں عورت کو کھیتی یعنی پیدائش اولاد کو ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور یہ لواطت میں ممکن نہیں) (علوم القرآن صفحہ ۸۸-۸۹)

لغات۔ اشتکی: بیمار ہونا۔ ودّع: رخصت کرنا۔ قلی: متنفر ہونا، ترک تعلق کرنا۔ جرو: کتے کا پلا۔ فتہیأت: ٹھیک کرنا، درست کرنا، گھر کی جھاڑ پونچھ کرنا۔ کنست: جھاڑو لگانا۔ الرعدۃ: کپکپاہٹ۔

ترجمہ: (۳) (مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"ہر ایک مفسر صراحۃً سبب نزول ذکر کرے کہ جو دوسرے سے مختلف ہو، تو یہاں صحیح روایت پر اعتماد کیا جائے گا نا کہ ضعیف پر۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ جس کو شیخینؒ نے حضرت جندبؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ "ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور ایک یا دو راتیں (تہجد کے لئے) نہ اٹھے تو (اس پر) ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا اے محمد! میرے خیال میں (نعوذ باللہ) تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔"

﴿وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝﴾ (الضحیٰ: ۱-۳)

"قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی۔ اور رات کی جب چھا جائے نہ رخصت کر دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ بیزار ہوا۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) اور طبرانیؒ نے روایت کی ہے کہ "ایک کتے کا پلا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوا اور چارپائی کے نیچے گھس گیا۔ اور (وہیں) مر گیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار دن تک ٹھہرے رہے اور آپ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی۔ تو (اس پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے خولہ! "رسول اللہ کے گھر میں ایسی کیا بات ہوگئی کہ جبرئیل میرے پاس نہیں آتے۔" تو میں نے (یعنی حضرت خولہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے) اپنے دل میں سوچا کہ مجھے گھر کو درست کرنا اور جھاڑو

[1] الاتقان صفحہ ۳۱ جلد ۱ [2] اسباب النزول للواحدی صفحہ ۴۰
[3] الاتقان صفحہ ۳۲ جلد ۱ [4] مناہل العرفان جلد ۱ صفحہ ۱۰۸

نکالی جائے۔ پس میں نے چارپائی کے نیچے جھاڑو لگائی تو میں نے کتے کا (مرا ہوا) پلا نکالا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ آپ کی داڑھی (مبارک کے بال) کپکپا رہے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ﴿وَالضُّحٰى ..... فَتَرْضٰى﴾ (والضحى: ۱-۳) والی آیت اتاری۔

تو (یہاں) پہلی روایت پر اعتماد کیا جائے گا کیونکہ وہ صحیحین میں (روایت) ہے (حافظ) ابن حجر بخاری (شریف) کی شرح (فتح الباری میں) فرماتے ہیں کہ "(کتے کے) پلے کے سبب سے (حضرت) جبرائیل (کے وحی نہ لے کر آنے) کا قصہ مشہور ہے لیکن اس کا آیت کا سبب نزول ہونا ایک انوکھی بات ہے اس قصے کی سند میں مجہول لوگ ہیں۔ معتبر روایت وہ ہے جو صحیح (بخاری) میں ہے۔" ❷

توضیح

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں "سبب نزول متعین کرنے کے لئے دوسرا اصول یہ ہے کہ ایک روایت صحیح سند کے ساتھ آئی ہو اور دوسری ضعیف یا مجروح سند کے ساتھ تو صحیح روایت کو اختیار کر لیا جائے گا اور ضعیف روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔ مثلاً سورۃ الضحیٰ کی ابتدائی آیات ہیں۔ ﴿وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝﴾ (الضحى: ۱-۳) "قسم وقت چاشت کی اور رات کی جب وہ چھا جائے کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ خفا ہوا۔"

اس آیت کے شان نزول میں بخاری و مسلم نے جندب کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی تکلیف کی وجہ سے ایک یا دو راتیں (تہجد کی) نماز نہ پڑھ سکے۔ اس پر ایک کافر عورت نے یہ طعنہ دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے (معاذ اللہ) شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

دوسری طرف طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے حفص بن میسرہ کی نانی خولہ سے (کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں) یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک کتے کا پلا حضور کے گھر میں آ کر چارپائی کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور وہیں اسے موت آ گئی۔ اس واقعے کے بعد چار دن تک آپ پر وحی نازل نہ ہوئی۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ کے گھر میں ایسی کیا بات ہوگئی جو جبرئیل میرے پاس نہیں آ رہے۔ میں نے دل میں کہا کہ مجھے گھر میں جھاڑو پونچھ کرنی چاہیے چنانچہ میں نے جھاڑو چارپائی کے نیچے ڈال کر صفائی کی تو پلا نکل آیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔"

لیکن یہ دوسری روایت سنداً صحیح نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں بعض روای مجہول ہیں۔ لہٰذا قابل اعتماد شان نزول وہی ہے کہ جو صحیح بخاری میں مروی ❷ ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۹۸-۱۰۰)

لغات: یَتَّکِئُ: ٹیک لگانا، سہارا لینا، تکیہ لگانا۔ خَبِیْبٌ: بچے تو ڑتے ہوئے کھجور کی شاخ۔ نَفَرٌ: لوگوں کی جماعت، مجمع۔

---

❶ بلاغت القرآن صفحہ ۳۳ جلد ۱

❷ بلاغت القرآن صفحہ ۳۳ جلد ۱

مجلس۔

ترجمہ: (۴) (مولف کتاب فرماتے ہیں)

"دونوں سندیں صحت کے اعتبار سے برابر ہوں تو ہم ترجیحات کی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دیں گے۔ اس کی مثال وہ روایت ہے کہ جو (امام) بخاری نے (حضرت) عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ (کی گلیوں) میں چل رہا تھا۔ اور آپؐ کھجور کی ایک شاخ کا سہارا لے کر چل رہے تھے۔ (اتنے میں) آپؐ کا گزر کچھ یہودیوں کے پاس سے ہوا تو ان میں سے ایک نے (دوسرے سے) کہا کہ "ہمیں ان سے کچھ پوچھنا چاہیے۔" چنانچہ انہوں نے (آپؐ کے پاس آکر) کہا "ہمیں روح کے بارے میں بتلایئے۔ پس آپ تھوڑی دیر رک گئے اور (کچھ دیر بعد) آپؐ نے (اپنا) سر (مبارک) اٹھایا میں سمجھ گیا کہ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے حتیٰ کہ وحی ختم ہوگئی پھر آپؐ نے فرمایا ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵) "کہہ دے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو علم دیا ہے تھوڑا سا۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اور امام ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، اور اس روایت کو صحیح (بھی) کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "(ایک مرتبہ) قریش نے یہود سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ کہ جو ہم ان صاحب (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھ سکیں۔" اس پر ان یہودیوں نے کہا کہ "ان سے روح کے بارے میں پوچھو۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔"

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ......﴾

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) یہ روایت تقاضا کرتی ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اور پہلی روایت تقاضا کرتی ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔ پس پہلی روایت کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ اس قصہ میں (خود) حاضر تھے پھر (یہ بات بھی ہے کہ) جو روایت بخاری کی ہو اس کو دوسری روایت پر ترجیح دی جاتی ہے۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس مقام پر فرماتے ہیں۔ "بعض مرتبہ دو روایتیں کہ جو شان نزول کے بارے میں ہوتی ہیں وہ سند کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں۔ لیکن کسی ایک روایت کے حق میں کوئی وجہ ترجیح پائی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک کی سند دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہے یا ایک کا راوی ایسا ہے کہ جو واقعہ کے وقت موجود تھا۔ اور دوسری روایت کا راوی واقعہ کے وقت موجود نہ تھا۔ تو ایسی صورت میں اس روایت کو اختیار کیا جائے گا۔ کہ جس کے حق میں وجہ ترجیح موجود ہے (اس کے بعد علامہ عثمانی دامت برکاتہم بخاری، ترمذی کی دونوں روایتوں کو نقل کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں کہ) پہلی روایت سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی۔ سند کے اعتبار سے بھی دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ لیکن پہلی روایت کے حق میں یہ وجہ ترجیح موجود ہے کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ خود واقعہ کے وقت موجود تھے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خود اس واقعہ کے وقت حاضر ہوں۔ اس لئے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت قابل ترجیح ● ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۹۰-۹۱)

ترجمہ: (مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"دونوں روایتوں کی اسناد صحیح ہوں۔ اور ان دونوں کے درمیان (نزول کی) مدت بھی قریب قریب ہو۔ پس ایک یا کئی آیتیں دو واقعات کی وجہ سے اکٹھی ہی نازل ہوں۔ اور (اس پر) ہم دونوں روایتوں کو جمع کر دیتے ہیں۔

اس کی مثال وہ روایت ہے کہ جو امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ہلال بن امیہؓ نے شریک بن سحماءؓ کے ساتھ مل کر اپنی بیوی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زنا کی تہمت لگائی۔ تو اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(یا تو) گواہ (پورے لاؤ) یا (پھر) تمہاری پیٹھ پر (تہمت لگانے کی وجہ سے) حد آئے گی۔ اس پر ہلال بن امیہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (کیا) جب ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی (غیر) مرد کو دیکھے گا تو وہ گواہ ڈھونڈتا پھرے گا۔" تو (اس پر بھی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم (یہی) فرماتے رہے "(یا تو) گواہ (پورے لاؤ) یا (پھر) تمہاری پیٹھ پر (تہمت کی وجہ سے) حد آئے گی۔ پس ہلال بن امیہؓ نے عرض کیا "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا" میں سچا ہوں۔ اور اللہ ضرور بالضرور ایسی بات نازل کرے گا کہ جو میری پیٹھ کو حد (کی سزا) سے بری کر دے گی۔ پس جبرئیل علیہ السلام (آسمان سے) نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ﴾ (النور: ۶) سے لے کر ﴿اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾ (النور: ۹) تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ (سورۂ نور: ۲)

"اور جو لوگ عیب لگائیں اپنی جوروؤں کو اور شاہد نہ ہوں ان کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دیں اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص سچا ہے۔" (تفسیر حقانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"اور وہ روایت (بھی اس آیت کے نزول کے بارے میں ہے) کہ جس کو بخاریؒ و مسلمؒ نے سہل بن سعدؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ "عویمرؓ بن سعدؓ عاصم بن عدیؓ کے پاس آئے۔ اور کہا کہ "آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں دریافت کریں کہ جس نے اپنی بیوی کے پاس کسی (غیر) آدمی کو پایا" آیا وہ اس آدمی کو قتل کر دے اور (کیا) اس سے قصاص لیا جائے گا؟ ایسے شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ پس عاصمؓ نے (یہ بات) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی۔ آپؐ نے سائل کو برا کہا۔ پس عاصمؓ نے (یہ بات) عویمرؓ کو (جا) بتلائی۔ تو اس پر

● مناہل العرفان صفحہ ۲۲ جلد ا۔

ہیں دوزخ والے۔“ (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں اور) وہ روایت کہ جس کو امام ترمذیؒ نے حضرت علیؓ سے یہ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے ایک آدمی کو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے بخشش مانگتے سنا“ تو اس پر میں نے اس کو کہا کہ ”تو اپنے مشرک والدین کے لئے مغفرت کی دعا مانگتا ہے“ اس پر اس آدمی نے جواب دیا کہ ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (بھی) اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا اور وہ مشرک تھا۔“ یہ بات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ما کان للنبی ...... ﴾

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن قبرستان تشریف لے گئے۔ اور ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور دیر تک اس قبر والے کے لئے دعا کرتے رہے اور روتے رہے۔ پھر فرمایا: ”جس قبر کے پاس میں بیٹھا تھا یہ میری والدہ کی قبر تھی میں نے اپنے پروردگار سے ان کے لئے دعا مانگنے کی اجازت چاہی مجھے اجازت نہیں دی گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ ”ما کان للنبی ...... “ الآیۃ

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا: ”ان احادیث کو تعدد نزول (کے طریق) سے جمع کریں گے۔“

توضیح

تکرار نزول

علامہ عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ”(ایک) صورت تکرار نزول کی ہے۔ یعنی بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی آیت ایک سے زیادہ مرتبہ نازل ہوئی ہے اور ہر مرتبہ اس کا نزول کسی نئے واقعہ کے پس منظر میں ہوا ہے۔ اب کسی راوی نے ایک نزول کا واقعہ ذکر کر دیا اور دوسرے نے دوسرے نزول کا۔ اس سے ظاہری طور پر تضاد معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں تضاد اس لئے نہیں ہوتا کہ آیت دونوں واقعات میں دونوں مرتبہ نازل ہوئی۔ (پھر علامہ عثمانی تینوں واقعات اور ان کی روایات کو ذکر کر فرماتے ہیں کہ) یہاں تینوں واقعات میں ایک ہی آیت کا نزول بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت تینوں مرتبہ الگ الگ نازل ہوئی۔“ [1] (علوم القرآن صفحہ ۹۳ - ۹۵ ملخصاً)

هل العبرة بعموم اللفظ أم بخصوص السبب؟

اختلف علماء الأصول في مسألة دقيقة وهي: هل العبرة بعموم اللفظ ام بخصوص السبب؟ اي انه إذا وقعت حادثة فنزلت في شأنها آية كريمة فهل يقتصر حكم هذه الآية على تلك الحادثة او الواقعة او الشخص الذي نزلت فيه' ام يتعدى الحكم إلى الجميع؟

فجمهور العلماء يذهبون إلى ان العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب' وهذا هو الصحيح'

---

[1] الاتقان جلد ا صفحہ ۳۴۔

وهناك رأي آخر بأن العبرة بخصوص السبب.

قال (السيوطي) رحمه الله في كتابه: الاتقان في علوم القرآن.

ومن الأدلة على اعتبار عموم اللفظ احتجاج الصحابة وغيرهم في وقائع بعموم آيات نزلت على أسباب خاصة، كنزول آية الظهار في (سلمة بن صخر) وآية اللعان في شأن (هلال بن أمية) وحد القذف في رماة عائشة، ثم تعدى الحكم إلى غيرهم لعموم اللفظ، وقد ورد عن (ابن عباس) ما يدل على اعتبار العموم، فإنه قال به في آية السرقة مع أنها نزلت في امرأة سرقت ... ثم روى عن (نجدة الحنفي) قال: سألت ابن عباس عن قوله تعالى: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدة: ٣٨) أخاص أم عام؟ قال: بل عام. قال (ابن تيمية) قد يجيء كثيرا من هذا الباب قولهم: هذه الآية نزلت في كذا - لاسيما إن كان المذكور شخصاً - كقولهم إن آية الظهار نزلت في امرأة (ثابت بن قيس) وإن آية الكلالة نزلت في (جابر بن عبدالله)، وإن قوله تعالى ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ نزلت في بني قريظة وبني النضير، ونظائر ذلك. فالذين قالوا ذلك لم يقصدوا أن حكم الآية يختص بأولئك الأعيان دون غيرهم، فإن هذا لا يقوله مسلم ولا عاقل على الإطلاق.

وقال (الزمخشري) في تفسير سورة (الهمزة): يجوز أن يكون السبب خاصاً، والوعيد عاماً ليتناول كل من باشر ذلك القبيح، وليكون ذلك جاريا مجرى التعريض. والله تعالى أعلم.

لغات: یختص: کسی شی کو کسی معاملہ پر منحصر کر دینا۔ کسی شی کو ایک چیز تک محدود کر دینا۔ یتعدی: تجاوز کرنا، آگے بڑھنا۔ لاسیما: خاص طور پر۔ کلالة: وہ شخص جو مرنے کے بعد اپنے پیچھے نہ باپ چھوڑے نہ اولاد کہ جو اس کی وارث ہو بلکہ اس کا وراث قرابتی رشتہ دار ہو جیسے بہن بھائی وغیرہ۔ وعید: دھمکی، ڈراوا۔ تعریض: کسی خاص بات کی طرف اشارہ کسی پردہ کو کر بات کرنا، مبہم بات۔

ترجمہ: کیا لفظ کے عموم کا اعتبار ہے یا سبب کے خصوص کا

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"علماء اصول نے (اس) بارے مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ کیا (قرآن کی آیت کے) لفظ کے عموم کا اعتبار ہے یا (اس کے نزول کے) سبب کے خصوص کا؟ یعنی جب ایک واقعہ ہو جائے اور اس کے بارے میں ایک آیت کریمہ نازل ہو تو کیا اس آیت کا حکم اس حادثہ یا واقعہ یا شخص تک محدود ہوگا کہ جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے یا اس کا حکم سب تک متعدی ہوگا۔"

پس جمہور علماء کرام اس طرف گئے ہیں کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوگا نہ کہ خصوص سبب کا۔ اور یہی (زیادہ) صحیح ہے اور اس مقام پر دو اقوال اور بھی ہیں دو یہ کہ اعتبار خصوص سبب کا ہے امام سیوطیؒ اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں فرماتے ہیں۔

عموم الفاظ کے اعتبار کرنے کے دلائل میں سے ایک دلیل صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ وغیرہم کا ان آیات میں خاص اسباب کی وجہ سے نازل ہونے والی آیات کے (الفاظ کے) عموم سے دلیل پکڑنا ہے۔ جیسا کہ سلمہ بن صخرؓ کے بارے میں ظہار کی آیت اور ہلال بن امیہؓ کے بارے میں لعان کی آیت اور حضرت عائشہ (صدیقہؓ) پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں حد قذف کی آیات کا اترنا۔ پھر (ان آیت) کا حکم (ان آیات کے) الفاظ کے عموم کی وجہ سے دوسروں تک متعدی ہوا۔ اور تحقیق کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایسی بات روایت ہے کہ جو (آیات کے الفاظ کے) عموم کے اعتبار کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ کہ حضرت ابن عباسؓ نے سرقہ کی آیت کے بارے میں عموم لفظ کا ذکر کیا باوجودیکہ یہ آیت ایک چوری کرنے والی عورت کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر نجدہ حنفی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: "میں نے حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدۃ ۳۸) کے بارے میں پوچھا کہ یہ آیت (اپنے حکم کے اعتبار سے) خاص ہے یا عام؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (خاص نہیں) بلکہ عام ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "اس باب میں علماء مفسرین کا یہ قول بہت زیادہ آتا ہے۔ یہ آیت فلاں فلاں معاملہ میں نازل ہوئی۔ (اور) خاص طور پر اگر (آیت میں) جس کا ذکر کیا گیا ہو وہ کوئی شخص ہو۔" (تو اس صورت میں) مفسرین کا قول (یوں ہوتا ہے) جیسے "ظہار کی آیت ثابت بن قیس کی بیوی کے بارے میں نازل ہوئی اور کلالہ کی آیت جابر بن عبداللہؓ کے بارے میں نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ (المائدۃ: ۴۹)

"اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچاوے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں کی۔ اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان۔" (تفسیر عثمانی)

(یہ آیت) قریظہ اور بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی اور اس جیسی (اور بھی بہت سی) مثالیں (ہیں)۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں (کہ یہ آیت فلاں فلاں کے بارے میں نازل ہوئی تو) ان کا مقصد یہ (ہرگز) نہیں ہوتا کہ اس آیت کا حکم انہی لوگوں کے ساتھ خاص ہے نہ کہ دوسروں کے ساتھ۔ کیونکہ یہ بات علی الاطلاق کوئی سمجھدار (اور) مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ زمخشری سورۃ ہمزہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب خاص ہو اور اس کی وعید عام ہو۔

تا کہ یہ آیت جو بھی یہ برائی کرے اس کو شامل ہو تاکہ یہ آیت تعریض کی جگہ میں جاری ہو۔ ❶ واللہ اعلم

توضیح

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس مقام پر ایک لطیف بحث کی ہے اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

کسی سبب کے تحت نازل ہونے والی قرآن کریم کی آیات اپنے عموم و خصوص کے لحاظ سے چار قسم کی ہیں۔

---

❶ مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ یہاں تک کی عبارت الاتقان سے معمولی تصرف کے ساتھ لی گئی ہے۔

(۱) جن آیات میں کسی معین شخص کا نام لیا گیا ہو تو علماء کرام کا اتفاق ہے کہ وہ آیات (خواہ ان میں وعید ہو یا نوید) اس شخص کے بارے میں ہیں ان میں دوسرے شامل نہیں جیسا۔

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ (لھب: ۱)

"ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔"

اس آیت کا شان نزول معروف ہے کہ جب کوہ صفا پر کھڑے ہو کر آنحضرتؐ نے قریش کو ایمان کی دعوت دی تو ابولہب بدبخت نے یہ کہا

تَبًّا لَكَ أَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا۔

"تمہارے لئے ہلاکت ہو کیا اس لئے ہمیں بلایا تھا؟"

اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو چونکہ اس میں خاص طور پر ابولہب کا نام ہے اس لئے یہ وعید فقط اسی کے لئے ہے نا کہ دوسروں کے لئے۔

(۲) وہ آیات کہ جن میں کسی خاص شخص یا گروہ کا نام لئے بغیر ان کی صفات کا تذکرہ ہو۔ پھر ان اوصاف کے بارے میں کوئی حکم بیان کیا گیا ہو اور دوسرے دلائل سے ان آیات کا مصداق کوئی خاص شخص یا گروہ بھی بنتا ہو۔ تو علماء کرام کے متفق قول کے مطابق یہ حکم اسی خاص شخص یا گروہ کے بارے میں ہوگا کہ جو قرآن کی مراد ہو دوسرے مراد نہ ہوں گے۔ چاہے ان میں وہ صفات ہوں بھی جیسے سورۃ اللیل میں ارشاد ہے:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۝﴾ (اللیل: ۱۷ - ۱۸)

"اور اس (آگ) سے اس متقی ترین انسان کو بچا لیا جائے گا۔ جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کی غرض سے (مستحقین کو) دیتا ہے۔"

یہ آیت بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ مفلس غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔ اگرچہ یہاں ان کا نام مذکور نہیں۔ لیکن یہ انہی کی صفات کا تذکرہ ہے۔ اور احادیث سے بھی ثابت ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔

لہٰذا یہ فضیلت فقط انہی کو حاصل ہے نا کہ دوسروں کو۔ امام رازی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے۔ فرماتے ہیں۔ "حضرت ابوبکرؓ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں انہیں "اتقی" کہا گیا ہے۔ جمہور مفسرین نے بھی اس آیت سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہی لئے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کو خواہ جو بھی ثواب ملے مگر یہ فضیلت اس کو حاصل نہ ہوگی۔

(۳) تیسری قسم وہ آیات ہے کہ جو نازل تو کسی واقعہ کے بارے میں ہوئیں مگر ان کے الفاظ عام ہے اور کسی دلیل سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ یہ حکم اس نوعیت کے ہر واقعہ کے لئے ہے۔ تو بالاتفاق اس آیت کا حکم الفاظ کے عموم کے تابع

ہو کر عام ہوگا نا کہ سبب نزول کے واقعہ کے ساتھ خاص ہوگا۔

جیسے مثلاً حضرت خولہؓ کے خاوند نے انہیں یہ کہہ دیا انت علی کظھر امی، ”تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو۔“ اس پر سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ لیکن آیت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ حکم فقط حضرت خولہؓ کے خاوند کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو ایسا کرے گا اس کا حکم یہی ہے۔

(۴) آیت تو کسی واقعہ ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن الفاظ عام ہے اور کسی دلیل سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ حکم اسی واقعہ کے ساتھ خاص ہے یا اس نوعیت کے ہر واقعہ کے ساتھ۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض ایسی آیات کو فقط سبب نزول کے ساتھ مانتے ہیں اور جمہور علماء اور فقہاء ایسی آیات کو بھی سبب نزول کے ساتھ خاص نہیں مانتے بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور اس آیت کے الفاظ جس واقعہ کو بھی شامل ہوں گے اس کے لئے وہی مذکورہ حکم ہوگا۔ علماء تفسیر و اصول اس قاعدہ کو ان مشہور الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

اَلْعِبْرَۃُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ.

”الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوگا نا کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا۔“ (علوم القرآن ملخصاً از صفحہ ۸۲-۸۵)

☆☆☆

من کنوز المعلومات

سوق یجتمع فیه الناس یسمی سوق الجمعۃ تھب فیہ ریح الشمال فاین یوجد!

عن انس بن مالک ان رسول اللّٰہ ﷺ قال: ان فی الجنۃ لسوقاً یاتونھا کل جمعۃ فتھب ریح الشمال فتحثو فی وجوھھم وثیابھم فیزدادون حسناً و جمالاً فیرجعون الی اھلیھم وقد ازدادوا حسناً و جمالاً فیقول لھم اھلوھم واللّٰہ لقد ازددتم بعدنا حسناً و جمالاً فیقولون: وانتم واللّٰہ لقد ازددتم بعدنا حسناً و جمالاً۔ (واخرجہ مسلم کتاب الجنۃ ۷۰۷۵)

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثلاثۃ حق علی اللّٰہ عونھم فمن ھم؟

المجاھد فی سبیل اللّٰہ

المکاتب الذی یرید الاداء

الناکح الذی یرید العفاف (اخرجہ الترمذی فضائل الجھاد ۱۶۵۵ اخرج النسائی ۳۲۱۸ ابن ماجہ ۲۵۱۸)

بماذا دعا عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ عند تولیۃ الخلافۃ!

اللھم انی ضعیف فقونی

اللھم انی غلیظ فلینی

اللھم انی بخیل فسخنی

معلومات کا خزانہ

سوال: ایک بازار ہے کہ جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اس کا نام "جمعہ کا بازار ہے" جس میں شمال کی جانب سے ہوا چلتی ہے یہ کہاں پایا جاتا ہے؟

جواب: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "بے شک جنت میں ایک بازار ہے جس میں لوگ ہر جمعہ (کے دن) آیا کریں گے۔ پس اس میں شمال کی جانب ہوا چلے گی وہ ہوا ان کے چہروں اور کپڑوں کو (اڑ اڑ کر) لگے گی۔ پس وہ (اس ہوا کے لگنے سے) حسن و جمال میں (پہلے سے بھی اور) زیادہ ہو جائیں گے اور وہ اپنے اہل کی طرف لوٹیں گے جبکہ وہ حسن و جمال میں بڑھ چکے ہوں گے۔ تو ان کے اہل ان سے (تعجب کے ساتھ سوال کرتے ہوئے) کہیں گے۔

خدا کی قسم! آپ ہمارے (یہاں سے چلے جانے کے) بعد حسن و جمال میں (پہلے سے اور) زیادہ بڑھ گئے ہیں تو (اس پر) وہ جواب دیں گے۔

خدا کی قسم تم بھی ہمارے بعد حسن و جمال میں بڑھ گئے ہو۔ (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے' کتاب الفتن حدیث نمبر ۷۰۶۵)

سوال: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تین شخص ایسے ہیں کہ جن کی مدد کرنا اللہ کے ذمہ ہے" وہ تین کون ہیں؟

جواب: (۱) اللہ کی راہ میں (تلوار سے) جہاد کرنے والا۔

(۲) وہ مکاتب (غلام) کہ جو (عقد کتابت کی رقم کو) ادا کرنا چاہتا ہے (اور اس کے لیے محنت مزدوری کرتا ہے)

(۳) وہ نکاح کرنے والا کہ جو (نکاح کے ذریعہ اخلاق و عادات کی) پاکی (اور درستی) چاہتا ہے۔ (ترمذی شریف فضائل الجہاد ۱۶۵۵۔ نسائی شریف ۳۲۱۸۔ ابن ماجہ شریف ۲۵۱۸)

سوال: حضرت عمرؓ نے خلافت سپرد کیے جانے کے وقت کیا (کیا) دعائیں مانگیں؟

جواب: یہ تین دعائیں مانگیں۔

(۱) اے اللہ میں کمزور ہوں مجھے توانا کر دے۔

(۲) اے اللہ میں سخت ہوں مجھے نرم کر دے۔

(۳) اے اللہ میں بخیل ہوں مجھے سخی بنا دے۔

☆☆☆

الفصل الثالث

حكمة نزول القرآن مفرقا

نزول القرآن الكريم

شرف الله هذه الأمة المحمدية فأنزل عليها كتابه المعجز - خاتمة الكتب السماوية - ليكون دستورا لحياتها وعلاجا لمشاكلها - وبلسما شافيا لعللها وأمراضها وآية مجد وفخار على اصطفاء هذه الأمة واختيارها لحمل أقدس الرسالات السماوية حيث أكرمها الله بانزال أشرف كتاب وخصها بالانتساب الى أشرف مخلوق (محمد بن عبدالله ﷺ) وبنزول هذا القرآن اكتمل عقد الرسالات السماوية فشع النور على العالم وسطع الضياء على الكون ووصلت هداية الله الى الخلق وكان هذا النزول بواسطة امين السماء (جبريل) عليه السلام يهبط به على قلب النبي ليبلغه وحي الله وفي ذلك يقول الله جل ثناؤه ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝﴾ (الشعراء: ١٩٣ - ١٩٥)

لغات: شرف: عزت بخشا۔ مشاکل: مشکلۃ کی جمع' پیچیدہ مسئلہ' مشکل طلب مسئلہ یا الجھن' بحران' الجھے ہوئے معاملات۔ بلسما: مرہم' دوا۔ مجد: بڑائی' بلندی۔ فخار: خوبی' اعزاز' بڑائی۔ اصطفاء: برتری' برگزیدگی' انتخاب۔ انتساب: کسی کی طرف منسوب ہونا۔ شع: متفرق و منتشر ہونا' پھیلنا۔ سطع: روشنی کا پھیلنا۔

ترجمہ: تیسری فصل

قرآن کریم کے حصوں میں (متفرق طور پر) اترنے کی حکمت

قرآن کریم کا نزول

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"اللہ تعالیٰ نے اس امت محمدیہ کو (عزت اور بزرگی کا) شرف بخشا کہ اس پر اپنا کلام معجز اور (تمام) آسمانی کتابوں کو ختم کرنے والی کتاب اتاری۔ تاکہ یہ کتاب ان کے لئے دستور حیات' مشکلوں کا علاج' اور ان کی بیماریوں اور امراض کی دوائے شافی ہو اور آسمانی رسالتوں میں سے سب سے مقدس رسالت کو اٹھانے کے لئے' اس امت کو چننے اور پسند کرنے پر فخر اور بزرگی کی علامت بنے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کا سب سے بزرگ کتاب نازل کر کے اکرام (واعزاز) کیا اور اس امت کو اشرف الخلائق محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف انتساب کر کے

ختم کیا۔ اور اس قرآن کے نازل ہونے سے آسمانی رسالتوں کا باب مکمل ہوگیا۔ جس سے اس دنیا میں روشنی پھیل گئی کائنات پر نور چھا گیا۔ اور مخلوق کو اللہ کی ہدایت پہنچ گئی۔ اور یہ (قرآن کا) اترنا آسمان سے امین (حضرت) جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے ہوا۔ وہ قرآن لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اترے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچا دیں۔ اس بارے میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝﴾ (الشعراء: ۱۹۳ – ۱۹۶) (لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا کھلی عربی زبان میں۔" (تفسیر عثمانی)

كيف نزل القرآن الكريم؟

للقرآن الكريم تنزلان

الأول: من اللوح المحفوظ إلى السماء الدنيا (جملة واحدة) في ليلة القدر

الثاني: من السماء الدنيا إلى الأرض (مفرقا) في مدة ثلاث وعشرين سنة.

أما التنزيل الأول: فقد كان في ليلة مباركة من ليالي الدهر هي (ليلة القدر) أنزل فيه القرآن كاملاً إلى (بيت العزة) في السماء الدنيا ويدل عليه عدة نصوص وهي:

(الف) قوله تعالى: ﴿حم ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ﴾ (الدخان ۱ – ۳)

(ب) وقوله تعالى: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ (القدر ۱ – ۲)

(ج) وقوله تعالى: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرة: ۱۸۵)

فقد دلت هذه الآيات الثلاث على أن القرآن أنزل في ليلة واحدة توصف بأنها مباركة وتسمى (ليلة القدر) وهي من ليالي شهر رمضان، و تعين أن يكون هذا النزول هو النزول الأول إلى بيت العزة في السماء، لأنه لو أريد به النزول الثاني على النبي لما صح أن يكون في ليلة واحدة وفي شهر واحد هو (شهر رمضان) لأن القرآن إنما نزل في مدة طويلة هي مدة البعثة ۲۳ سنة ونزل في غير رمضان في جميع الأشهر، فتعين أن يكون المراد به (النزول الأول) وقد جاءت الأخبار الصحيحة تؤيد ذلك منها.

(الف) عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال: (فصل القرآن من الذكر فوضع في بيت العزة من السماء الدنيا، فجعل جبريل ينزل به على النبي)

(ب) وعن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال: (أنزل القرآن جملة واحدة إلى سماء الدنيا، وكان بمواقع النجوم، وكان الله ينزله على رسوله بعضه في إثر بعض)

(ج) وروى عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال: (أنزل القرآن في ليلة القدر في شهر رمضان إلى سماء الدنيا جملة واحدة، ثم انزل نجومًا) قوله نجومًا: اى اجزاء متفرقة

فهذه الروايات الثلاث رواها السيوطي في كتابه (الاتقان في علوم القرآن) وبين انها كلها صحيحة، كما روى (السيوطي) أيضا عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه سأله (عطية بن الأسود) فقال: (أوقع في قلبي الشك قوله تعالى: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرة: ١٨٥) وقوله

﴿إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ وهذا انزل في شوال، وفي ذي القعدة، وفي ذي الحجة، وفي المحرم وصفر، وشهر ربيع، فقال ابن عباس: إنه أنزل في رمضان في ليلة القدر، جملة واحدة، ثم أنزل على مواقع النجوم رسلا في الشهور والايام).

يريد بقوله (مواقع النجوم) وبقوله (رسلا) اى انه انزل منجمًا مفرقًا يتلو بعضه بعضًا على تؤدة ورفق. وذكر (السيوطي) أن القرطبي نقل حكاية الاجماع على نزول القرآن جملة من اللوح المحفوظ الى بيت العزة الى السماء الدنيا، ولعل الحكمة في هذا النزول هي: تفخيم أمر القرآن، وامر من نزل عليه، باعلام سكان السموات السبع أن هذا آخر الكتب المنزلة على خاتم الرسل لأشرف الأمم قد قربناه إليهم لننزله عليه.

قال السيوطي: (ولو لا أن الحكمة الالٰهيّة اقتضت وصوله اليهم منجمًا بحسب الوقائع لهبط به إلى الأرض جملة كسائر الكتب المنزلة قبله، ولكن الله سبحانه باين (اى خالف) بينه وبينها، فجعل له الأمرين إنزاله جملة، ثم انزاله مفرقًا تشريفا للمنزل عليه)

لغات: مُفَرِّق: (الله کا قرآن کو) حصوں میں نازل کرنا۔ مواقع النجوم: قسط وار حصوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے۔ رِسْلًا: نرمی؛ توقف کرنا، کام آہستگی اور آرام سے کرنا اور جلدی نہ کرنا۔ تفخیم: بلند رتبہ بنانا، قدر و منزلت بڑھانا۔ سکان: یہ ساکن کی جمع ہے مراد ہے آسمانوں میں رہنے والے فرشتے۔

ترجمہ: قرآن کریم کیسے نازل ہوا؟

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) قرآن کریم کا اترنا دو دفعہ ہے۔

(ا) ایک اکٹھا (پورا پورا ایک ہی دفعہ) لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف (اترنا)

(۲) دوسرے آسمان دنیا سے زمین کی طرف تئیس برس میں تھوڑا تھوڑا کر کے اترنا

اب پہلا نزول

تو یہ زمانے کی راتوں میں ایک مبارک رات میں ہوا اور وہ رات "لیلۃ القدر" تھی۔ اس رات میں پورا قرآن آسمان دنیا کے "بیت العزت" میں اتارا گیا اس (بات) پر بہت سی نصوص دلالت کرتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(الف) اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ﴾ (الدخان: ۱۔۳)

"حم۔ قسم ہے اس کتاب واضح کی، ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں، ہم ہیں کہ ڈر سنانے والے۔" (تفسیر عثمانی)

(ب) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۱۔۲)

"ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں، اور تو نے کیا سمجھا کیا ہے شب قدر۔" (تفسیر عثمانی)

(ج) فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵)

"مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) تحقیق یہ تینوں آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قرآن ایک ایسی رات میں اتارا گیا ہے کہ جس کو مبارک کہا گیا ہے اور اس کا نام "لیلۃ القدر" ہے اور وہ رمضان (المبارک) کی ایک رات ہے اور یہ بات متعین ہے کہ یہ نزول وہ پہلا نزول ہے کہ جو آسمان کے "بیت العزت" کی طرف ہے۔ کیونکہ اگر اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرا نزول مراد لیا جائے تو اس نزول کا ایک رات میں اور ایک مہینہ میں (کہ جو رمضان ہے) نازل ہونا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ بے شک قرآن ایک طویل مدت میں کہ جو ۲۳ سال کا بعثت (نبوت) کا عرصہ ہے کہ جس میں نازل ہوا اور رمضان کے علاوہ (بھی سال کے) ہر مہینہ میں اترا۔ لہٰذا یہ بات طے ہوگئی کہ ان (آیات) سے مراد پہلا نزول ہی ہے اور صحیح احادیث بھی اسی معنی کی تائید میں آئی ہیں۔ ان سے ایک حدیث (یہ ہے)۔

(الف) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "قرآن کو ذکر (یعنی لوح محفوظ) سے جدا کیا گیا۔ پھر سے آسمان (دنیا) کے بیت العزت میں رکھا گیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام اس کو (تھوڑا تھوڑا) لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے رہے۔" ❶

---

❶ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے۔

(ب) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں "قرآن آسمان دنیا کی طرف اکٹھا (ایک دفعہ میں) نازل کیا گیا۔ اور وہ اجزائے متفرقہ کی شکل میں تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک (حصہ) کے بعد دوسرا (حصہ) کر کے یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے اتارتے رہے۔" ❶

(ج) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں "قرآن لیلۃ القدر میں رمضان (المبارک) کے مہینہ میں ایک ہی دفعہ آسمان دنیا کی طرف نازل کیا گیا۔ پھر تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا۔" ❷

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ "نجوما" کا مطلب ہے "اجزائے متفرقہ" اور آگے فرماتے ہیں کہ)

(علامہ) جلال الدین سیوطیؒ نے ان تینوں روایتوں کو اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں روایت کیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ تینوں روایتیں (سند کے اعتبار سے) صحیح ہیں۔ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت بھی کی ہے کہ عطیہ ابن اسود نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ "اللہ تعالیٰ کے (اس) قول ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (البقرہ: ۱۸۵) اور (اس) قول ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ نے میرے دل میں شک ڈال دیا ہے حالانکہ قرآن شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم، صفر اور ربیع کے مہینوں میں (بھی) نازل ہوا ہے؟ پس حضرت ابن عباسؓ نے (جواب میں) ارشاد فرمایا "یہ قرآن رمضان میں اور (اس کی ایک خاص رات جسے) لیلۃ القدر (کہتے ہیں اس) میں اکٹھا نازل ہوا پھر متفرق اجزاء کی شکل میں مہینوں اور دنوں میں نرمی کے ساتھ اترا۔"

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) "حضرت ابن عباسؓ کی "مواقع النجوم" اور "رسلا" کے لفظوں سے مراد یہ ہے کہ یہ قرآن تھوڑا تھوڑا اجزائے متفرقہ کی شکل میں اترا اور ایک حصے کے پیچھے دوسرا حصہ نرمی سے ہوتا اترتا۔" اور (علامہ جلال الدین) سیوطیؒ نے فرمایا کہ قرطبیؒ نے قرآن کے لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت کی طرف ایک ہی دفعہ اترنے پر (علماء کا) اجماع نقل کیا ہے۔ اور شاید اس نزول میں حکمت قرآن کے معاملہ کی عظمت اور جس پر نازل ہوا ہے اس کے معاملہ کی عظمت کو ساتوں آسمانوں میں رہنے والوں (فرشتوں) کو یہ بتلا کر واضح کرنا ہے کہ یہ کتابوں میں سے آخری کتاب (ہے کہ) جو اس خاتم الرسل (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے (کہ وہ) ہمارے رسول ہیں۔ ہم نے یہ کتاب ان کے قریب کر دی ہے تاکہ ان پر نازل کریں۔"

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت امت تک (اس) قرآن کے متفرق طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے پہنچنے کا تقاضا نہ کرتی تو اللہ تعالیٰ اس (کتاب) کو (بھی) قرآن سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتب کی طرح اکٹھا ہی نازل فرما دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن اور باقی سماوی کتب میں (نازل کرنے کے طور میں) خلاف کیا پس قرآن کے لئے دو امر جمع کئے (یعنی دونوں بار) ایک دفعہ پورا اتارنا دوسری مرتبہ تھوڑا تھوڑا اتارنا (اور یہ اللہ تعالیٰ نے) اس ذات (گرامی) کو عزت بخشنے کے لئے (کیا) کہ جس پر قرآن ❸ اتارا گیا۔"

---

❶ اس کو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا۔ ❷ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔ ❸ الاتقان، صفحہ ۴۰۔

توضیح

اس کی تفصیل گزشتہ میں گزر چکی ہے۔

بیت العزت کو بیت المعمور بھی کہتے ہیں کہ جو کعبۃ اللہ کے محاذات میں آسمان میں فرشتوں کی عبادت گاہ ہے۔ بیت عزت میں قرآن کا نزول کس طرح ہوا۔ اور اس نزول کی حکمت کیا تھی۔ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ "اس بارے میں کوئی بات یقینی نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ بعض علماء مثلاً علامہ ابو شامہؒ نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس سے قرآن کریم کی رفعت شان بیان کرنا مقصود تھا۔ اور اس مقام کے ملائکہ کو یہ بات جتلانی تھی کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جو اہل زمین کی ہدایت کے لئے اتاری جانے والی ہے۔ "زرقانیؒ" نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اس طرح دو مرتبہ اتارنے سے یہ بھی جتانا مقصود ہے کہ یہ کتاب ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ حضورؐ کے قلب مبارک کے علاوہ یہ دو جگہ اور بھی محفوظ ہے۔ ایک لوح محفوظ میں اور دوسرے "بیت عزت" میں۔ واللہ اعلم

بہر کیف اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟ اسی کو صحیح علم ہے کہ اس کی اور کیا کیا حکمتیں ہوں گی۔ اور ہمیں ان کی تفتیش میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں ہے البتہ ہمیں اتنی وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ یہ پہلا نزول لیلۃ القدر میں ہوا۔ (علوم القرآن صفحہ ۵۳-۵۵)

التنزیل الثانی

وأما التنزیل الثانی فقد کان من السماء الدنیا علی قلب النبیؐ منجما (أی مفرقا) فی مدة ثلاث وعشرین سنة وهی من حین البعثة إلی حین وفاته صلوات الله وسلامه علیه. والدلیل علی هذا النزول وأنه منجما قول الله تعالی فی سورة الإسراء:

(الف) ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ١٠٦)

وقوله تعالی فی سورة الفرقان:

(ب) ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾ (الفرقان: ٣٢)

روی ان الیهود والمشرکین عابوا علی النبی نزول القرآن مفرقا واقترحوا علیه أن ینزل جملة واحدة حتی قال الیهود له: یا أبا القاسم لولا أنزل هذا القرآن جملة واحدة کما أنزلت التوراة علی موسی؟ فأنزل الله هاتین الآیتین ردا علیهم وهذا الرد — کما یقول الزرقانی — یدل علی أمرین:

أحدهما: أن القرآن نزل مفرقا علی النبی ﷺ

والثاني: ان الكتب السماوية قبله نزلت جملة' كما اشتهر ذلك بين جمهور العلماء حتى كاد يكون إجماعاً.

ووجه الدلالة على هذين الأمرين: أن الله تعالى لم يكذبهم فيما ادعوا من نزول الكتب السماوية جملة بل أجابهم ببيان الحكمة في نزول القرآن مفرقاً' ولو كان نزول الكتب السماوية مفرقاً' كالقرآن لرد عليهم بالتكذيب' و باعلان ان التنجيم هو سنة الله فيما انزل على الأنبياء من قبل' كما رد عليهم حين طعنوا على الرسول وقالوا: ﴿مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ﴾ فرد عليهم بقوله ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ﴾ (الفرقان: ۲۰)

لغات: مُکث: توقف' قیام' ٹھہرنا۔ ترتیل: قرآن کو بہترین طریقہ پر پڑھنا کہ تمام الفاظ وحروف واضح ہو جائیں۔ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ اقترح: تجویز پیش کرنا۔ تکذیب: جھٹلانا۔ طعن: طعنہ دینا' عیب نکالنا۔ تنجیم: حصوں میں اتارنا۔

ترجمہ: دوسرا نزول

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"البتہ دوسرا نزول وہ آسمان دنیا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر متفرق طور پر تیئیس سال کی مدت میں ہوا۔ اور یہ مدت آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر آپ کے وصال (مبارک) تک ہے۔ اس نزول کی اور اس بات کی دلیل کہ یہ متفرق اجزاء میں (دوسری بار) اترا سورۂ اسراء میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

(الف) ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۶)

"اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے پڑھے تو اس کو لوگوں پر تھم ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا" (تفسیر حقانی)

(ب) اور سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلًا﴾ (الفرقان: ۳۲)

"اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر اسی طرح اتارا تا کہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔" (تفسیر حقانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) اور روایت میں آتا ہے کہ یہود اور مشرکین نے قرآن کے متفرق طور پر نازل ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن کے ایک ہی دفعہ نازل ہو جانے کی تجویز پیش کی۔ یہاں

تک کر آپ ؐ سے کہا: اے ابوالقاسم! یہ قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اترا جیسا موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات (ایک ہی مرتبہ) اتری۔ اس بہتان پر رد کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دو آیتیں نازل کیں۔ اور یہ رد جیسا کہ زرقانی ؒ فرماتے ہیں۔ دو باتوں پر دلالت کرتا ہے۔

(۱) تحقیق قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر متفرق طور پر اترا۔

(۲) قرآن سے پہلی تمام آسمانی کتابیں ایک ہی بار (یکدم) اتریں۔ جیسا کہ جمہور علماء میں بھی مشہور ہے حتیٰ کہ یہ بات اجماع (کی طرح) ہوگئی ہے۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) ان دو باتوں پر دلالت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی کتب سماویہ کے اکٹھے نازل ہونے کے دعوے میں نہیں جھٹلایا۔ بلکہ انہیں قرآن کے متفرق طور پر اترنے کی حکمت بیان کرکے جواب دیا ہے۔ اگر (گزشتہ) کتب سماویہ کا نزول (بھی) قرآن کی طرح متفرق طور پر ہوا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو جھٹلا کر ان کا رد کرتے۔ اور یہ اعلان کرتے (ان کا رد کرتے کہ) متفرق طور پر اتارنا یہ گزشتہ انبیاء پر اترنے والی کتابوں میں (بھی) اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا کہ جب انہوں نے یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو طعنہ دیا تھا۔

﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ (الفرقان: ۷)

"یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں۔" (تفسیر عثمانی)

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ کہہ کر رد کیا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۔ (الفرقان: ۲۰)

"اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

حضرت علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں "اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا نزول جو تدریجی ہے وہ اس وقت شروع ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کی تھی۔ اس نزول کا آغاز بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر ہی سے ہوا ہے لیکن یہ بات کہ وہ رات رمضان کی کون سی تاریخ میں تھی اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کی جا سکتی۔ بعض روایات سے رمضان کی سترھویں بعض سے انیسویں اور بعض سے ستائیسویں رات معلوم ہوتی ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۵۵-۵۶ ملخصاً)

آگے فرماتے ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وقفہ یکبارگی قرآن نازل نہیں ہوا۔ بلکہ تھوڑا تھوڑا کرکے ۲۳ سال میں اتارا گیا۔ قرآن کریم کو یکبارگی نازل کرنے کی بجائے تھوڑا تھوڑا کیوں نازل کیا گیا اس کا سوال خود مشرکین عرب نے آپ ؐ

---

❶ اس تفصیل کے لئے دیکھئے مناہل العرفان صفحہ ۳۶۔

سے کیا تھا کیونکہ وہ ایک قصیدہ پورا کا پورا ایک ہی وقت میں سننے کے عادی تھے۔ اور یہ تدریجی نزول ان کے لئے ایک انوکھی سی بات تھی۔ اس کے علاوہ قرآن سے پہلے تورات زبور انجیل تینوں ایک ہی وقت میں نازل ہو چکی تھیں ان میں یہ تدریج کا طریقہ نہیں تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت اتاری۔ امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآن کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمتیں بیان کی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) آپ امی تھے۔ پڑھے لکھے نہ تھے۔ اس لئے اگر سارا قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہو گیا ہوتا تو اس کو یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا۔ اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ اس لئے ان پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کر دی گئی۔

(۲) اگر پورا قرآن ایک ہی مرتبہ نازل کر دیا جاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً شروع ہو جاتی اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعت میں ملحوظ رہی ہے۔

(۳) آپ ﷺ کو آپ کی قوم ہر روز نت نئے طریقوں سے ستاتی۔ جبرئیل علیہ السلام کا بار بار قرآن لے کر آنا ان اذیتوں کو برداشت کرنا سہل بنا دیتا تھا۔ اور اس سے آپ کا قلب تقویت پکڑتا۔

(۴) قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات اور واقعات سے متعلق ہے۔ اس لئے ان آیات کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کئے گئے یا وہ واقعات پیش آئے کہ اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی۔ اور قرآن کے غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکارا ہو جاتی تھی۔ ● (علوم القرآن ملخصاً از صفحہ ۶۷-۶۹)

آگے مولف کتاب خود قرآن کے تدریجی نزول کے فوائد کو پہلے اجمالاً بیان کر رہے ہیں اور پھر ان میں سے ہر ایک کی نہایت شرح کے ساتھ تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ مولف موصوف نے اس میں علم معانی کی مشہور اصطلاح لف و نشر مرتب کا لحاظ رکھا ہے۔ (نسیم)

حكمة نزول القرآن منجماً

لنزول القرآن الكريم منجماً (أي مفرقاً) حكم جليلة، وأسرار عديدة عرفها العالمون، وغفل عنها الجاهلون، و نستطيع أن نجملها فيما يأتي وهي.

أولاً: تثبيت قلب النبيّ أمام أذى المشركين.

ثانياً: التلطف بالنبيّ عند نزول الوحي.

ثالثاً: التدرج في تشريع الأحكام السماوية.

● ماخوذ از تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۱۰۰-۱۰۲۔

رابعاً: تسهيل حفظ القرآن وفهمه على المسلمين.

خامساً: مسايرة الحوادث والوقائع والتنبيه عليها في حينها.

سادساً: الإرشاد إلى مصدر القرآن وأنه تنزيل الحكيم الحميد.

ولنبدأ بشيء من التفصيل عن هذه الحكم العديدة التي أجملناها فيما سبق فنقول ومن الله نستمد العون:

لغات: تثبیت: دل کو جمانا مضبوط رکھنا۔ تلطف: کسی معاملہ میں نرمی برتنا مہربانی و شفقت برتنا۔ تدریج: رفتہ رفتہ پہنچنا درجہ بدرجہ پہنچنا تھوڑا تھوڑا کوئی بات ہونا۔ مسایرہ: ساتھ ساتھ چلنا ہم آہنگ ہونا۔ وقائع: واقعہ کی جمع پیش آمدہ بات۔

ترجمہ: قرآن کریم کے تدریجی نزول کی حکمت

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"قرآن پاک کے متفرق اجزاء میں نازل ہونے میں بڑی حکمتیں ہیں اور بہت سے بھید (اور اسرار) ہیں کہ جن کو معتبر) علماء نے جانا اور جاہل لوگ اس سے غافل رہے۔ ہم ذیل میں ان (حکمتوں) کو اجمالاً پیش کر سکتے ہیں۔ وہ حکمتیں یہ ہیں۔

(۱) مشرکوں کے ستانے پر نبی کے قلب (مبارک) کو تقویت دینا۔

(۲) نزول وحی کے وقت نبی کے ساتھ لطف (وکرم) کا معاملہ کرنا۔

(۳) احکامات سماویہ کی تشریع میں تدریج۔

(۴) مسلمانوں پر قرآن کا یاد کرنا اور اس کا سمجھنا آسان بنانا۔

(۵) حوادث اور واقعات کا پیش آتے رہنا اور اسی وقت میں ہی ان پر تنبیہ کرنا۔

(۶) مصدر قرآن (یعنی اس ذات کی) طرف ہدایت کرنا (کہ جس نے قرآن اتارا ہے) اور (اس بات کی طرف کہ) یہ حکمت والی ستودہ صفات ذات کا اتارا ہوا قرآن ہے۔

(اب) ہم ان چند حکمتوں کی تھوڑی سی تفصیل بیان کرنا شروع کرتے ہیں کہ جن کو ہم نے مذکورہ بالا (سطور) میں اجمالاً بیان کیا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہوئے کہتے ہیں۔ (اس کے بعد مؤلف موصوف نے ان حکمتوں کی تفصیل بیان کی ہے کہ جو مندرجہ ذیل ہے۔)

أولاً: أما الحكمة الأولى وهي (تثبيت قلب النبي) فقد ذكرتها الآية الكريمة في معرض الرد على المشركين حين اقترحوا أن ينزل القرآن جملة واحدة كما نزلت الكتب السماوية السابقة فرد الله عليهم بقوله ﴿كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾ (الفرقان: ٣٢) وتثبيت قلب النبي إنما

هو رعاية من الله وتأييد لرسوله أمام تكذيب خصومه له وإيذائهم الشديد له ولأتباعه. لقد كانت الآيات الكريمة تنزل على رسول الله (تسلية) له وشحذاً لهمته للمضي في طريق الدعوة مهما اعترضته المصاعب والشدائد، وتقوية لقلبه الشريف، فقد تعهده الله سبحانه وتعالى بما يخفف عن الشدائد والآلام، فكان إذا اشتد الأذى عليه نزلت الآيات تسلية له وتخفيفاً عما يلقاه، وكانت التسلية تارة عن طريق قصص الأنبياء والمرسلين ليقتدي بهم في صبرهم وجهادهم كما قال تعالى ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ...﴾ (الأنعام: ٣٤) الآية. وقوله تعالى ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (الأحقاف: ٣٥) وقوله ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (الطور: ٤٨)

ولقد أوضح الباري جلت عظمته الحكمة من ذكر قصص الأنبياء فقال وهو أصدق القائلين ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (هود: ١٢٠) وتارة كانت التسلية عن طريق الوعد بالنصر والتأييد للنبي كقوله تعالى ﴿وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾ (الفتح: ٣) وكقوله ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝﴾ (الصافات: ١٧١ - ١٧٣) وأخرى تكون التسلية عن طريق إخبار الرسول باندحار أعدائه وانهزامهم كما في قوله تعالى ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝﴾ (القمر: ٤٥) وقوله ﴿قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (آل عمران: ١٢) إلى آخر ما هنالك من ألوان في التخفيف عن قلب الرسول، وتطييب نفسه وفؤاده، ولا شك أن في تجدد نزول الوحي، وتكرر هبوط الأمين جبريل بالآيات البينات، التي فيها تسلية للنبي وفيها الوعد بالنصر والحفظ والعناية، كان لها أعظم الأثر في تثبيت قلب الرسول لمتابعة الدعوة والمضي في تبليغ الرسالة الإلهية، لأن الله معه، وهل يشعر بالخذلان والفتور من كانت عناية الله تحوطه وعينه ترعاه؟

ثانياً: أما الحكمة الثانية وهي (التلطف بالنبي) عند نزول الوحي، فقد كانت بسبب روعة القرآن وهيبته، كما قال تعالى ﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝﴾ (المزمل: ٥) فالقرآن - كما هو مقطوع به - كلام الله المعجز، الذي له جلال ووقار، وهيبة وروعة وهو الكتاب الذي لو نزل على جبل لخشع وتصدع من هيبته وجلاله كما قال تعالى ﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ...﴾ (الحشر: ٢١) فكيف إذا بقلب النبي الرقيق، هل يستطيع أن يتلقى جميع القرآن دون أن يتأثر ويضطرب ويشعر بروعة القرآن وجلاله؟ ولقد أوضحت السيدة

مفتتحة حالة الرسول حين ينزل عليه القرآن، وما يلاقيه من شدة وهو من أثر التنزيل، قالت: (كما رواه البخاري) ولقد رأيته حين ينزل عليه الوحي في اليوم الشديد البرد فيفصم عنه (أي ينفصل) وإن جبينه ليتفصد عرقا) يتفصد: أي يتصبب عرقا وذلك من شدة الوحي وثقله على النبي۔

لغات: معرض: کسی چیز کے اظہار کی جگہ، فلاں چیز کے ذیل میں، دوران۔ اتباع: تابع کی جمع، پیروکار، غلام، مرید۔ تسلیہ: غم دور کرنا۔ شحذ: تیز کرنا، ہمت بڑھانا۔ مصاعب: مصعب کی جمع، دشواری، سختی، پریشانی۔ شدائد: شدت کی جمع، سختی۔ تعہد: ذمہ داری لینا، کسی بات کا ضامن بننا۔ آلام: الم کی جمع، تکلیف، دکھ، درد (جسمانی ہو یا روحانی)۔ الباری: خالق، پیدا کرنے والا۔ ہبوط: اترنا، نیچے آنا۔ خذلان: رسوائی۔ فتور: سختی کے بعد نرمی، تیزی کے بعد ہلکا اور دھیما پڑ جانا۔ روعۃ: شان و شوکت، حسن و جمال کی جھلک۔ ہیبۃ: ڈر، خوف، رعب، جلال، وقار۔ مقطوع بہ: یقینی بات، بے غبار، بلا شک و شبہ۔ تفتت: ریزہ ریزہ کرنا، چورا چورا کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ تصدع: پھٹ جانا، دراڑ پڑنا، شگاف پڑنا۔ یضطرب: تڑپنا، حرکت، مضطرب ہونا، بے چین ہونا۔ وطأۃ: سخت دباؤ۔

ترجمہ: پہلی حکمت ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضبوط کرنا''

ترجمہ (۱): (مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ)

''تحقیق اس حکمت کو (خود) آیت کریمہ نے مشرکین پر رد کرتے ہوئے بیان کیا کہ جب انہوں نے بے سوچے سمجھے یہ سوال کر ڈالا کہ قرآن ایک ہی دفعہ (کیوں نہ) نازل ہوا جیسا کہ گزشتہ کتب نازل ہوا کرتی تھیں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے (اس) قول سے ان پر رد کیا۔''

﴿كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾ (الفرقان: ٣٢)

''اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔'' (تفسیر عثمانی)

(مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دل مضبوط کرنا بے شک یہ اللہ کی طرف سے رعایت (یعنی نگہبانی) اور نبی کو اس کے دشمن کے جھٹلانے اور ان کے نبی کو شدید تکلیف دینے کے وقت اللہ کے رسول کی اور ان کے پیروؤں کی تائید ہے۔ پس یہ آیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعوت کے راستے میں چلتے رہنے کے لئے جب جب بھی آپ کو تکلیفیں اور سختیاں پیش آئیں (تو یہ آیات) آپؐ کی ہمت بڑھانے، تسلی دینے اور آپؐ کے قلب مبارک کی تقویت کے لئے نازل ہوتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبیؐ سے اس بات کا عہد کیا کہ وہ ان کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو ہلکا کرے گا۔ پس جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ جاتی تو آپ ﷺ کی تسلی اور پہنچنے والی تکلیف کو ہلکا کرنے کے لئے کوئی آیت نازل ہو جاتی۔ یہ تسلی کبھی تو انبیاء و رسل کے قصوں کو بیان کر کے ہوتی تاکہ آپؐ ان کے صبر اور مجاہدہ میں ان کی پیروی کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

توضیح

وحی کے نزول کی ہونے میں مختلف صورتوں کا بیان گزشتہ میں گزر گیا ہے ان میں سے ایک حکمت یہ تھی کہ نبی کو شدائد و مصائب کے مقابلہ میں جو ہر بیان ہوتے اور دعوت و تبلیغ رسالت کے راستے میں تمام رکاوٹوں کے باوجود اس کام کو کرتے جانے میں وحی کا بار بار نازل ہونا نہایت قوی اثر رکھتا تھا۔ جہاں آپ پر کفار و مشرکین کی اذیتوں کی انتہا ہوتی وہیں حضرت جبرئیل وحی لے کر اور نویدیں بشارتیں خوشخبریاں اور جنت نعیم کے اعلیٰ درجات کے فیصلے اور بارگاہ الٰہی میں سب سے مقبول بندہ ہونے کے مژدے لے کر آتے۔ اور کبھی مقام محمود کی خبر تو کبھی حوض کوثر کا وعدہ کبھی شفاعت کا اعلان تو کبھی سید ولد آدم اور قیامت کے دن سب کے سردار ہونے کی خوشخبری سنائی جاتی۔ اب بھلا مصائب کے بادلوں اور غموں کی گھٹاؤں کی کیا مجال ہے کہ وہ افق سعید پر چھائے رہیں یہ کیسی ہی بجلیاں ہیں کیسا اندھیرا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے لیکن جبرئیل علیہ السلام رب ذوالجلال سے امیدوں اور بشارتوں کو لے کر اترتے ہیں یہ ایک کیا ہوا کہ وہ ’’بلغت القلوب الحناجر‘‘ کہاں گیا کہاں ہوئی گئی کہ اب آئی ہے اندھیرا تھا کہ چھٹ گیا۔ ذرا دیکھئے تو صحابہ کرامؓ کفار کی سختیوں سے کیسے دبکے سمٹے بیٹھے ہیں کہ آسمان سے صدا آتی ہے ’’انتم الاعلون ان کنتم صادقین‘‘ پھر صحابہ کرام کو بھی جینے کے نذرانے دیئے گئے آسان ہوئے۔ کیا کوئی شداد کوئی فرعون کوئی ابوجہل کوئی ابولہب کوئی امیہ بن خلف بلال کو خباب کو زبیر کو اسلام سے ہٹا سکا۔ یہی وہ تقویت قلب تھی کہ وحی کے بار بار آنے سے رسول اللہ اور صحابہ کرام کو حاصل ہوتی رہی۔ (مترجم)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں ’’حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی طرح سے وحی نازل ہوتی تھی لیکن ان میں سے سلسلۃ الجرس کا طریقہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ دشوار تھا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ’’وھو اشدہ علی‘‘ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ یوں تو وحی کا ہر ایک طریقہ سخت ہوتا تھا لیکن ان گھنٹیوں کی آواز والے طریقہ میں سب سے زیادہ دشوار تھا وجہ یہ ہے کہ کہنے والے اور سننے والے میں کسی نہ کسی طرح مناسبت پیدا ہونا تو ضروری ہے جب کہ فرشتہ انسانی شکل میں آتا تو حضور پر کوئی غیر معمولی بار نہ پڑتا تھا صرف کلام الٰہی کے جلال وغیرہ کا بار ہوتا تھا۔ اس کے برخلاف جب فرشتہ انسانی شکل میں نہ آتے بلکہ اس کی آواز یا براہ راست باری تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا تو ایک غیر معمولی کیفیت ہوتی تھی۔ اس سے ربط ہونے اور استفادہ کرنے میں آپ پر زیادہ بوجھ پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رکنے لگتا تھا۔ چہرہ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا۔ سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے۔ اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ ❶ وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ آپ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے وہ وحی کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا۔ اور ایک مرتبہ آپ نے اپنا سر اقدس حضرت زید بن ثابتؓ کی ران پر

❶ زاد المعاد جلد اول صفحہ ۱۸، ۱۹ جلد ۱۔

پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہو گئی اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔ ❶ اور مسند احمدؒ میں ہے کہ آپ خود فرماتے ہیں: "جب بھی وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میری روح کھینچی جا رہی ہے۔" ❷ (علوم القرآن صفحہ ۳۴-۳۵)

معلوم ہوا کہ وحی کا نزول خواہ وہ کسی بھی طریقے سے ہو رہا ہو آپ ﷺ پر نہایت سخت ہوتا تھا۔ اس سے وحی کے تدریجی نزول کی حکمت خوب ظاہر ہو کر سامنے آتی ہے۔ (تسہیم) واللہ اعلم

ثالثاً: واما الحكمة الثالثة وهي: (التدرج في تشريع الاحكام) فقد كانت جلية واضحة، حيث سلك القرآن الكريم مع البشرية- وخاصة منهم العرب- طريق الحكمة فقطعهم عن الشرك، واحيا قلوبهم بنور الإيمان، وغرس في نفوسهم حب الله ورسوله، والايمان بالبعث والجزاء، ثم انتقل بهم بعد هذه المرحلة- مرحلة تثبيت دعائم الإيمان- الى العبادات فبدأهم بالصلاة قبل الهجرة، ثم ثنى بالصوم وبالزكاة في السنة الثانية من الهجرة، ثم ختم بالحج في السنة السادسة منها، وكذلك فعل في العادات.

المتوارثة. زجرهم اولا عن الكبائر، ثم نهاهم عن الصغائر في شيء من الرفق، وتدرج بهم في تحريم ما كان مستأصلاً في نفوسهم كالخمر والربا والميسر، تدرجاً حكيماً استطاع بذلك ان يقتلع الشر والفساد من جذوره اقتلاعاً كاملاً، ولناخذ بعض الأمثلة على ذلك التشريع الحكيم، الذي نجح في انتهاجه القرآن، في معالجة الأمراض الاجتماعية (تحريم الخمر) الذي كان داء مستشرياً عند العرب، كيف استطاع ان يمحوه ويقضي عليه الإسلام؟ لقد انتهج القرآن في تحريمه اربع مراحل، كما هو الشأن في تحريم الربا، فلم يحرمه دفعة واحدة لانهم كانوا يتعاطون شرب الخمر كما يشرب الواحد منا الماء الزلال، فلم يكن من الحكمة ان يحرمه عليهم دفعة واحدة، وانما حرمه بالتدريج، فبدأ اولا بالتنفير منه بطريق غير مباشر فنزل قوله تعالى ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾ (النحل: ٦٧) الآية فقد اخبر تعالى انه قد انعم على الناس بهاتين الشجرتين (النخيل، والاعناب) يستخرجون منهما (السكر) اي الخمر الذي يسكر و(الرزق الحسن) الذي ينتفع منه الناس من مأكول ومشروب، فمدح الثاني ووصفه بانه رزق حسن، واخبر عن الأول بانه (سكر) اي شيء يسكر ويذهب بعقل الإنسان وبهذه المباينة في الوصف يتضح لكل عاقل الفارق الكبير بين الأمرين المذكورين.

---

❶ الفتح الربانی صفحہ ۱۱۲ جلد ۲۰۔

❷ الفتح الربانی صفحہ ۱۱۲ جلد ۲۰۔

المرحلة الثانية: جاء التنفير المباشر عن طريق المقارنة العلمية بين شيئين شيء فيه نفع مادي ضئيل وشيء فيه ضرر جسمي وصحي وعقلي جسيم، وفيه كذلك زيادة على الأضرار العظيمة مهلكة للإنسان عن طريق وقوعه في الإثم الكبير. استمع إلى قوله تعالى

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾

(البقرة: ٢١٩) الآية. والمراد بالمنافع هنا: المنافع المادية التي كانوا يستفيدونها من وراء التجارة والبيع للخمر حيث يربحون منها، كما يربحون من وراء الميسر، وقد جمع القرآن بين الخمر والميسر في الآية الكريمة، ولا شك أن النفع في الميسر (مادي) بحت حيث يربح بعض المقامرين فكذلك في الخمر

قال العلامة القرطبي في تفسيره عند تفسير هذه الآية. قوله تعالى ﴿وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ أما في الخمر فربح، هذا أصح ما قيل في منفعتها. وبالمقارنة بين هذين الشيئين تبين أن الإسلام نفر من الخمر عن طريق بيان أضرارها الجسيمة ولكنه لم يحرمها. وقد روي في سبب نزول هذه الآية أن جماعة من المسلمين فيهم عمر بن الخطاب جاءوا إلى الرسول الكريم فقالوا يا رسول الله: أفتنا في الخمر؟ فإنها مذهبة للعقل، مضيعة للمال، مهلكة للجسم؟ فأنزل الله عز وجل ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ الآية.

وفي المرحلة الثالثة، كان التحريم للخمر، ولكنه كان (تحريمًا جزئيًا) حيث نزل قوله تعالى ﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ ...﴾ (النساء: ٤٣) الآية. لقد حرم الله عليهم الخمر وقت الصلاة فقط حتى يصحوا من سكرهم، فكان المسلمون يشربونها ليلًا وفي غير أوقات الصلاة وقد روي في سبب نزول هذه الآية أن (عبدالرحمن بن عوف) صنع وليمة فدعا إليها بعض الصحابة، قال (علي بن أبي طالب): فدعانا وسقانا الخمر، فأخذت الخمر منا، وحضرت الصلاة فقدموني لأصلي بهم، فما قرأت ﴿قُلْ يَٰٓأَيُّهَا الْكَٰفِرُونَ ۝ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا عَبَدْتُم﴾ (الكافرون: ١ - ٦) إلى آخر ذلك أي أنه لسكره غيّر فيها، فنزلت الآية الكريمة.

فوائد: مسائل: مرحلہ طریقہ روش اختیار کرنا [illegible] قطعی [illegible] البحث [illegible]
[illegible] کا [illegible] جزوی [illegible] عامل [illegible] قرآن [illegible] محاسن [illegible]
[illegible] مستقل [illegible] سے [illegible] کی چیز [illegible] کامیاب
[illegible] اپنانا [illegible] طرز روش [illegible] مستشرب [illegible] انگیز [illegible]

يتعاطون: کسی کام میں منہمک رہنا، ایک دوسرے سے سبقت لے جانا، استعمال کرنا۔ منفّر: نفرت دلانا۔ حنظل: کڑوا پھل۔
المقامر: جواری۔ يجتلبون: کسی شئی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔ رخص: سستا، ارزاں۔ متلفة: دور کر دینے والی، سے بچانے والی۔ مفسدة: ضائع کرنے والی۔

ترجمہ: تیسری حکمت، احکامات تشریعیہ میں تدریج

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"یہ حکمت نہایت واضح اور روشن ہے کیونکہ قرآن کریم نے ساری انسانیت اور خاص طور پر عربوں کے ساتھ حکمت کا طریقہ اپنایا ہے پس انہیں شرک سے منع کیا (اور اس عادت کو ان سے چھڑایا) اور ان کے دلوں میں نور ایمان کو زندہ کیا اور ان کے دلوں (کی جڑوں) میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے اور جزا (اور سزا) پر ایمان کو گاڑ دیا۔ پھر اس مرحلے کے بعد کہ جو (دلوں میں) ایمان کے ستونوں کو مضبوط (کھڑا) کرتا تھا، انہیں عبادات کی طرف لے چلا چنانچہ سب سے پہلے انہیں ہجرت سے پہلے نماز کا حکم دیا۔ پھر دوسرا حکم ہجرت کے دوسرے سال میں روزے اور زکوٰۃ کا دیا پھر چھ ہجری میں اللہ کے حج کا آخری حکم دیا۔ اور قرآن نے ایسا ہی حکمت کا طریقہ ان کی (صدیوں سے) بگڑی عادات کے بارے میں رکھا۔ پہلے (پہل) انہیں کبیرہ (کے ارتکاب) کے بڑے گناہ جیسے زنی کے ساتھ مقابلہ سے روکا۔ پھر ان چیزوں کو حرام کرنے میں کہ جو ان کے دلوں میں جڑ پکڑ چکی تھیں۔ جیسے شراب، سود اور جوا (وغیرہ) ان کے ساتھ (نہایت) اچھی حکیمانہ تدریج سے کام لیا کہ جس کے ذریعہ قرآن شر اور فساد کو اس کی جڑوں سمیت اکھاڑنے میں پوری طرح (کامیاب) ہوا۔ ہم یہاں اس حکیمانہ تشریع کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں کہ جس حکمت کے طریقہ پر چل کر قرآن امت کے ان اجتماعی امراض کے علاج ومعالجہ میں کامیاب ہوا (جیسے شراب کا حرام کرنا) کہ جو عربوں کے نزدیک ایک ناقابل علاج بیماری تھی۔ قرآن اس کو مٹانے میں کیسے کامیاب ہوا اور نبی علیہ السلام نے کیسے اس کو پورا کیا؟ قرآن کریم نے اس کو حرام کرنے کا راستہ چار مراحل میں طے کیا جیسے کہ سود کو حرام کرنے کا معاملہ تھا پس قرآن نے شراب کو ایک دم (یکبارگی) نہیں حرام کیا۔ کیونکہ وہ (اس طرح) شراب پیتے چلے جاتے تھے جس طرح ہم میں سے کوئی ٹھنڈا پانی پیتا ہے۔"

تو یہ بات حکمت (کے مطابق) نہ تھی کہ ان پر شراب ایک ہی بار حرام کر دی جاتی۔ بے شک قرآن نے شراب کو تدریجاً حرام کیا۔ چنانچہ پہلے پہلے قرآن نے شراب کے بارے میں کوئی حکم بیان کئے بغیر اس سے نفرت دلانے سے ابتداء کی۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا۔

﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾ (النحل: ٦٧)

"اور میووں سے کھجور کے انگور کے بناتے ہو اس سے نشہ اور روزی خاصی۔" (تفسیر عثمانی)

پس (اس آیت میں) اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ نے ان دو درختوں کھجور اور انگور کا لوگوں پر انعام کیا ہے (کہ) لوگ ان دونوں سے نشہ دینے والی شراب اور وہ رزق حسن کہ جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے کھانے پینے کی چیزیں (مثلاً انگور کھجور کھانے کو اور ان کا رس اور شیرہ مثلاً نبیذ بنا کر پینے کو) حاصل کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے دوسری شئے کی تعریف کی۔ اور اس کی رزق حسن کہہ کر تعریف کی۔ اور پہلی شئے کے بارے میں بتلایا کہ وہ سکر ہے یعنی نشہ لانے والی ہے اور عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے (ان دونوں کی) تعریف میں اس تضاد سے ہر ایک عقل مند کے لئے ان دونوں چیزوں کے درمیان بہت بڑا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

دوسرا مرحلہ

دو چیزوں کے درمیان عملی اقتران (یعنی عمل میں وہ دونوں برابر ہوں) کے طریقے کو اختیار کرتے ہوئے (شراب سے) نفرت دلانا (اور اس کا حکم) آیا (ایک) ایسی شئے کہ جس میں حقیر مادی نفع ہے اور (دوسری) ایسی شئے کہ جس میں جسمانی عقل اور صحت کا بڑا نقصان ہے۔ اور اس میں بھی (یعنی شراب میں) بڑے بڑے نقصانات کی کثرت ہے جو انسان کو کبیرہ گناہوں میں ڈال کر ہلاک کرنے والے ہیں۔ (ذرا) اللہ تعالیٰ کے اس قول کو غور سے سنو:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ﴾

(البقرۃ: ۲۱۹)

"تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) منافع سے یہاں مراد وہ مادی منافع ہے کہ جو وہ شراب کی بیع اور تجارت سے حاصل کیا کرتے تھے۔ کہ وہ شراب سے نفع کماتے تھے جیسا کہ وہ جوئے سے (بھی بسا اوقات) نفع کماتے تھے۔ تحقیق قرآن نے جوئے اور شراب کو (برا ہونے میں یکساں) آیت کریمہ میں جمع کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جوئے میں محض مادی نفع ہے کہ بعض جواری نفع کما جاتے ہیں (کہ جب وہ جوئے کی بازی جیت جائیں اگرچہ اکثر جواری گھربار تک ہار بیٹھتے ہیں) اسی طرح شراب میں بھی نفع ہے۔

علامہ قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں "منافع" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ کا قول: وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ (تو اس کا مطلب یہ ہے کہ) شراب کا نفع تو اس کی تجارت کا نفع ہے۔ کہ عرب شراب کو شام سے سستے داموں لے کر آیا کرتے تھے اور حجاز میں نفع کے ساتھ بیچ دیتے تھے۔ "شراب کے نفع" کے بارے میں یہ صحیح ترین قول ہے۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں) ان دونوں کو ملا (کر بیان کر) نے میں یہ فقہ ہے کہ اسلام نے شراب کے جسمانی نقصانات کو بیان کرنے کے طریقے سے اس سے نفرت دلائی لیکن (ابھی تک) اس کو حرام نہ کیا۔ اور اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ "مسلمانوں کی ایک جماعت کہ جن میں حضرت عمر بن خطاب بھی تھے وہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں شراب کے (حکم کے) بارے میں (کچھ) بتلائیے۔ کیونکہ یہ مدہوش کر دیتی ہے اور مال کو ضائع کرتی ہے اور جسم کو کمزور کر دینے والی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
﴿ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ ..... ﴾

تیسرا مرحلہ

شراب کو حرام کر دینے کا تھا۔ لیکن یہ جزئی تحریم تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء: ٤٣)
"اے ایمان والو! نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو۔ یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو کہتے ہو۔" (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو ان پر فقط نماز کے وقت حرام کیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے نشہ (کی حالت سے) صحیح ہو جائیں (تو پھر نماز پڑھیں) چنانچہ (اب) مسلمان شراب کو رات کے وقت اور نمازوں کے اوقات کے علاوہ میں پیتے تھے۔ اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں یہ روایت آتی ہے کہ "حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ولیمہ کی دعوت کی اس میں چند صحابہ کرامؓ کو مدعو کیا۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں دعوت پر بلایا اور شراب پلائی۔ پھر ہم سے شراب لے لی گئی۔ جبکہ نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ پس انہوں نے مجھے آگے کر دیا، کہ میں امام بن کر ان کو نماز پڑھاؤں۔
میں نے یہ پڑھا: ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا عَبَدْتُّمْ ۝﴾ (الکافرون: ١-٦)
(اے کافرو! میں اس کی پوجا کرتا ہوں جس کی تم کرتے ہو اور ہم اس کو پوجتے ہیں جس کو تم پوجتے ہو) اور آخر تک یونہی پڑھی۔
(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) یعنی انہوں نے اپنے نشہ کی وجہ سے اس سورت کو بدلا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

توضیح

اس بارے میں گزشتہ صفحات میں احسن البیان جلد اصفحہ ۱۱ میں مسند طیالسیؒ کے حوالہ سے ایک لمبی حدیث بیان کی جاچکی ہے۔ گزشتہ صفحات میں دیکھ لی جائے۔

وفي المرحلة الرابعة وهي المرحلة الأخيرة كان التحريم الكلي القاطع المانع حيث نزل قوله تعالى: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝﴾ (المائدة: ٩٠-٩١)
وسبب نزول هذه الآيات الكريمة على ما ذكره المفسرون هو: أن بعض الصحابة صلوا العشاء ثم

ترجمہ: چوتھا مرحلہ

"یہ (شراب کی حرمت کا) چوتھا مرحلہ تھا یہ قطعی تحریم تھی کہ جو (لوگوں کو شراب سے ہر قسم کا تعلق رکھنے سے) کاٹ دینے والی اور (ہر طرح سے مثلاً لینا دینا بیچنا خریدنا پینا پلانا غرض ہر ایک سے) منع کرنے والی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان اتارا۔"

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝﴾ (المائدۃ: ۹۰، ۹۱)

"اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے سو اب بھی تم باز آؤ گے۔" (تفسیر عثمانی)

مفسرین نے اس آیت کے نزول کا موجب بتلایا ہے وہ یہ ہے۔ "بعض صحابہ کرام نے عشاء کی نماز پڑھی پھر شراب پی اور ایک دوسرے کو قصے سنانے بیٹھ گئے۔ پھر شراب کا نشہ ان کے دماغوں کو چڑھ گیا۔ ان میں نبی کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بھی تھے۔ ایک چھوٹی لڑکی انہیں اشعار پڑھ کر سنا رہی تھی اور ان کو گا گا رہی تھی۔ پس اس نے اپنے اشعار کے دوران یہ کہا

ألا يا حمز للشرف النواء　　　وهن معقلات بالفناء

"اے حمزہ! (تم آنے والے ان) فربہ شکل مند لوگوں کے لئے (ایک دعوت نہیں کرتے جبکہ تمہارے پاس عمدہ اونٹنیاں ہیں اور وہ کھونٹوں) اور (تمہارے گھر کے) آنگن میں بندھی کھڑی ہیں۔"

(یہ سن کر) حضرت حمزہؓ تلوار کے ساتھ (بندھی کھڑی) اونٹنی (کو ذبح کرنے) کے لئے تیار ہو گئے پس حضرت حمزہؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نشہ میں ہونے کی وجہ سے حضرت علیؓ کی دو اونٹنیوں کے کوہان کاٹ ڈالے۔ (اور ذبح کیا) اور ان کے پہلو (بھی) کاٹ ڈالے۔ حضرت علیؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہیں اس کا بہت دکھ ہوا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت حمزہؓ کے اس کام کی شکایت کرنے کے لئے گئے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر ان کے اس کام پر ان کو ملامت کی اور غصے ہوئے۔ جبکہ حضرت حمزہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عجیب نگاہوں سے دیکھے جا رہے تھے۔ (کبھی نظر اوپر کرتے اور کبھی نیچے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھیوں کو کہنے لگے کہ کیا تم سب تو میرے باپ کے غلام نہیں ہو؟" آپ سمجھ گئے کہ ان کے چچا ابھی نشہ میں ہیں۔

چنانچہ آپ نے ان سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا۔ تو اس وقت حضرت عمرؓ یہ کہنے لگے۔ اے اللہ! تو ہمارے لئے شراب کے

بارے میں شافی بیان نازل فرما۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

انما الخمر ...... الی آخرہ۔

شراب کی حرمت اس طرح بتدریج مکمل ہوئی۔ اس میں بہت بڑی روشن حکمت تھی کہ جس پر چل کر اسلام نے امت کے اجتماعی امراض کا علاج کیا۔ اور علامہ زرقانیؒ نے اپنی کتاب "مناہل العرفان" میں یہ لکھا ہے "اسلام نے عربوں کے ساتھ ان برائیوں کی تحریم میں بڑی حکیمانہ تدریج سے کام لیا کہ جو برائیاں ان کے دلوں میں جڑ پکڑ چکی تھیں جیسے شراب کہ اس تدریج نے نرمی و رعایت کو ثابت کر دیا اور آخرکار ان کو شراب کی (اپنے دل و دماغ کو فاسد کر دینے والی) بیماری سے نجات دلائی۔ اور اسلام اس شاندار روش میں ان متمدن و مہذب (جدید ترقی یافتہ) قوموں سے زیادہ دور رس نگاہ "صراط مستقیم" کامیاب طریقہ (مفید مؤثر اور) سود مند سیاست رکھتا ہے کہ جو اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں شراب کی تحریم میں بدترین خلاف کا شکار ہیں اور نہایت بڑی کمزوری میں مبتلا ہیں۔ اور شراب کی حرمت کا قانون نافذ کرنے میں امریکہ (امریکی قوم) کا یہ حال (اب بڑا عیاں) اور کس نے! کیا (زندگی کے ہر) شعبہ کی درستی اور قوموں کی تہذیب (و ترقی اور تربیت کرنے) میں یہ اسلام کا اعجاز نہیں۔ کیوں نہیں چنانچہ تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے۔

توضیح

مولانا ادریس کاندھلوی معارف القرآن میں شراب کے سات نقصانات گنوانے کے بعد فرماتے ہیں "قرآن کریم نے شراب کو عمل شیطان، نجس اور حرام قرار دیا اور اس کے پینے والے پر حد مقرر کی۔ یورپ کی متمدن قوموں پر شراب خوری کے مفاسد خوب واضح ہو چکے ہیں۔ اور شراب کی وجہ سے نظام تمدن کی خرابیاں ان کے سامنے ہیں۔ اور وہ معترف ہیں کہ یہ چیز حرام ہونے کے قابل ہے مگر قانوناً اس کو جرم نہیں قرار دیتے۔ اسلامی تعلیم جہاں پہنچی اس نے شراب اور شراب خوری کا قلع قمع کر دیا اور پورے عالم کو اس لعنت سے محفوظ کر دیا۔ (معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۸۴)

اما الحكمة الرابعة فهي: (تسهيل حفظ القرآن) على المسلمين وفهمهم وتدبرهم له، فمن المعلوم ان العرب كانوا اميين (اي لا يقرأون ولا يكتبون) وقد سجل القرآن الكريم عليهم ذلك في قوله تعالى ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ الآية. كما كان صلوات الله عليه أميا كذلك ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ﴾ فاقتضت حكمة الله ان ينزل كتابه المجيد (منجماً) ليسهل حفظه على المسلمين، لأنهم كانوا يعتمدون على ذاكرتهم، فكانت صدورهم اناجيلهم، كما ورد في وصف امة محمد، وادوات الكتابة لم تكن ميسورة لدى الكاتبين منهم على ندرتهم، فلو نزل القرآن جملة واحدة لعجزوا عن حفظه، وعجزوا بالتالي عن تدبره وفهمه،

اما الحکمة الخامسة فھي: (مسایرة الحوادث والوقائع في حینھا) والتنبیه علی الاخطاء في وقتھا؛ فان ذلك اوقع في النفس وادعی الی اخذ العظة والعبرة منھا عن طریق (الدرس العملي) فكلما جد منھم جدید نزل من القرآن ما یناسبه، وكلما حصل منھم خطأ او انحراف نزل القرآن یعرّفھم و ینبھھم الی ما ینبغي اجتنابه ولطلب عمله و ینبھھم الی مواطن الخطأ في ذلك الوقت والحین، خذ مثلاً علی ذلك (غزوة حنین) فقد دخل الغرور الی نفوس المسلمین، وقالوا اولة الاعجاب والاغترار لما رأوا عددھم یزید علی عدد المشركین اضعافاً مضاعفة؟ حینئذ داخلھم العجب فقالوا (لن نغلب الیوم من قلة) وكانت النتیجة انكسارھم وانھزامھم و تولیتھم الأدبار، وفي ذلك یقول القرآن الكریم. ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ﴾ ولو ان القرآن نزل جملة واحدة لما امكن التنبیه علی الخطأ في حینه، إذ كیف یتصور ان تتنزل الآیات في شأن المؤمنین واغترارھم ولم تحدث بعد تلك الواقعة او الغزوة؟ وكذلك الحال في اخذ الفداء من الأسری في (بدر) حیث نزل التوجیه السماوي الرائع ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ﴾ (الانفال: ٦٧) الآیة.

لغات: سَجَّلَ: بیان دینا، گواہی دینا، بیان کرنا۔ ذاكرة: قوت یادداشت، حافظہ۔ اناجیل: انجیل کی جمع مراد ہے کتاب۔ دیسے یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے خوشخبری دینا۔ الواح: لوح کی جمع اوزار آلہ۔ تسرت: کیا لیا۔ فلتت: کی۔ عظة: نصیحت۔ اعجاب: پسند آنا۔ اغترار: فریب خوردگی۔ العُجب: خود پسندی، ساتراہت، غرور۔ انكسار: شكست۔ انھزام: شكست۔ الفداء: جان چھانے یا آزاد كرانے كے لیے دیا جانے والا مال، بدل جان خلاصی۔ الاسری: اسیر کی جمع قیدی۔ یثخن: خوب جنگ کرنا، کشتے کے پشتے لگانا، خون ریزی کرنا۔

ترجمہ: چوتھی حکمت مسلمانوں کو قرآن کو یاد کرنے سمجھنے اور اس میں تدبر کرنے کا آسان ہونا

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"یہ بات مشہور ہے کہ عرب امی تھے (یعنی لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے) قرآن کریم نے ان کے بارے میں یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس قول میں بتائی ہے۔"

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ (الجمعة: ٢)

"وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں۔" (تفسیر عثمانی)

جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی امی تھے۔ (اللہ تعالیٰ کا قول ہے)

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ﴾ (الاعراف: ١٥٧)

"وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے۔" (تفسیر عثمانی)

تو اللہ تعالیٰ کی حکمت نے اس بات کا تقاضا کیا کہ اپنی یہ کتاب مجید تھوڑی تھوڑی کر کے نازل کرے۔ تاکہ مسلمانوں کو اس کا یاد کرنا آسان ہو۔ کیونکہ وہ لوگ (فقط) اپنے حافظہ (اور یادداشت) پر بھروسہ کرتے تھے۔ پس ان کے سینے ان کی کتابیں (یعنی مصحف) تھے (کہ ان میں ہی ہر بات محفوظ رکھتے تھے لکھ پڑھ کر کچھ محفوظ نہ رکھتے تھے) جیسا کہ امت محمدیہ کی تعریف میں (بھی) یہی بات روایات میں آتی ہے۔ اور آلات کتابت ان میں جو لکھ سکتے تھے جو کہ کم ہی ہوتے تھے۔ ان کے پاس بھی نہ ہوتے تھے۔ پس اگر قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہو جاتا تو وہ لوگ اس کو یاد کرنے سے عاجز ہو جاتے اور اس کو سمجھنے اور اس میں تدبر کرنے سے اس کے ساتھ چلنے سے عاجز ہو جاتے۔

پانچویں حکمت

حوادث اور واقعات کا اپنے وقت پر پیش آنا اور ان اسی وقت میں غلطیوں پر متنبہ کرنا

کہ یہ زندگی میں چھپنے والی بات ہے اور عملی سبق کے طور پر ان واقعات و حوادث سے عبرت و نصیحت پکڑنے کی طرف زیادہ بلانے والی بات ہے پس جب بھی ان میں کوئی نئی بات پیش آتی تو اس کے جو مناسب ہوتا وہ قرآن سے اتر آتا۔ اور جب بھی ان سے کوئی خطا سرزد ہوتی یا (دین کے کسی حکم سے) انحراف ہو جاتا تو ان کو وہ بات سمجھانے اور جن چیزوں سے بچنا چاہیے اس پر تنبیہ کے لئے قرآن اتر آتا۔ اور اس وقت عمل قرآن پر عمل کی طلب اور لغزشوں (اور خطاؤں) کی جگہوں پر متنبہ کرنے کے لئے (قرآن اتر آتا) مثلاً آپ اس کی مثال غزوۂ حنین لیجئے۔ کہ مسلمانوں کے جیوڑوں میں (اپنی کثرت کو دیکھ کر ذرا) غرور آ گیا۔ اور انہوں نے ایک خود پسندانہ اور غرور کا جملہ کہہ دیا کہ جب انہوں نے اپنی تعداد کو مشرکین کی تعداد سے دو گنا چوگنا دیکھا کہ اس وقت ان کے جیوڑوں میں عجب آ گیا۔ وہ کہنے لگے۔ "آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔" تو نتیجہ ان کی پراگندگی شکست اور پیٹھ پھیر کر بھاگنے (کی شکل) میں نکلا اسی بارے میں قرآن کریم کہتا ہے۔

لغات۔ تبیین: بیان دینا، کھول کر بیان کرنا۔ الذکر: قوت یادداشت، حافظہ۔ اناجیل: انجیل کی جمع مراد ہے کتاب دینے یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے خوشخبری دینا۔ اخوات: اداۃ کی جمع اوزار آلے۔ اسطرنہ کیا، قلت نا پائی۔ عظۃ: نصیحت۔ اعجاب: پسند آنا۔ اغترار: فریب خوردگی۔ العجب: خود پسندی اترانا، غرور۔ انکسار: شکست۔ انہزام: شکست۔ الفداء: جان بچانے یا آزاد کرانے کے لئے دیا جانے والا مال، بدل جان خلاصی۔ الاسری: اسیر کی جمع، قیدی۔ یثخن: خوب جنگ کرنا، کسی کے پیچھے لگانا، خون ریزی کرنا۔

ویوم حنین ..... ثم ولیتم مدبرین۔ (التوبہ: ۲۵)

"اور حنین کے دن جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) اگر سارا قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہو چکا ہوتا تو اس وقت خطا پر تنبیہ ممکن نہ تھی۔ کیونکہ اس بات کا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت۔

اور ان کے غرور کے بارے میں آیات نازل ہوں اور اس کے بعد کوئی حادثہ یا واقعہ ہو؟

جنگ صورت بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کے بارے میں بھی پیش آئی۔ کہ جب آسمانی زمانے والی تو جیہا تری: ﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ﴾ (الانفال: ٦٧)

"نبی کو نہیں چاہیے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خونریزی نہ کرلے ملک میں۔" (تفسیر عثمانی)

اما الحكمة السادسة

فهي: (الإرشاد إلى مصدر القرآن الكريم وأنه تنزيل الحكيم الحميد) و في هذه الحكمة الجليلة يجدر بنا أن ننقل نص ما كتبه العالم الفاضل الشيخ (محمد عبد العظيم الزرقاني) في كتابه: "مناهل العرفان" حيث جاء بروائع البيان فقال رحمه الله تعالى: (الإرشاد الى مصدر القرآن، وأنه كلام الله وحده، وأنه لا يمكن ان يكون كلام محمد ولا كلام مخلوق سواه ۔ ...) وبيان ذلك: ان القرآن الكريم نقرؤه من أوله إلى آخره فإذا هو محكم السرد، دقيق السبك، متين الأسلوب، قوي الاتصال، آخذ بعضه برقاب بعض في سوره وآياته وجمله، يجري دم الإعجاز فيه كله من ألفه إلى يائه، كأنه سبيكة واحدة، ولا يكاد يوجد بين أجزائه تفكك ولا تخاذل، كأنه سمط وحيد، وعقد فريد، يأخذ بالأبصار، نظمت حروفه وكلماته، ونسقت جمله وآياته. ... وهنا نتساءل: كيف اتسق للقرآن هذا التأليف المعجز؟ وكيف استقام له هذا التناسق المدهش؟ على حين أنه لم يتنزل جملة واحدة، بل تنزل آحادا مفرقة تفرق الوقائع والحوادث في أكثر من عشرين عاماً!

الجواب: أننا نلمح هنا سرا جديدا من أسرار الإعجاز، و نشهد سمة فذة من سمات الربوبية و نقرأ دليلا ساطعا على مصدر القرآن وأنه كلام الواحد الديان ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ وإلا فحدثني بربك كيف تستطيع أنت؟ أم كيف يستطيع الخلق جميعا أن يأتوا بكتاب محكم الاتصال والترابط، متين النسج والسرد، متآلف البدايات والنهايات، مع خضوعه في التأليف لعوامل خارجة عن مقدور البشر، وهي (وقائع الزمن وأحداثه) التي يجيء كل جزء من أجزاء هذا الكتاب تبعا لها، ومتحدثا عنها، سببا بعد سبب، وداعية إثر داعية، مع اختلاف ما بين هذه الدواعي، وتغاير ما بين تلك الأسباب، ومع تراخي زمان هذا التأليف، وتطاول آماد هذه النجوم إلى أكثر من عشرين عاما لا ريب أن هذا الانفصال الزمني، وذاك الاختلاف

الاسلوب: طرزِ نگارش اور مخصوص اندازِ بیان والا۔ تفکک: ڈھیلا پن انتشار خلفشار بکھراؤ رخنہ پھوٹ۔ تخاذل: ایک دوسرے سے الگ۔ سمط وحید: ایک لڑی۔ عقد فرید: سونے کی لڑیوں میں پرویا ہوا بے مثال ہار۔ نُسِقَتْ: مرتب کیا ہوا پرو دیا ہوا۔ اتسق: مرتب ہونا۔ یکجا ہونا۔ التناسق: باہم مرتب ہونا جڑنا۔ المدهش: ہوش اڑا دینے والا۔ لمح: دیکھنا سرسری نگاہ ڈالنا۔ اچٹتی نظر سے دیکھنا۔ سِمَةٌ: علامت طرۂ امتیاز۔ فذّ: شاذ منفرد۔ ذلیلٌ ساطعٌ: روشن دلیل۔ الترابط: ایک دوسرے سے ملنا جڑنا۔ النسج: آمادگی کلام اور ترتیب کلام۔ متآلف: متحد جڑا ہوا۔ تراخی: کسی کام سے پیچھے ہٹ جانا۔ تطاول: درازی لمبائی۔ آماد: مدی کی جمع مدت زمانہ۔ انحلال: ڈھیلا پن۔ قُوًى: قوت کی جمع قوت طاقت۔ قُدَرٌ: قدرت کی جمع طاقت سکت توانائی۔

ترجمہ: چھٹی حکمت

قرآن کریم کے اتارنے والے کی طرف راہ نمائی اور اس بات کی راہ نمائی کہ یہ ایک حکیم اور ستودہ صفات ذات کی اتاری ہوئی (کتاب ہے)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"اس عظیم حکمت کو بیان کرنے میں ہمارے لئے مناسب یہ ہے کہ ہم اس تحریر کو نقل کردیں کہ جس کو عالم فاضل الشیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی" نے اپنی کتاب "مناهل العرفان" میں لکھا ہے کہ انہوں نے (یہ بات نہایت) عمدہ بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں "مصدر قرآن کی طرف راہ نمائی اور یہ کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور یہ کہ یہ ممکن ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہو یا اللہ کے علاوہ کسی اور کا ہو۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ ہم قرآن کریم کو اول سے آخر تک پڑھتے ہیں تو (اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ) یہ محکم السرد، دقیق السبک، متین الاسلوب قوی الاتصال (ہے اور) اس کی سورتوں آیتوں اور جملوں میں بعض بعض کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اس کی الف سے لے کر اس کی یاء تک اس میں اعجاز کا خون چل رہا ہے (یعنی یہ شروع سے آخر تک معجزہ ہی معجزہ ہے) گویا کہ یہ کسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ایک ہی شئے ہے اور اس کے اجزاء کے درمیان ایک دوسرے سے الگ الگ ہونا نہیں پایا جاتا۔ گویا کہ یہ ایک ہی لڑی ہے (کہ جس میں ترتیب وار موتی پروئے ہیں) اور ایک ہی ہار ہے (کہ جس کا کوئی موتی دوسرے سے الگ اور لڑی سے جدا نہیں) اور (اس کے الفاظ کی یہ نہایت عمدہ ترتیب) آنکھوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے (کہ نگاہیں اس سے اچٹتی نہیں) اس کے حروف اور کلمات منظم ہیں۔ (ترتیب وار ہیں)"

اس کے جملے اور اس کی آیات ترتیب سے ہیں۔ اس مقام پر ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ قرآن کی یہ عجوانہ تالیف کیسے مرتب ہوگئی اور قرآن کی یہ مدہوش کردینے والی کلام کی ترتیب قرآن کے لئے کیسے درست ہوگئی۔ باوجودیکہ یہ ایک ہی دفعہ نہیں نازل ہوا بلکہ یہ بیس سال سے زیادہ کے عرصہ میں متفرق حوادث اور واقعات کے مطابق متفرق طور پر الگ الگ اترا ہے؟

جواب

ہم (قرآن کے) اعجاز کے اسراروں میں سے ایک نئے سر کو اس جگہ دیکھتے ہیں اور (رب کی) ربوبیت کی علامات میں سے ایک مضبوط علامت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور مصدرِ قرآن اور اس بات پر کہ یہ اس ذات کا کلام ہے کہ جو علیم ہے حاکم ہے ہم ایک روشن دلیل (قرآن ہی میں سے) پڑھتے ہیں۔ (وہ یہ ہے)

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء، ۸۲)

"اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوا اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔" (تفسیر عثمانی)

ورنہ تیرے رب کی قسم تو مجھے بتلا کہ تو یا ساری کی ساری مخلوق ایسا کر سکتی ہے کہ ایک ایسی کتاب لائیں کہ جو (کلمات کے آپس میں) اتصال اور (معانی کے آپس کے) ربط میں محکم ہو (اور الفاظ کے) لانے اور (ان کو ایک نظم میں) پرونے میں مضبوط ہو (اور) ابتدائی اور انتہائی باتوں کو جمع کرنے والی ہو۔ (یعنی اس میں مبدأ کا ذکر بھی ہو اور معاد کا بھی دنیا کا بھی آخرت کا بھی یعنی کہ ابتدائے آفرینش کائنات کا بھی اور اختتام کائنات کا بھی) اس کے ساتھ ساتھ قرآن اپنی تالیف میں ایسے عوامل کا کارمند ہو کہ جو بندوں کی طاقت سے باہر ہوں۔ اور وہ زمانے کے حوادث اور واقعات ہیں کہ اس کتاب کا ہر جز ان حوادث و واقعات کے پیچھے آتا ہے۔ اور ان کے بارے میں بتلاتا ہے اور سبب کے بعد سبب اور (ان واقعات کا) داعیہ کے بعد داعیہ بیان کرتا ہے جبکہ ان (قرآن کے نزول کے) دواعی میں اختلاف اور ان اسباب میں تغایر بھی ہوتا ہے اور ساتھ ہی (قرآن کی اس معجزانہ) تالیف میں زمانے کی ایک لمبی مدت بھی ہے اور یہ متفرق طور پر نازل ہوا کہ زمانے لگے ہیں کہ جو بیس سال سے زیادہ ہیں۔ وہ بے شک یہ انفصال زمانی (یعنی لمبا زمانہ) اور ان دواعی کے درمیان موجودہ اختلاف یہ تفکک اور انفصال کی عادت کے جاری ہونے میں لازم و ملزوم ہیں۔ اور یہ اس کلام کے متفرق طور پر نازل ہونے میں اتصال اور ارتباط کی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ البتہ قرآن کریم نے اس جگہ بھی خرق عادت سے کام لیا ہے اگرچہ متفرق طور پر لیکن پیدا ہوا محکم اور باہم مربوط ہو کر۔

کیا یہ اس بات کی روشن دلیل نہیں ہے کہ یہ قدرتوں اور طاقتوں کے خالق کا کلام ہے اور مالک الاسباب والمسببات کائنات کے خلاق اور مدبر زمین و آسمان کو قائم رکھنے والے گزشتہ اور آئندہ کو جاننے والے زمانے اور جو کچھ بھی زمانے میں واقع ہوا اس کو جاننے والے (کا کلام ہے)

توضیح

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس موقع پر تحریر فرماتے ہیں "آؤ اس منظر عام کی اس کتاب کو دیکھیں جو قرآن کے نام سے معروف ہے کہ آیا وہ خدا کا کلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جب تم اس کی تحقیق کرو گے تو تم کو اس کتاب میں تہذیب اخلاق طریق تمدن و معاشرت اصول حکومت و سیاست ترقی

روحانیت' تحصیل معرفت ربانی' تزکیۂ نفوس' تنویر قلوب' غرض کہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیت خلائق کے وہ تمام قواعد و سامان موجود نظر آئیں گے جن سے کہ آفرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے امی فرد سے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم و حکم کا تکفل کرنے کے ساتھ جن کے بغیر مخلوق اور خالق کا تعلق صحیح طور پر قائم نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مخلوق دوسری مخلوق کے حقوق کو پہچان سکتی ہے اس کتاب کی لفظی انداز فصاحت و بلاغت جامع و موثر اور دلربا طرز بیان' پیرایہ تنوع و روانی' سہل ممتنع سلاست اسالیب کلام کا تفنن اور اس کی لذت و حلاوت اور شہنشاہانہ شان و شوکت یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑی بلند آہنگی سے سارے جہان کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا ہے جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آراء نے غیب کی نقاب الٹی اور اولاد آدم کو اپنے جلوے سے روشناس کیا اس کا برابر یہی دعویٰ رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں۔ اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین' خدا کے سورج جیسا سورج' اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ (اعجاز القرآن ملخصاً صفحہ ۲۵-۲۶)

لغات: یَتَفَاعَلُ: باہم مل جانا۔ یأتلف: متحد ہونا' جڑنا۔ یلتئم: جڑنا' ٹھیک ہونا۔ طُرًّا: سب کے سب۔ انسجام: کلام کا مرتب ہونا۔ محاولۃ: کوشش۔ النمط: طرز' قسم' نوع۔ مُکْنَۃ: طاقت' قدرت' اقتدار' زور' قوت۔ السرد الشتیت: متفرق و منتشر طور پر لانا۔ یصقل: زنگ اتارنا' جلا دینا۔ اسعر سلاسل: کلام کا تسلسل یا سلاست۔ ثوب مرقع: پیوند لگا کپڑا۔ کلام ملفق: جوڑ سازی۔ یمجہ: مسلسل دور دور کرنا' بے لطف کرنا۔ تمجّ: ناگوار ہونا کہ جسے کان سننا پسند نہ کریں۔

ترجمہ: "(اب) تو جو کچھ ہم نے پیچھے بیان کیا اس سے (بھی) بڑی بات کو دیکھو کہ جب نبی پر کوئی آیت یا آیات نازل کی جاتی تھیں تو آپؐ فرماتے "اس کو فلاں جگہ فلاں سورت میں رکھ دو۔" حالانکہ آپ (آخر کار ایک بندہ) بشر ہیں۔ کہ آپ حقیقت کو نہیں جانتے کہ (آنے والا زمانہ اور) ایام کیا (احوال) لے کر آئیں گے اور آپ نہیں جانتے کہ آئندہ چل کر کیا ہوگا اور آپ ﷺ کو پتا نہیں کہ حوادث و واقعات میں سے آئندہ کیا چیز آنے والی ہے چہ جائیکہ آپؐ کو اس بات کا علم ہو کہ ان حوادث کے بارے میں اللہ تعالیٰ کیا نازل فرمائیں گے۔ اسی طرح ایک لمبا زمانہ گزر جاتا ہے اور نبیؐ اسی حال میں ہیں کہ ان پر قرآن کی تھوڑی تھوڑی وحی آتی ہے۔ اور جب اس طویل عرصہ کے بعد پورا قرآن کامل اور مکمل ہو جاتا ہے۔ اور (قرآن کی آیات ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح) مل جل جاتی ہیں (اور قرآن کے متفرق اجزاء باہم) اکٹھے اور جڑ جاتے ہیں۔ اور قرآن میں کوئی ادنیٰ کمزوری اور فرق بھی (ڈھونڈے سے) نہیں ملتا بلکہ وہ ساری کی ساری مخلوق کو اپنی ترتیب' وحدت اور باہمی ربط کی وجہ سے عاجز کر دیتا ہے (جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)

﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ (هود: ١)

"یہ کتاب ہے کہ جانچ لیا ہے اس کی باتوں کو پھر کھولی گئی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے۔" (تفسیر عثمانی)

اور اس اعجاز کا راز آپ پر ظاہر ہو جائے گا جب آپ یہ جان لیں گے کہ اس طرح سے (کلام کو) مرتب کرنا اور ترتیب

دیا کہ جس طریقہ پر قرآن نازل ہوا ہے اس طریقہ پر کوئی کلام بنانا یا اس کے قریب قریب بنانا یہ ہرگز (ہرگز) ممکن نہیں (اور یہ معجزانہ ترتیب ونظم کلام) نہ ہی رسول اللہ ﷺ کے کلام میں ہوتا اور نہ ہی آپ ﷺ کے علاوہ (فصحاء اور) بلغاء اور نہ ہی غیر بلغاء کے کلام میں ہونا ممکن ہے۔

مثلاً آپ نبی ﷺ کی حدیث کو ہی لے لیجئے کہ وہ اپنے حسن وبلاغت اور پاکیزگی اور بلندی میں کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم طویل زمانوں میں متعدد دواعی کی وجہ سے مختلف مناسبتوں سے ارشاد فرمایا ہے تو کیا تجھے یا تیرے ساتھ اور کسی انسان کو یہ طاقت ہے کہ فقط اس یکجائے روزگار متفرق طور پر لائے گئے کلام سے ایک کتاب ہی ترتیب دے ڈالیں کہ کلام کی وسعت اور وحدت اس کو فصیح وبلیغ بنا ڈالے بغیر اس کے کہ وہ لوگ کلام رسول سے نہ کچھ گھٹائیں اور نہ اس میں کچھ بڑھائیں اور نہ ہی اس میں کچھ تصرف کریں۔

یہ ایسی بات ہے کہ جو ہرگز (ہرگز) نہ ہوگی اور نہ ہی ایسا ہونا ممکن ہے بلکہ جس نے بھی یہ کوشش کی تو اس نے بیکار کی کوشش کی۔ اور اگر وہ ایسی کوئی کوشش کرے تو گویا کہ وہ لوگوں کے لئے ایک پیوند لگا کپڑا اٹھالے گا اور بھرت سے صحیح کیا ہوا کلام لائے گا (یعنی گلوتج زرامدوری طرح جھوٹی بات کو کلام رسول بتلائے گا) کہ کلام کی باہمی ترتیب اور نظم اس کے کلام کو ناقص کر دے گی (یعنی یا تو وہ ترتیب کہ جو کلام رسول میں ہوگی وہ اس میں نہ ہوگی تو صاف ظاہر ہے کہ ترتیب کلام رسول اس کو ناقص کر دے گی۔ یا اس کے اپنے ہی کلام کی ترتیب اور اس کا نظم اس کے اپنے ہی کلام کو ناقص کرے گا کہ وہ کلام رسول جیسا کہاں ہوگا۔ (نسیم) اور (معانی کی) وحدت اور وسعت اس کے کلام کو عاجز کر دے گی۔ اور کان اور (دل و) دماغ اس کو سننا نہ چاہے گا۔

تو پھر اقرآن کریم! اس کا تھوڑا تھوڑا کر کے اترنا (خود) یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ صرف اللہ کا کلام ہے اور یہ ایک جلیل القدر حکمت ہے کہ جو انسانیت کی صدور قرآن کی طرف راہنمائی کرتی ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔)

﴿قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾● (الفرقان: ٦)

"تو کہہ اس کو اتارا ہے اس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں میں اور زمین میں بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (تفسیر عثمانی)

(اس کی مزید تفصیل اعجاز القرآن کی بحث میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ از نسیم)

كيف تلقى النبيّ القرآن؟

تلقى النبيّ القرآن بواسطة أمين الوحي (جبريل) عليه السلام، و(جبريل) تلقاه عن رب العزة جل جلاله، وليس لجبريل الأمين سوى تبليغ كلام الله وإيحائه للرسول ﷺ. فالله جلت حكمته قد أنزل كتابه المقدس على خاتم أنبيائه بواسطة (أمين الوحي) جبريل، وعلمه جبريل للرسول، وبلغه

● مناہل العرفان ج ۱ ص ۴۲

الرسول لأمته، وقد وصف الله (جبريل) عليه السلام بأنه أمين على الوحي يبلغه كما سمعه عن الله تعالى. ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ﴾ وقال تعالى في وصفه أيضاً ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ﴾ أما حقيقة الكلام وحقيقة المنزل فإنما هو كلام الله، وتنزيل رب العالمين، كما قال تعالى. (وإنك لتلقى القرآن من لدن حكيم عليم) وقد كان صلوات الله عليه يعاني عند نزول القرآن شدة، وكان يحاول أن يجهد نفسه من أجل حفظ القرآن، فيكرر القراءة مع جبريل حين يتلو عليه القرآن، خشية أن ينساه أو يضيع عليه شيء منه، فأمره الله تعالى بالإنصات والسكوت عند قراءة جبريل عليه، وضمانه بأنه تعالى سيجعل هذا القرآن محفوظاً في صدره، لئلا يعجل في أمره، ولا يجهد نفسه في تلقيه ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۖ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ وأما تكفل الله تعالى له بالحفظ فقد جاء في قوله سبحانه ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ وقد كان جبريل يدارس النبيّ القرآن في رمضان، فينزل جبريل على رسول الله ويسمع له القرآن، فيقرأ الرسول بين يديه، وجبريل يستمع، ويقرأ جبريل والنبي يستمع، وهكذا يدارسه في كل رمضان ما نزل من القرآن مرة واحدة، وقبيل وفاته ﷺ نزل عليه جبريل مرتين في رمضان فدارسه القرآن حتى لقد شعر عليه الصلاة والسلام -- من نزول جبريل مرتين عليه -- بدنو أجله، وقال لعائشة رضي الله عنها: إن جبريل كان ينزل علي فيدارسني القرآن مرة واحدة في رمضان، وقد نزل علي هذا العام مرتين، وما أراني إلا قد اقترب أجلي. وقد كان الأمر كذلك فقد انتقل في ذلك العام إلى جوار ربه صلوات الله وسلامه عليه وانقطع بوفاته نزول الوحي.

أما كيف تلقى جبريل القرآن عن الله عز وجل، فقد تقدم معنا أنه كان سماعاً حيث سمع من الله عز وجل هذه الآيات فنزل بها على رسول الله ... قال البيهقي في معنى قوله: انا انزلناه في ليلة القدر يريد. والله أعلم إنا أسمعنا الملك وأفهمناه إياه وأنزلناه بما سمع) انتهى . ومعنى هذا أن جبريل أخذ القرآن عن الله تعالى سماعاً ويؤيده ما روي في الحديث الشريف إذا تكلم الله بالوحي أخذت السماء رجفة شديدة من خوف الله، فإذا سمع أهل السماء صعقوا، وخروا سجداً فيكون أولهم يرفع رأسه (جبريل) فيكلمه الله بوحيه بما أراد، فينتهي به إلى الملائكة، فكلما مر بسماء سأله أهلها: ماذا قال ربنا؟ قال: الحق، فينتهي به حيث أمر. رواه الطبراني.

قال (الزرقاني) في كتابه "مناهل العرفان": (وقد أسف بعض الناس فزعم أن جبريل كان

ينزل على النبيّ بمعاني القرآن، والرسول يعبر عنها بلغة العرب.... وزعم آخرون أن اللفظ لجبريل وأن الله كان يوحي إليه المعنى فقط... وكلاهما قول باطل أثيم، مصادم لصريح الكتاب والسنة والإجماع ولا يساوي قيمة المداد الذي يكتب به، وعقيدتي أنه مدسوس على المسلمين في كتبهم، وإلا فكيف يكون القرآن حينئذ معجزاً واللفظ لمحمد أو لجبريل؟ ثم كيف تصح نسبته إلى الله واللفظ ليس لله؟ مع أن الله يقول (حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ) إلى غير ذلك مما يطول بنا تفصيله.

لغات: تلقّی: حاصل کرنا۔ المقدس: ہر عیب اور نقص سے پاک۔ یُعانی: تکلیف اٹھانا، سامنا کرنا، دوچار ہونا۔ یُعالج: مذاکرہ کرنا، دہرانا، دور کرنا۔ خِفّة: ہلکاپن، کمی۔ فُصِعقَ: گر جانا، بے ہوش ہو کر گر جانا۔ خرّ: نیچے آ گرنا۔ أسَفّ: غلط باتیں اڑانا۔ مصادم: مخالف۔

ترجمہ: نبیؐ نے قرآن کس طریقہ سے حاصل کیا؟ یعنی (حضورؐ پر وحی نازل ہونے کے طریقے)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطے سے حاصل کیا اور انہوں نے (یعنی حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے) اللہ رب العزت جل جلالہ سے حاصل کیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام اللہ کی تبلیغ اور وحی الٰہی کے پہنچانے کے سوا (اور کچھ کام) نہ تھا۔ چنانچہ اللہ جل جلالہ کہ جس کی حکمتیں عظیم ہیں (اس) نے کتاب مقدس کو خاتم الانبیاء (حضرت محمدؐ) پر حضرت جبرئیل امین کے واسطے سے نازل کیا۔ اور حضرت جبرئیل نے وہ کتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلا دی۔ اور آپؐ نے یہ کتاب اپنی امت کو پہنچا دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کی (قرآن میں) یہ تعریف بیان کی ہے کہ وہ وحی (الٰہی) کے امین ہیں۔ وہ جس طرح اللہ تعالیٰ سے سنتے ہیں اسی طرح وہ رسول اللہؐ کو پہنچا دیا کرتے تھے۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں)

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍۙ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍۙ﴾ (التکویر: ۱۹ - ۲۰)

"مقرر یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا قوت والا عرش کے مالک کے پاس درجہ پانے والا سب کا مانا ہوا وہاں کا معتبر ہے۔" (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کی تعریف میں (ایک دوسری جگہ) یہ بھی ارشاد فرمایا ہے

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَۙ﴾ (الشعراء: ۱۹۳ - ۱۹۴)

"لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا۔" (تفسیر عثمانی)

البتہ رہی اس (اترنے والے) کلام کی حقیقت اور اتارنے والی (ذات) کی حقیقت تو بے شک یہ کلام اللہ ہے اور رب العالمین کا اتارا ہوا ہے جیسا کہ (خود) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وانك لتلقى القرآن من لدن حكيم عليم۔﴾ (النمل: ٦)

"اور تجھ کو تو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے۔" (تفسیر عثمانی)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے نزول کے وقت (اپنے اوپر) بڑی مشقت برداشت کرتے تھے۔ اور قرآن کو یاد کرنے کے لئے بڑا مجاہدہ کرتے تھے۔ اور جب حضرت جبرئیل آپ کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے تو آپ بھی ان کے ساتھ قرآن کو دہراتے تھے اس ڈر سے کہ آپ قرآن کو بھول نہ جائیں یا قرآن کا کچھ حصہ (لینے سے رہ نہ جائے اور) ضائع نہ ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حضرت جبرئیل کے تلاوت کرنے کے وقت متوجہ ہو (کر سننے) اور خاموش رہنے کا حکم دیا اور آپ کو اس بات کا اطمینان دلایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس قرآن کو آپ کے سینے میں محفوظ کرے گا۔ پس آپ اس قرآن کے معاملہ میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ اور اس قرآن کے لینے میں اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے)

﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ ... وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا.﴾ (طٰہٰ: ١١٤)

"اور تو جلدی نہ کر قرآن کے لینے میں جب تک پورا نہ ہو چکے اس کا اترنا اور کہہ اے رب زیادہ کر میری سمجھ۔" (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ کا نبی ﷺ کے لئے (قرآن کے) حفظ کرنے کا ذمہ اٹھانا تو (یہ بات) اللہ سبحانہ (وتعالیٰ) کے اس قول میں آئی ہے۔

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ (القیامۃ: ١٦-١٩)

"نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اس کو سیکھ لے وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیرے سینے میں اور پڑھنا تیری زبان سے پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو کھول کر بتلانا۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کے ساتھ (ہر) رمضان میں (جتنا قرآن اتر چکا ہوتا تھا اس کا) دور کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جبرئیل نبی کے پاس (آکر) اترتے۔ اور نبی کا قرآن سنتے پس نبی ان کے سامنے قرآن کی تلاوت فرماتے۔

اور جبرئیل سن رہے ہوتے اور جبرئیل پڑھتے اور نبی سنتے۔ حضرت جبرئیل نبی کے ساتھ رمضان میں جتنا بھی قرآن اتر چکا ہوتا تھا اس کا ایک مرتبہ دور کرتے اور آپ ﷺ کی وفات سے قبل (آخری) رمضان میں حضرت جبرئیل دو مرتبہ نازل ہوئے اور نبی سے (دونوں مرتبہ) قرآن کا دور کیا۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیل کے دو دفعہ نازل ہونے کی وجہ سے نبی نے اپنی وفات کے قریب ہونے کو جان لیا۔ اور آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا "تحقیق حضرت جبرئیل مجھ پر رمضان میں ایک مرتبہ

نازل ہوا کرتے تھے اور قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور تحقیق اس سال مجھ پر دو مرتبہ نازل ہوئے ہیں۔ میرا یہی گمان ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔" (مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) یونہی ہوا۔ کہ تحقیق نبیؐ اسی سال ہی اللہ رب العزت کے جوار رحمت میں (اس فانی دنیا کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) منتقل ہو گئے۔ آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ و سلام ہو اور آپؐ کی وفات سے وحی کا سلسلہ (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) منقطع ہو گیا۔

رہی یہ بات کہ حضرت جبرئیلؑ قرآن کو کیسے لیتے تھے؟ تو ابھی یہ بات گزری ہے کہ وہ سنتے تھے۔ کہ وہ آیت کو اللہ جل جلالہ سے سنتے اور ان کو لے کر نبیؐ پر نازل ہوتے۔ امام بیہقی اللہ کے اس قول: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۱) کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ "اللہ کی اس سے یہ مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ "ہم نے اس قرآن کو فرشتہ کو سنایا اور یہ قرآن اس کو بھی (بھی) دیا اور ہم نے فرشتہ کو بعد اس کے جو اس نے سنا۔ اتارا "انتہی کلامہ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ امام بیہقی کی) اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ قرآن سن کر حاصل کیا۔ اس کی تائید وہ بات بھی کرتی ہے کہ جو حدیث شریف میں آئی ہے۔ کہ "جب اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے کلام فرماتے ہیں تو آسمان اللہ کے خوف سے بری طرح کانپنے لگتا ہے اور جب آسمان والے اس وحی کو سنتے ہیں تو (اللہ کی ہیبت اور جلال سے) سجدوں میں گر جاتے ہیں۔ تو ان میں سب سے پہلے حضرت جبرئیل سر اٹھاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جو چاہے ان سے اپنی وحی کے ساتھ کلام فرماتے ہیں۔ پھر حضرت جبرئیل اس کو فرشتوں تک لے جاتے ہیں۔ اور وہ جب جب بھی (جس) آسمان سے گزرتے ہیں اس آسمان والے حضرت جبرئیل سے پوچھتے ہیں۔ ہمارے رب نے کیا کہا۔ وہ فرماتے ہیں "حق" کہا۔ پھر وہ وہاں لے جاتے ہیں جہاں لے جانے کا حکم ہوا ہوتا ہے (اس روایت کو طبرانی نے نقل کیا ہے) علامہ زرقانیؒ اپنی کتاب "مناہل العرفان فی علوم القرآن" میں فرماتے ہیں۔

"بعض لوگوں نے یہ (غلط) بات اڑائی ہے اور اپنے زعم (باطل) میں یہ کہا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نبیؐ پر قرآن کے معانی لے کر اترتے تھے اور نبیؐ ان کی لغت عرب میں تعبیر کرتے (اور ان کو عربی الفاظ کا جامہ پہناتے) اور بعض دوسروں نے یہ (غلط) گمان باندھا ہے کہ الفاظ تو جبرئیل علیہ السلام کے ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف فقط معانی قرآن کی وحی فرماتے تھے۔ یہ دونوں کے دونوں قول باطل اور جھوٹے ہیں کہ جو کتاب و سنت اور اجماع (امت) کے صریح خلاف ہیں۔ ان اقوال کی قیمت اس سیاہی کے برابر بھی نہیں کہ جس سے یہ اقوال لکھے جاتے ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ یہ اقوال مسلمانوں کی کتابوں میں (زبردستی کسی سازش کے تحت) ٹھونسے گئے ہیں۔ وگرنہ اس صورت میں قرآن کا معجزہ ہونا کیسے ہوگا جبکہ یہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا (حضرت) جبرئیل (علیہ السلام) کے الفاظ ہوں؟ پھر (یہ بھی کہ) اس کی نسبت اللہ کی طرف کیسے درست ہوگی جبکہ (اس کے) الفاظ اللہ کے ہی نہ ہوں؟ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد (بھی) ہے ﴿حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾ (التوبہ: ٦) "یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔" (تفسیر عثمانی)

(علامہ زرقانی فرماتے ہیں) اس کے علاوہ اور بہت سی دلیلیں (کہ جو قرآن کو اللہ کا کلام ثابت کرتی ہیں) کہ جن کی

تفصیل ہمارے لئے بہت لمبی ہوگی۔ (مناہل العرفان صفحہ ۴۴ جلد ۱)

توضیح

وحی اور وحی کی حقیقت

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: "وحی وہ ذریعہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے کسی منتخب بندے اور رسول تک پہنچاتے ہیں۔ اور اس رسول کے ذریعے تمام انسانوں تک اور چونکہ "وحی" اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس تعلیمی رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مشاہدہ فقط انبیاء کرام کو ہی ہوتا ہے اس لئے ہمارے لئے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک ادراک بھی ممکن نہیں ہے۔" (علوم القرآن صفحہ ۳۰)

آگے چل کر فرماتے ہیں: "وحی کی حقیقت یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام کسی واسطے کے ذریعے یا بلاواسطہ اپنے کسی پیغمبر پر القاء فرما دیتا ہے۔" (علوم القرآن صفحہ ۳۵)

مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ فرماتے ہیں: "وحی طرح عقل کی روشنی صرف اسی وقت کارآمد ہوسکتی ہے جبکہ خارج میں بھی اس کی راہنمائی کے لئے کوئی قوی روشنی موجود ہو اور یہ روشنی وہی ہے جس کو مذہب کی اصطلاح میں "وحی" کہتے ہیں۔" (صفحہ ۲۱ "وحی الٰہی")

"وحی خاص اس ذریعہ علم کا نام ہے جس کے ذریعے غور و فکر، کسب و نظر اور تجربہ و استدلال کے بغیر خاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے فضل و لطف خاص سے کسی نبی کو کوئی علم حاصل ہوتا ہے۔" (صفحہ ۲۵ "وحی الٰہی")

"وحی کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کا صحیح علم تو بجز خدا کے اور کسے ہوسکتا ہے البتہ فلاسفہ نے اپنی بساط کے مطابق کچھ پتہ چلانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کا حاصل اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وحی کے امکان و جواز میں جو بظاہر عقلی استبعاد نظر آتا ہے اسے دور کریں اور یہ ثابت کریں کہ علم و اطلاع کے جس غیبی ذریعہ کو وحی کہتے ہیں اس کا تعلق انسانی کے باطنی قوی اور ملکات کی دریافت و تحقیق کی روشنی میں ناممکن نہیں ہے۔" (صفحہ ۲۶ "وحی الٰہی")

وحی حضرت جبرئیل لاتے تھے

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: "علامہ واقدیؒ نے لکھا ہے کہ آپ کے پاس حضرت جبرئیل کے علاوہ کوئی فرشتہ وحی لے کر نہیں آیا۔" علامہ بدرالدین عینیؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ❶ ہوتا ہے۔"

علامہ حلیمیؒ نے لکھا ہے کہ آپ پر وحی چھیالیس طریقوں سے نازل ہوتی تھی۔" لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے حامل وحی (حضرت جبرئیل علیہ السلام) کی مختلف صفات کو وحی کے مختلف طریقے شمار کرکے ان کی تعداد چھیالیس تک پہنچا دی ہے۔ ورنہ تعداد اتنی نہیں ہے۔" ❷ (علوم القرآن صفحہ ۴۷ ملخصاً)

---

❶ عمدۃ القاری صفحہ ۴۷-۴۸ جلد ۱۔ ❷ فتح الباری صفحہ ۱۶ جلد ۱۔

"بہر حال اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ جو فرشتہ آنحضرت ﷺ پر وحی لاتا تھا، وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔" (علوم القرآن صفحہ ۳۶)

علامہ عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں:

"زیادہ کار ہمارے نبی کی یہی صورت رہی کہ روح الامین جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کو اپنی صورت ملکیہ میں نظر آئیں اور بالفاظ کلام پہنچائیں کہ جس کو وحی متلو اور قرآن کہتے ہیں۔" (تفسیر حقانی صفحہ ۸۲ جلد مقدمہ)

حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی کہاں سے اور کیسے لاتے تھے؟

علامہ عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں:

"رہی یہ بات کہ جبرئیلؑ وہ کلام کہاں سے لاتے تھے، کسی تختے پر لکھا ہوا دیکھ کر یاد کر آتے تھے یا پس پردہ خدا تعالیٰ سے سن لیتے تھے جیسے کہ عوام میں مشہور ہے ورنہ بنا پر سید احمد خان صاحب نے انکار کیا ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ ہم پیشتر فصل ملائکہ میں آپ فرشتوں کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں کہ یہ نورانی لوگ ہیں کہ جن کو علی حسب مراتب جناب باری تعالیٰ سے قرب ہوتا ہے اور چونکہ جبرئیلؑ نہایت درجہ کے ملائکہ مقربین میں سے ہیں، ان کو خدا پاک سے ہم کلام ہونا ہر وقت آسان ہے لیکن خدا تعالیٰ اور فرشتوں کا باہم کلام ہماری آواز اور ان حروف سے نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو اس عالم میں ہمارے مضامین دلی کے ادا کرنے کے واسطے آلات ہیں اور کسی قسم کی تعبیر ان حروف اور صوت اور تلفظ کے باہم کلام کر لیتے ہیں جو عالی لوگ قوت روحانیہ رکھتے ہیں بہت کچھ معلوم کر لیتے ہیں کہ وہ صفحہ سے پڑھ سکتے ہیں مگر یہ روحانی وحی و القاءات سے ہم کو بحث ہو کر اب ان کے کلام کر سکتے ہیں۔ پس جبرئیل علیہ السلام علم الٰہی سے جس قدر معلوم کر کے یاد کر لیتے ہیں۔ معانی ہو کر وہ الفاظ کی وحی سے تعین پا کر آنحضرت علیہ السلام کو حسب حاجت پہنچاتے جاتے تھے۔" (تفسیر حقانی صفحہ ۸۲ جلد مقدمہ)

حضورؐ قرآن کو کہاں سے لیتے تھے

علامہ عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں

"خلاصہ یہ کہ پیغمبر علیہ السلام ان الفاظ اور معانی کو جبرئیل علیہ السلام سے حاصل کرتے تھے۔ پھر الفاظ کو یاد کر دیتے اور کاتبین وحی سے لکھوا دیتے تھے اور خود بھی بخوبی حفظ رکھتے تھے۔" (تفسیر حقانی جلد ا صفحہ ۸۳ مقدمہ)

قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں

مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"قرآن کریم لفظاً اور معناً پورا کا پورا کلام اللہ ہے جس طرح اس کے مضامین اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، اسی طرح اس کے الفاظ بھی من و عن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں اور ان کے انتخاب یا ترکیب و نشست میں نہ

حضرت جبرئیلؑ کا کوئی دخل ہے نہ آنحضرتؐ کا جو لوگ وحی کے بارے میں مادہ پرستوں کے اعتراضات سے مرعوب ہیں۔ ہمارے زمانے میں ان میں سے بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کا صرف مفہوم بذریعہ وحی نازل ہوا تھا۔ اور (معاذ اللہ) اس کے الفاظ اور ترکیبیں وغیرہ حضرت جبرئیلؑ کی یا آنحضرتؐ کی ہیں۔ لیکن یہ خیال بالکل باطل محض اور قرآن وسنت کے صریح دلائل کے بالکل خلاف ہے۔"

آگے علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس پر چار دلائل نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ

"یہ مذکورہ آیت صراحۃً دلالت کر رہی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ جو الفاظ لے کر آتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا تھا اس لئے اس کے الفاظ یاد کرانے اس کی تلاوت کا طریقہ سکھانے اور اس کے معانی کی تشریح کرنے کے تینوں کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لئے ہیں۔ ان واضح دلائل کی روشنی میں یہ گمان بالکل باطل ہو جاتا ہے کہ الفاظ قرآن وحی کے ذریعہ نازل نہیں کئے گئے۔"

اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے شیخ محمد عبدالعظیم زرقانیؒ نے بڑی اچھی بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں۔

"اس مقام پر بحث کا لب لباب یہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ اور معنی دونوں بالاتفاق بذریعہ وحی نازل ہوئے ہیں۔ اور احادیث قدسیہ کے بارے میں بھی مشہور قول یہی ہے کہ ان کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ البتہ احادیث نبویہؐ کے صرف معنی وحی ہیں۔ الفاظ حضورؐ کے اپنے ہیں اور جو احادیث آپؐ نے اپنے اجتہاد سے ارشاد فرمائیں ان کے معنی اور الفاظ دونوں حضورؐ کے ہیں۔" ●

آگے علامہ عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

"اگر وحی واقعتہً ایک ضرورت ہے اور باری تعالیٰ اس پر قادر ہے تو آخر کوئی معقول وجہ ہے کہ وہ معنی تو نبی کے قلب پر اتار سکے اور الفاظ اتارنے پر (معاذ اللہ) قادر نہ ہو؟

یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ علامہ بدرالدین زرکشیؒ اور علامہ سیوطیؒ نے بھی بعض لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ان کے نزدیک صرف مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں الفاظ حضرت جبرئیلؑ کے یا حضورؐ کے ہیں۔" ● لیکن آپ نے دیکھا کہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے مضبوط دلائل کی روشنی میں یہ اقوال بالکل باطل ہیں۔ مذکورہ بزرگوں نے بھی ان اقوال کے قائلین کا کوئی حوالہ نہیں دیا بلکہ (قال بعضہم) "بعض لوگوں نے کہا ہے" کہہ کر یہ الفاظ نقل کر دئیے ہیں اور علامہ سیوطیؒ نے تو اس کی صراحۃً تردید بھی کی ہے اس لئے ان اقوال کو اس مذہب باطل کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔" (علوم القرآن صفحہ ۴۹ تا ۵۱ ملخصاً)

● مناہل العرفان جلد ۱ صفحہ ۴۸۔

● البرہان فی علوم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۲۹ و الاتقان جلد ۱ صفحہ ۴۵۔

هل السنة النبوية بوحي من الله؟

تقدم معنا أن القرآن الكريم (كلام الله) ومعنى ذلك أن (اللفظ والمعنى) هو من عند الله ولا دخل لجبريل أو لمحمد فيه سوى التبليغ عن الله عز وجل. أما السنة النبوية فإنها بوحي كذلك من الله ولكن اللفظ للرسول والمعنى من عند الله، لأن الله تعالى يقول: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾ وقد نقل السيوطي عن (الجويني) أنه قال: (كلام الله المنزل قسمان: قسم قال الله لجبريل: قل للنبي الذي أنت مرسل إليه إن الله يقول: افعل كذا وكذا، وأمر بكذا وكذا، ففهم جبريل ما قاله ربه ثم نزل على ذلك النبي وقال له ما قاله ربه، ولم تكن العبارة تلك العبارة، كما يقول الملك لمن يثق به: قل لفلان يقول لك الملك: اجتهد في الخدمة، واجمع جندك للقتال. فإن قال الرسول: يقول لك الملك: لا تتهاون في خدمتي، ولا تترك الجند يتفرق، وحثهم على المقاتلة... لا ينسب إلى كذب ولا تقصير. وقسم آخر قال الله لجبريل: اقرأ على النبي هذا الكتاب، فنزل به جبريل من الله من غير تغيير، كما يكتب الملك كتاباً ويسلمه إلى أمين ويقول: اقرأه على فلان. قال السيوطي: القرآن هو القسم الثاني والقسم الأول هو السنة، ومن هنا جاز روايته بالمعنى بخلاف القرآن)

ترجمہ: کیا سنت نبویہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحی ہے؟

(مصنف کتاب فرماتے ہیں) یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ قرآن کریم "اللہ کا کلام" ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ (قرآن کے) لفظ اور معنی (دونوں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، حضرت جبرائیل اور نبی ﷺ کا اس میں سوائے اللہ کی طرف سے (اس کے) پہنچا دینے کے اور کوئی دخل نہیں۔ رہی سنت نبویہ تو وہ بھی اللہ کی وحی ہے لیکن اس کے الفاظ (تو) رسول اللہ ﷺ کے ہیں اور ان کے معنی (وہ) اللہ کی طرف سے ہیں، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾ (النجم: ٣-٤)

"اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔" (تفسیر عثمانی)

(مصنف کتاب فرماتے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے علامہ جوینیؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والا کلام دو قسم پر ہے، ایک قسم وہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ جبرائیل سے (یوں) ارشاد فرماتے ہیں: تم (جاؤ اور جاکر) نبی سے کہو جس کی طرف تم کو بھیجا گیا ہے (اور اللہ تعالیٰ آپ کو یہ) ارشاد فرماتے ہیں: یہ یہ کرو اور اللہ تعالیٰ نے یہ یہ حکم دیا ہے، پھر (جبرائیل) فرمان ربانی کو سمجھ لیتے ہیں پھر اس نبی کے پاس اترتے ہیں اور جو کچھ ان کے رب نے فرمایا ہوتا ہے وہ (ان کو) بتا دیتے ہیں۔ لیکن ان کے الفاظ وہ نہیں ہوتے (جو کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہوتے ہیں) جس کی مثال یوں سمجھئے

کہ) جیسے بادشاہ اپنے کسی معتمد سے یوں کہے کہ فلاں (فلاں) کو کہہ دو کہ بادشاہ تمہیں یہ کہتا ہے: "کہ خدمت میں چست و چوکس رہو اور جنگ کے لئے لشکر تیار رکھو" تو اگر وہ قاصد اس کو جا کر (یوں) کہے کہ بادشاہ تمہیں کہتا ہے" خدمت میں سستی نہ کرو اور فوج کو پوری طرح مستعد رکھو اور انہیں جنگ پر ابھارتے رہو" تو اس قاصد کو جھوٹا یا کمی کرنے والا نہ کہا جائے گا۔ اور (وحی کی ایک) دوسری (یہ) قسم ہے کہ (جس میں) اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل سے یہ ارشاد فرماتے ہیں "نبی کو یہ کتاب پڑھ دو" تو حضرت جبرئیلؑ اس کو (من وعن) بغیر کسی تبدیلی کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر اترتے ہیں۔" (اس کی مثال یوں سمجھئے کہ) جیسے ایک بادشاہ ایک (شاہی) فرمان لکھ دیتا ہے دوسرے (اپنے) معتمد کے حوالے کرتا ہے اور یہ کہتا ہے یہ (جا کر) فلاں (فلاں) کو پڑھ سناؤ۔"

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن (یہ) دوسری قسم (کی وحی) ہے اور پہلی قسم (کی وحی) سنت نبویہ ہے اور اسی وجہ سے حدیث کی روایت بالمعنی جائز ہے بخلاف قرآن کے (کہ اس کی روایت بالمعنی جائز نہیں)

توضیح

وحی متلو اور غیر متلو کا بیان

علامہ عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں "وحی قسم کے علاوہ جس قدر صورتیں ہیں سب کو وحی غیر متلو اور سنت اور کبھی حدیث قدسی بھی کہتے ہیں۔ (تفسیر حقانی جلد ا صفحہ ۸۴ مقدمہ)

سید فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں "آنحضرتؐ پر دو قسم کی وحی نازل ہوئی تھی۔

(۱) وہ وحی جو قرآن کریم کی آیات ہیں۔ اور جن کے الفاظ و معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے۔ اور یہ قرآن کی شکل میں ہمیشہ کے لئے اس طرح محفوظ کر دی گئیں کہ ان کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ علماء کی اصطلاح میں اس کو وحی متلو کہتے ہیں یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس میں اسلام کے اصول، عقائد اور بنیادی تعلیمات کا بیان ہے۔

(۲) وہ وحی کہ جو قرآن کریم کا جزو نہیں بنی۔ اس کے ذریعہ آپؐ کو بہت سے احکامات عطا کئے گئے۔ اس کو وحی غیر متلو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ اور یہ زیادہ تر احادیث کی شکل میں محفوظ ہے۔ (احسن البیان جلد ا صفحہ ۳۰)

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"آنحضرتؐ پر جو وحی نازل ہوئی اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو قرآن کریم کی آیات کہ جس کے الفاظ و معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور جو قرآن کریم میں ہمیشہ کے لئے اس طرح محفوظ کر دی گئیں کہ ان کا ایک نقطہ اور شوشہ بھی نہ بدلا جا سکا ہے اور نہ بدلا جا سکتا ہے اس وحی کو علماء کی اصطلاح میں وحی متلو یعنی وہ وحی کہ جس کی تلاوت کی

جاتی ہے' کہا جاتا ہے دوسری قسم اس وحی کی وہ ہے کہ جو قرآن کریم کا جزو نہیں بنی لیکن اس کے ذریعے آپ کو بہت سارے احکام عطا کئے گئے۔ اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ یعنی وہ وحی کہ جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔"

عمومادی متلو یعنی قرآن کریم میں اسلام کے اصول عقائد اور بنیادی تعلیمات کی تشریح پر اکتفا کیا گیا ہے ان تعلیمات کی تفصیل اور جزوی مسائل زیادہ تر "وحی غیر متلو" کے ذریعہ عطا کئے گئے ہیں۔ یہ "وحی غیر متلو" صحیح احادیث کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور اس میں عموماً صرف (من کے) مضامین (کو) وحی کے ذریعہ عطا کیا گیا ان مضامین کی تعبیر کرنے کے لئے الفاظ کا انتخاب آپ نے خود فرمایا ہے" ❶

علامہ فرماتے ہیں:

"اسلامی احکام کی جزوی تفصیلات چونکہ اس "وحی غیر متلو" کے ذریعہ بتلائی گئی ہیں۔ اس لئے جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود اسلامی احکام کی پابندیوں سے آزاد زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کچھ عرصے سے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ "وحی غیر متلو" کوئی شے نہیں آنحضرت پر جتنی وحی اللہ تعالیٰ کی طرف نازل کی گئی وہ قرآن کی شکل میں محفوظ ہے قرآن کریم کے علاوہ جو احکام آپ نے دیئے وہ ایک سربراہ مملکت کی حیثیت سے دیئے جو صرف اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے واجب العمل تھے۔ آج ان پر عمل کرنا ضروری نہیں (یہ خیالات غلام احمد پرویز کے تھے۔(تسہیم)"

لیکن یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے۔ خود قرآن کریم کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی الٰہی صرف قرآن کریم میں منحصر نہیں۔ بلکہ آیات قرآنی کے علاوہ بھی آپ کو بہت سی باتیں بذریعہ وحی بتلائی گئیں۔ اس کے بعد چند دلائل کو اس بات کی تائید میں پیش فرما کر لکھتے ہیں۔

"متعدد روایات سے "وحی غیر متلو" کا ثبوت ملتا ہے۔ "وحی غیر متلو" بھی وحی کی ایک قسم ہے اور "وحی متلو" کی طرح حجت اور واجب الاتباع ہے۔" (علوم القرآن صفحہ ۴۰-۳۳ ملخصاً)

☆☆☆

❶ علوم القرآن صفحہ ۳۲ ملخصاً

من كنوز المعلومات

ما الفرق بين القراءة والتلاوة؟

القراءة أعم من التلاوة فكل تلاوة قراءة وليس كل قراءة تلاوة' لايقال تلوت رقعتك وانما يقال في القرآن شي اذا قرأته وجب عليك اتباع' كذا قال الراغب ويفهم منه ان التلاوة خاصة بالقرآن الكريم مع الاتباع وليست القراءة كذلك.

الوتين: عرق معلق بالقلب اذا انقطع مات صاحبه؟ اذكر الاية الدالة على ذلك؟

قال تعالى ﴿تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ٥ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ٥ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ٥﴾ (الحاقة)

قال عنها الرسول ﷺ انها شفاء من كل داء الا السام (الموت) وقال ابن القيم: انها تشفي من البرص واذابة الحصى' واخراج الدود والزكام' وينفع زيتها في علاج الامراض الجلدية' وتستعمل مفردة او مخلوطة مع زيت الزيتون او العسل؟ فما هي؟

الحبة السوداء:

قال رسول الله ﷺ: عليكم بهذه الحبة السوداء فان فيها شفاء من كل داء الا السام. (واخرجه البخاري ۱۰/۱۲۱ مسلم ۲۲۱۵)

معلومات کا ایک خزانہ

سوال: قرأت اور تلاوت میں کیا فرق ہے؟

جواب: تلاوت قرأت سے عام ہے لہٰذا ہر تلاوت قرأت ہے جبکہ ہر قرأت تلاوت نہیں۔ لہٰذا "تلوت رقعتک" (میں نے تمہارا خط تلاوت کیا) نہ کہا جائے گا۔ بے شک قرآن کے بارے میں کہا جائے گا۔ جب تو اس کو پڑھے گا تو تجھ پر اس کی اتباع واجب ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ نے یوں ہی فرمایا ہے اور ان کے کلام سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ تلاوت یہ قرآن کریم کے ساتھ اس کی اتباع سمیت خاص ہے۔ جبکہ قرأت یوں نہیں ہے۔

سوال: وتین (یعنی شہ رگ جو جسم انسانی کے دل سے نکلنے والے صاف خون کی نما بہم پہنچاتی ہے) کہ یہ دل کے متعلق ایک رگ ہے کہ جب یہ کٹ جائے تو آدمی مر جاتا ہے۔ بتائیے قرآن کی کونسی آیت ہے کہ اس لفظ پر دلالت کرتی ہے؟

جواب: وہ آیت یہ ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ٥ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ٥ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ

الْوَتِيْنَ﴾ (الحاقۃ: ۴۳ تا ۴۶)

"یہ اُتارا ہوا ہے جہان کے رب کا اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اس کی گردن۔" (تفسیر عثمانی)

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شی کے بارے میں فرمایا کہ "یہ موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفاء ہے۔" اور ابن قیمؒ نے (اس کے بارے میں) فرمایا ہے "یہ پیٹ کے کیڑوں کو (مثانہ سے) پگھلا (کر نکال) دیتی ہے اور (پیٹ وغیرہ کے) کیڑے نکالتی ہے اور زکام سے شفا دیتی ہے اور اس کا تیل جلدی امراض کے علاج میں مفید ہے اور یہ الگ سے اور زیتون کے تیل یا شہد سے ملا کر (بھی) استعمال کیا جاتا ہے (ذرا بتائیے تو) وہ کیا چیز ہے؟

جواب: (وہ) کلونجی ہے کہ (اس کے بارے میں) رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم کلونجی کو لازم پکڑو کیونکہ یہ موت کے علاوہ ہر مرض کی دوا ہے۔" (بخاری ۱۰/۱۲۱)(مسلم ۲۲۱۵)

☆☆☆

الفصل الرابع

جمع القرآن

جمع القرآن في عهد النبوة

جمع القرآن الكريم في عهدين عهد النبوة وعهد الخلفاء الراشدين وقد كان لكل جمع خصائصه و مزاياه، وكلمة (جمع) تطلق أحيانا و يراد منها الحفظ والاستظهار في صدور الرجال، وتطلق تارة و يراد منها الكتابة والتسجيل في الصحائف والأوراق وقد كان لجمع القرآن في عصر النبوة الأمران معاً

أولاً: الجمع في الصدور عن طريق الحفظ والاستظهار.

ثانياً: الجمع في السطور عن طريق الكتابة والنقش

وسنتحدث عن كلا الجمعين بشيء من التفصيل ليتبين لنا العناية الفائقة بالقرآن العظيم وكتابته وتدوينه مما لم يسبق لكتاب سماوي أن نال من الرعاية والعناية والاهتمام كما ناله القرآن الكريم كتاب الله المجيد ومعجزة محمد الخالدة.

ترجمہ: چوتھی فصل

جمع قرآن کے بارے میں

لغات: مزایا: یہ مزیۃ کی جمع ہے خوبی خصوصیت۔ استظہار حفظ زبانی یاد کرنا۔ التسجیل: درج کرنا، لکھنا۔

ترجمہ: جمع قرآن عہد نبوت میں

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"قرآن کا جمع کرنا دو عہدوں میں ہوا۔ عہد نبوت میں اور عہد خلفاء راشدین میں ہر ایک دور کے جمع قرآن کی کچھ خصوصیات اور خوبیاں ہیں۔ اور کبھی لفظ "جمع" بولا جاتا ہے اور اس سے مراد لوگوں کے سینوں میں اس کا حفظ اور محفوظ ہونا ہوتا ہے اور کبھی اس کو بول کر صحیفوں اور اوراق میں کتابت اور لکھائی مراد ہوتی ہے۔ اور عہد نبوت میں جمع قرآن میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی تھیں۔"

(۱) سینوں میں قرآن کا جمع ہونا (یعنی) حفظ اور یادداشت کے طور پر (ہوتا تھا)

(۲) سطور میں جمع ہونا (یعنی) تحریر اور نقش کی شکل میں (ہوتا تھا)

ہم دونوں قسم کی جمع کے بارے میں کسی قدر تفصیل کریں گے تاکہ ہمارے سامنے قرآن عظیم کی اور اس کی کتابت اور تدوین کے لئے (اس امت کی) وہ گہری توجہ ہو سامنے آجائے کہ جو کسی آسمانی کتاب کے ساتھ (پہلے) نہ تھی کہ (اس گزشتہ کتاب نے) وہ رعایت توجہ اور اہتمام پایا ہو کہ جو قرآن کریم نے پایا (یعنی توجہ اہتمام اور رعایت) کہ یہ اللہ کی کتاب مجید اور حمید کا دائمی معجزہ ہے۔

جمع القرآن في الصدور

نزل القرآن الكريم على النبي الأمي، فكانت همته منصرفة إلى حفظه واستظهاره ليحفظه كما نزل عليه، ثم يقرأه على الناس على مكث ليحفظوه ويستظهروه، ضرورة أنه نبي أمي بعثه الله إلى العرب الأميين. ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ...﴾ الآية ومن شأن الأمي - في العادة أن يعتمد على حافظته وذاكرته، لأنه لا يقرأ ولا يكتب، ولقد كانت الأمة العربية على عهد نزول القرآن تتمتع بخصائص العروبة الكاملة، التي منها قوة الذاكرة، وسرعة الحفظ، وسيلان الأذهان، وكان العربي يحفظ مئات الآلاف من الأشعار ويعرف الأحساب والأنساب، فيستظهرها عن ظهر قلب، ويعرف التواريخ وقل أن تجد منهم من لا يحفظ الحسب والنسب، أو من لا يحفظ (المعلقات العشر) على كثرة أشعارها، وصعوبة حفظها!!

ثم جاءهم القرآن الكريم فبهرهم بقوة بيانه، وروعة أحكامه، وجلال سلطانه فأخذ عليهم مشاعرهم، واستحوذ على عقولهم وأفكارهم، حتى صرف همهم إلى الكتاب المجيد فيمموا وجوههم نحوه، يحفظونه ويستظهرون آياته وسوره، وتركوا الشعر لأنهم وجدوا في القرآن روح الحياة!!

أما النبي ﷺ فقد بلغ من حرصه الشديد على حفظ القرآن أن يحيي الليل بتلاوة آيات القرآن في الصلاة عبادة وتلاوة وتدبراً لمعانيه، حتى تفطرت قدماه الشريفتان من كثرة القيام امتثالاً لأمر الله العلي الكبير ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝﴾ لذلك فلا عجب أن يكون ﷺ سيد الحفاظ، وأن يجمع القرآن في قلبه الشريف، ويكون مرجع المسلمين في كل ما يعنيهم من أمر القرآن العظيم.

وأما الصحابة رضوان الله عليهم فقد كانوا يتسابقون إلى تلاوة القرآن ومدارسته، ويبذلون قصارى جهدهم لاستظهاره وحفظه، ويعلمونه أزواجهم وأولادهم في البيوت، حتى لقد كان

الصدور ومصداق لقوله تعالى: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ وهذا بلا شك عناية من الله خاصة بهذا القرآن المجيد، وشرف عظيم اختص الله به هذه الأمة المحمدية حيث جعل أناجيلها في صدورها، وأنزل عليها كتابا لا يغسله الماء ولله در القائل:

الله أكبر إن دين محمد ... وكتابه أقوى وأقوم قيلا

لا تذكر الكتب السوالف عنده ... طلع الصباح فأطفئ القنديلا

لغات: همّت: کسی کام کا پختہ عزم و صلاحیت، تڑپ۔ تستمتع: مستفید ہونا، حاصل کرنا۔ العروبة: عرب قوم کی خصوصیات واوصاف سے متصف ہونا۔ بهر: تھکا، غالب آنا۔ سلطان: غلبہ واقتدار۔ مشاعر: مشعر کی جمع، حواس۔ يستحوذ: دل ودماغ پر قبضہ جمانا۔ يمّم: ارادہ کرنا، خاص طور پر کسی طرف رخ کرنا۔ تتفطر: پھٹ جانا۔ يتسابقون: ایک دوسرے سے آگے بڑھنا۔ قصارى: آخری حد، آخری درجہ۔ غسق: رات کی تاریکی۔ الدُّجى: رات کی سیاہی اور تاریکی۔ ذوق: سمجھداری۔ تخيّر: کلام کو عمدہ بنا کر سنانا۔ يتذكّى: بھڑکنا۔ ضجّة: شور۔ يتغالطون: غلطی میں پڑنا۔ مستطرفة: انوکھی۔ التعريف: پیدا کرنا۔

ترجمہ: سینوں میں جمع قرآن

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"قرآن کریم نبی امی پر نازل ہوا۔ چنانچہ آپ کا پختہ عزم قرآن کریم کو زبانی یاد کرنے اور حفظ کرنے کی طرف تھا تاکہ آپ قرآن کریم کو اس طرح یاد کرلیں جیسے وہ نازل ہوا۔ پھر آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناتے تھے تاکہ لوگ (بھی) اس کو اچھی طرح یاد کرلیں اور سینوں میں محفوظ کرلیں۔ (اور ایسا) اس نبی امی کی امت کی ضرورت کی وجہ سے (کیا گیا کہ) جس کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث (بھی) امیوں میں (ہی) ❶ کیا۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے)

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ ..... الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة: ٢)

"وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقل مندی۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) ایک امی کی عمدہ شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے حافظہ اور یادداشت پر اعتماد کیا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ اور امت عرب قرآن کے نزول کے وقت میں عرب کی ان کامل (صفات اور) خصوصیات سے فائدہ اٹھاتی تھی کہ جن میں چند صفات قوت حافظہ، تیز یادداشت اور ذہنوں کی تیزی تھیں۔ ایک (ایک) عربی لاکھوں اشعار یاد

❶ "مناہل العرفان"۔

رکھتا تھا اور (کئی کئی نسلوں تک کے) انساب اور احساب کو (یاد رکھتا تھا اور ان کو) گنواتا تھا۔ اور ان سب باتوں کو وہ (فقط) زبانی (اپنی) یاد (داشت میں محفوظ) کرتا تھا۔ اور (عربوں کی بلکہ ان کے گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب اور) اور تاریخ کو جانتا تھا۔ اور آپ کم ہی کسی (عرب) کو پائیں گے کہ وہ آپ کو (عربوں کا) حسب نسب نہ شمار کروائے اور اشعار کی کثرت اور ان کو یاد رکھنے کے مشکل ہونے کے باوجود وہ (اشعار کے مشہور مجموعے) معلقات عشر کو یاد نہ رکھتا ہو۔

پھر ان کے پاس قرآن آیا اور قرآن نے اپنی قوت بیان' احکام کی ہیبت' اور اپنی حجت کے جلال کی وجہ سے ان سب پر غالب آ گیا۔ ان کے حواس پر چھا گیا' ان کی عقل و فکر کو شکست دے دی۔ یہاں تک کہ قرآن نے ان کی ہمتوں کو اس کتاب مجید (یعنی اپنی) طرف پھیر دیا۔ پس انہوں نے اپنے رخ قرآن کی طرف پھیر لئے۔ وہ قرآن کو اس کی آیات اور اس کی سورتوں کو یاد کرنے لگے اور حفظ کرنے لگے۔ اور انہوں نے شعر گوئی ترک کر دی۔ کیونکہ انہوں نے قرآن میں زندگی کی روح پائی۔ (اور جینے کا مقصد حاصل کر لیا) اور نبیؐ کی قرآن کے یاد کرنے کی شدید حرص یہاں تک پہنچ گئی کہ آپؐ نمازوں میں قرآن پڑھ پڑھ کر تمام رات عبادت کرتے' تلاوت کرتے اور قرآن کے معانی میں تدبر کرتے (کرتے رات) گزار دیتے۔ یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں مبارک اللہ العلی الکبیر کے امتثال امر میں کثرت قیام کی وجہ سے پھٹ جاتے تھے۔ (اور اللہ کا وہ حکم اس آیت میں ہے) ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ﴾ (المزمل: ۱ - ۴)

"اے کپڑے میں لپٹنے والے کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات آدھی رات یا اس میں سے کم کر دے تھوڑا سا۔ یا زیادہ کر اس پر اور کھول کھول کر قرآن کو پڑھا کر۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) اسی وجہ سے یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں کہ آپؐ سید الحفاظ (یعنی تمام حافظوں کے سردار یا سب سے پہلے حافظ) ہوں۔ اور یہ کہ تمام قرآن پاک آپؐ کے قلب مبارک میں جمع کر دیا گیا تھا۔ (یا آپؐ نے تمام قرآن اپنے قلب مبارک میں جمع کر لیا تھا۔ یعنی سارا قرآن حفظ یاد کر لیا تھا) اور قرآن عظیم کے بارے میں ان کو پیش آنے والے ہر امر میں آپ تمام مسلمانوں کے مرجع تھے۔

اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے پڑھنے پڑھانے (اور سیکھنے سکھانے میں) ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور وہ قرآن کو زبانی یاد کرنے اور حفظ کر (کے دل میں بٹھا) نے میں اپنی انتہائی کوششیں (اور قوتیں) صرف کرتے تھے۔ اور وہ گھروں میں اپنی بیویوں اور اولادوں کو قرآن پاک سکھاتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی رات کی تاریکی میں صحابہ کرام کے گھروں کے پاس سے گزرتا تو وہ قرآن (پڑھنے اور نمازوں میں دہرانے) کی (ایسی) بھنبھناہٹ والی آواز سنتا جیسا کہ شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی آواز ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ انصار کے گھروں کے پاس سے جب گزرتے تھے تو کسی گھر (کے باہر) کھڑے ہو جاتے اور رات کے اندھیرے میں (ان اہل بیت کے) قرآن (پڑھنے کی آواز) سنتے۔

بخاریؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے ان سے ارشاد فرمایا:❶

"اگر تم کل رات ہمارے پاس آتے تو ہم تمہارے قرآن سنتے کرتم کو لحن داؤدی میں سے لحن دیا گیا ہے۔"

امام مسلمؒ کی روایت میں یہ زیادہ ہے "پس میں نے عرض کیا' خدا کی قسم یا رسول اللہ اگر میں جانتا ہوتا کہ آپ میری قراءت سننا چاہتے تھے۔ تو میں آپ کو نہایت عمدہ قرآن سناتا۔"

اور رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "میں قبیلہ اشعر کے لوگوں کی قرآن پڑھنے کی آوازوں کو پہچانتا ہوں کہ جب وہ رات میں (قرآن پڑھنے کے لئے نمازوں میں) داخل ہوتے ہیں۔ اور میں ان کے راتوں میں قرآن (پڑھنے) کی آوازوں کی وجہ سے ان کے گھروں کو پہچانتا ہوں اگرچہ میں نے ان کے گھروں کو دن میں نہ دیکھا ہو۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

اور بہت سے صحابہ کرامؓ قرآن کریم کے حافظ ہونے میں مشہور ہو گئے تھے۔ اور نبیؐ نے ان میں قرآن کے حفظ پر توجہ دینے کی روح پھونک دی تھی۔ (یا یہ کہ ان میں قرآن کریم کے حفظ کرنے کا شوق اجاگر کر دیا تھا) اور آپ شہروں اور (آس پاس کی) بستیوں میں (قرآن کے) معلم بھیجتے کہ جو انہیں (قرآن کی) تعلیم دیتے اور انہیں قرآن پڑھ کر سناتے۔ جیسا کہ آپؐ نے ہجرت سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ اور ابن ام مکتومؓ کو اہل مدینہ کی طرف بھیجا کہ جو انہیں اسلام (کی تعلیم) سکھاتے اور انہیں قرآن پڑھ کر سناتے۔ اور جیسے آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو ہجرت کے بعد قرآن حفظ کرانے اور (اس کی) تعلیم دینے کے لئے مکہ بھیجا۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں۔ "جب کوئی آدمی ہمارے پاس (مکہ یا کہیں سے) ہجرت کر کے آتا تو نبیؐ اس کو ہم میں سے کسی کے پاس بھیج دیتے کہ وہ اسے قرآن سکھلائے۔ اور نبیؐ کی مسجد میں (سب کے اور کثرت سے) قرآن کی تلاوت کی وجہ سے ایک شور (سا) سنائی دیتا تھا۔ یہاں تک کہ نبیؐ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی آوازیں پست کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ (قرآن کی تلاوت میں کسی) مغالطہ میں نہ جا پڑیں۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نبیؐ کی حیات (مبارکہ) میں حفاظ کی تعداد شمار میں نہ آتی۔ ہمارے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ جنگ یمامہ میں شہید ہونے والوں میں کبار حفاظ کرام کی تعداد ستر سے بھی زیادہ تھی۔ جیسا کہ (معرکہ) بئر معونہ میں نبی علیہ السلام کے عہد مبارک میں (کفار کے دھوکہ سے) اتنے ہی حفاظ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں "(جنگ) یمامہ کے دن ستر قراء شہید ہوئے اور رسول اللہؐ کے عہد (مبارک) میں بئر معونہ (کی لڑائی) میں اتنے ہی (حفاظ صحابہ کرامؓ) شہید ہوئے۔ (مولف کتاب فرماتے ہیں) یعنی شہید ہونے والے حفاظ کی تعداد ۱۴۰ تھی۔ اور تحقیق کہ اس امت محمدیہؐ کی سب سے بڑی بزرگ فضیلت یہ ہے کہ یہ مقدس کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہے۔ اور یہ امت قرآن کو (اگلی نسلوں تک) نقل کرنے کے لئے (اپنے) دلوں اور سینوں کی یادداشت پر اعتماد کرتی ہے۔ تاکہ

---

❶ اگرچہ مزمار کا معنی بنسری ہے مگر مترجم نے اس کا ترجمہ لحن یعنی اچھی آواز سے کیا ہے۔ (مترجم)

کا تھا سے زیادہ حفاظ کے سینوں سے کرائی چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

ومنزل علیک کتابا لا یغسله الماء.

"یعنی میں تم پر ایک ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں جسے پانی نہ دھو سکے گا۔"

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عام کتابوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ دنیوی آفات کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں چنانچہ تورات، زبور، انجیل اور دوسرے آسمانی صحیفے اسی طرح نابود ہو گئے لیکن قرآن کریم کو سینوں میں اس طرح محفوظ کر دیا جائے گا کہ اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا۔" ❶

چنانچہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ اس کے الفاظ کو اسی وقت دہرانے لگتے تھے تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ (القیامۃ: ۱۶-۱۷)

"آپ قرآن کریم کو جلدی جلدی یاد کرنے کے خیال سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے (کیونکہ) اس (قرآن) کو جمع کرانا اور پڑھوانا تو ہم نے اپنے ذمے لیا ہے۔"

اس آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ قرآن کریم کو یاد کرنے کے لئے آپ کو عین نزول وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود آپ میں ایسا حافظہ پیدا فرما دے گا کہ ایک مرتبہ نزول وحی کے بعد آپ اسے بھول نہیں سکیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ادھر آپ پر آیات قرآنی نازل ہوتیں اور ادھر وہ آپ کو یاد ہو جاتیں۔ اس طرح سرکار دو عالم کا سینہ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیر کا امکان نہیں تھا۔ آپ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیل کو قرآن سنایا کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیل کے ساتھ دور کیا۔ ❷ پھر آپ صحابہ کرام کو صرف قرآن کریم کے صرف معانی کی ہی تعلیم نہیں دیتے تھے بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے۔ اور ادھر صحابہ کرام کو قرآن کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا۔ بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قرآن کریم کی تعلیم دیں گے۔

سینکڑوں صحابہ نے اپنے آپ کو ہر غم سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر دی تھی وہ قرآن کریم کو نہ صرف یاد کرتے بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دہراتے رہتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپ اسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرما دیتے تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے اور

❶ النشر فی القراءات العشر لابن الجزری صفحہ ۶ جلد ۱

❷ صحیح بخاری مع فتح الباری صفحہ ۳۶ جلد ۹

مسجد نبوی میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ تاکید فرمانی پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔ ❶

اہل عرب اپنی حیرت انگیز قوت حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے اور انہیں صدیوں تک گرامی کے اشعار سے نکلنے کے بعد قرآن کریم کی وہ منزل ہدایت نصیب ہوئی تھی جسے وہ اپنی زندگی کی سب سے عزیز پونجی تصور کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کو یاد کرنے کے لئے کیا کچھ اہتمام کیا ہوگا اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو ان کے مزاج اور مذاق طبع سے واقف ہو۔ چنانچہ تھوڑی سی مدت میں صحابہ کرامؓ کی ایک اچھی بڑی تعداد تیار ہو گئی جسے قرآن کریم ازبر تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ کرام کی اس جماعت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ورقہؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت حلیمہ معاذؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت مجمع بن جاریہؓ، حضرت مسلمہ بن مخلدؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ، حضرت تمیم داریؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم جیسے حضرات شامل تھے۔ ❷

یہ تو صرف ان صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی ہیں جن کا نام "حافظ قرآن" کی حیثیت سے روایات میں محفوظ رہ گیا ورنہ ایسے صحابہؓ تو بے شمار ہوں گے جنہوں نے پورا قرآن کریم یاد کیا تھا لیکن اس حیثیت سے ان کا نام روایات میں محفوظ نہ ہو سکا۔ اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات ایک قبیلہ میں ستر ستر قاری قرآن کی تعلیم کے لئے بھیجے ہیں۔ چنانچہ غزوۂ بیر معونہ کے موقع پر ستر قراء صحابہؓ کے شہید ہونے کا ذکر روایت میں موجود ہے۔

اور حفاظ صحابہؓ کی تقریباً اتنی ہی تعداد آپ ﷺ کے بعد جنگ یمامہ میں شہید ہوئی۔ ❸

بلکہ ایک روایت تو یہ ہے کہ جنگ یمامہ کے موقع پر سات سو قراء صحابہؓ ❹ شہید ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ یہ تو صرف ان صحابہؓ کا ذکر ہے جن کو پورا قرآن کریم یاد تھا اور ایسے صحابہؓ کا تو کوئی شمار ہی نہیں جنہوں نے قرآن کریم کے متفرق حصے یاد کر رکھے تھے۔ ❺

غرض ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے بنیادی طریقہ یہی اختیار کیا گیا کہ زیادہ سے زیادہ صحابہؓ کو یاد کرا دیا جائے اور اس دور کے حالات کے پیش نظر یہی طریقہ سب سے زیادہ محفوظ اور قابل اعتماد تھا۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابوں کو شائع کرنے کے لئے پریس وغیرہ کے وسائل موجود نہ تھے، اس لئے اگر صرف لکھنے پر اکتفا کیا جاتا تو قرآن کی وسیع پیمانے پر اشاعت نہ ہو سکتی اور نہ اس کی قابل اعتماد حفاظت ہو سکتی۔ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے

❶ مناہل العرفان صفحہ ۲۴۳ جلد ۱۔ ❷ النشر فی القراءات العشر صفحہ ۶ جلد ۱ و اتقان صفحہ ۷۳-۷۴ جلد ۱۔
❸ الاتقان صفحہ ۷۳ جلد ۱۔ ❹ عمدۃ القاری صفحہ ۱۶-۱۷ جلد ۲۰ طبع دمشق۔ ❺ البرہان للزرکشی صفحہ ۲۴۲-۲۴۳ جلد ۱۔

اہل عرب کو حافظہ کی ایسی قوت عطا فرمادی تھی۔ کہ ایک ایک شخص ہزاروں اشعار کا حافظ ہوتا تھا۔ اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں۔ بلکہ ان کے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم کی حفاظت میں اس قوت حافظہ سے کام لیا گیا اور اس کے ذریعہ قرآن کریم کی آیات اور سورتیں عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔"

(علوم القرآن بلفظ وملخصاً از صفحہ ۱۷۶-۱۷۷)

جمع القرآن فی السطور

وأما المزية الثانية لهذا القرآن العظيم فهو جمعه وكتابته في المصحف، فقد كان لرسول اللهﷺ كتّاب للوحي، كلما نزل شيء من القرآن أمرهم بكتابته، مبالغة في تسجيله وتقييده، وزيادة في التوثق والضبط، والاحتياط الشديد في كتاب الله عزوجل، حتى تظاهر الكتابة الحفظ، ويعاضد التسجيل المسطور، ما أودعه الله في الصدور. . وكان هؤلاء الكتّاب من خيرة الصحابة اختارهم رسول اللهﷺ من المجيدين المتقنين، ليتولوا هذه المهمة العظيمة .. وقد اشتهر منهم (زيد بن ثابت، وأبي بن كعب، ومعاذ بن جبل، ومعاوية بن أبي سفيان والخلفاء الراشدون) وغيرهم من الصحابة الأجلاء رضوان الله عليهم أجمعين.

روى الشيخان عن أنس رضي الله عنه أنه قال: (جمع القرآن على عهد رسول اللهﷺ أربعة كلهم من الأنصار: أبي بن كعب، ومعاذ بن جبل، وزيد بن ثابت، وأبو زيد، قيل لأنس: من أبو زيد؟ قال: أحد عمومتي) وهؤلاء هم مشاهير كتّاب الوحي وإلا فهناك من الصحابة الجمع الكبير الذين كانوا يكتبون القرآن، وكثير منهم كان له مصحف خاص كتب فيه ما سمعه أو حفظه من رسول اللهﷺ كمصحف ابن مسعود، ومصحف علي، ومصحف عائشة وغيرهم.

لغات: كُتّاب: کاتب کی جمع، وحی لکھنے والے۔ التوثق: پر اعتماد ہونا، کسی معاملہ میں پختہ ہونا۔ یعاضد: مدد کرنا، پشت پناہی کرنا۔ خیرۃ: خیر کی جمع، بہتر افضل لوگ۔ المجیدین: اچھی بات کرنے والا، اچھی طرح قرآن پڑھنے والا۔ المتقن: مہارت والا، زبان کا ماہر۔ أجلاء: أجل کی جمع بزرگ ہستی۔

ترجمہ: قرآن پاک کو لکھ کر جمع کرنا

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"اس قرآن عظیم کی دوسری بڑائی وہ اس کا مصحف میں جمع ہونا اور لکھا جانا ہے۔ چنانچہ آپ کے چند وحی لکھنے والے (اصحاب) ہوتے تھے (کہ جنہیں کاتبین وحی کہا جاتا تھا) جب بھی قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کتاب اللہ عزوجل میں نہایت احتیاط اور (اس کے) ضبط اور مضبوطی میں زیادتی اور اس کو (لفظوں کی) قید اور تحریر میں لانے

میں مبالغہ کرنے کے لئے (فوراً ان کو بلواتے اور) انہیں اس قرآن کے لکھنے کا حکم دیتے۔ یہاں تک کہ کتابت، حفظ کی مددگار بن گئی اور لکھے ہوئے مصحف، اللہ نے جس سینوں میں ودیعت فرمایا تھا (یعنی جو قرآن اللہ نے سینوں میں محفوظ کیا تھا) اس کے مددگار بن گئے۔ اور یہ کاتبین (وحی) خیار صحابہ کرامؓ میں سے تھے کہ جنہیں نبیؐ نے برگزیدہ اور افضل سمجھ والے صحابہ کرامؓ میں سے چن لیا تھا کہ وہ اس عظیم کام کا بوجھ اٹھائیں۔ ان میں (اس کام میں) شہرت پانے والے صحابہ کرام (کے نام یہ ہیں) حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے علاوہ (اور بہت سے) دوسرے افضل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (بھی ہیں)۔"

"بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، عہد رسالت میں چار شخصوں نے قرآن کریم کو جمع کیا (یعنی پورا یاد کیا یا پورا لکھ رکھا تھا) وہ سب کے سب انصار تھے۔ (ان کے نام یہ ہیں) حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوزید اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ (یہ) ابوزید کون شخص تھے؟ فرمایا میرے ایک چچا تھے۔ یہ مشہور کاتبین وحی ہیں۔ ورنہ صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی تعداد تھی کہ جنہوں نے قرآن کریم کو جمع کیا۔ اور بہت سے صحابہ کرامؓ کا اپنا ایک خاص مصحف ہوتا تھا کہ جس میں انہوں نے جو کچھ نبیؐ سے سنا ہوتا یا آپؐ سے یاد کیا ہوتا، وہ لکھ رکھا ہوتا تھا۔ (ان میں چند مشہور صحیفے یہ ہیں) مصحف ابن مسعودؓ، مصحف علیؓ اور مصحف عائشہؓ وغیرہم۔

توضیح

عہد رسالتؐ میں کتابت قرآن۔ "پہلا مرحلہ"

حضرت علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: حفاظت قرآن کا اصل مدار تو اگرچہ حافظہ پر تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی آپؐ نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا۔ کتابت کا طریقہ کار حضرت زید بن ثابتؓ نے بیان فرمایا ہے "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی کی کتابت کیا کرتا تھا جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کو سخت گرمی لگتی تھی۔ اور آپؐ کے جسم اطہر پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ پھر آپؐ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی (یا کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ آپ لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا۔ یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھ کو ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے۔ اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا۔ بہرحال! جب میں فارغ ہوتا تو آپ فرماتے "پڑھو" میں پڑھ کر سناتا۔ اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپؐ اس کی اصلاح فرما دیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔" ●

● طبرانی نے اس کو اپنی الوسط میں روایت کیا ہے۔

کتابت وحی کا کام صرف حضرت زید بن ثابتؓ کے ہی سپرد نہ تھا بلکہ آپؐ نے اس کام کے لئے بہت سے صحابہ کرامؓ کو مقرر فرمایا ہوا تھا۔ جو حسب ضرورت کتابت وحی کا کام سرانجام دیتے کاتبین وحی کا شمار چالیس تک کیا گیا ہے۔ ❶ جن میں ان میں زیادہ مشہور یہ حضرات ہیں۔

خلفائے راشدینؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت عبداللہ ابن ابی سرحؓ حضرت زبیر بن عوامؓ حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ حضرت ابان بن سعید بن العاصؓ حضرت حنظلہؓ ابن الربیعؓ حضرت معیقیب بن ابی فاطمہؓ حضرت عبداللہ ابن الارقم الزہریؓ حضرت شرحبیل بن حسنہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ حضرت عامر بن فہیرہؓ حضرت عمرو بن عاصؓ حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ حضرت زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ❷

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ کا یہ معمول تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپؐ کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے۔ ❸ چنانچہ اسے آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق لکھ لیا جاتا۔

عہد رسالت میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آپؐ نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا اگرچہ وہ کتابی شکل میں نہ تھا بلکہ مختلف پارچوں کی شکل میں تھا۔ اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرامؓ بھی اپنی یادداشت کے لئے قرآن کریم کی آیات اپنے پاس لکھ لیتے تھے۔ اور یہ سلسلہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے جاری تھا۔ جس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطابؓ اور ان کے بہنوئی حضرت سعید بن زیدؓ حضرت عمرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اور جب عمرؓ ان کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر غصہ میں بھرے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے سامنے ایک صحیفہ رکھا ہوا تھا کہ جس میں سورۃ طہٰ کی آیات درج تھیں۔ اور حضرت خباب بن ارتؓ ان کو پڑھا رہے تھے۔ ❹ اس کے علاوہ متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اپنے پاس مکمل یا نامکمل قرآن کریم کے نسخے لکھ رکھے تھے۔ مثلاً صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ:

"رسول اللہؐ نے قرآن کریم کو لے کر دشمن کی سرزمین میں سفر کرنے سے منع فرمایا۔" ❺

نیز معجم طبرانی میں ایک روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"اگر کوئی شخص قرآن کریم کے نسخہ میں دیکھے بغیر تلاوت کرے تو اس کا ثواب ایک ہزار درجہ ہے اور اگر قرآن کریم کے نسخہ میں دیکھ کر تلاوت کرے تو اس کا ثواب دو ہزار درجہ ہے۔" ❻

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس عہد رسالت میں ہی قرآن کریم کے لکھے ہوئے صحیفے موجود

---

❶ علوم القرآن از صبحی صالح ترجمہ غلام احمد حریری صفحہ ۱۰۱ — ❷ فتح الباری ص ۱۸ جلد ۹ اور زاد المعاد صفحہ ۳۰ جلد ۱۔
❸ فتح الباری صفحہ ۱۸ جلد ۹۔ — ❹ سنن دار قطنی صفحہ ۱۲۳ جلد ۱ طبع مدینہ منورہ۔
❺ صحیح بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۱۹-۴۲۰ جلد ۱۔ — ❻ مجمع الزوائد صفحہ ۱۶۰ جلد ۷ مطبوعہ بیروت۔

سے ترتیب کہ جس پر ہم آج قرآن کو دیکھتے ہیں۔ بلاشبہ خود اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے حکم سے ہے۔ تحقیق روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل نبی ﷺ پر کوئی (ایک) آیت یا چند آیات لے کر آتے تو نبی ﷺ (ساتھ ہی) یہ (بھی) فرماتے: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ان آیات کو فلاں سورت کی فلاں آیات کے شروع میں رکھ دیں۔ اور نبی ﷺ اسی طرح صحابہ کرام کو ارشاد فرما دیتے تھے کہ "ان آیات کو فلاں جگہ رکھ دو۔"

توضیح

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ "اس زمانہ میں چونکہ عرب میں کاغذ کم یاب تھا، اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں اور چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں۔ البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں۔" ● (علوم القرآن صفحہ ۱۷۶)

مولانا سید فضل الرحمن صاحب یوں لکھتے ہیں۔

سامان کتابت

حاکم نے مستدرک میں حضرت زید بن ثابت سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ "ہم عہد رسالت میں "رقاع" (ٹکڑوں) سے قرآن جمع کیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں رقاع کا جو لفظ آیا ہے وہ "رقعۃ" کی جمع ہے۔ اس کا اطلاق چمڑے کی جھلی، چمڑے، پتے اور کاغذ کے ٹکڑے پر کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ عہد رسالت میں "کاتبین وحی" کس قسم کا سامان استعمال کیا کرتے تھے۔ مختلف روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ نازل شدہ قرآن کریم کو پتھر کی تختی اور چوڑی سلوں، کھجور کی ٹہنیوں، اونٹ یا بکری کے شانوں کی ہڈیوں، اونٹ کے کجاوہ کی لکڑیوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر تحریر کیا جاتا۔ یہ تمام الفاظ مختلف روایات میں آئے ہیں ان کی تشریح یہ ہے۔

لِخاف

یہ "لخفۃ" کی جمع ہے جو پتھر کی پتلی پٹی یا ٹکڑے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اکتاف

یہ "کتف" کی جمع ہے اونٹ یا بکری کے شانے کی چوڑی ہڈی کو کہتے ہیں جس پر خشک ہونے کے بعد لکھا کرتے تھے۔

اقتاب

یہ "قتب" کی جمع ہے اونٹ کی کاٹھی (کجاوہ) کو کہتے ہیں۔ (اتقان ۱/۱۵۸ بحوالہ احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۷)

جمع القرآن فی عهد ابی بکر

انتقل رسول اللہ ﷺ الی جوار اللہ بعد ان ادی الرسالۃ و بلغ الامانۃ ونصح الامۃ وهدی الناس

● فتح الباری صفحہ ۱۰ جلد ۹ و عمدۃ القاری صفحہ ۱۰ جلد ۲۰۔

إلى دين الله أفواجاً. وتولى الخلافة بعده (أبو بكر الصديق) رضي الله عنه وأرضاه. وقد واجهته في خلافته خطوب جسيمة، وشدائد عظيمة، ومن أكبر مصاعب حروب الردة التي وقعت بين المسلمين وبين أتباع (مسيلمة الكذاب) وكانت معركة (اليمامة) معركة حامية الوطيس، وقد استشهد فيها كثير من قراء الصحابة، ومن حفظة القرآن يزيد عددهم على (٧٠) سبعين من كبار الحفاظ. وقد هال ذلك المسلمين، وعز الأمر على (عمر) فدخل على (أبي بكر) فوجده في حزن وألم، فأشار عليه أن يجمع القرآن خشية الضياع بموت الحفاظ، فتردد (أبو بكر) أول الأمر، ثم رأى أن يأخذ بإشارة (عمر) بعد أن تبين له وجه المصلحة، وشرح الله صدره لذلك العمل الجليل، فأرسل إلى (زيد بن ثابت) وعرض عليه الأمر، وطلب منه أن يقوم بجمع القرآن في مصحف واحد، ولكن (زيداً) تردد في بادىء الأمر، ثم شرح الله صدره للذي شرح له صدر أبي بكر وعمر . وقد روى البخاري في صحيحه قصة هذا الجمع ننقلها بنصها لأهميتها

رواية البخاري

عن (زيد بن ثابت) رضي الله عنه أنه قال:

(أرسل إلي أبو بكر رضي الله عنه مقتل أهل اليمامة (أي عقب استشهاد الحفاظ السبعين في معركة اليمامة فإذا عمر جالس عنده، فقال أبو بكر: إن عمر جاءني فقال: إن القتل قد استحر (أي كثر واشتد) يوم اليمامة بقراء القرآن، وإني أخشى أن يستحر القتل بالقراء في كل المواطن فيذهب من القرآن كثير، وإني أرى أن تأمر بجمع القرآن، فقلت: وكيف أفعل ما لم يفعله رسول الله؟ فقال عمر رضي الله عنه: هو والله خير، فلم يزل يراجعني في ذلك حتى شرح الله تعالى صدري للذي شرح الله له صدر عمر، ورأيت في ذلك الذي رأى قال زيد: فقال أبو بكر إنك رجل شاب عاقل، لا نتهمك، كنت تكتب الوحي لرسول الله فتتبع القرآن واجمعه . قال زيد: فوالله لو كلفني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل علي مما أمرني به . فقلت: كيف تفعلان شيئاً لم يفعله رسول الله؟ قال أبو بكر: هو والله خير، فلم يزل يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر أبي بكر وعمر فتتبعت القرآن أجمعه من اللخاف، والعسب، وصدور الرجال، حتى وجدت آخر سورة التوبة مع (أبي خزيمة الأنصاري) لم أجدها عند أحد غيره ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ إلى ﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ أي إلى آخر السورة .. فكانت الصحف عند (أبي بكر) حتى توفاه الله تعالى، ثم عند (عمر) حتى توفاه الله تعالى، ثم عند (حفصة بنت

عمر) رضی اللہ عنہم اجمعین۔ فھذہ الروایۃ دلت علی (سبب جمع القرآن) رواہ البخاری۔

لغات: وَاجَهَتْ: درپیش آنا۔ اضطراب: قلب کی تیز پریشانی، حادثہ۔ جسیمۃ: زبردست بھاری۔ معرکۃ الوطیس: سخت لڑائی، گھمسان کی جنگ۔ تَرَدَّدَ: پس وپیش کرنا، تردد کرنا۔ اِسْتَحَرَّ: سخت خونریزی ہونا۔ یُراجِعُ: بحث و مباحثہ کرنا، کسی سے بار بار کچھ کہلوانا۔

دوسرا مرحلہ

ترجمہ: (حضرت) ابوبکرؓ کے عہد میں جمع قرآن

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"رسول اللہؐ نے (فریضہ) رسالت کو ادا کیا۔ (اللہ کی اس) امانت (یعنی دین الٰہی) کو (امت تک) پہنچا دیا اور امت کی (پوری پوری) خیر خواہی کی اور لوگوں کو اللہ کے اس سیدھے راستے والے دین کی طرف راہ نمائی کی (اس کے) بعد اللہ جل جلالہ کی جوار رحمت میں منتقل ہو گئے (اور آپؐ نے اس فانی دنیا کو الوداع کہا) اور آپؐ کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے خلافت (کے اس عظیم بار گراں اور ذمہ داری کو) سنبھالا رضی اللہ عنہ وارضاہ" اور آپؓ کو اپنے عہد خلافت میں بڑی بڑی مصیبتیں، سخت پریشانیاں اور نہایت کٹھن مشکلات درپیش آ گئیں۔ ان میں سے ایک مرتدین سے وہ لڑائیاں (اور جنگیں) ہیں کہ جو مسلمانوں اور مسیلمہ کذاب کے پیروکاروں کے درمیان ہوئیں۔ اور جنگ یمامہ (تو) ایک (نہایت) خونریز لڑائی تھی۔ اس جنگ میں بہت سے قراء صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے۔ اور کبار حفاظ کرام صحابہ کرامؓ میں سے جن کو قرآن یاد تھا ان (شہیدوں میں سے) کی تعداد ستر سے زیادہ تھی۔ اس بات نے مسلمانوں کو گھبرا کر رکھ دیا۔ اور یہ بات حضرت عمرؓ پر بڑی گراں گزری پس وہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو (نہایت) غمزدہ اور دکھی پایا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے آپؓ کو حفاظ کرام کی موت کی وجہ سے قرآن کو (ایک جگہ) جمع کرنے کا مشورہ دیا اس ڈر سے کہ کہیں قرآن (ضائع) نہ ہو جائے۔ شروع شروع میں حضرت ابوبکرؓ کو اس بارے میں (بڑا) تردد ہوا۔ پھر جب اس بات کی مصلحت ان پر ظاہر ہوئی تو ان کی رائے حضرت عمرؓ کے مشورہ کو قبول کرنے کی بن گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کام کا ان کا شرح صدر فرما دیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف پیغام بھیجا اور یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کیا۔ اور ان سے اس بات کا تقاضا کیا کہ وہ قرآن کو ایک مصحف میں جمع کر دیں۔ لیکن شروع میں حضرت زیدؓ نے (بھی) تردد کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی اس بات کے لئے شرح صدر فرما دیا جس بات کے لئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا فرمایا تھا۔"

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جمع قرآن کے اس قصہ کو روایت کیا ہے۔ ہم اس کی اہمیت کے پیش نظر بخاری کی اس روایت کو نقل کرتے ہیں۔

بخاری شریف کی روایت

''حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: ''حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک روز یمامہ کے شہیدوں کے بعد (یعنی جنگ یمامہ میں ستر حفاظ کرام شہید ہونے کے بعد) مجھے بلوا بھیجا (میں چلا گیا) تو حضرت عمرؓ (بھی) وہاں موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے فرمایا: ''حضرت عمرؓ نے (ابھی) آ کر مجھے یہ بات کہی ہے۔'' جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہوگئی اگر مختلف مقامات پر قرآن کریم کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ کہیں ضائع نہ ہو جائے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپؓ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کروا دیں۔'' میں نے عمرؓ سے کہا ''جو کام آپ ﷺ نے نہیں کیا وہ ہم کیسے (شروع) کر دیں؟ عمرؓ نے جواب دیا کہ ''خدا کی قسم یہ کام (بہتر ہی) بہتر ہے۔'' اس کے بعد عمرؓ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرح صدر ہو گیا کہ جس پر حضرت عمرؓ کو ہوا۔ اور اب میری رائے بھی وہی ہو گئی جو حضرت عمرؓ کی رائے تھی۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں۔ (اس کے بعد) حضرت ابوبکرؓ نے مجھے فرمایا ''تم ایک نوجوان سمجھدار آدمی ہو۔ ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو۔ لہٰذا تم قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کر کر کے انہیں جمع کر دو۔''

''حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: ''اگر یہ حضرات مجھے کسی پہاڑ کے ڈھونے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا یہ جمع قرآن کا کام ہوا۔'' میں نے ان سے کہا ''آپ دونوں وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ''خدا کی قسم یہ کام (بہتر ہی) بہتر ہے (اس کے بعد) حضرت ابوبکرؓ مجھ سے یہ بات بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا دل اس رائے کے لئے کھول دیا کہ جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی رائے تھی۔'' چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم کو جمع کیا۔ ❶ یہاں تک کہ میں نے سورۂ توبہ کا آخر حضرت ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس پایا یہ میں نے ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ پایا۔ (اور وہ) ''لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ'' سے لے کر ''وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ'' تک ہے (مولف کتاب فرماتے ہیں یعنی لقد جاء سے لے کر سورۂ توبہ کے آخر تک کا حصہ۔''

وہ مصحف حضرت ابوبکرؓ کے پاس تادم مرگ حیات رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دے دی پھر وہ مصحف حضرت عمرؓ کے پاس رہا حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی۔ پھر وہ مصحف حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس رہا۔ (اللہ تعالیٰ ان سب صحابہ کرامؓ سے راضی ہوا) پس یہ روایت جمع قرآن کے سبب پر دلالت کرتی ہے۔'' (بخاری شریف)

---

❶ یہاں تک کا ترجمہ علوم القرآن صفحہ ۱۸۲ سے لیا گیا ہے۔ (تسہیل)

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"آنحضرتؐ کے زمانہ میں جتنے نسخے لکھے گئے تھے ان کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے۔ کوئی آیت چمڑے پر کوئی درخت کے پتے پر۔ کوئی ہڈی پر۔ زیادہ مکمل نسخے نہیں تھے۔ کسی صحابی کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی اور کسی کے پاس دس پانچ سورتیں۔ اور کسی کے پاس فقط چند آیات۔ اور بعض صحابہ کرام کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔"

اس بناء پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کے ان منتشر حصوں کو یکجا کر کے ایک مجموعہ کر دیا جائے۔ (اور محفوظ کر دیا جائے)

رہے وہ محرکات کہ جن کے تحت انہوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تو اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابت کی بخاری شریف کی روایت میں ہے اس کے علامہ عثمانی صاحب نے وہ مفصل روایت نقل کی ہے کہ جو اوپر متن میں مذکور ہے۔ (علوم القرآن ملخصاً صفحہ ۱۸۱-۱۸۲)

حضرت ابوبکر کے جمع قرآن کا سبب

سید فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"آنحضرتؐ کے زمانے میں قرآن کریم متفرق اشیاء میں لکھا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جنگ یمامہ کے بعد ۱۲ ہجری میں ان سب منتشر حصوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ یہ جنگ اہل اسلام اور مسیلمہ کذاب کے متبعین کے درمیان ہوئی تھی۔ اس میں قرآن کریم کے ستر حافظ صحابہ کرامؓ نے شہادت پائی۔ (احسن البیان جلد ا صفحہ ۷۱)

تساؤلات حول جمع القرآن

وهنا أسئلة ينبغي الإجابة عليها بشيء من التفصيل و نحن نوجزها فيما يلي:

اولاً: لماذا تردد (ابوبكر) عن جمع القرآن مع انه شيء حسن وأمر يوجبه الإسلام؟

والجواب عن ذلك: أن (أبا بكر) رضي الله عنه خشي أن يتساهل الناس في استظهار القرآن وحفظه غيبا و يعتمدوا على وجوده في المصاحف فتضعف نفوسهم عن الحفظ، وتصبح رغبتهم ضعيفة في حفظه واستظهاره اعتماداً على أنه مسطر و موجود في مصاحف مطبوعة يمكنهم قراءة القرآن بها، أما قبل أن توجد المصاحف فقد كان الجميع يبذلون جهدهم لحفظ القرآن هذا من ناحية، ومن ناحية أخرى: فإن أبا بكر الصديق كان رجلاً وقافاً عند حدود الشرع، مقتفيا لآثار الرسول ﷺ فقد خشي أن يكون بعمله هذا مبتدعا شيئا لا يحبه رسول الله، ولهذا قال لعمر: (كيف

أفعل شيئاً لم يفعله رسول الله)؟ ولعله كان يخاف أن يسوقه الابتداء والاختراع إلى الوقوع في المخالفة والابتداع. ولكنه لما رأى الأمر خطيراً والعكوف – في حد ذاتها – وسيلة من أعظم الوسائل لحفظ الكتاب الشريف والمحافظة عليه من الضياع والتحريف، وأيقن أنها ليست من الأمور الخارجة ولا من البدع المستحدثة عزم على جمع القرآن، وظل يقنع زيداً بذلك حتى شرح الله صدره فقام بتنفيذ ذلك الأمر الخطير والله أعلم

ثانياً: لماذا اختار أبو بكر (زيد بن ثابت) من بين الصحابة الكرام لهذا العمل الجليل؟

والجواب عن ذلك. أن زيداً رضي الله عنه قد اجتمع فيه من المواهب العظيمة التي تؤهله لجمع القرآن ما لم يجتمع في غيره من الرجال، إذ كان من حفاظ القرآن، ومن كتاب الوحي لرسول الله، وشهد (العرضة الأخيرة) للقرآن في ختام حياته ... وكان فوق ذلك معروفاً بشدة ورعه وعظم أمانته وكمال خلقه واستقامة دينه، وكان معروفاً بالنبوغ والذكاء، وهذا ما أشار إليه كلام أبي بكر في رواية البخاري حين استدعاه وقال له (إنك رجل شاب عاقل لا نتهمك، كنت تكتب الوحي لرسول الله)

فلهذه الخصال والمزايا الحميدة اختاره أبو بكر الصديق لجمع القرآن... ومما يدل على شدة ورع زيد بن ثابت أنه قال: (فو الله لو كلفني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل علي مما أمرني به) الحديث

ثالثاً: ما هو المقصود من قول زيد في رواية البخاري (حتى وجدت آخر سورة التوبة مع أبي خزيمة لم أجدها عند غيره)؟

والجواب عن ذلك: أن زيداً رضي الله عنه لم يجد هذه الآيات مكتوبة عند أحد من الصحابة إلا عند أبي خزيمة الأنصاري، وليس المراد أنها لم تكن محفوظة، إذ أن زيداً نفسه كان يحفظها، وكان كثير من الصحابة يحفظونها، ولكنه أراد أن يجمع بين (الحفظ والكتابة) كما سنبينه إن شاء الله زيادة في التوثق ومبالغة في الاحتياط، وعلى ذلك النهج الرشيد تم جمع القرآن

الخطة الرشيدة في جمع القرآن

وقد انتهج (زيد بن ثابت) في جمع القرآن خطة رشيدة في غاية الدقة والإحكام، فيها ضمان لحياطة هذا الكتاب المجيد، بما يليق به من تثبت بالغ وحذر دقيق، فلم يكتف بما حفظ في قلبه ولا بما كتب بيده، ولا بما سمع بأذنه، بل جعل يتتبع ويستقصي آخذاً على نفسه أن يعتمد في

جمع القرآن على مصدرين اثنين:

(أ) ما كان محفوظاً في صدور الرجال.

(ب) ما كتب بين يدي رسول اللهﷺ.

فلا بد أن يتضافر الأمران (الحفظ والكتابة) وبلغ من شدة حرصه واحتياطه أنه كان لا يقبل شيئا من المكتوب حتى يشهد شاهدان عدلان أنه كتب بين يدي رسول اللهﷺ يدل عليه الحديث الذي رواه (أبو داود) في سننه قال: (قدم عمر فقال: من كان تلقى من رسول الله شيئا من القرآن فليأت به، وكانوا يكتبون ذلك في الصحف والألواح والعسب، وكان لا يقبل من أحد شيئا حتى يشهد شاهدان) ويدل عليه كذلك ما رواه أبو داود أيضا أن أبا بكر رضي الله عنه قال لعمر ولزيد: (اقعدا على باب المسجد فمن جاءكما بشاهدين على شيء من كتاب الله فاكتباه). قال ابن حجر: المراد بالشاهدين: الحفظ والكتابة... وقال السخاوي المراد (أنهما يشهدان على أن ذلك المكتوب كتب بين يدي رسول اللهﷺ) وذلك غاية في التثبت والدقة والإحكام من الصديق ورسمه منهجا لزيد بن ثابت رضي الله عنهم أجمعين.

لغات: يتساهل: نرمی برتنا، غفلت سے کام لینا۔ مقتفی: کسی کے نقش قدم پر چلنے والا، کسی کے اخلاق و عادات کو اپنانے والا۔ مبتدع: نئی طرز اور طریقہ ایجاد کرنیوالا۔ ابتداع: ایجاد، تخلیق، تاسیس، تعمیر، اختراع، نئی چیز بنانا، ایجاد کرنا۔ خطیر: عظیم۔ اتقن: یقین کرنا۔ البدع: بدعت کی جمع، نئی بات۔ مستحدث: نئی پیدا کردہ۔ یذعن: تابع ہونا، آمادہ کرنا، تسلیم کرنا، منوانا۔ مواهب: موهبة کی جمع، تحفے، صلاحیتیں، عمدہ خوبیاں۔ ورع: تقویٰ۔ النبوغ: علم و فن میں مہارت و کمال۔ ذکاء: ذہانت، ہوشیاری، زود فہمی۔

ترجمہ: جمع قرآن کے متعلق چند سوالات (اور ان کے جوابات)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

''اس مقام پر چند سوالات اٹھتے ہیں مناسب ہے کہ ان کا جواب تفصیل کے ساتھ دیا جائے۔ چنانچہ ہم ذیل میں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

پہلا سوال

حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے جمع کرنے میں کیوں تردد کیا جبکہ یہ بجز ایک نیک کام تھا اور ایسی بات تھی کہ اسلام بھی اس کا حکم کرتا ہے؟

جواب

"(اس کا جواب یہ ہے کہ) حضرت ابو بکرؓ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ قرآن پاک کو حفظ کرنے اور زبانی یاد کرنے میں سستی نہ کرنے لگیں۔ اور صحیفوں میں لکھے ہوئے قرآن پر بھروسہ کرنے لگیں کہ جس سے وہ قرآن کے حفظ میں کمزوری دکھانے لگیں۔ اور ان کی قرآن پاک کو زبانی یاد کرنے کی رغبت اور شوق میں کمی آنے لگے کیونکہ وہ اس بات پر اعتماد کرنے لگیں گے کہ قرآن مصاحف میں کہ جو محفوظ ہیں (لکھے ہوئے ہیں) ان میں لکھا ہوا موجود ہے کہ ان کو دیکھ کر قرآن کو پڑھنا ممکن ہے۔ البتہ مصاحف کے لکھے جانے سے پہلے لوگ قرآن پاک کو زبانی یاد کرنے (اور حفظ کرنے میں اپنی انتہائی) کوشش کیا کرتے تھے۔ یہ تو ایک پہلو تھا۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ حدود شرع کے آگے انتہائی سر جھکانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی (طور طریقوں اور) سنتوں پر (ہی) چلنے والے تھے۔ چنانچہ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ وہ اپنے اس عمل سے کسی ایسی نئی بات کو شروع کرنے والے نہ بن جائیں کہ جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں کرتے تھے۔"

اسی بنا انہوں نے حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا تھا کہ "میں وہ کام کیسے کروں کہ جسے نبیؐ نے نہیں کیا تھا اور شاید وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ یہ نیا کام اور (نئی ضرورت کی وجہ سے) ایک نئی بات (کہیں) ان کو (نبیؐ کی) مخالفت (اور دین میں کسی نئی) بدعت (کے ایجاد کرنے) میں نہ ڈال دے۔ لیکن جب انہوں نے (قرآن کے معاملہ کو) نہایت اہم دیکھا جو (قرآن کی حفاظت کی) سوچ بچار کرنا اور غور (نہ صرف یہ کہ) قرآن شریف کی حفاظت کا سب سے بڑا وسیلہ (ہے) اور (بلکہ قرآن میں) تحریف اور (اس کو) ضائع ہونے سے بچنے کا بہت بڑا سامان ہے اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ (بھی اسلام اور شریعت سے باہر) کوئی خارجی امر ہے اور نہ (ہی) کوئی نئی (قسم کی) بدعت۔ جب تو حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کو جمع کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو اس بات پر آمادہ کرتے رہے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے حضرت زیدؓ کا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ اس اہم ترین کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ (واللہ اعلم)

دوسرا سوال

حضرت ابو بکرؓ نے اس عظیم کام کے لئے صحابہ کرامؓ میں سے (فقط) حضرت زید بن ثابت کو ہی کیوں چنا؟

جواب

(اس کا جواب یہ ہے کہ) حضرت زید بن ثابتؓ میں (من جانب اللہ) کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی تھیں کہ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں جمع نہ تھیں کہ جن صفات نے انہیں جمع قرآن کے اس عظیم کام کا اہل بنا دیا۔ کیونکہ (ایک تو) وہ حافظ قرآن تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین وحی میں سے تھے اور آپؓ نے آپؐ کی آخری حیات مبارک میں قرآن کریم کا عرضہ اخیرہ پایا۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنی انتہائی پرہیزگاری، عدہ جو کی

امانت داری کمال اخلاق اور استقامت میں مشہور تھے اور اپنی فصاحت وبلاغت اور ذہانت (وذکاوت) میں (بھی نہایت) معروف تھے۔ بخاری شریف کی روایت میں حضرت ابوبکرؓ کی بات سے اس بات کی طرف سے اشارہ ملتا ہے کہ جب انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا بھیجا اور انہیں یہ فرمایا: "تم ایک سمجھدار نوجوان آدمی ہو ہمیں تم پر کسی قسم کی بدگمانی نہیں۔ تم نبی ﷺ کی وحی کی کتابت کرتے رہے ہو۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی انہی (اعلیٰ) خوبیوں اور پسندیدہ صفات کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں جمع قرآن کے (کام کے) لئے منتخب کیا۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی صدوجہ کی پرہیزگاری پر جو بات دلالت کرتی ہے وہ ان کا یہ ارشاد ہے "خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھے کسی پہاڑ کے ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا۔ (حدیث)

توضیح

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کاتبین وحی میں سے ہونا گزشتہ صفحات میں علوم القرآن صفحہ ۱۸۱ کی طبرانیؒ کی روایت سے بیان کردیا گیا ہے۔

عرضہ اخیرہ آنحضرتؐ کے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ اپنی حیات مبارکہ میں آخری دفعہ قرآن شریف کے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ (حوالہ علوم القرآن صفحہ ۱۳۵)

علامہ تقی عثمانی بامت برکاتہم فرماتے ہیں: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لئے چننا ان کی انتہائی عقلمندی کی دلیل تھا کیونکہ حضرت زید نے قرآن کو جمع کرنے کا کام انتہائی محنت، جانفشانی، احتیاط اور اصابت رائے سے انجام دیا۔

اور بعد کی صورتحال نے اس بات کو ثابت کردیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کا حضرت زید بن ثابتؓ کو اس کام کے لئے منتخب کرنا بالکل صحیح تھا۔ یہ مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہو سکتی ہے۔

(۱) حضرت زید چونکہ خود بھی حافظ قرآن تھے اس لئے جمع قرآن کے وقت جب اس بات کا اعلان کیا گیا کہ جس کے پاس کوئی آیت ہو وہ اس کو حضرت زیدؓ کے پاس لے کر آئے تو جو کوئی شخص ان کے پاس قرآن کریم کا کوئی حصہ لاتے تو سب سے پہلے وہ اس کی تصدیق خود اپنے حافظہ سے کرتے۔

(۲) پھر حضرت عمرؓ بھی حافظ قرآن کریم تھے اور وہ بھی اس کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ مامور تھے۔ وہ دونوں ہی مشترک طور پر ہر آیت وغیرہ کو متعلقہ شخص سے وصول کرتے اور وہ دونوں حضرات اپنے حافظہ سے اس کی توثیق کرتے۔

(۳) اور جب تک وہ قابل اعتبار گواہ کوئی نہ لاتا اس وقت تک حضرت زیدؓ اس شخص سے اس لائی ہوئی آیت وغیرہ کو قبول

تے فرماتے ۔ اور علامہ سیوطیؒ کے بقول بظاہر یہ کہا جاتا اس بات پر بھی لی جاتی تھی کہ یہ لکھی ہوئی آیات آنحضرتؐ کی وفات کے سال آپؐ پر پیش کر دی گئی تھیں اور آپؐ نے اس بات کی تصدیق فرما دی تھی کہ یہ ان حروف سبعہ کے مطابق ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا ❶ ہے۔

(۴) اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیات کا ان مجموعوں سے مقابلہ کیا جاتا تھا۔ جو مختلف صحابہ کرامؓ نے تیار کر رکھے تھے۔ ❷

علامہ ابو شامہؒ فرماتے ہیں" اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کی کتابت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے۔ اور صرف (اپنے) حافظہ پر اعتماد کی بجائے بعینہٖ ان آیات سے نقل کیا جائے جو آنحضرتؐ کے سامنے لکھی گئی تھیں۔

(علوم القرآن از صفحہ ۱۸۳-۱۸۴ ملخصاً)

ترجمہ: تیسرا سوال

بخاری شریف کی روایت میں حضرت زید بن ثابتؓ کے اس قول کا کیا مطلب ہے " حتیٰ کہ میں نے سورۃ توبہ کے خاتمہ کی آیتیں صرف ابو خذیمہ انصاریؓ کے پاس پائیں اور ان کے سوا کسی سے یہ آیتیں نہ ملیں۔ (ترجمہ از احسن البیان جلد اصفحہ ۲۷)

جواب

" (اس کا جواب یہ ہے کہ) ان آیات کو حضرت زید بن ثابتؓ نے ابو خزیمہ انصاریؓ کے علاوہ کسی اور کے پاس (صحابہ کرام میں سے) لکھا ہوا نہ پایا نہ کہ یہ مطلب ہے کہ یہ آیات محفوظ نہ تھیں (یعنی کسی کو یاد نہ تھیں) کیونکہ خود حضرت زیدؓ کو بھی وہ آیات یاد تھیں۔ (اور وہ نہ صرف ان آیات بلکہ پورے قرآن کے حافظ تھے) اور (ان کے علاوہ اور) بہت سے صحابہ کرام نے ان آیات کو یاد رکھا ہوا تھا۔ لیکن حضرت زیدؓ یادداشت اور کتابت دونوں کو جمع کرنا چاہتے تھے۔ (جیسا کہ عنقریب ہم اس کو بیان کریں گے) اور (حضرت زید نے یہ سب کچھ) احتیاط میں مبالغہ اور (ان آیات کو) زیادہ قابل اعتماد بنانے کے لئے (یہ سب کچھ کیا) اور اسی صحیح طریقہ پر قرآن کا جمع کرنا پورا ہوا۔"

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ (حضرت زیدؓ کی اس بات کا) ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ یہ آیتیں سوائے حضرت خزیمہ کے کسی اور کو یاد نہیں تھیں یا کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں۔ اور ان کے سوا کسی کو ان کا جزو قرآن ہونا معلوم نہ تھا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کی لکھوائی ہوئی قرآن کریم کی متفرق آیتیں لے لے کر آ رہے تھے۔ ان میں سے یہ آیات سوائے حضرت خزیمہؓ کے کسی کے پاس نہیں ملیں ورنہ جہاں تک ان آیات کا جزو قرآن ہونے کا تعلق ہے یہ بات تواتر

❶ الاتقان صفحہ ۶۰ جلد ۱۔ ❷ البرہان فی علوم القرآن صفحہ ۲۳۸ جلد ۱۔

کے ساتھ سب کو معلوم تھی۔ اول تو جن سینکڑوں حفاظ کو قرآن کریم پورا حفظ یاد تھا انہیں یہ آیات بھی یاد تھیں۔ دوسرے آیات قرآنی کے مکمل مجموعے جو مختلف صحابہ کرام نے تیار کر رکھے تھے۔ ان میں یہ آیت بھی لکھی ہوئی تھی۔ لیکن چونکہ حضرت زید نے مزید احتیاط کے لئے فقط ان ہی ذرائع پر اکتفاء کرنے کی بجائے متفرق طور پر لکھی ہوئی آیات کو جمع کرنے کا بھی بیڑہ اٹھایا۔ اس لئے انہوں نے یہ آیت اس وقت تک اس نئے مجموعے میں شامل نہیں کی جب تک اس تیسرے طریقے سے بھی وہ آپ کو دستیاب نہیں ہوگئی۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۸۴-۱۸۵)

لغات: غایة الدقة: انتہائی باریک بینی سے کام لینا۔ حیاطة: احاطہ گھیراؤ۔ تثبت بالغ: انتہائی غور وفکر سے کام لینا تحقیق کامل پوری چھان بین۔ حلو "دقیق": انتہائی احتیاط کامل پرہیز۔ یتضافر: متحد ومشترک ہو۔

ترجمہ: قرآن کے جمع کا عمدہ لائحہ عمل

(مولف کتاب فرماتے ہیں) حضرت زید بن ثابتؓ نے قرآن کے جمع میں جو عمدہ لائحہ عمل اختیار کیا اس میں نہایت باریک بینی اور استحکام سے کام لیا کہ اس میں اس قرآن مجید کے لئے اس بالغ نظری (غور وفکر اور احتیاط) اور (انتہائی) باریک حزم واحتیاط کی ضمانت تھی کہ جو اس قرآن مجید کے لائق تھی چنانچہ انہوں نے فقط اپنی یادداشت: جو کچھ کہ لکھے ہوئے اور اپنے کانوں سے سنے پر ہی اکتفاء (اور اعتماد) نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی ذات (پر بھروسہ کرنے) کے علاوہ جمع قرآن کے ان دو ذرائع پر اضافہ کرتے ہوئے (قرآن پاک کی آیات کی) تلاش وجستجو کا سلسلہ شروع کیا۔ (وہ دو ذرائع مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) جو لوگوں کے سینوں میں (بصورت حفظ) محفوظ تھا۔

(۲) جو کچھ آپ کے سامنے لکھا گیا۔

لہٰذا لازمی تھا کہ (جمع قرآن کے) یہ دونوں (ذرائع) یعنی (حفظ اور کتابت) متحد اور مشترک ہو جاتے اور حضرت زیدؓ اپنی حد درجہ کی احتیاط اور (جمع قرآن کی) حرص میں اس درجہ تک پہنچ گئے کہ وہ کسی سے لکھی ہوئی کوئی آیت وغیرہ قبول نہ فرماتے جب تک کہ دو عادل گواہ اس بات کی گواہی نہ دے دیتے تھے یہ آیت نبیؐ کے سامنے لکھی گئی تھی۔ اس بات پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ جس کو امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے " راوی کہتے ہیں حضرت عمرؓ آئے تو آپ نے فرمایا" جس کسی نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن کی کوئی آیت حاصل کی ہو وہ اس کو ہمارے پاس لائے۔ اور لوگ قرآنی آیات کو (لکڑی یا چمڑی) تختیوں، کھجور کی شاخوں اور صحف میں لکھ لیا کرتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کسی سے کچھ بھی قبول نہ کرتے جب تک کہ دو گواہ (اس بات کی) گواہی نہ دے دیں (کہ یہ نبیؐ کے سامنے لکھی گئی تھی)" اور اس بات پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی جس کو بھی حضرت امام ابو داؤد نے ہی روایت کیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ سے ارشاد فرمایا" تم دونوں مسجد نبوی کے دروازے پر بیٹھ جاؤ۔ پس جو کوئی کتاب اللہ کا کچھ حصہ تمہارے پاس دو گواہوں کے ساتھ لائے اس کو لکھ لو۔"

(مولف کتاب فرماتے ہیں) علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ "دو گواہوں سے مراد" حفظ اور کتابت" ہیں اور علامہ سخاویؒ

فرماتے ہیں: "مراد یہ ہے کہ وہ دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ آیت [illegible] نبی ﷺ کے سامنے لکھی گئی ہے۔"

اور یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی انتہا درجہ کی تحقیق (واحتیاط) اور باریک بینی اور اخلاص تھا کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت سے لے (کر جمع قرآن کا) ایک (وسیع) کام سرانجام فرمایا۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

توضیح

مذکورہ صفحات میں علوم القرآن صفحہ ۱۸۳-۱۸۵ کے حوالے سے جمع قرآن کے سلسلہ میں احتیاط کئے گئے نہایت محتاط طریقہ کار بیان کیا گیا ہے۔ علامہ عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔

"غرض (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم سے) حضرت زید بن ثابت نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا۔" (علوم القرآن صفحہ ۱۸۵)

مزايا مصحف أبي بكر الصديق

امتازت الصحف التي جمعت في عهد أبي بكر الصديق في (مصحف واحد) بعدة مزايا أهمها

أولاً: التحري الدقيق والتثبت الكامل.

ثانياً: لم يسجل في المصحف إلا ما ثبت عدم نسخ تلاوته.

ثالثاً: إجماع الأمة عليه وتواتر ما سجل فيه من الآيات القرآنية.

رابعاً: شمول المصحف للقراءات السبع التي نقلت بالنقل الثابت الصحيح.

وهذه المزايا جعلت الصحابة يلهجون بالثناء العاطر على أبي بكر الصديق لجمعه القرآن الكريم من الضياع، وذلك توفيق من الله عز وجل وهداية منه، وقد قال (علي بن أبي طالب) كرم الله وجهه: (أعظم الناس في المصاحف أجراً أبو بكر، رحمة الله على أبي بكر، هو أول من جمع كتاب الله) ولقد أصبح جمع القرآن منقبة خالدة لا يزال التاريخ يذكرها بالتمجيد والثناء العاطر لأبي بكر في التوجيه والإشراف، ولزيد بن ثابت في التنفيذ والعمل رضوان الله عليهم أجمعين. وجمع القرآن في مصحف واحد في عهد أبي بكر لا يعني أن الصحابة رضوان الله عليهم لم يكن لديهم مصاحف كتبوا فيها القرآن من قبل، فإن ذلك لا ينافي أن يكون لبعض الصحابة مصاحف خاصة، ولكن هذه المصاحف لم تظفر بما ظفر به مصحف أبي بكر من دقة البحث والتحري، والاقتصار على ما لم تنسخ تلاوته، ومن بلوغها حد التواتر، ومن إجماع الأمة عليه، ومن شموله للأحرف السبعة (القراءات السبع) كما تقدم، لهذا (علي) رضي الله عنه كان له

مصحف خاص كتبه في بدء خلافة أبي بكر' و عزم ألا يخرج إلا للصلاة حتى ينتهي من كتابته

روى السيوطي عن (محمد بن سيرين) عن (عكرمة) انه قال: لما كان بدء خلافة ابي بكر' قعد علي بن ابي طالب في بيته' فقيل لأبي بكر: قد كره بيعتك' فأرسل إليه فقال: كرهت بيعتي؟ فقال: رأيت كتاب الله يزاد فيه فحدثت نفسي ألا ألبس ردائي إلا لصلاة حتى اجمعه' قال له ابو بكر: فانك نعم ما رأيت فقد كان له مصحف ولكنه كما يروى عن ابن سيرين كان فيه الناسخ والمنسوخ فلم يكن مثل مصحف ابي بكر.

لغات: التحری: سوچ بچار۔ پلھجوں: دلدادہ و فریفتہ ہونا۔ ظفر: آگے بڑھنا۔

ترجمہ: مصحف ابوبکرؓ کی (امتیازی) خصوصیات

(مولف کتاب فرماتے ہیں) عہد صدیقی میں جو مصاحف ایک مصحف میں جمع کئے گئے وہ چند خصوصیات کی وجہ سے (بعد کے مجموعوں سے) ممتاز ہیں۔ ان میں سے چند (ذیل میں) یہ (درج) ہیں۔

(۱) کامل باریک بینی سے تلاش و جستجو اور مکمل تحقیق (و تفتیش کے بعد لکھا گیا)

(۲) مصحف میں فقط وہی آیات لکھی گئیں جن کا غیر منسوخ ہونا ثابت ہو گیا۔

(۳) اس میں جو قرآنی آیات لکھیں گئیں وہ امت کے اجماع اور تواتر سے لکھی گئیں۔

(۴) اس مصحف میں ان "سات قرأتوں" کو جمع کیا گیا جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

ان خصوصیات نے صحابہ کرامؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ کی قرآن کو ضائع ہونے سے بچانے پر نہایت اعلی الفاظ میں (اور بقول مولف نہایت سچے الفاظ میں) تعریف کا دلدادہ بنا دیا۔ اور یہ اللہ عزوجل کی توفیق اور اس کی مدد سے (ہی) ہوا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "مصاحف کے بارے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکرؓ کو حاصل ہوگا خدا ابوبکرؓ پر رحم کرے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا۔" (حضرت علیؓ کے اس فرمان کا ترجمہ احسن البیان صفحہ ۲۶ جلد ۱ سے لیا گیا ہے۔ (تسہیم)

جمع قرآن پر حضرت صدیق اکبرؓ کی توجہ (جمع قرآن کی طرف) توجہ دینے اور (پھر اس کی نگرانی اور) انتظام کرنے کی وجہ سے اور حضرت زید بن ثابتؓ کی (قرآن کو جمع کروانے پر) عمل کروانے اور (خود اس کام کا) بیڑا اٹھانے کی وجہ سے ایک ایسی دائمی (خوبی اور فضیلت و) منقبت بن گئی کہ جس کو تاریخ ہمیشہ اچھے الفاظ اور بہترین تعریف کے ساتھ یاد کرتی رہے گی۔ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

اور عہد صدیقی میں قرآن کے ایک مصحف میں جمع ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس ایسے صحیفے نہ تھے کہ جن میں انہوں نے قرآن لکھ رکھا ہو۔ کہ یہ بات (یعنی عہد صدیقی میں جمع قرآن) بعض صحابہ کرامؓ کے پاس (ان کے اپنے) خاص مصحف ہونے کے منافی نہیں۔ لیکن وہ مصاحف ان خصوصیات کے حامل نہ تھے کہ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحیفہ میں تھیں جیسے انتہائی احتیاط کے ساتھ (آیات قرآنیہ کی) تلاش و جستجو کرنا' (فقط) غیر منسوخ الفاظ و آیات پر ہی انحصار کرنا' اس نسخہ کا

تواتر کی حد تک پہنچ جانا۔ امت کا اس پر اجماع ہونا۔ اس کا ساتوں حروف یعنی سات قراءتوں کو شامل ہونا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

پھر (ادھر) حضرت علیؓ کا (بھی) ایک (خاص) مصحف تھا جو انہوں نے (عہد) خلافت صدیقی کی ابتداء سے ہی لکھ (کر مرتب کر) لیا تھا اور انہوں نے اس بات کا پختہ عزم کر لیا تھا کہ جب تک اس کو پورا لکھ نہ لوں میں گھر سے نماز کے علاوہ نہ نکلا کروں گا۔

علامہ سیوطیؒ نے محمد بن سیرینؒ سے انہوں نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ "جب حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت (کے زمانہ) کا شروع تھا تو حضرت علیؓ اپنے گھر میں بیٹھ رہے حضرت صدیق اکبرؓ سے لوگوں نے کہا کہ وہ آپ کی بیعت کو ناپسند کرتے ہیں۔

چنانچہ آپؓ نے انہیں بلوا بھیجا اور پوچھا "کیا آپ میری بیعت کو ناپسند کرتے ہیں۔ تو اس پر حضرت علیؓ نے یہ جواب دیا "میں نے دیکھا کہ کتاب اللہ میں اضافہ کیا جا رہا ہے تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں جب تک قرآن کو (ایک مصحف میں) جمع نہ کر دوں اس وقت تک فقط نماز کے علاوہ اپنی چادر نہ اوڑھوں گا (یعنی گھر سے نہ نکلا کروں گا مگر نماز کے لئے) حضرت ابوبکرؓ نے ان سے ارشاد فرمایا: "آپ نے تحقیق بہت اچھا سوچا۔" ❶ پس ان کا ایک (اپنا خاص) مصحف تھا۔ لیکن جیسا کہ ابن سیرینؒ سے مروی (بھی) ہے کہ اس میں ناسخ و منسوخ (ہر قسم کی آیات) تھیں پس وہ حضرت صدیق اکبرؓ جیسا مصحف نہ تھا۔

توضیح

مصحف صدیقی کی خصوصیات

علامہ عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔ "(چونکہ صحیفہ صدیقی میں) ہر سورت علیحدہ علیحدہ صحیفے میں لکھی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا۔

اصطلاح میں اس نسخہ کو "ام" کہتے ہیں۔ اس کی خصوصیات یہ تھیں۔

(۱) اس نسخہ میں قرآنی آیات تو نبی اکرمؐ کی بتلائی ہوئی ترتیب کے مطابق ہی مرتب تھیں لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی۔ ❷

(۲) اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے۔ ❸

(۳) یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔ ❹

(۴) اس میں فقط غیر منسوخ التلاوت آیات درج تھیں۔

---

❶ ... کے لیے دیکھیں علامہ سیوطی کی "الاتقان" ❷ الاتقان۔ جلد ۱ صفحہ ۶۰۔

❸ ... مناہل العرفان جلد ۱ صفحہ ۲۴۶-۲۴۷۔ ❹ تاریخ القرآن از عبدالصمد صارم صفحہ ۴۳۔

(۵) اس نسخہ کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتب نسخہ تمام امت کی اجماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے تاکہ ضرورت پڑنے پر اسی کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ (علوم القرآن از صفحہ ۱۸۵-۸۲)

حضرت علیؓ کے مرتب کردہ مصحف کا حکم

علامہ حقانی فرماتے ہیں "اگر مذکورہ بالا تفصیل سامنے رہے تو اس روایت کا مطلب بآسانی سمجھ میں آ سکتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی وفات کے فوراً بعد حضرت علیؓ نے قرآن جمع کر لیا تھا۔ اس لیے کہ جہاں تک قرآن کے انفرادی مجموعوں کا تعلق ہے وہ صرف حضرت علیؓ نے ہی نہیں بلکہ اور بھی متعدد صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔ لیکن ایسا معیاری نسخہ کہ جو پوری امت کی اجماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو وہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ہی تیار کروایا۔ (علوم القرآن ص ۱۸۶)

حضرت علیؓ کی شہادت کہ مصحف صدیقی ہی پہلا مرتب مصحف ہے

سید فضل الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں

"ابوداؤد نے عبد خیر سے حسن سند کے ساتھ روایت کی (کہ) انہوں نے کہا میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مصاحف کے بارے میں زیادہ اجر حضرت ابوبکرؓ کو حاصل ہوگا۔ خدا ابوبکر پر رحمت کرے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا (احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۳۷ بحوالہ اتقان ۱۶۶/۱)

مصحف صدیقی کاغذ پر لکھا گیا

سید فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں "عہد نبوی میں تحریر کی وہ سہولتیں فراہم نہیں تھیں جو عہد صدیقی میں فراہم ہو گئیں۔ مثلاً کاغذ اور لکھنے کا دوسرا سامان۔ عہد صدیقی میں شام سے کاغذ مدینہ منورہ آنے لگا تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کریم کو کاغذ پر لکھوایا۔ موطا امام مالک میں سالم بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو کاغذ پر لکھ کر جمع کیا۔" (احسن البیان جلد ۱ صفحہ ۳۷-۴۷)

لماذا لم یجمع القرآن في مصحف واحد؟

ونتساءل هنا: لماذا لم يجمع القرآن الكريم في مصحف واحد في زمن النبي؟ والجواب عن ذلك.

أولاً: إن القرآن لم ينزل مرة واحدة وإنما نزل مفرقاً ولا يمكن جمعه قبل أن يتكامل النزول.

ثانياً: إن بعض الآيات كانت تنسخ وإذا كان القرآن عرضة للنسخ فكيف يمكن أن تجمع في مصحف واحد.

ثالثاً: إن ترتيب الآيات والسور لم يكن على حسب النزول فقد تنزل بعض الآيات في أواخر الوحي بينما يكون ترتيبها في أوائل السور الكريمة وهذا يقتضي تغيير المكتوب.

رابعًا: كانت المدة بين نزول آخر ما نزل وبين وفاته قصيرة جدًا، وقد تقدم في الفصل الأول أن آخر ما نزل من القرآن قوله تعالى: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ﴾ الآية. وقد انتقل رسول الله إلى جوار ربه بعد نزولها بتسع ليال، فالمدة إذا قصيرة، ولا يمكن جمع قبل تكامل النزول.

خامسًا: لم يوجد من دواعي الجمع في مصحف واحد مثل ما وجد في عهد أبي بكر، فقد كان المسلمون بخير، والقراء كثيرون، والفتنة مأمونة، بخلاف ما حصل في عهد أبي بكر من مقتل الحفاظ حتى خاف على ضياع القرآن.

والخلاصة: إن القرآن لو جمع في مصحف واحد والحال على ما ذكرنا لكان القرآن عرضة للتغيير والتبديل كلما وقع نسخ، أو حدث سبب، مع أن أدوات الكتابة لم تكن ميسورة. والظروف لا تساعد على ترك المصحف القديم، والاعتماد على المصحف الجديد، لأنه لا يمكن أن يكون في كل شهر أو يوم مصحف يجمع كل ما نزل من القرآن ولكن لما استقر الأمر بختام التنزيل، ووفاة الرسول، وأمن النسخ، وعرف الترتيب أمكن جمعه في مصحف واحد، وهذا ما فعله الخليفة الراشد أبو بكر الصديق رضي الله عنه وجزاه عن القرآن والمسلمين خير الجزاء.

ترجمہ: قرآن کو ایک مصحف میں کیوں نہ جمع کیا گیا؟

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"یہاں پر ہم یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ نبی کریم کے زمانہ میں قرآن کریم ایک صحیفہ میں کیوں نہ جمع کر دیا گیا؟

(اس سوال کے جواب میں یہاں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں)

پہلی بات

قرآن (کریم) ایک ہی دفعہ (پورے کا پورا) نہیں اترا ہے بلکہ یہ متفرق اجزاء (کی شکل) میں اترا ہے۔ تو اس کے مکمل طور پر نازل ہونے سے پہلے اس کا جمع کرنا ممکن نہ تھا۔

دوسری بات

بعض آیات منسوخ ہو جاتی تھیں تو جب قرآن معرض نسخ میں تھا تو اس کو ایک مصحف میں جمع کرنا کیسے ممکن ہوتا؟

تیسری بات

آیات اور سورتوں کی ترتیب نزول کے مطابق نہ تھی۔ چنانچہ بعض آیات وحی کے آخر میں نازل ہوئیں۔ جبکہ (قرآن کریم

میں ورود کے اعتبار سے) ان کی ترتیب سورتوں کے شروع ہی میں تھی۔ اور یہ بات لکھے ہوئے کو بدلنے کا تقاضا کرتی تھی۔
(یعنی ایک آیت کو جہاں لکھا ہے بعد میں نازل ہونے والی آیت لکھے ہوئے کی ترتیب کو بدل ڈالتی تھی۔ (نسیم)

چوتھی بات

آخری نازل ہونے والی آیت اور آپ کی وفات کے درمیان کا عرصہ نہایت قلیل تھا۔ اور پہلی فصل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ آخری اترنے والی آیت رب تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ...... ﴾ (البقرۃ:۲۸۱)
جبکہ نبی ان آیت کے نزول کے ۹ راتوں بعد رب ذوالجلال کے جوار رحمت میں تشریف لے گئے۔ پس اس وقت مدت نہایت مختصر تھی۔ جبکہ قرآن کا نزول کے کامل ہونے سے پہلے جمع کرنا (ہی) ممکن نہ تھا۔ ❶

پانچویں بات

عہد نبوت میں جمع قرآن کی وہ وجوہات (بھی) نہ پائی گئیں کہ جو عہد صدیقی میں پائی گئیں چنانچہ مسلمان خیر پر تھے (قرآن کریم کے حفاظ و) قراء بہت تھے فتنہ سے اطمینان تھا بخلاف عہد صدیقی کہ جس میں حفاظ (قرآن) کا قتل ہوا یہاں تک صدیق اکبرؓ قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ کرنے لگے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر (عہد رسالت میں) قرآن کو ایک مصحف میں جمع کر دیا جاتا جبکہ صورتحال وہ ہوتی کہ جو ہم نے ابھی بیان کی تو قرآن (گویا) معرض تبدیل و تغییر میں ہوتا۔ (یعنی اس میں تبدیلی ہوتی رہتی) جب جب بھی کوئی آیت منسوخ ہوتی یا کوئی بات ہو جاتی باوجودیکہ سامان کتابت (بھی اس دور میں آسانی کے ساتھ) میسر نہ تھا جبکہ حوالی (کیفیات) پرانے نسخوں کے ترک اور نئے نسخوں پر اعتماد کے لئے مددگار (بھی) ثابت نہ ہوتے کیونکہ ایسا ممکن نہ تھا کہ ہر مہینے یا ہر روز کا ایک (ایسا) مصحف (تیار کیا گیا) ہوتا کہ جس میں اب تک نازل شدہ قرآن جمع کر دیا جاتا۔ لیکن جب یہ معاملہ قرآن کے (نزول کے) اختتام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک (ہی) جا ٹھہرا۔ اور (قرآنی آیات کے) نسخ سے (بھی) اطمینان ہو گیا (کہ اب مزید کوئی آیات وغیرہ منسوخ نہ ہوں گی) اور (تمام قرآن کی) ترتیب (نزولی و کتابت بھی) معلوم ہو گئی تو (اب) اس قرآن کا ایک مصحف میں جمع کرنا ممکن ہو گیا۔

اور یہ تھا وہ کام کہ جو خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سرانجام دیا اللہ ان کو قرآن اور تمام امت کے (قیامت تک کے) مسلمانوں کی طرف اس پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

---

❶ یعنی جب قرآن پورے کا پورا اتر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد اس قدر مہلت نہ ملی کہ قرآن کو ایک ہی مصحف میں جمع کرنے کا مکمل طور پر وقت ہی نہ ملا کیونکہ آخری آیت کے نازل ہونے اور آپ کی وفات کے درمیان کا عرصہ فطری طور پر نہایت قلیل تھا کہ جس میں یہ کام عادۃً ممکن نہ تھا۔ اور شاید یہ حکمت الٰہیہ میں طے تھا۔ (نسیم)

جمع القرآن في عهد عثمان

أما جمع القرآن في عهد عثمان فقد كان له سبب آخر غير السبب الذي حدث في عهد أبي بكر، فقد اتسعت الفتوحات الإسلامية في عهد عثمان، وتفرق المسلمون في الأقطار والأمصار، واشتهر في كل بلد من البلاد الإسلامية قراءة الصحابي الذي علمهم القرآن: فأهل الشام كانوا يقرأون بقراءة (أبي بن كعب) وأهل الكوفة كانوا يقرأون بقراءة (عبدالله بن مسعود) وغيرهم كان يقرأ بقراءة (أبي موسى الأشعري)، فكان بينهم اختلاف في حروف الأداء، ووجوه القراءات، حتى كاد الأمر يصل إلى النزاع والشقاق بينهم، وكاد بعضهم يكفّر بعضاً بسبب اختلاف القراءة.

روي عن أبي قلابة أنه قال: لما كانت خلافة عثمان، جعل المعلم (المقرئ) يعلم قراءة الرجل، والمعلم يعلم قراءة الرجل، فجعل الغلمان يلتقون فيختلفون، حتّى ارتفع إلى المعلمين، حتى كفر بعضهم بعضاً، فبلغ ذلك عثمان فخطب فقال: أنتم عندي تختلفون، فمن نأى (أي بعد) عني من الأمصار فهم أشد اختلافاً، لهذه الأسباب والأحداث رأى عثمان بثاقب رأيه، وصادق نظره، أن يتدارك الخرق قبل أن يتسع على الراقع، وأن يستأصل الداء قبل أن يعصب الدواء، فجمع أعلام الصحابة، وذوي الرأي، والبصر فيهم، واستشارهم في علاج تلك الفتنة، وعلاج ذلك الاختلاف، فأجمعوا أمرهم على أن يستنسخ أمير المؤمنين مصاحف عديدة، ويبعث إلى كل بلد أو مصر بمصحف منها، وأن يأمر الناس بإحراق كل ما عداها، حتى لا يبقى ثمة طريق للنزاع والاختلاف في وجوه القراءة، فشرع رضي الله عنه بتنفيذ هذا القرار الحكيم، فعهد إلى أربعة من خيرة الصحابة، وثقات الحفاظ وهم (زيد بن ثابت)، و(عبدالله بن الزبير)، و(سعيد بن العاص)، و(عبدالرحمن بن هشام) وقد كانوا جميعاً من قريش من المهاجرين إلا (زيد بن ثابت) فقد كان من الأنصار، وكان هذا العمل الجليل سنة ٢٤ هجرية، وقال لهؤلاء إذا اختلفتم في شيء من وجوه القراءة فاكتبوه بلغة قريش، فإن القرآن نزل بلغتهم. وطلب عثمان من (حفصة بنت عمر) أن تعطيه المصحف الذي كان عندها، والذي جمعه أبوبكر لينسخ منه عدة نسخ ثم يعيده إليها، ففعلت.

لغات: اتسعت: پھیل جانا۔ اقطار: قطر کی جمع، جانب، گوشہ، کنارہ، ملک۔ امصار: مصر کی جمع، بڑا شہر۔ تفرق: اختلاف ہونا۔ یتدارک: تدارک، تلافی کرنا۔ علی الراقع: تیزی سے۔ ینسخ: نقل، حرف بحرف نقل کرنا، لکھنا۔

ذریعے چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس عظیم فیصلہ کو نافذ کرنا شروع کیا۔ پس آپؓ نے (اس کام کے لئے) جلیل صحابہ کرامؓ اور بلند حفاظ میں سے چار کو منتخب فرمایا جو حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمن بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ اور ان میں سوائے حضرت زید بن ثابتؓ کے کہ وہ انصاری تھے۔ سب کے سب قریشی مہاجرین میں سے تھے۔

یہ عظیم کام ۲۴ ہجری میں سرانجام پایا۔ اور آپؓ نے ان سب سے یہ ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی آیت میں قراءت کے طریقوں میں اختلاف کرو تو اس کو لغت قریش میں لکھو کیونکہ قرآن قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے اور حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ بنت عمرؓ سے وہ نسخہ منگوا بھیجا جو ان کے پاس تھا اور جسے حضرت ابوبکرؓ نے جمع کیا تھا تاکہ اس کی مدد سے (یہ مختلف نسخے) لکھیں پھر وہ ان کو واپس کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ نے ایسا کر لیا۔ (یعنی ان کو وہ مصحف دے دیا اور پھر بعد میں واپس لے لیا)

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔ "جب حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دور دراز علاقوں تک پھیل چکا تھا۔ اور جس نئے علاقے کے لوگ مسلمان ہوتے وہ ان مجاہدین اسلام یا ان تاجروں سے اسلام سیکھتے تھے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت ملی تھی۔ ادھر جیسا کہ معلوم ہے کہ قرآن سات حروف میں نازل ہوا تھا۔ اور مختلف صحابہ کرامؓ نے اسے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مختلف قراءتوں سے سیکھا تھا۔ اس لئے ہر صحابی نے اپنی قراءت میں اپنے شاگردوں کو قرآن پڑھایا۔ اس طریقہ سے قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ملکوں تک پھیل گیا۔ جب تک لوگوں کو سات حروف پر نازل ہونے کے اختلاف کی حقیقت معلوم رہی تب تک اس میں کوئی خرابی اس اختلاف سے پیدا نہ ہوئی۔

لیکن جب دور دراز کے علاقوں تک اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ان تک سات قراءتوں کے اختلاف کی حقیقت نہ پہنچی تو وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ ہر ایک اپنے کو صحیح اور دوسرے کو غلط قرار دینے لگا۔ ان جھگڑوں میں ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی ان سات قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ دوسری طرف حضرت زید بن ثابتؓ کے معیاری نسخے کے علاوہ کہ جو مدینہ طیبہ میں تھا اور کہیں پورے عالم اسلام میں کوئی معیاری نسخہ موجود نہ تھا کہ جو پوری امت کے لئے حجت بن سکے۔ کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی تھے اور ان میں سات حروف کے جمع کرنے کا اہتمام بھی نہ تھا۔

لہٰذا اب ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ سات حروف میں جمع ہونے والا نسخہ پورے عالم اسلام میں پھیلا دیا جائے کہ جس سے غلط یا صحیح قراءت کا فیصلہ کیا جا سکے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۸۷-۱۸۸ ملخصاً)

سید فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں "اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن کریم ایک ہی لغت یعنی لغت قریش میں نازل

ہوا اس سے مختلف قبائل کے لوگوں کو قرآن کی تلاوت میں دشواری پیش آتی تھی۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس بات کی اجازت دی کہ جو لوگ لغت قریش نہ پڑھ سکتے ہوں ان کو دوسری لغات میں قرآن پڑھا دیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرامؓ کو دوسری لغات میں بھی قرآن پڑھایا۔

اس کے علاوہ قرآن کریم سات حرفوں میں نازل ہوا تھا۔ اور صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے مختلف قراءتوں میں قرآن سیکھا۔ اور انہوں نے اپنے شاگردوں کو انہی قراءتوں میں سکھلایا۔ اور جب اسلام عہد عثمانی میں دور دراز علاقوں تک پھیل گیا تو یہ اختلاف بھی پھیلا۔ شروع شروع میں اس سے خرابی واقع نہیں ہوئی بعد میں لوگ اس اختلاف قراءت کی وجہ سے ایک دوسرے کو کافر کہنے لگے۔

اس سے اس بات کی اشد ضرورت پیدا ہوئی کہ قرآن کریم کے ایسے معیاری نسخے تیار کر کے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں کہ جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر قراءت کی غلطی کی اصلاح کی جا سکے۔ یہی وہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ جو حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں سر انجام دیا۔ (احسن البیان صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۹ جلد اول)

سبب جمع عثمان للقرآن الكريم

روى البخاري عن أنس بن مالك أنه قال:

(أن (حذيفة بن اليمان) قدم على عثمان، وكان يغازي أهل الشام في فتح أرمينية وأذربيجان مع أهل العراق، فأفزع حذيفة اختلافهم في القراءة، فقال حذيفة لعثمان: يا أمير المؤمنين أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى، فأرسل عثمان إلى حفصة أن أرسلي إلينا بالصحف ننسخها في المصاحف ثم نردها إليك، فأرسلت بها حفصة إلى عثمان فأمر زيد بن ثابت، وعبد الله بن الزبير، وسعيد بن العاص، وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها في المصاحف، وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة: إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم، ففعلوا حتى إذا نسخوا الصحف في المصاحف رد عثمان الصحف إلى حفصة وأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا، وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق رواه البخاري.

الفرق بين جمع أبي بكر وجمع عثمان

الفرق بين جمع أبي بكر وجمع عثمان: ونستطيع مما سبق أن نعرف الفرق بين جمع أبي بكر وجمع عثمان، وهو أن الجمع في عهد أبي بكر كان عبارة عن نقل القرآن وكتابته في مصحف واحد مرتب الآيات، جمعه من اللخاف والعسب والرقاع، وكان سبب الجمع (موت الحفاظ)

وأما جمع عثمان فقد كان عبارة عن نسخ عدة نسخ من المصحف الذي جمع في عهد أبي بكر لترسل إلى الآفاق الإسلامية. وكان سبب الجمع إنما هو (اختلاف القرّاء) في قراءة القرآن.

والله اعلم وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

لغات: یُغَازِیْ: جہاد کرنا، دشمن کی سرزمین میں اس سے لڑنے کے لیے جانکلنا۔ أفزع: خوف زدہ کرنا، گھبرا دینا۔ الافق: کنارہ، مراد ملک اور مختلف شہر ہیں۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کے قرآن کریم کو جمع کرنے کا سبب

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"بخاری نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور وہ آرمینیہ اور آذربائیجان کے محاذ پر اہل عراق کے ساتھ مل کر اہل شام سے جہاد میں مشغول تھے۔ پس حضرت حذیفہؓ نے لوگوں کے قراءت میں اختلاف کی فریاد کی اور عرض کیا۔ اے امیرالمومنین اس امت کی (خبر) خبر لیجیے۔ اس سے پہلے کہ یہ بھی یہود ونصاریٰ کی طرح اس کتاب میں اختلاف کا شکار ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کے جو) صحیفے ہیں وہ ہمارے پاس بھیج دیجیے۔ ہم ان کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس بھیج دیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت عثمان نے (چار صحابہ کرامؓ) حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ ابن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم (کی ایک جماعت بنا کر) انھیں حکم دیا وہ (حضرت ابوبکرؓ کے) صحیفوں کو نقل کر دیں۔ اور حضرت عثمانؓ نے تین قریشی صحابہ کرامؓ کی جماعت سے ارشاد فرمایا کہ جہاں کہیں قرآن کے تلفظ میں تمہارے اور حضرت زید بن ثابتؓ کے درمیان اختلاف ہو تو اس کو لغت قریش میں لکھ لینا کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ان چاروں حضرات نے مل کر حضرت عثمانؓ کے حکم کی تعمیل کی۔ اور جب صحیفوں کی نقل کا کام مکمل ہو گیا تو انھوں نے وہ صحائف جو حضرت حفصہؓ سے لئے تھے۔ انہیں واپس بھیج دیئے۔ ❶ اور ہر جگہ وہ مصحف بھیج دیا کہ جو ان حضرات نے لکھا تھا۔ اور حکم دیا کہ اس کے نسخے کے علاوہ جس صحیفہ یا مصحف میں قرآن ہو اس ❷ کو جلا دو۔

جمع ابی بکرؓ اور جمع عثمانؓ میں فرق

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

---

❶ یہاں تک کا ترجمہ علوم القرآن صفحہ ۱۸۸-۱۹۰ اور تبیان البیان جلد ۱ صفحہ ۷۶-۷۷ کی مدد سے کیا گیا ہے۔ (نسیم)

❷ اس کے لیے دیکھیں صحیح بخاری باب جمع القرآن

"گزشتہ عبارتوں سے ہم جمع ابی بکرؓ اور جمع عثمانؓ کے درمیان فرق کو جان سکتے ہیں وہ یہ کہ عہد صدیقی میں جمع قرآن سے مراد قرآن پاک کا ایک ایسے نسخے میں آیات کو مرتب کر کے نقل کرنا اور جمع کرنا تھا کہ جو پتھر کی سلوں کھجور کی شاخوں اور چمڑے کے ٹکڑوں میں جمع تھا۔ اور اس جمع کا سبب حفاظ کی موت تھا۔"

"اور جمع عثمان سے مراد عہد صدیقی میں مرتب ہونے والے مصحف سے متعدد نسخوں کو لکھنا تھا تاکہ ان کو بلاد اسلامیہ میں بھیجا جائے۔ اور اس جمع کا سبب قرآن (کی مختلف قراءتوں) میں قراء کا اختلاف تھا۔ واللہ اعلم وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

توضیح

اس موقعہ پر جمع عثمانی میں جو طریقہ کار اختیار کیا گیا اس کا جان لینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

جمع عثمانی کا طریقہ کار

علامہ عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"(حضرت عثمانؓ نے جن اصحاب کو مصحف مرتب کرنے پر مقرر فرمایا تھا) ان حضرات نے کتابت قرآن کے متعلق مندرجہ ذیل کام انجام دیئے۔

(۱) حضرت صدیق اکبرؓ کے نسخہ میں سورتیں مرتب نہ تھیں بلکہ آیات مرتب تھیں ان حضرات نے ایک ہی مصحف میں ان سورتوں کو ترتیب کے ساتھ لکھا۔

(۲) قرآن کریم کو اس طرح لکھا کہ تمام متواتر قراءتیں اس میں سما جائیں اس لئے اس پر نقطے اور حرکات یعنی زیر زبر پیش نہ لگائی گئیں تاکہ اس کو تمام متواتر قراءتوں میں پڑھا جا سکے۔

(۳) اب تک فقط عہد صدیقی کا تیار کردہ وہی ایک نسخہ ہی امت کا اجتماعی نسخہ تھا۔ ان حضرات نے نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں۔ مشہور تو یہ کہ وہ پانچ تھے لیکن علامہ سجستانیؒ نے فرمایا کہ وہ کل سات تھے ایک ایک نسخہ مکہ اسی طرح ایک شام ایک بحرین ایک کوفہ ایک بصرہ ایک یمن اور ایک مدینہ منورہ میں محفوظ کر لیا گیا۔

(۴) اس مصحف کی تیاری میں اگرچہ مصحف صدیقی ہی سامنے رہا لیکن ان لوگوں نے بھی وہی طریقہ کار اختیار کیا کہ جو عہد صدیقی میں کیا گیا تھا۔ لہٰذا جن صحابہ کرام کے پاس عہد نبوی کی متفرق قرآن کے متعلق تحریریں تھیں ان صحابہ کرام کو دوبارہ طلب کیا گیا۔ اور ان تحریروں کے ساتھ از سرنو موازنہ کیا گیا۔ اور یہ نسخہ تیار کیا گیا۔

(۵) اس نسخہ کی تیاری کے بعد حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ کے پاس موجود دیگر انفرادی نسخے نذر آتش کر دیئے۔ تاکہ رسم الخط مسلمہ قراءتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۹۰-۱۹۲ ملخصاً)

سید فضل الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"جمع عثمانی میں مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا گیا۔"

(۱) مصحف میں وہ چیز درج ہو کہ جس کا قرآن ہونا قطعی اور اس کی صحت آنحضرتؐ سے ثابت ہو اور اس کی تلاوت منسوخ نہ ہو۔

(۲) مرتبین حضرات نے حضرت حفصہؓ کے نسخہ کو اصل قرار دیا کہ جو حضرت ابوبکرؓ نے مرتب کروایا تھا۔ تا کہ ان کا نسخہ نسخہ صدیقی کے مطابق ہو جائے۔ اور کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔

(۳) نسخہ صدیقی میں سورتیں الگ الگ تھیں ان حضرات نے ان سب کو ایک ہی مصحف میں لکھا۔

(۴) زائد لغات اور وجوہ کو حذف کر کے لغت قریش پر ہی لکھا۔ اسی لئے قرآن پر نقطے اور اعراب نہ ڈالے۔❶

(احسن البیان جلد ا صفحہ ۷ ملخصاً)

حضرت عثمانؓ کا عظیم الشان کارنامہ

علامہ عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

"حضرت عثمانؓ کے اس کارنامہ کو پوری امت نے بنظر استحسان دیکھا۔ اور تمام صحابہؓ نے اس کام میں ان کی تائید وحمایت فرمائی۔ صرف عبداللہ ابن مسعودؓ کو اس معاملہ میں کچھ رنجش ہوئی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ "عثمان کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو کیونکہ اللہ کی قسم انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں (اور مشورہ سے) کیا۔"❷ (علوم القرآن صفحہ ۱۹۲)

آخر میں ہم سید ابوالحسن شاہ بخاریؒ صاحب کی کتاب "سیرت ذوالنورینؓ" سے حضرت عثمانؓ کی جمع قرآن کے حوالہ سے اس عظیم الشان خدمت کا اختصار کیساتھ تعارف کرواتے ہیں اور کتاب کے چیدہ چیدہ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"سیدنا حضرت عثمانؓ کے کارناموں میں سب سے کارنامہ بلکہ شاہکار اختلاف وتحریف سے کتاب اللہ کی حفاظت اور آفاق میں قرآن کی نشر واشاعت ہے۔ آپؓ نے لغت قریش پر قرآن کو لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع فرمادیا۔"

آگے شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"سیر الصحابہؓ کے فاضل مؤلف جناب مولانا سعید انصاری صاحب تحریر فرماتے ہیں "قرآن مجید کی حضرت عثمانؓ نے جو خدمت کی اس کی حفاظت کا سامان بہم پہنچایا اس کو تحریف وتغیر سے سالم رکھنے کے جو ذرائع اختیار کیے اس کی نشر واشاعت کی جو صورتیں پیدا کیں اس کی کتابت کا جو اہتمام فرمایا آفاق عالم میں اس کی تعلیم کا جو بندوبست فرمایا ان تمام خدمات کے لحاظ سے جو حضرت عثمانؓ تاریخ اسلام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد سب سے بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کتاب الٰہی کو مسلمانوں کے ہاتھ میں جس حسن وخوبی اور جس نظم وربط کے ساتھ دیا اس کی وجہ سے ابد الآباد تک تمام ملت کو شان اسلام کی

❶ اتقان جلد اصفحہ ۱۵۹-۱۶۲ ❷ فتح الباری صفحہ ۱۵ جلد ۹۔

گزریں خلوص و عقیدت کیساتھ ان کے آستانۂ عقیدت پر جھکی رہیں گی۔ یہ کام بانی نوعیت کے لحاظ سے اسقدر اہم اور عظیم الشان تھا کہ جس کی نظیر حضرت ابوبکرؓ کے سوا کسی بزرگ کی سوانح حیات میں نہیں مل سکتی۔ (سیر الصحابہ ج ۲ ص ۱۳۱)

آگے حضرت شاہ صاحبؒ مورخ اسلام قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کی عبارت نقل فرماتے ہیں قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں "امیر المومنین (حضرت) عثمان شہید مظلوم بلحاظ خلافت بڑے کامیاب خلیفہ تھے۔ آج جو کوئی قرآن مجید پڑھ رہا ہے اس پر جامع قرآن (حضرت عثمانؓ) کا احسان ہے۔ (رحمۃ للعالمین ص ۱۲۰ حاشیہ)

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ سمتن کتاب میں مذکورہ حضرت حذیفہ بن الیمان والی روایت کو نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "جہاں جمع قرآن کی سعادت عظمیٰ کا شرف حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کو حاصل ہے وہاں اختلاف و تحریف سے اس کی حفاظت اور آفاق عالم و ممالک اسلامیہ میں گھر گھر اس کی اشاعت کا سہرا سیدنا حضرت عثمان امام مظلومؓ کے سر پر ہے۔ امت محمدیہ پر آپؓ کا یہ وہ احسان ہے جس کے بار گراں سے قیامت تک امت محمدیہ کا سر جھکا رہے گا۔ اور وہ (اس احسان سے) کبھی سبکدوش نہیں ہو سکے گی۔

دنیا میں جب تک قرآن پڑھا جائے گا حضرت عثمانؓ کے اس احسان کا ہر قاری قرآن کو احساس رہے گا۔ اور اس کے دل میں آپ کی محبت و مودت کا دریا موجزن رہے گا۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

"آپؓ کے عظیم تر مناقب و حسنات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے تمام امت کو ایک قراءت پر جمع کر دیا۔"

واقدیؒ اور دیگر حضرات نے اپنی سند کیساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف لکھوائے تو حضرت ابو ہریرہؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"آپ نے ٹھیک کیا اور آپ کو حق کی توفیق نصیب ہوئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپؐ فرماتے تھے .... "میری امت میں مجھ سے محبت میں زیادہ شدید وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہ ہوگا۔ "یعملون بما فی ورق المعلق" "جو کچھ مجلد اوراق میں ہے اس پر عمل کریں گے۔"

میں خیال کرتا تھا کہ "ورق معلق" سے کیا مراد ہوگا؟ یہاں تک (اب) میں نے مصاحف کو دیکھا (کہ جو معلق اوراق میں لکھے ہوئے ہیں) حضرت عثمانؓ کو یہ بات بہت پسند آئی۔ آپؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔"

پھر باقی مصاحف کی طرف جو لوگوں کے پاس تھے اور حضرت عثمانؓ کے لکھوائے ہوئے مصحف کے خلاف تھے۔ حضرت عثمانؓ متوجہ ہوئے اور وہ جلا دیئے۔

"لئلا یقع بسببہ اختلاف" ❶ تاکہ ان کے سبب اختلاف نہ ہو۔ (سیرت ذی النورین ص ۲۰۶۔۲۱۲ ملخصاً)

---

❶ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۱۶

الفصل الخامس

النسخ في القرآن الكريم

وحكمته التشريعيّة

جاءت الشريعة الإسلامية الغرّاء محققة لمصالح الناس، متمشية مع تطور الزمن، صالحة لكل زمان ومكان، وكان من رحمة الله تبارك وتعالى بعباده أن سنّ لهم سنة "التدرج في الأحكام" لتبقى النفوس على تمام الاستعداد لتقبل تلك التكاليف الشرعية برضى وقناعة وطمأنينة، فلا تشعر بملل أو ضجر، ولا تشعر بمشقة أو شدة، ولتظل الشريعة الغراء كما أرادها المولى جل وعلا، شريعة سمحة سهلة يسيرة، لا عسر فيها ولا تعقيد ولا شطط فيها ولا إرهاق، تحقيقاً لقوله تعالى: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ وقوله جل ثناؤه: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ﴾ الآية.

ومن المعلوم أن الأحكام ما شرعت إلا لمصلحة العباد، وهذه المصلحة تختلف باختلاف الزمان والمكان، فإذا شرع حكم في وقت من الأوقات، وكانت الحاجة ملحة إليه، ثم زالت تلك الحاجة، فمن الحكمة نسخه وتبديله بحكم يوافق الوقت الآخر، فيكون هذا التبديل والتغيير محققاً للمصلحة مؤدياً للغاية نافعاً للعباد، وما مثل ذلك إلا كمثل الطبيب الذي يغير الأغذية والأدوية للمريض باختلاف الأمزجة والقابلية والاستعداد.

والأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم هم أطباء القلوب ومصلحو النفوس، لذلك جاءت شرائعهم مختلفة تبعاً لاختلاف الأزمنة والأمكنة وجاءت سنة التدرج في الأحكام لأنها بمثابة الأدوية والعقاقير للأبدان، فما يكون منها في وقت مصلحة قد يصبح في وقت آخر مفسدة، وما يصلح لأمة لا يصلح لأخرى، وتلك هي حكمة العليم الحكيم، الذي شرع لكل زمان ما يصلح له.

كلمة لطيفة في النسخ للقاسمي

وجدت في التفسير المسمى "محاسن التأويل" للشيخ جمال الدين القاسمي كلمة بديعة ننقلها هنا بحذافيرها بقول الشيخ رحمه الله.

إن الخالق تبارك وتعالى ربّى الأمة العربية في ثلاث وعشرين سنة تربية تدريجية لا تتم لغيره

تیس سے پچاس سال تک کا آدمی۔ مستنکر: ناپسندیدہ، ناگوار، برا۔ تمرّد: بپھرنا، شوخ ہونا، باغی ہونا۔ مسکۃ: عقل، رائے۔ رقی: ترقی۔ شبوبیت: جوانی۔ کہولت: بڑھاپا۔ انطباق: چسپاں ہونا، فٹ ہونا، جوڑ کھانا، میل کھانا۔ مجافات: بے مروتی، بدسلوکی۔ کہان: کاہن کی جمع، نجومی، جوتشی، مذہبی پیشوا، یہود و نصاریٰ کا مذہبی عالم، راہب، پروہت، پنڈت، سادھوؤں کا مرشد وغیرہ۔ تعقید: الجھن۔ شطط: زیادتی، ظلم، حد سے تجاوز۔ ارھاق: بے جا پریشانی میں ڈالنا۔

ترجمہ: (مؤلف فرماتے ہیں)

"(یہ) روشن شریعت اسلامیہ لوگوں کے فوائد (و منافع و مصالح) کو ثابت کرنے والی اور زمانے کے بدلتے حالات کے ساتھ ساتھ چلنے والی (اور ہم آہنگ بن کر) اور ہر زمان و مکان کے لائق (و مناسب) بن کر آئی ہے اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت (اور کرم) ہے کہ اس نے بندوں کے لئے "(شرعی) احکام میں تدریج" کے طریقہ کو مقرر کیا۔ تاکہ (انسانی) نفوس (اور انسانی عقلیں اور اعمال کے دواعی) ان شرعی تکالیف (اور احکام الٰہیہ و پیغامات ربانیہ) کو (پوری) رضا (و رغبت) اور سیر چشمی اور (ظاہری و باطنی، عقلی و نفسانی) اطمینان (و سکون اور بے فکری) کے ساتھ قبول کرنے کے لئے کامل (اور مکمل) استعداد (و صلاحیت) پر باقی رہیں۔ اور وہ (کسی قسم کی) آزردگی (اور اکتاہٹ) اور گھٹن (اور اچاٹ پن) محسوس نہ کریں اور نہ ہی وہ (کسی قسم کی) تکلیف اور تنگی کا احساس (ہی) کریں۔ اور تاکہ یہ شریعت غرا (روشن شریعت) جیسا کہ اللہ جل جلالہ کا ارادہ (اور مشیت) ہے (ایک) نرم و سہولت والے احکام والی، سہولت والی آسان شریعت بن کر باقی رہے کہ جس میں کوئی تنگی، الجھن، زیادتی اور بے جا کی تکلیف نہ ہو۔ (اور احکام شریعت میں فطری تدریج اور درجہ بندی) اس ارشاد خداوندی (جل جلالہ کی حقیقت کو) ثابت کرنے کے لئے (ہے)

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ (البقرۃ: ۱۸۵)

"اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری۔" (تفسیر عثمانی)

اور (مزید اس) ارشاد الٰہی جل شانہ (کی حقیقت کو بھی ثابت کرنے کے لئے ہے۔)

وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم۔ (الحج: ۷۸)

"اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل، دین تمہارے باپ ابراہیم کا۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

اور یہ بات (ہر ایک عاقل و بالغ کو) معلوم ہے کہ احکام بندوں کی مصلحت (اور دینی و دنیاوی و اخروی فوائد و منافع) کے لئے ہی مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور (بندوں کی ہر جہت) مصلحت زمان و مکان کے بدلتے رہنے سے بدلتی رہتی ہے۔ پس جب کسی ایک وقت میں (پہلے زمانہ میں) ایک حکم مقرر کیا جاتا ہے تو (کوئی نہ کوئی ظاہری و باطنی) ضرورت (و حاجت) اس (کے مقرر کرنے) کی طرف مجبور کرتی ہے (کہ جو اس وقت کے مناسب ہوتی ہے) پھر (وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ) وہ حاجت

(اور ضرورت باقی رہتی ہے اور) رفع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس (پہلے والے) حکم کو اپنے علم کے ساتھ منسوخ کرتا اور تبدیل کرتا کہ جو اس دوسرے وقت کے مناسب ہو (یہ) حکمت (الٰہیہ) میں سے ہے۔ پس (احکام میں) یہ تبدیلی اور ردو بدل (بندوں کی) مصلحت (و منفعت) کو ثابت کرنے والی (غرض و) غایت (و مراد و مقصود) تک پہنچانے والی اور بندوں کے لئے نافع ہوگی۔ اس کی مثال اس طبیب کی مثال ہی کی طرح ہے۔ کہ جو مریض کی غذاؤں اور دواؤں میں مزاجوں قابلیت اور استعداد کے مختلف (ہونے کے اعتبار) سے تبدیلی کرتا رہتا ہے (اور ہر مریض کو اس کی مرض کے حساب سے دوا اور غذا تجویز کرتا ہے) اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شریعتیں مختلف (ادوار میں مختلف قوموں کے لئے مختلف) ہیں۔ اور وہ احکام میں تدریج کے طور پر آتی ہیں کیونکہ یہ (روحانی امراض کے علاج میں) بدن (کے امراض) کے دواؤں کے بمنزلہ ہیں۔

تو شریعت کا ایک حصہ ایک وقت میں (اگر بندوں کے لئے) مصلحت (اور ان کے لئے مفید) ہوتا ہے تو (وہی حکم) ایک دوسرے وقت میں (ان کے لئے) مفسد (اور نقصان دہ) ہوتا ہے۔ اور جو بات ایک امت کے لئے درست ہوتی ہے۔ (ہو سکتا ہے کہ) وہ کسی دوسری امت کے لئے مناسب نہ ہو۔

یہی اس علیم و حکیم ذات کی حکمت ہے کہ جس نے ہر زمانہ (اور ہر امت) کے لئے وہی مقرر کیا کہ جو ان کے مناسب ہے۔

نسخ کے بارے میں (علامہ) قاسمی کی (ایک نہایت) دلچسپ بات

شیخ جمال الدین القاسمی کی تفسیر "محاسن التاویل" میں ایک نہایت عمدہ بات آئی ہے ہم اس کی خوبی کی وجہ سے اس کو (یہاں اپنی کتاب میں) نقل کرتے ہیں۔ شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

> "خالق تبارک و تعالیٰ نے امت عربیہ کی تئیس سال (کے عرصہ) میں ایسی تدریجی تربیت کی کہ دوسرے اجتماعی عوامل کے ذریعے اس امت عربیہ کی تربیت نہ ہو سکتی مگر کئی صدیوں میں (جا کر ہوتی) اسی لئے انتساب پر احکام ان کی قابلیت کے اعتبار سے تھے اور جب امت کی تربیت ترقی پا گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم پہلے سے تبدیل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ (تحویل) سنت افراد اور امتوں سب کے لئے برابر ہے۔"

چنانچہ اگر تو زندہ کائنات میں (غور و تدبر کی) نگاہ ڈالے تو نسخ کو مادی اور ادبی دونوں قسم کے امور میں (تدریجی تربیت میں اور قابلیتوں اور استعدادوں کے ارتقاء میں) ایک محسوس طبعی قانون (کے طور پر) پائے گا۔

لہذا تجھے انسانی خلیہ (یعنی Cell) کا جنین (کی حالت) میں منتقل ہونا پھر بچوں کی طرف پھر بچپن کی طرف پھر جوانی اور پھر ادھیڑ عمر کی طرف اور پھر (آخر میں) بڑھاپے (و ضعیفی) کی طرف (منتقل ہوتے چلے جانا) اور ان ادوار کے پیچھے آنے والا ہر دور تجھے ایک واضح (اور روشن) دلیل کے ساتھ یہ بات دکھانے (اور بتانے) کو ہے کہ "(اس) کائنات میں "(تدریجی اور ارتقائی) تبدیلی (ایک) طبعی (اور) ثابت شدہ (حقیقت اور) قانون ہے۔

اور جب یہ (تدریجی) تبدیلی (امور تکوینیہ میں) اس کائنات (کے جملہ عوامل و حوادث) میں کوئی (انوکھی، نرالی اور ان ہونی بلکہ) بری بات نہیں، تو (بھلا) ایک امت میں ایک حکم کو دوسرے کے ساتھ منسوخ کر دینا اور بدل دینا کیسے برا ہو سکتا ہے جبکہ وہ امت ابھی ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف نشو (ونما پانے) اور تدریج (کی تربیت) کی حالت میں ہے۔ کیا کوئی عقل مند آدمی یہ رائے رکھ سکتا ہے کہ عربوں کو ان کے ابتدائی دور میں ہی ان باتوں کا مکلف بنانا کوئی حکمت کی بات ہوتی کہ جن کے ساتھ متصف ہونا انہیں اس وقت لازم ہوتا کہ جب وہ انسانی ترقی کے انتہاء پر ہوتے اور کمال بشری کی نہایت پر ہوتے۔ ❶

اور جب یہ بات کوئی موجود عاقل نہیں کہہ سکتا تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات کیسے زیب ہوتی کہ جو احکم الحاکمین ہے کہ وہ امت کو ان باتوں کا مکلف بناتا جبکہ وہ ابھی دور طفولیت میں ہی ہے کہ جن کی وہ اپنے دور شباب اور پختگی عمر کے زمانہ میں ہی متحمل ہو سکتی تھی۔

(اب آپ ہی بتلائیں کہ) دونوں میں سے کون سی بات بہتر ہے؟

آیا وہ شریعت کہ جس کی حدود کو ہمارے لیے خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا اور اپنے علم سے اس میں سے جو چاہا اسے منسوخ کر دیا۔ اور اس کو اس طور پر پورا کیا کہ جن وانس میں کوئی بھی اس بات کی استطاعت نہیں رکھتا کہ وہ (اس شریعت کے) ہر زمان و مکان پر منطبق کرنے میں اور احوال انسانیہ میں سے کسی حال میں بھی اس کے نامناسب نہ ہونے میں کسی حرف کی بھی کمی کر سکے۔

یا وہ دوسری (آسمانی) شریعتیں کہ جن کو ان کے مذہبی پیشواؤں (اور راہبوں اور پادریوں) نے بدل ڈالا اور موجودہ زندگی نے ان کے احکام کو منسوخ کر دیا وہ اس طرح کہ انسانی زندگی کی ہر طرح کی ضروریات کے منافی ہونے کی وجہ سے (اب) ان پر عمل کرنا ناممکن ہے۔" ❷

توضیح

نسخ کے بارے میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری تحریر فرماتے ہیں:

"احکام شرعیہ کی مثال طبیب کے نسخہ جیسی ہے طبیب کی تشخیص اپنی جگہ بدستور رہتی ہے لیکن مریض کی حالت بدلتی رہتی ہے اور موسم اور آب و ہوا میں بھی فرق آتا رہتا ہے ان بدلے ہوئے حالات میں اگر کوئی حاذق طبیب اپنے نسخہ کے اجزاء میں مناسب ترمیم کرے تو یہ اس کی جہالت نہیں بلکہ اس کی مہارت اور حذاقت کی دلیل ہے۔ اسی طرح قرآن کے بعض احکام کے نسخ کے یہ معنی ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ عالم الغیب نے معین وضع قانون کے وقت چھاٹی

❶ یعنی ان عربوں کو شریعت کے ابتدائی دور میں ہی ان باتوں کا مکلف بنا دیا جاتا کہ جو ان میں شریعت کے کمال و پختگی پر پہنچ جانے کے بعد پیدا ہوتیں۔ کیا یہ بات حکمت کی تھی؟ (حسیم)

❷ دیکھئے "محاسن التاویل" شیخ جمال الدین القاسمی ۲/۲۱۹

وقتی حکمت و مصلحت کے پیش نظر بعض قوانین عارضی رکھے تھے، ان کی میعاد ختم ہونے کے بعد ان کی جگہ دوامی قوانین رکھ دیئے۔ (آثار خیر از صفحہ ۱۱۳-۱)

حضرت علامہ عبدالحق صاحب حقانی تحریر فرماتے ہیں:

"نسخ کے کوئی یہ معنی نہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ کو اول میں نہ معلوم ہوا پھر بعد میں سمجھا جیسا کہ بعض پادری الزام لگاتے ہیں یا احکام جن کو ہم منسوخ کہتے ہیں (یہ) موقت تھے۔ لیکن ان کا حکم ایک وقت تک تھا اور جب مصلحت مقتضی ہوئی تو یہ حکم دور کر دیا اور کیوں نہ ہو کہ احکام مصلحت پر مبنی ہیں اور مصالح بدلتی رہتی ہیں۔" (تفسیر حقانی جلد ا صفحہ ۱۰ مقدمہ)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی عیسائیت پر رد کرتے ہوئے نسخ کی تعریف اپنے انداز میں کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"نسخ اصطلاحی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ پہلے خدا نے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دے دیا مگر اس کا انجام خدا کو معلوم نہ تھا پھر خدا کی رائے اس کے خلاف قائم ہوئی پھر پہلے حکم کو ختم کر دیا کہ خود بخود (اس سے) خدا کا جاہل ہونا لازم آئے گا۔ یا پہلے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا پھر ان ہی تینوں باتوں میں اتحاد کے باوجود منسوخ کر دیا۔ اگرچہ ہم یہ نہیں کہ خدا کو تمام معلوم تھا تب بھی اس سے خدا کی ذات میں قباحت کی نسبت لازم نہیں آتی۔ چنانچہ العیاذ باللہ ہمارے نزدیک ایسا نسخ جائز نہیں ہے اللہ کی شان اس عیب سے بلند و بالا ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ خدا کو پہلے سے یہ بات معلوم تھی کہ یہ حکم انسانوں پر فلاں وقت تک باقی رہے گا۔ پھر منسوخ کر دیا جائے گا۔ پھر جب وہ وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرا حکم بھیج دیتا ہے۔ جس سے کوئی زیادتی یا بالکل ختم ہو جانا معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ درحقیقت یہ پہلے حکم کی مدت اور انتہا کا بیان ہے مگر چونکہ بندوں کے سامنے پہلے حکم میں وقت کی انتہا کا ذکر نہیں کیا گیا اس لئے دوسرے حکم کے آنے پر ہم اپنی کوتاہی کی وجہ سے یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ حکم میں تبدیلی ہو گئی ہے۔"

بالکل یہ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آپ کسی کو ایک کام کے لئے ایک سال تک کی مدت کے لئے ملازم رکھتے ہیں مگر ملازم کو اس کی خبر نہیں دیتے۔ اب سال کے بعد ملازم آپ کی نیت سے باخبر نہ ہونے کی وجہ سے اس کو تبدیلی سمجھے گا۔ لیکن آپ کے نزدیک یہ ہرگز تبدیلی نہیں۔

پس نسخ کی معنی کے لحاظ سے نہ تو خدا اور نہ ہی اس کی کسی صفت کے متعلق اختلاف لازم آتا ہے۔ پس جس طرح چار موسموں کی تبدیلی میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ اور رات دن کی تبدیلی انسانی احوال تنگی و فراخی صحت و بیماری افلاس و دولت، صحت و غیرہ میں بھی بے شمار حکمتیں ہیں۔ خواہ ہمیں ان کا علم ہو یا نہ ہو اسی طرح احکام کے نسخ میں بھی خدا کی بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں مکلفین کے لئے زمان و مکان کے مناسبت سے پیش نظر ہوتی ہیں۔

جیسے کوئی ماہر طبیب و حکیم دواؤں اور غذاؤں میں تبدیلی کرتا رہتا ہے جس کا منشاء مریض کے حالات اور دوسرے عوامل ہوتے ہیں۔ اور حکیم کے پیش نظر جو مصلحتیں ہوتی ہیں اس کی بناء پر کوئی عقل مند بھی حکیم کے فعل کو بیکار اور اس حکیم کو فضول اور نامعقول نہ کہے گا۔ پھر کوئی سمجھدار انسان اس حکیم مطلق کی نسبت جو اپنے قدیم ازلی و ابدی علم کی بدولت اشیاء کے تمام احوال کو جانتا ہے یہ تصور کیسے کرسکتا ہے؟ (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۱۷۱-۱۷۳ ملخصاً و بتصرف)

حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

"علوم القرآن میں ایک اور اہم بحث ناسخ و منسوخ کی ہے۔ یہ بحث بڑی پہلودار اور طویل الذیل ہے نسخ کا مطلب رائے کی تبدیلی نہیں ہوتا بلکہ ہر دور میں اس زمانے کے مناسب احکام دیئے جاتے ہیں۔ ناسخ کا کام یہ نہیں ہوتا کہ وہ منسوخ کو غلط قرار دے۔ بلکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے حکم کی مدت نفاذ متعین کردے اور یہ بتلادے کہ پہلا حکم جتنے زمانے تک نافذ رہا اس زمانہ کے لحاظ سے تو وہی بہتر تھا۔ لیکن اب حالات کی تبدیلی کے اعتبار سے ایک نئے حکم کی ضرورت ہے۔ جو شخص بھی سلامت فکر کے ساتھ غور کرے گا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ تبدیلی حکمت الٰہیہ کے عین مطابق ہے۔ اور اسے کسی بھی اعتبار سے کوئی عیب نہیں کہا جاسکتا۔ حکیم وہ نہیں کہ جو ہر قسم کے حالات میں ایک ہی نسخہ پلاتا رہے۔ بلکہ حکیم وہ ہے کہ جو مریض اور مرض کے بدلتے ہوئے حالات پر بالغ نظری سے غور کرکے نسخے میں ان کے مطابق تبدیلیاں کرتا ہے۔

اور یہ بات صرف شرعی احکام کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے کائنات کا سارا کارخانہ اسی اصول کی بنیاد پر چل رہا ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے موسموں میں تبدیلیاں کرتا رہتا ہے کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی بہار، کبھی خزاں، کبھی برسات، کبھی خشک سالی یہ سارے تغیرات اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے عین مطابق ہیں۔ اگر کوئی شخص سے "بداء" قرار دے کر اس پر یہ اعتراض کرنے لگے کہ اس سے معاذ اللہ تعالیٰ اللہ کی رائے میں تبدیلی لازم آتی ہے کہ اس نے ایک وقت میں سردی کو پسند کیا پھر بعد میں اس پر یہ غلطی واضح ہوئی۔ اور اس کی جگہ گرمی بھیج دی تو اسے احمق کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے بعینہٖ یہی معاملہ شرعی احکام کے نسخ کا ہے اسے "بداء" قرار دے کر کوئی عیب سمجھنا انتہا درجہ کی کوتاہ نظری اور حقائق سے بیگانگی ہے۔ (علوم القرآن ۱۵۹-۱۶۱ ملخصاً)

تعریف النسخ لغة و اصطلاحا:

النسخ لغة: یأتی بمعنی الازالة' تقول العرب: نسخت الشمس الظل - ای: ازالته - ومنه قوله تعالیٰ: ﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ﴾ ای: یزیله ویبطله. ویأتی بمعنی النقل من موضع الی موضع' ومنه قولهم: نسخت الکتاب' ای: نقلت ما فیه الی کتاب آخر' ومنه قوله تعالیٰ: ﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ویأتی بمعنی التبدیل ومنه قوله تعالیٰ: ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ﴾ و بمعنی التحویل' ومنه تناسخ المواریث من واحد الی واحد' هذا من حیث اللغة.

وأما في الشرع: فهو انتهاء الحكم و تبديله بحكم آخر..... وقد عرفه الفقهاء والأصوليون بتعريفات كثيرة نختار منها أخصرها وأجمعها، وهو ما قاله ابن الحاجب حيث قال في تعريفه رحمه الله.

((النسخ هو رفع الحكم الشرعي بدليل شرعي متأخر))

قال الله تعالى في كتابه العزيز: ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

نسخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

ترجمہ: (مولف کتاب فرماتے ہیں)

لغت میں نسخ "ازالہ" کے معنی میں آتا ہے عرب کہتے ہیں۔ نسخت الشمس الظل (سورج نے سایہ کو ختم کر دیا) یعنی "ہٹا دیا" (مٹا دیا) اسی معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول

﴿فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ﴾

"شیطان جو وسوسے ڈالتا ہے اللہ اس کو مٹا دیتے ہیں۔" یعنی اس کو دور کر دیتے ہیں اور باطل کر دیتے ہیں۔

اور یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اسی معنی میں عربوں کا یہ قول ہے: نسخت الکتاب (میں نے کتاب کو نقل کیا) یعنی اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو دوسری کتاب میں منتقل کر دیا۔ اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

"ہم لکھ لیتے ہیں جو کچھ تم کرتے تھے۔"

اور یہ "تبدیل" کے معنی میں بھی آتا ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا (یہ) قول ہے۔

﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ﴾

"اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت کو بدل دیتے ہیں۔"

اور یہ تحویل کے معنی میں (بھی) آتا ہے اور اسی سے ہے ترکوں کا ایک سے دوسرے کی طرف جانا اور (ایک کی جگہ دوسرے کا ترکہ لینا ہے)

یہ (تمام معانی) باعتبار لغت کے ہیں۔

رہا اس کا شرعی (اور اصطلاحی) معنی تو وہ ایک حکم کا دوسرے حکم کے ذریعے ختم کرنا اور تبدیل کرنا ہے۔ جو فقہاء اور علماء اصول نے اس کی بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ ہم ان میں سے سب سے مختصر اور جامع (مانع) تعریف کو لیتے ہیں کہ جو ابن حاجب نے کی

(۴) عام کو خاص بنا دیا جائے۔

(۵) منصوص میں اور جس کو اس پر ظاہراً قیاس کیا گیا ہے کوئی فرق بیان کر دیا جائے۔

(۶) جاہلیت کی رسم کو مٹا دیا جائے۔

(۷) پہلی شریعت کو اٹھا دیا جائے۔

پس ان عام معانی کے لحاظ سے نسخ کا اطلاق بہت سی آیات پر ہو سکتا ہے اس لئے علماء نے پانسو آیات کو منسوخ شمار کیا ہے۔ لیکن متاخرین نے جب نسخ کے معنی میں خوب غور کیا۔ تو خاص اول معنی کو باقی رکھا۔ پس اس اعتبار سے آیات منسوخہ بہت ہی کم ہیں۔ (تفسیر حقانی جلد ا صفحہ ۱۵۳-۱۵۴ مقدمہ ملخصاً)

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری فرماتے ہیں۔

معنی نسخ:

لغت میں نسخ کے دو معنی ہیں۔

(۱) نقل (اس کی مثال) نسخ الکتاب (اس نے کتاب کو نقل کیا)

(۲) رفع وازالہ (اس کی مثال) نسخت الشمس الظل (سورج نے سایہ دور کر دیا)

اور اصطلاح شریعت میں نسخ کہتے ہیں کسی حکم مطلق عند الناس کی مدت بقاء کی تعیین عند اللہ کا ظاہر کر دینا۔ عام ہے کہ پہلے حکم مرفوع کی جگہ جدید حکم ہو جائے یا نہ آگے تحریر فرماتے ہیں۔

وتفسیر النسخ لغة التبدیل و شریعة بیان انتهاء الحکم الشرعی المطلق الذی تقرر فی اوهامنا استمراره بطریق التراخی فکان تبدیلا فی حقنا و بیانا محضا فی حق صاحب الشرع اهـ

(مدارک) (آثار خیر ص ۱۱۱)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی فرماتے ہیں:

نسخ: کے لغت میں معنی زائل کرنا، مٹا دینا ہیں۔ مسلمانوں کی اصطلاح میں کسی عملی حکم کی مدت کی انتہاء کو بیان کرنا ہے جو تمام شرائط کو جامع ہو (یہ) نسخ کہلاتا ہے۔ (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۱۷۱)

حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

نسخ: کے لغوی معنی ہیں (مٹانا، ازالہ کرنا) اور اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے

رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی.

کسی حکم شرعی کو کسی شرعی دلیل سے "ختم" کر دینا۔

مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ سے زمانے کے حالات کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ فرماتا ہے پھر کسی دوسرے

زمانہ میں اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس حکم کو ختم کر کے اس کی جگہ کوئی نیا حکم عطا فرما دیتا ہے اس عمل کو "نسخ" کہا جاتا ہے اور اس طرح جو پہلا حکم ختم کیا جاتا ہے اس کو "منسوخ" اور جو نیا حکم آتا ہے اس کو "ناسخ" کہتے ہیں۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۵۹ بلفظہ)

سبب النزول لآية النسخ:

روي أن اليهود قالوا لبعضهم البعض: ألا تعجبون من أمر محمد؟ يأمر أصحابه بأمر ثم ينهاهم عنه ويأمرهم بخلافه، ويقول اليوم قولا ويرجع عنه غدا، فما هذا القرآن إلا من كلام محمد، يقوله من تلقاء نفسه، ويناقض بعضه بعضا؟

فنزلت الآية الكريمة ردا على سفههم وجهلهم، بقوله تقدست أسماؤه: ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾

ومعنى ﴿نُنسِهَا﴾ هو ما قاله ترجمان القرآن ابن عباس: أي نتركها فلا نبدلها، ولا ننسخها

وقيل: هو من النسيان، بمعنى الترك أي نتركها بدون تبديل.

ترجمہ: آیت نسخ کے نزول کی وجہ:

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

روایت کیا جاتا ہے کہ یہود ایک دوسرے سے کہنے لگے "کیا تمہیں محمد (ﷺ) کے معاملہ پر تعجب نہیں (ہوتا)؟ (کہ وہ اپنے اصحاب کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں پھر (تھوڑا عرصہ نہیں گزرتا کہ) اس سے منع (بھی) کر دیتے ہیں۔ ایک دن ایک بات کرتے ہیں دوسرے دن اس سے پھرے ہوتے ہیں۔ پس (معلوم ہوا کہ) یہ قرآن کچھ نہیں مگر محمد (ﷺ) کے کلام میں سے ہے جسے وہ اپنی طرف سے کہتے ہیں۔ اور اس کلام کا بعض بعض کے مخالف ہے؟

تو (اس پر یہ) آیت کریمہ ان کی جہالت اور حماقت (وسفاہت) پر رد کرتے ہوئے اللہ جل جلالہ (کہ اس کے تمام نام ہر عیب سے خالی ہیں) کے اس قول کے ساتھ نازل ہوئی۔

(ارشاد باری تعالیٰ ہے:)

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ [1]

اور ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ نے "ننسها" کا جو معنی بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے یعنی "ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور تبدیل نہیں کرتے اور منسوخ نہیں کرتے۔" اور یہ (بھی) کہتے ہیں کہ یہ "نسیان" سے "ترک" کے معنی میں (مشتق) ہے یعنی "ہم اس کو تبدیل کئے بغیر چھوڑ دیتے ہیں۔"

---

[1] دیکھئے روح المعانی للآلوسی ۱/۳۵۳ اور تفسیر الکشاف ۱/۱۷۶۔

توضیح:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری تحریر فرماتے ہیں۔

یہود کا طعن نسخ سے قرآن کا انکار

"حکم تحویلی کا جواب بیان مصلحت و حکمت نسخ"

یہود نامسعود نے تحویل قبلہ کے وقت قرآن مجید کی حقانیت پر طعن کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس قسم کے طعن میں مشرکین عرب بھی شریک ہو گئے۔

طاعنین کا یہ کہنا تھا کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو آج ایک بات کا حکم دیتے ہیں اور پھر بعد میں اس کو بدل دیتے ہیں یا اس سے منع کر دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ قرآن و شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ان کا بنایا ہوا ہے۔ اس قسم کی باتوں سے ان کا مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں شبہ ڈال دیں کہ تم جو کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے ہم پر نازل شدہ سب خیر ہے تو اس کے منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ اگر پہلا حکم خیر تھا تو دوسرا شر ہوگا اور اگر دوسرا حکم خیر ہے تو پہلا شر ہوگا۔ اور وحی الٰہی کا شر ہونا محال ہے لہٰذا قرآن کا وحی ہونا ناممکن ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ما ننسخ الی آخرہ۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ نسخ کے معنی تبدیلی خیر بالشر نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے وقت اور مصالح کے اعتبار سے ناسخ و منسوخ دونوں ہی خیر ہیں۔ (آثار خیر صفحہ ۱۱۰-۱)

حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں

نسخ کا عقلی و نقلی ثبوت:

یہودیوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں "نسخ" نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اگر "نسخ" کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے "معاذاللہ" یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی رائے میں تبدیلی کر لیتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر احکام الٰہی میں ناسخ و منسوخ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک حکم کو مناسب سمجھا تھا بعد میں (معاذاللہ) اپنی غلطی واضح ہونے پر اسے واپس لے لیا جسے اصطلاح میں بداء کہتے ہیں۔

لیکن یہودیوں کا یہ اعتراض بہت سطحی نوعیت کا ہے اور ذرا سا بھی غور کیا جائے تو اس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۵۹-۱۶۰ ملخصاً)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی "او ننسھا" کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ابن کثیر و ابو عمرو نے "ننسأها" نون اول اور سین کے فتح سے ہمزہ کے ساتھ نسأ سے مشتق کر کے پڑھا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے "موخر کر دیتے ہیں حکم کی قوت کو اور اس کی تلاوت کو اٹھا لیتے ہیں" اس تفسیر کے موافق "ننسخ" کے معنی تلاوت و حکم کا اٹھانا ہوں گے یا یہ معنی کہ ہم اس آیت یا اس کے حکم کو مؤخر کر دیتے

ہیں۔ یعنی آپ پر نازل نہیں کرتے۔ اس تفسیر پر کسی آیت کو نازل کرنے کے بعد اٹھا لینا اور نسیاء کے معنی بھلا دینا ہوں گے۔"

اور بعض قراء نے "ننسها" کو نون کے ضمہ اور سین کے کسرہ کے ساتھ "انساء" بھلانا اور "نسیان" بھولنا سے جو حفظ کے بالمقابل ہے پڑھا ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے "ہم آپ کے قلب سے کسی آیت کو محو کرتے ہیں۔"

بعض مفسرین نے فرمایا ہے "ننسها" کے معنی "نترکها" ہیں یعنی چھوڑتے ہیں۔ یہ معنی یہاں درست نہیں کیونکہ آگے "نأت بخير منها" اس پر چسپاں نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۱۰۰–۱۰۱ ملخصاً)

مناسب یہ ہے کہ اس مقام پر نسخ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کو جان لیا جائے۔ گزشتہ صفحات میں اس بارے میں تفسیر عثمانی کی کسی قدر تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم "نسخ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا فرق" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

"لفظ نسخ کے بارے میں علماء متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح میں ایک فرق رہا ہے جسے سمجھ لینا ضروری ہے۔

متقدمین کی اصطلاح میں لفظ "نسخ" ایک وسیع مفہوم کا حامل تھا۔ اس میں بہت سی وہ صورتیں داخل تھیں جو بعد کے علماء کی اصطلاح میں "نسخ" نہیں کہلاتیں۔ مثلاً متقدمین کی اصطلاح میں عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید بھی "نسخ" کے مفہوم میں داخل ہے چنانچہ اگر ایک آیت میں عام الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور دوسری میں انہیں خاص صورت میں مخصوص کر دیا گیا ہے تو علماء متقدمین پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ پہلا حکم بالکلیہ ختم ہو گیا ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا تھا کہ پہلی آیت سے جو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ دوسری آیت سے منسوخ ہو گیا۔

اس کے بعد علامہ دامت برکاتہم دو مثالیں پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"اس کے برخلاف متاخرین کے نزدیک "نسخ" کا مفہوم اتنا وسیع نہیں، وہ صرف اس صورت کو نسخ قرار دیتے ہیں جس میں سابقہ حکم کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو۔ اصطلاح کے اس فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک قرآن کریم میں منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ لیکن متاخرین علماء کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد بہت کم ہے۔ ❶
(علوم القرآن صفحہ ۱۹۰–۱۹۳ ملخصاً)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندی مذکورہ تفصیل کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اسلاف امت نے نسخ کو اسی عام معنی میں لیا ہے جس میں کسی حکم کی پوری تبدیلی بھی داخل ہے اور جزوی تبدیلی قید و شرط یا استثناء وغیرہ کی بھی اس میں شامل ہے اس لئے متقدمین حضرات کے نزدیک آیات منسوخہ پانسو تک شمار کی گئی ہیں۔

حضرات متاخرین نے فقط اسی تبدیلی کا نام نسخ رکھا ہے جس کی پہلے حکم کے ساتھ کسی طرح تطبیق نہ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اس

❶ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۲۔

اصطلاح کے مطابق آیات منسوخہ کی تعداد بہت گھٹ جائے گی۔ اسی کا لازمی اثر یہ تھا کہ متقدمین نے تقریباً پانسو آیات قرآنی میں نسخ ثابت کیا تھا جس میں معمولی سے تبدیلی قید شرط یا استثناء وغیرہ کو بھی شامل کیا تھا اور متاخرین میں علامہ سیوطیؒ نے فقط بیس آیات میں نسخ قرار دیا ہے۔ ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان میں بھی تطبیق پیدا کر کے صرف پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے کہ جن میں کوئی تطبیق بغیر تاویل بعید کے نہیں ہو سکتی۔

یہ امر اس لحاظ سے مستحسن ہے کہ احکام میں اصل بقاء حکم ہے نسخ خلاف اصل ہے اس لئے آیات کے معمول بہا ہونے کی جہاں کوئی توجیہ ہو سکتی ہے اس میں بلا ضرورت نسخ ماننا درست نہیں۔ (معارف القرآن جلد ۱ ص ۲۸۵ ملخصاً)

هل النسخ واقع في الشرائع السماوية؟

النسخ في الشريعة الإسلامية جائز عقلاً' حادث سمعاً' وهو واقع باجماع المسلمين' خلافاً لليهود' فإنهم أنكروا وقوعه' وقالوا: لم يحدث نسخ في الشرائع' لانه يدل على الجهل' والله منزه عن ذلك' ووافقهم على هذا القول ((أبو مسلم الأصفهاني)) فقال: إن النسخ في كتاب الله تعالى لم يحصل' لان الله تعالى قال عن القرآن العظيم: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ فلو جاز النسخ لكان قد أتاه الباطل.

واحتج جمهور العلماء على جواز النسخ ووقوعه' بأن الدلائل القطعية دلت على نبوة محمد ﷺ ... ونبوته عليه السلام لا تصح إلا مع القول بنسخ شرع من قبله' وهذا دليل عقلي. وأما الوقوع فقد قالوا: إن النسخ قد حصل في الشرائع السابقة' وفي نفس شريعة اليهود' فانه جاء في التوراة أن آدم عليه السلام أمر بتزويج بناته من بنيه' ثم قد حرم ذلك باتفاق.

أدلة الجمهور:

استدل الجمهور على وقوع النسخ بحجج كثيرة' نوجزها فيما يلي: الحجة الأولى: ان الله قد صرّح به في الآية الكريمة وهي قوله سبحانه: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ قالوا: فهذه الآية صريحة في وقوع النسخ.

الحجة الثانية: قوله تعالى: ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ قالوا: إن هذه الآية واضحة كل الوضوح في تبديل الآيات والأحكام' والتبديل: يشتمل على رفع حكم' وإثبات آخر' والمرفوع إما التلاوة' وإما الحكم' وكيفما كان الامر فانه رفع ونسخ' وهو ما دلت عليه

الآية الكريمة.

الحجة الثالثة: نسخ القبلة من بيت المقدس؟ إلى البيت الحرام، وهو ظاهر لا يجادل فيه عاقل، فقد كان المسلمون يتوجهون في صلاتهم في بدء الدعوة الإسلامية إلى بيت المقدس، ثم نسخ ذلك الحكم، وأمر النبي ﷺ والمسلمون بالتوجه إلى البيت العتيق في ((مكة المكرمة)) بقوله تباركت أسماؤه: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ الآية

وأخبر تبارك وتعالى بما سيقوله المنافقون، وأهل الكتاب من الطعن في القرآن وفي النبي عليه الصلاة والسلام، بسبب تركهم التوجه إلى بيت المقدس وصلاتهم نحو البيت الحرام، فقال جل عظمته.

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (سورة البقرة)

الحجة الرابعة: أن الله تعالى أمر المتوفى عنها زوجها بالاعتداد أربعة أشهر وعشرة أيام، بقوله سبحانه ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ الآية .

وقد نسخت هذه الآية الحكم السابق وهو أن عدة المتوفى عنها زوجها حول كامل بقوله سبحانه: ﴿وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ﴾ وهذا أمر معلوم عند كل مسلم بأن حكم الاعتداد للوفاة بعام كامل قد نسخ إلى أربعة أشهر وعشرة أيام.

وهكذا يظهر دليل الجمهور، واضحا ساطعا كالشمس في رابعة النهار، بحصول النسخ في الشريعة الإسلامية الغراء، ولا عبرة بقول من أنكر النسخ لمعارضته للنصوص الصحيحة الصريحة.

كلام الإمام القرطبي في جامع الأحكام:

قال العلامة القرطبي في تفسيره: معرفة هذا الباب أكيدة، وفائدته عظيمة، لا يستغني عن معرفته العلماء، ولا ينكره إلا الجهلة الأغبياء، لما يترتب عليه في النوازل من الأحكام، ومعرفة الحلال والحرام، وقد أنكرت طوائف من المتأخرين المنتمين للإسلام جوازه، وهم محجوجون بإجماع السلف على وقوعه في الشريعة ... ثم قال رحمه الله: لا خلاف بين العلماء أن شرائع الأنبياء،

قصد بها مصالح الخلق الدينية والدنيوية' وإنما كان يلزم البداء- أي ظهور الحكمة بعد خفائها- فمن لم يكن عالما بمآل الأمور' وأما العالم بذلك فإنما تتبدل خطاباته' بحسب تبدل المصالح' كالطبيب المراعي أحوال العليل' فراعى ذلك في خليقته بمشيئته وإرادته' لا إله إلا هو' فخطابه يتبدل' وعلمه وإرادته لا تتغير' فإن ذلك محال في جهة الله تعالى. اهـ

ترجمہ: کیا سماوی شرائع میں نسخ ہوتا ہے؟۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

شریعت اسلامیہ میں نسخ (نہ صرف یہ کہ یہ) عقلاً ممکن ہے (اور جائز ہے (اور) سماعی طور پر واقع (بھی) ہے اور (بلکہ یہ) مسلمانوں کے اجماع سے خلاف یہود کے (جائز اور) ممکن ہے کہ یہود نے اس کے وقوع کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "شریعتوں میں نسخ (مرے سے) واقع ہوتا (ہی) نہیں کیونکہ یہ (اللہ تعالیٰ کی ذات پر معاذ اللہ) جہل پر دلالت کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جہل (اور ہر قسم کے عیب سے بری اور) پاک ہے اور ابو مسلم اصفہانی نے (یہودی) اس بات کی موافقت کی ہے چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نسخ حاصل نہیں ہوا (اور موجود نہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ خود قرآن عظیم کے بارے میں (اس بات کی شہادت دیتے ہوئے) فرماتے ہیں۔

لا يأتيه الباطل .... حكيم حميد.

"نہیں باطل آتا اس کے آگے سے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے اتارا ہوا ہے حکمت والے قابل تعریف کئے ہوئے کا۔"

اگر نسخ (مانا) درست ہو تو (گویا) قرآن میں باطل آچکا ہے (اور یوں نہیں ہے لہٰذا قرآن میں نسخ بھی نہیں ہے)

جمہور علماء نے نسخ کے جواز و وقوع پر اس بات سے دلیل پکڑی ہے کہ نا قابل تردید دلائل (حضرت) محمدؐ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اور آپؐ کی نبوت درست نہیں مگر آپؐ سے قبل شریعتوں کے نسخ کے (ماننے کے ساتھ اور اس کے) قول کے ساتھ۔ اور یہ تو (رہی) عقلی دلیل (کہ نسخ عقلاً نہ صرف جائز ہے بلکہ ممکن ہے) اور رہا نسخ کا وقوع تو گزشتہ شریعتوں میں نسخ پایا جاتا رہا ہے اور خود شریعت یہود میں (بھی کہ جو اس کا اس زمانہ میں انکار کرتے ہیں) کیونکہ تورات میں یہ بات آئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کا اپنے بیٹوں کے ساتھ نکاح کر دینے کا حکم کیا پھر یہ بات (تمام امتوں اور شریعتوں میں) بالاتفاق حرام قرار دی گئی۔ ●

توضیح:

اس کی کچھ تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کر دی گئی ہے۔ ہم اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) گزشتہ شریعتوں میں نسخ۔

● اس کے لئے دیکھیں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۶۔

قرآن میں نسخ

حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب مدظلہم اس پر طویل کلام فرماتے ہیں ہم ذیل میں ان کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں: "اس میں (علماء کی) آراء میں کچھ اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں نسخ ہوا ہے یا نہیں اور کیا قرآن میں ایسی آیت موجود ہے کہ جس کی تلاوت تو باقی ہو مگر حکم منسوخ ہو؟ جمہور علماء تو اس کے قائل ہیں مگر معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی اس کو نہیں مانتے ان کے بقول قرآن میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں اور قرآن تمام کا تمام واجب العمل ہے۔ بعض دوسرے حضرات نے ان کی تائید کی ہے اور ہمارے زمانے کے بعض تجدد پسند بھی ان کے پیرو ہوئے ہیں۔ چنانچہ جن آیات میں نسخ ہے یہ حضرات اس کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ جس سے نسخ تسلیم نہ کرنا پڑے۔ لیکن درحقیقت یہ موقف کمزور دلائل پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس اصول کے تسلیم کر لینے کے بعد آیات قرآنیہ کی تفسیر میں ایسی کھینچ تان کرنی پڑتی ہے کہ جو اصول تفسیر کے بالکل خلاف ہے۔

اس بات کے قائلین حضرات کے دلوں میں دراصل یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ "نسخ" ایک عیب ہے کہ جس سے قرآن کو خالی ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہ اخیار وجہ کی کوتاہ نظری ہے پھر عجیب بات یہ ہے کہ ابو مسلم اصفہانی اور ان کے متبعین یہود ونصاری کی طرح فقط قرآن میں نسخ نہ ہونے کے قائل ہیں۔ اور باقی شریعتوں میں نسخ کے قائل ہیں۔ اگر نسخ عیب ہے تو غیر قرآنی احکام میں یہ عیب کیسے پیدا ہو گیا؟ جبکہ وہ بھی اللہ تعالی ہی کے احکام ہیں اور اگر نسخ عیب نہیں تو یہ قرآنی احکام میں کیونکر عیب ہو گیا؟ کہا جاتا ہے کہ یہ بات حکمت الٰہی کے خلاف ہے کہ قرآن میں کوئی آیت محض تبرکاً باقی ہو اور اس پر عمل کرنا واجب نہ ہو یہ نہ جانے کس بنا پر یہ بات حکمت الٰہی کے خلاف قرار دے دی گئی ہے حالانکہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ مثلاً

(۱) اس سے احکام شرعیہ میں تدریج کی حکمت واضح ہوتی ہے۔

(۲) یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے بندوں کو احکام کا پابند بنانے کے لئے کس حکیمانہ طریقے سے کام لیا۔

(۳) نیز احکام شرعیہ کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔

(۴) مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کب کیا واجب تھا؟

(۵) گزشتہ قوموں کے منسوخ شدہ احکام کے ذکر سے عبرت وموعظت حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر قرآن کریم میں بعض منسوخ الحکم آیات کی تلاوت اسی مقصد کے لئے باقی رکھی گئی ہو تو اس میں کون سی بات حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے؟

یا پھر کیا یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالی کے ہر ہر کام میں کیا کیا حکمتیں ہیں؟ جب ایسا دعوی کسی انسان سے بھی درست نہیں تو اللہ تعالی کے کسی کام کو محض اس بنا پر انکار کیسے درست ہے کہ ہمیں اس کی حکمت معلوم نہیں۔ جبکہ دیگر دلائل شرعیہ سے اس کا وقوع ثابت بھی ہو چکا ہے۔

لہٰذا ور حفاظت قرآن میں عدم نسخ کے قائلین حضرات کا بنیادی مفروضہ ہی درست نہیں کہ جس پر انہوں نے اپنے نظریے کی ساری عمارت کھڑی کی ہے انہوں نے قرآنی آیات کو دور از کار معانی اس لئے پہنائے کہ ان کے نزدیک قرآن میں نسخ ایک عیب ہے کہ جس سے وہ قرآن کو خالی دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں۔ اگر ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ نسخ میں حکمت الٰہی ہے تو وہ بھی ان آیات کی دیگر حضرات مفسرین کی طرح عام تفسیر ہی بیان کریں کیونکہ ظاہر اور متبادر تفسیر وہی ہے۔ (علوم القرآن ۱۶۲-۱۶۳ ملخصاً بتصرف)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی تحریر فرماتے ہیں:

"(متاخرین حضرات کا قرآن کی آیات میں نسخ کو کم ماننا) اس کا یہ منشا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مسئلہ نسخ اسلام یا قرآن پر کوئی عیب تھا جس کے ازالہ کی کوشش چودہ سو برس تک چلتی رہی آخری انکشاف حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا ہوا جس میں (تعداد) گھٹتے گھٹتے پانچ رہ گئی۔ اور اب اس کا انتظار ہے کہ کوئی جدید محقق ان پانچ کا بھی خاتمہ کر کے بالکل صفر تک (یہ تعداد) پہنچا دے۔"

مسئلہ نسخ کی تحقیق میں ایسا رخ اختیار کرنا نہ اسلام اور قرآن کی کوئی صحیح خدمت ہے ورنہ ایسا کرنے سے صحابہ و تابعین پھر چودہ سو برس کے علماء متقدمین و متاخرین کے مقالات و تحقیقات کو دھویا جا سکتا ہے اور نہ مخالفین کی زبان طعن اس سے بند ہو سکتی ہے بلکہ اس زمانہ کے ملحدین کے ہاتھ میں یہ ہتھیار دیتا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چودہ سو برس تک تمام علماء امت جو کچھ کہتے رہے ہوں اور آخر میں اس کا غلط ہونا ثابت ہو جائے۔ معاذ اللہ! اگر یہ دروازہ کھلے تو قرآن اور شریعت سے امن اٹھ جائے گا۔ اس کی کیا ضمانت ہے کہ آج کسی نے جو تحقیق کی ہے وہ کل غلط ثابت نہیں ہو جائے گی۔ عصر حاضر کے بعض علماء کی ایسی تحریریں نظر سے گزری ہیں کہ وہ بھی معتزلی ابو مسلم اصفہانی کی طرح نسخ کے نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

لیکن صحابہ و تابعین کی تفسیریں اور پوری امت کے تراجم دیکھنے کے بعد اس کو مدلول قرآنی کہنا کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔ ابن کثیر، ابن جریر وغیرہ نے وقوع نسخ پر استدلال کیا ہے اور اس کی متعدد مثالیں شمار کرائی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امت کے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے بھی (قرآن میں) وقوع نسخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا۔ خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نسخ کی تعداد تو کم بتائی ہے مگر مطلقاً وقوع کا انکار نہیں کیا۔ ان کے بعد علماء اکابر دیوبند یا بشمول سبھی وقوع نسخ کے قائل چلے آئے ہیں۔ ان میں متعدد حضرات کی مستقل یا جزوی تفسیریں بھی ہیں کسی نے بھی نسخ کے وقوع کا انکار نہیں کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (معارف القرآن جلد اول ۲۸۱-۲۸۲ ملخصاً و بتصرف)

اب ہم متن کتاب کا مسلسل ترجمہ کرتے ہیں۔

جمہور کے دلائل:

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

جمہور علماء نے متعدد دلائل سے نسخ کے وقوع پر استدلال کیا ہے۔ اور ہم ذیل میں ان کو اختصار سے درج کرتے ہیں۔

پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ نے (قرآن میں موجود ایک) آیت کریمہ میں نسخ کی تصریح فرمائی ہے اور وہ یہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾

(حضرات علماء کرام) فرماتے ہیں کہ یہ آیت نسخ کے وقوع میں صریح ہے۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَإِذَا بَدَّلْنَا … بِالْحَقِّ (النحل: ۱۰۱-۱۰۲)

"اور جب ہم بدلتے ہیں ایک کی جگہ دوسری آیت اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں تو تو بنا لاتا ہے یہ بات نہیں پر اکثروں کو ان کی خبر نہیں۔ تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے ٹھیک۔" (تفسیر عثمانی)

(علماء اصول وفقہاء کرام) فرماتے ہیں "یہ (مذکورہ بالا) آیت پوری طرح سے (ایک آیت کی جگہ دوسری آیات کی تبدیلی پر دلالت کرنے کے بارے) میں واضح ہے۔

اور "تبدیل" (کا لفظ یہ اپنے معنی مدلول کے اعتبار سے ایک) حکم کے اٹھ جانے اور (اس کی جگہ) دوسرے حکم کے لانے (کی ہر دونوں صورتوں) کو مشتمل ہے اور جو اٹھا دیا گیا ہے وہ یا تو تلاوت ہے (کہ تلاوت اب اس کی نہیں رہی اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ آیت ہی قرآن سے اٹھا لی گئی جیسے کہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے (تسہیل) اور یا حکم ہے (کہ اس کی تلاوت تو باقی ہے لیکن حکم اس کا اٹھا دیا گیا ہے) اور (بہرحال دونوں میں سے) بات جو بھی ہو لیکن یہ ہے تو رفع اور نسخ ہی۔ اور یہی وہ بات ہے کہ جس پر آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔

تیسری دلیل:

بیت المقدس سے بیت الحرام کی طرف قبلہ (کی سمت) کا نسخ یہ ایک (ایسی) ظاہری بات ہے کہ جس میں کوئی عقل مند جھگڑا نہیں کرتا۔ چنانچہ مسلمان اسلامی دعوت کے ابتدا (کی دور میں) اپنی نمازوں میں نبی ﷺ اور (تمام) مسلمانوں کو (اپنی نمازوں میں) اس ارشاد خداوندی (کہ جس کے تمام نام برکت والے ہیں) میں مکۃ المکرمہ میں موجود (خانہ کعبہ کہ جس کو) بیت العتیق (بھی کہتے ہیں) کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا۔

(وہ ارشاد خداوندی یہ ہے)

﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ﴾ (البقرة: ۱۴۴)

"بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف، سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف۔" (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے (نبی ﷺ اور) مسلمانوں کے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کے ترک کرنے اور بیت الحرام (خانہ کعبہ) کی طرف (منہ کرکے) نمازیں پڑھنے کی وجہ سے منافقوں اور اہل کتاب نے قرآن اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو طعنہ زنی کی اس کی خبر دی (اور اس کو قرآن میں ارشاد فرمایا)

چنانچہ اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (البقرة: ۱۴۲)

"اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ۔" (تفسیر عثمانی)

چوتھی دلیل:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیوہ کو چار ماہ دس دن عدت گزارنے کا حکم اپنے اس قول میں دیا۔

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (البقرة: ۲۳۴)

"اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی عورتیں تو چاہیے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن۔" (تفسیر عثمانی)

اور تحقیق کہ اس آیت (کریمہ) نے (ایک) گزشتہ حکم منسوخ کر دیا۔ اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے (اس) قول میں بیوہ کی پورے ایک سال کی عدت تھی۔

(ارشاد باری تعالیٰ ہے)

وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ (البقرة: ۲۴۰)

"تو وہ وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک۔" (تفسیر عثمانی)

اور یہ بات ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ (بیوہ عورت کی) ایک سال کی عدت وفات کا حکم چار ماہ دس دن میں منسوخ ہو گیا ہے۔

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

اور اس طرح جمہور علماء کرام کی روش (اور مسلک) شریعت اسلامیہ میں نسخ کے حاصل ہونے پر دلیل (آفتاب نصف

نہار کی طرح روشن اور واضح بیان کر کے ظاہر ہوتی ہے۔ اور نسخ کے منکر کے قول کا واضح اور صحیح نصوص کے معارض ہونے کی وجہ سے کوئی اعتبار نہیں۔

(نسخ کے بارے میں) امام قرطبیؒ کا (اپنی تفسیر) "جامع الاحکام" میں کلام:

علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "اس (نسخ کے) باب کا جاننا (نہایت) ضروری ہے اور اس کا بہت بڑا فائدہ ہے اور علماء اس کی معرفت سے مستغنی نہیں ہو سکتے اور اس کا انکار فقط جاہل اور کوڑھ مغز (قسم کے کند ذہن) لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیونکہ پیش آنے والے واقعات میں نسخ (کے جاننے) پر (ہی) احکام اور حلال و حرام کی معرفت مرتب ہوتی ہے (یعنی احکام کی ترتیب اور ان میں سے کونسا حکم باقی ہے اور کون سا منسوخ یا اس کا جاننا نسخ کے جاننے پر ہی موقوف ہے۔ (مترجم)

اور تحقیق متاخرین کی چند جماعتوں نے کہ (بظاہر) اسلام کی طرف منسوب ہیں (لیکن درحقیقت ان کا تعلق گمراہ قسم کے فرقوں سے ہے جیسے معتزلہ وغیرہ کہ انہوں نے) نسخ کے جواز کا انکار کیا ہے۔ اور ان کے خلاف شریعت میں نسخ کے وقوع پر اسلاف (امت اور متقدمین علماء) کے اجماع سے دلیل پکڑی جاتی ہے۔ (مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) پھر (علامہ امام قرطبیؒ آگے چل کر) ارشاد فرماتے ہیں۔

اس کے بارے میں (متقدمین و متاخرین) علماء کرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی شریعتوں کا مقصود لوگوں کی دینی و دنیاوی مصالح (اور مصلحتیں اور فوائد) ہیں۔ اور بے شک "بداء" ❶ یعنی "(کسی حکم) کی حکمت کا ظہور اس کے پوشیدہ ہونے کے بعد" اس کو لازم آتا ہے کہ جو امور کے انجام سے باخبر نہ ہو۔ اور البتہ انجام سے باخبر کے خطابات میں مصالح کی تبدیلی کے اعتبار سے تبدیلی آتی رہتی ہے (اس کی مثال بلا تشبیہ) اس طبیب کی سی (ہے) کہ جو مریض کے (بدلتے) احوال کی رعایت کرتا ہے۔

چنانچہ وہ ذات کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس نے اپنی مخلوق میں اپنی مشیت اور ارادہ سے اس بات کی رعایت رکھی۔ پس اس کا خطاب (تو) بدلتا رہتا ہے۔

اور (لیکن) اس کا علم اور ارادہ نہیں بدلتا۔ (کہ اس کے علم میں یہ بات پہلے سے طے ہوتی ہے البتہ اس کا اظہار وہ ہر وقت حسب مصلحت فرماتے ہیں۔ جیسے کہ اس کی تفصیل گزشتہ میں گزر گئی ہے (مترجم)) کہ یہ بات اللہ جل جلالہ کی ذات کے بارے میں محال ہے۔ (کہ اس کو اپنی باتوں کی مصلحتوں کا ظہور بعد میں ہوا اس لئے نسخ کی نوبت آئی معاذ اللہ) ❷

---

❶ اس کا معنی گزشتہ میں علامہ تقی عثمانی مدظلہم کی تقریر میں گزر گیا ہے۔ (مترجم)

❷ دیکھئے جامع الاحکام القرطبیؒ جلد اول صفحہ ۶۵۔ اور شیخ زرقانیؒ کی کتاب "مناہل العرفان" کہ انہوں نے اس میں ایک طویل فصل ذکر کی ہے کہ جس میں انہوں نے ان تمام بنیادوں پر (تفصیلی) رد (اور نکیر) کی ہے کہ جن پر بعض نے بغیر کسی دلیل و حجت کے قرآن میں نسخ کے وقوع کا انکار کیا ہے (دیکھئے مذکورہ کتاب)

وقد ألف الشيخ ((هبة الله بن سلامة)) رسالة في ((الناسخ والمنسوخ)) جاء فيها ما نصه:

((إعلم أن أول النسخ في الشريعة: أمر الصلاة، ثم أمر القبلة، ثم الصيام ليوم عاشوراء، ثم الإعراض عن المشركين، ثم الأمر بجهادهم، ثم أمره بقتل المشركين، ثم أمره بقتال أهل الكتاب حتى يعطوا الجزية، ثم ما كان أهل العقود عليه من المواريث، ثم هدم منار الجاهلية لئلا يخالطوا المسلمين في حجهم ...)) إلى آخر ذلك.

الحكمة من نسخ الحكم مع بقاء التلاوة؟

أما الحكمة من ذلك: فقد بينها العلامة الزركشي في كتابه ((البرهان في علوم القرآن)) فقال:

((وهنا سؤال، وهو أن يقال: ما الحكمة في رفع الحكم وبقاء التلاوة؟ والجواب من وجهين:

احدهما: أن القرآن كما يتلى ليعرف الحكم منه، والعمل به، فإنه كذلك يتلى لكونه كلام الله عزوجل، فيثاب على تلاوته، فتركت التلاوة لهذه الحكمة

وثانيهما: أن النسخ غالبا يكون للتخفيف، فأبقيت التلاوة تذكيرا بالنعمة، ورفع المشقة حتى يتذكر المسلم نعمة الله عليه بيسير الدين))

ترجمہ: قرآن کریم میں نسخ کی اقسام

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

نسخ تین قسموں میں تقسیم ہوتا ہے (اور وہ مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) تلاوت و حکم دونوں کا منسوخ ہو جانا۔

(۲) حکم کے باقی رہتے ہوئے (فقط) تلاوت کا منسوخ ہو جانا۔

(۳) (اور) تلاوت کے باقی رہتے ہوئے (فقط) حکم کا منسوخ ہو جانا۔

(آگے مولف کتاب ہر ایک کو مثال دے کر ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں)

پہلی قسم:

کہ جو "تلاوت اور حکم دونوں کا منسوخ ہونا" ہے کہ جس کی قراءت (بھی) جائز ہے اور نہ (ہی اس پر) عمل کیونکہ یہ بالکل ہی منسوخ ہو گئی ہے جیسے کہ دس دفعہ دودھ پلانے سے حرمت (مصاہرت و نسب کے حاصل ہونے) کی آیت۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں "نازل ہونے والے قرآن میں سے (کہ جو بعد میں منسوخ ہو گیا کہ نہ اس کی تلاوت رہی اور نہ ہی اس کا حکم باقی رہا) ایک (آیت) تھی۔

عشر رضعات معلومات يحرمن.

"بھی معلوم دودھ پلانا حرام کر دیتے ہیں۔"

(نسب و مصاہرت کو یعنی ان کے ذریعے حرمت مصاہرت و نسب حاصل ہوتی ہے) (مترجم)

پھر (یہ آیت) پانچ معلوم (معروف طریقے) سے دودھ پلانے کے ساتھ منسوخ ہو گئی۔

پھر نبی ﷺ انتقال فرما گئے اور ان آیتوں کی قرآن میں تلاوت کی جاتی تھی۔ ❶

(امام) فخر الدین (رازی) فرماتے ہیں "تحقیق (اس آیت کے) پہلے جز کی تلاوت و حکم دونوں منسوخ ہیں (کہ اب یہ حرمت دس دفعہ دودھ پلانے سے حاصل نہیں ہوتی ہے) اور (اس آیت کا) دوسرا حصہ کہ جو پانچ دفعہ دودھ پلانا ہے اور اس کی تلاوت (تو) منسوخ ہے اور (البتہ) اس کا حکم شوافع کے نزدیک باقی ہے (کہ پانچ دفعہ دودھ پلانے سے حرمت حاصل ہوتی ہے) ❷

دوسری قسم:

اور وہ "حکم کے جز کے ساتھ تلاوت کا منسوخ ہونا" ہے جیسے اس (آیت کا حکم) جیسا کہ (علامہ بدر الدین) زرکشی نے "البرہان فی علوم القرآن" میں فرمایا ہے (یہ ہے کہ) اس آیت پر عمل کیا جائے گا کہ جب امت اس کو قبول کر لے گی۔ (اور خلف من سلف اس پر اجماع بھی ہو) جیسا کہ سورۂ نور کی اس (درج ذیل) آیت کے بارے میں روایت ہے۔

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم

بوڑھا اور بوڑھی جب وہ زنا کریں تو انہیں ضرور سنگسار کر دو یہ سزا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔"

حضرت عمرؓ (اس بارے میں) فرمایا کرتے تھے "اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں اس آیت کو (سورۂ نور میں) اپنے ہاتھ سے لکھ دیتا۔" (صحیح بخاری) ❸

---

❶ (مولف کتاب فرماتے ہیں) یہ حدیث مسلم شریف میں باب الرضاعت میں ہے اس حدیث کا نمبر ۱۴۵۲ ہے اور (اس کو) ابو داؤد، نسائی اور ترمذی (رحمہم اللہ) نے بھی روایت کیا ہے) اور اس کا متن (یہ) ہے۔

(یعنی دس دفعہ دودھ پینے کے حکم کا) پانچ دفعہ کے دودھ پینے سے منسوخ ہونا (کافی بعد میں) نازل ہوا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے جبکہ لوگ (اس آیت کے منسوخ ہونے کے باوجود بھی) اس کی تلاوت کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں اس کے کچھ عرصہ پہلے ہی منسوخ ہونے کی وجہ سے اس کے نسخ کی خبر نہ پہنچی تھی۔

❷ یہ مسئلہ احناف و شوافع میں مختلف فیہ ہے احناف کے نزدیک کل دودھ کے (بچے کے حلق سے اترتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے تفصیل اس کی کتب اصول فقہ (اصول الشاشی، نور الانوار) اور کتب فقہ (مثلاً ہدایہ وغیرہ) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (مترجم)

❸ جیسا کہ ہمارے اس دور کے بعض مشکوک العقل لوگوں نے رجم کی حجیت کا انکار کیا ہے اور جیسے آج بھی بعض پڑھے لکھے مرزائی اس کی شدید مخالفت کر رہے ہیں اور اس کو شریعت میں اضافہ قرار دے رہے ہیں۔ لیکن ان کا یہ خیال باطل ہے تفصیل اس کی دیکھیں "رجم کی شرعی حیثیت" میں۔ (مترجم)

ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں "سورۂ احزاب سورۂ نور کے برابر تھی یعنی طوالت میں (برابر تھی) پھر اس کی کچھ آیات منسوخ ہو گئیں۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں) کہ دوسری قسم کا نسخ "حکم و تلاوت دونوں کا منسوخ ہونا اور حکم کے بقاء کے ساتھ تلاوت کا منسوخ ہونا" قرآن میں بہت ہی کم ہے۔ اور ہم قرآن میں اس قسم کی مثال کم ہی پاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن) مجید کو (اس لئے) نازل کیا ہے کہ لوگ اس کی تلاوت کرے اور اس کے احکام کو (اپنی عملی زندگی میں) منطبق کرکے اجر پاویں۔

تیسری قسم:

اور وہ "تلاوت کے ہوتے ہوئے حکم کا منسوخ ہونا" ہے اور یہ قسم قرآن میں بہت (واقع) ہے اور وہ جیسا کہ (علامہ بدر الدین) زرکشیؒ نے فرمایا ہے "تریسٹھ سورتیں (یعنی آیات) ہیں۔

نسخ کی اس قسم کی مثالوں میں سے ایک مثال والدین کے لئے وصیت ہے کہ جو آیت میراث سے منسوخ ہوئی۔ اور ایک سال کی (بیوی کی) عدت کی آیت ہے کہ چار ماہ دس دن والی آیت سے منسوخ ہوئی اور فدیہ دینے والے کے لئے روزہ کا فدیہ دینے کی آیت کہ جو روزوں کے وجوب کی آیت سے منسوخ ہوئی۔ اور نبی سے (کسی قسم کی راز کی بات کرنے کے لئے) سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے اور مشرکین سے قتال کرنے سے رکنے کی آیت وغیرہ کہ یہ سب کی سب آیات قرآن کریم میں (ہی موجود) ان دوسری آیات سے منسوخ ہو گئیں کہ جو دلالت اور حکم میں (بالکل) واضح ہیں۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

شیخ "ابو عبد اللہ بن سلامہ" نے "ناسخ و منسوخ کے بارے میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس میں یہ لکھا ہے (شیخ عبد اللہ فرماتے ہیں)

"تو جان لے کہ شریعت میں۔ پہلا نسخ نماز کا حکم تھا پھر قبلہ کا حکم اور پھر یوم محرم کا روزہ پھر مشرکین سے اعراض کا حکم پھر ان سے جہاد کا حکم پھر مشرکین کے قتل کا حکم پھر اہل کتاب سے جب تک کہ وہ جزیہ نہ دیں (اس وقت تک) قتال کا حکم پھر وہ میراث (کا حکم) کہ جس پر اہل ❶ عقد قائم تھے۔ (یعنی میراث کا حکم نازل ہونے سے پہلے ترکہ کی تقسیم کے لئے اقرب کے لئے جو عقد یعنی وصیت کیا کرتے تھے اس کا منسوخ ہونا) پھر جاہلیت (کے دور) کے معاہدہ کو توڑنے کا حکم تاکہ مسلمانوں اپنی حج کے دوران کی معاہدہ کا شکار نہ ہوں۔ (الی آخرہ ...)

توضیح:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ تحریر فرماتے ہیں۔

● اس سے مراد عزیز، رشتہ دار اور اقارب ہیں۔ (مترجم)

اقسامِ نسخِ قرآن:

(۱) تلاوت منسوخ اور حکم باقی جیسے آیت رجم۔

(۲) حکم منسوخ اور تلاوت باقی۔ جیسے اقرباء کے لیے وصیت کا حکم (کہ وہ) آیت میراث سے منسوخ ہوا۔ یا جیسے ایک سال عدت وفات کا حکم آیت چار ماہ دس دن مدت وفات سے منسوخ ہوا۔

(۳) تلاوت و حکم ہر دو منسوخ جیسے بعض روایات میں ہے کہ سورۃ احزاب سورۃ بقرہ کے برابر تھی مگر بعض حصہ کی تلاوت و حکم دونوں مرفوع و منسوخ ہو گئے (آثار تفسیر صفحہ ۱۱۴)

علامہ عبدالحق صاحب حقانی "تفسیر حقانی" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نسخ قرآن کی تین صورتیں ہیں۔" اول یہ کہ حکم منسوخ ہو اور تلاوت باقی ہو۔ دوم یہ کہ تلاوت منسوخ اور حکم باقی ہو جیسا کہ یہ آیت "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم" اور لو کان لابن آدم وادیان الآیۃ۔

ان کا حکم باقی ہے مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو مجموعہ قرآن سے بحکم الٰہی جدا کر دیا تھا سوم یہ کہ حکم و قراءت دونوں ہی منسوخ ہوں۔ جیسا کہ سورۂ برأت کا اوائل کہ جس کو بسم اللہ کا مصداق کہنا چاہیے۔ مگر یہ بھی حضرت ﷺ کے ہی روبرو ہوا۔ اس سے کسی طرح کی قرآن میں تحریف نہیں ثابت ہوتی۔ ہاں اگر بعد میں آپ ﷺ کے یہ ہوتا تو تحریف و تبدیل کہہ سکتے تھے۔

(تفسیر حقانی جلد ا صفحہ ۱۵۵-۱۵۶ مقدمہ)

ترجمہ: تلاوت کی بقا کے ساتھ حکم کے منسوخ ہونے کی حکمت:

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

رہی نسخ کی (مذکورہ قسم کی) حکمت تو اس کو علامہ (بدرالدین) زرکشیؒ نے اپنی کتاب "البرہان فی علوم القرآن" میں بیان فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں۔

"یہاں ایک سوال ہے کہ جو (اکثر) کیا جاتا ہے کہ تلاوت کو باقی رکھتے ہوئے حکم کو اٹھا دینے کی کیا حکمت ہے؟
تو اس کا جواب دو طرح سے دیا جاتا ہے۔

ایک:

تحقیق کہ قرآن جس طرح اس کا حکم جاننے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تلاوت کیا جاتا ہے اسی طرح اس کے اللہ عزوجل کے کلام ہونے کی وجہ سے بھی تلاوت کیا جاتا ہے تاکہ اس کی تلاوت پر اجر ملے۔ پس تلاوت کو (حکم کے منسوخ ہونے کے باوجود) اس حکمت کی وجہ سے (باقی رکھا گیا ہے۔ اور) چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ:

(یہ کہ) نسخ تلاوت (امت پر کسی قسم کی مشقت اور شدت میں) کمی کرنے کے لئے ہوتا ہے جبکہ تلاوت کو بوقت اور (اس) مشقت کے اٹھائے جانے کو یاد دلانے کے لئے باقی رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ (ہر) مومن اپنے اوپر دین کے آسان کر دیئے جانے کی نعمت الٰہی کو یاد رکھے۔ ●

اور اس پر کسی قدر مزید حاصل گفتگو گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے (مترجم)

هل ينسخ القرآن بالسنة النبوية المطهرة؟

اتفق العلماء على أن القرآن ينسخ بالقرآن، وأن السنة النبوية تنسخ بالسنة، والخبر المتواتر ينسخ بمثله، ولكنهم اختلفوا في مسألة وهي: هل ينسخ القرآن بالسنة؟ والخبر المتواتر بغير المتواتر؟

فذهب الشافعي رحمه الله إلى أن الناسخ للقرآن لا بد أن يكون قرآنا مثله، فلا يجوز عنده نسخ القرآن بالسنة النبوية لأنها ليست في درجة القرآن

وذهب الجمهور إلى جواز نسخ القرآن بالقرآن، وبالسنة المطهرة أيضا، لأن الكل حكم الله تعالى ومن عنده، والكل موحى من الله عز وجل ﴿وما ينطق عن الهوى ○ إن هو إلا وحي يوحى﴾

وحجة الجمهور ما ورد من نسخ آية الوصية بحديث: ((إن الله أعطى كل ذي حق حقه، ألا لا وصية لوارث))

ونسخ جلد الزاني المحصن في الآية الكريمة ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾ حيث نسخ الجلد بالرجم، فقد رجم رسول الله ﷺ ماعزا والغامدية، ولم يجلد واحدا منهما، فدل على أن الحكم وهو الجلد نسخ بالسنة المطهرة، وهذا القول هو الأشهر والأظهر، والله أعلم

هل يقع النسخ في الأخبار؟

جمهور العلماء على أن النسخ مختص بالأحكام، بالأوامر والنواهي، والخبر لا يدخله النسخ لاستحالة الكذب في خبر الله تبارك وتعالى.

وقيل: إن الخبر إذا تضمن حكما شرعيا جاز نسخه، كقوله تعالى ﴿ومن ثمرات النخيل والأعناب تتخذون منه سكرا ورزقا حسنا﴾ فهذا خبر عن الخمر الذي يخرج من التمر والعنب

● اس کے لئے امام بدرالدین زرکشی کی البرہان فی علوم القرآن دیکھیں۔

وقد نسخه الله عز وجل بآية تحريم الخمر ﴿إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون﴾

يقول شيخ المفسرين ((ابن جرير الطبري)) رحمه الله في تفسيره ((جامع البيان)) ما نصه: ﴿ما ننسخ من آية أو ننسها نأت بخير منها أو مثلها﴾ أي: ما ينقل من حكم آية إلى غيره فنبدله و نغيره، وذلك أن يحول الحلال حراما والحرام حلالا والمباح محظورا والمحظور مباحا.

ثم قال: ولا يكون ذلك إلا في الأمر والنهي والحظر والإطلاق والمنع والإباحة فأما الأخبار فلا يكون فيها ناسخ ولا منسوخ)) اهـ.

هذه لمحة خاطفة عن النسخ في الشريعة الإسلامية، وفي القرآن والسنة النبوية ينبغي أن يلم بها طالب العلم، وأن يعرف حكمة الله عز وجل في تشريع الأحكام وإنزال الآيات على هذا الوجه الدقيق الذي حقق مصالح العباد وساير تطور الزمن بواسطة الناسخ والمنسوخ أوجزناه في هذه العجالة ﴿والله يقول الحق وهو يهدي السبيل﴾

ترجمہ۔ کیا قرآن کو سنت نبویہ مطہرہ (یعنی احادیث شریفہ) سے منسوخ کیا جاسکتا ہے؟

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

علماء (کرام اور فقہاء متقدم) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن قرآن سے منسوخ ہو جاتا ہے۔ اور سنت نبویہ (یعنی اخبار آحاد) سنت نبویہ سے منسوخ ہو جاتی ہے اور خبر متواتر اپنے جیسی (خبر متواتر) سے منسوخ ہو جاتی ہے لیکن علماء نے اس (مذکورہ ذیل) مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ

"آیا قرآن حدیث سے (بھی) منسوخ ہو جاتا ہے؟ اور (کیا) خبر متواتر غیر خبر متواتر سے (بھی) منسوخ ہو جاتی ہے؟ (یا نہیں)

پس امام شافعیؒ تو اس طرف گئے ہیں کہ "قرآن کا ناسخ ضروری ہے کہ قرآن کی طرح قرآن ہی ہو۔ چنانچہ ان کے نزدیک قرآن کا سنت نبویہ سے نسخ جائز نہیں ہے کیونکہ سنت نبویہ قرآن کے درجہ (اور مرتبہ) والی نہیں ہے۔

اور جمہور علماء قرآن کے ساتھ اور سنت مشہورہ کے ساتھ بھی نسخ کے جواز کی طرف گئے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے حکم ہیں اور اسی کی طرف سے ہیں۔ اور دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ (النجم۔ ۳ - ۴)

"اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔" (تفسیر عثمانی)

جمہور کی دلیل آیت وصیت کا حدیث کے ذریعہ منسوخ ہونا ہے (وہ حدیث یہ ہے)

إن الله أعطى كل ذي حق حقه ألا لا وصية لوارث

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کا حق (مقرر کر کے) دے دیا ہے خبردار! کسی وارث کے لئے (اس کے ترکہ کے علاوہ) کوئی (مال کی) وصیت نہیں ہے۔"

اور شادی شدہ زانی کی اس (درج ذیل) آیت کریمہ میں کوڑوں کی سزا کا منسوخ ہونا (کہ اس کی مثال ہے وہ یہ ہے)

الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة

"اور زنا کرنے والی اور زنا کرنے والے دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔"

کہ کوڑوں کی سزا کو (شادی شدہ زانی کی بابت) رجم (کی سزا) سے منسوخ کر دیا گیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) ماعزؓ اور غامدیہؓ کو سنگسار کیا اور ان دونوں میں سے کسی کو کوڑے نہ مارے (کیونکہ ان سے زنا کا ارتکاب شادی شدہ ہونے کی حالت میں ہوا تھا)

پس یہ (قصہ) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (آیت مذکورہ میں زانی اور زانیہ کا) حکم کہ جو کوڑے مارنا ہے وہ سنت مشہورہ کی وجہ سے منسوخ کر دیا گیا۔

اور یہی قول زیادہ مشہور اور زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم ❶ ❷

کیا نسخ اخبار (واقعات و قصص و حوادث) میں ہوتا ہے؟

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

جمہور علماء اس (مذہب) پر ہیں کہ نسخ احکام اوامر اور نواہی کے ساتھ (ہی) خاص ہے۔ اور خبر (یعنی کوئی واقعہ اور قصہ) کہ نسخ اس میں داخل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی (دی ہوئی) خبر (وں) میں کذب بیانی ناممکن ہے۔

اور ایک یہ بھی ہے کہ جب خبر کسی شرعی حکم کو متضمن ہو تو اس میں نسخ (کا وقوع) ممکن ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا﴾ (النحل: ٦٧)

کہ یہ اس شراب کے بارے میں خبر ہے کہ جو کھجور اور انگور سے (کشید کر کے) نکالی جاتی ہے۔ اور تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شراب کی حرمت والی آیت سے منسوخ کر دیا۔

(اور وہ یہ ہے)

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ

---

❶ (مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) فریقین کے مفصل دلائل پڑھنے کے لئے ہماری کتاب "نیل البیان فی تفسیر آیات الاحکام من القرآن" کا مطالعہ کریں۔

❷ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کتب فقہ نور الانوار و ہدایہ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں (مترجم)

جیسے لا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا اور ان احکام میں کہ جن کا وقت متعین ہے (کہ ان میں بھی نسخ نہیں) کہ اس معین وقت کی آمد سے قبل نسخ کا امکان نہیں۔ جیسے فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ، پس تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک اللہ کا حکم آ جائے۔ ❶

بلکہ نسخ صرف ان احکام میں ہو سکتا ہے کہ جو کہ وجود و عدم دونوں کا احتمال رکھتے ہوں۔ نہ دائمی ہوں اور نہ کسی وقت کے ساتھ مخصوص کیے گئے ہوں۔ ایسے احکام کو "احکام مطلقہ" کہا جاتا ہے۔ ان میں یہ بات ضروری ہے کہ زمانہ اور مکلف اور صورت متحد ہوں۔ بلکہ تینوں میں اختلاف ہو یا بعض میں۔" ❷ (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۱۷۱-۱۷۲)

علامہ عبدالحق حقانی "قرآن سے سنت یا قرآن کے ساتھ نسخ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"دوسری بحث اس مقام پر اور ہے اور وہ یہ ہے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں بھی تناسخ واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں واقع ہوتا ہے اور اس کی دو قسم ہیں۔ اول "نسخ الکتاب بالسنۃ" جیسا کہ یہ آیت "لا یحل لک النساء" یہ حدیث عائشہؓ سے منسوخ ہے کہ آپ نے ان کو خبر دی کہ خدا تعالیٰ نے ان کو جس قدر عورتیں مباح کر دیں۔ رواہ عبدالرزاق والنسائی واحمد والترمذی والحاکم دوم "نسخ السنۃ بالکتاب" جیسا کہ بیت المقدس کی طرف نماز میں متوجہ ہونا سنت سے ثابت تھا۔ اس کو قرآن کی اس آیت نے منسوخ کر دیا۔"

فول وجھک شطر المسجد الحرام اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ اس امر میں بھی علماء کا اختلاف ہے حضرت امام شافعی وغیرہ محققین اس کے بھی منکر ہیں اور اس کو باعث طعن کا محل سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک طعن کی کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ نسخ ایک حکم مبہم المدت کی مدت کو بیان کر دینا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی متلو یا غیر متلو ایک حکم دیا اور اس کی کوئی مدت بیان نہ کی بس ایک زمانہ تک اس پر عمل ہوتا رہا۔ پھر بذریعہ وحی متلو یا غیر متلو اس کو بیان کر دیا کہ اس کی یہاں تک مدت تھی۔ اس میں عقلاً و نقلاً کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ (تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۱۵۶-۱۵۷ ملخصاً مقدمہ)

☆☆☆

---

❶ علامہ تقی عثمانی صاحب اس حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "یعنی زندگی میں مسلمانوں کو مغلوب ہوں، ان کے کفار کے ظلم و ستم کا کوئی جواب نہ دو، تا وقتیکہ جہاد کا حکم نازل نہ ہو جائے۔

❷ مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ میں جس شخص کو جس صورت کے ساتھ ایک کام کا حکم دیا گیا۔ یہ ناممکن ہے کہ اسی زمانہ میں اسی شخص کو اسی صورت کے ساتھ منع کر دیا جائے۔ بلکہ نسخ میں وہ زمانہ بدلے گا یا وہ شخص یا صورت یا تینوں (یا دو) (محمد تقی عثمانی)

من كنوز المعلومات

ؤ: الأسباط هم ابناء يعقوب عليه الصلاة والسلام فكم مرة ذكروا في القرآن الكريم؟

ورد ذكرهم أربع مرات.

قال تعالى: وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ. (البقرة ١٣٦)

قال تعالى: أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ (البقرة: ١٤٠)

قال تعالى: وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ (البقرة: ٨٤)

قال تعالى: إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ (النساء: ١٦٣)

ما معنى الباقيات الصالحات؟

قال تعالى: وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا. (مريم ٧٦)

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((خذوا جنتكم من النار، قولوا سبحان الله، والحمد لله، ولا اله الا الله، والله اكبر فانهن ياتين يوم القيامة مقدمات و معقبات و مجنبات، وهن الباقيات الصالحات)) (صحيح الجامع للالباني ٣٢١٤)

معلومات کا خزانہ

ترجمہ: سوال: ''اسباط'' حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں ان کا قرآن میں کتنی مرتبہ ذکر ہوا ہے؟

جواب: ان کا ذکر چار مرتبہ آیا ہے۔ (اور وہ چار آیتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ (البقرة: ١٣٦)

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ (البقرة: ١٤٠)

وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ. (البقرة: ٨٤)

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ (النساء: ١٦٣)

سوال: ''الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ'' کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا. (مريم ٧٦)

''اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے یہاں بدلہ اور بہتر پھر جانے کو'' (ترجمہ عثمانی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی ڈھال پکڑو، کہو: سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر۔ کیونکہ یہ کلمات قیامت کے دن مقدمات، معقبات اور مجنبات بن کر آئیں گے۔ اور یہی باقیات صالحات ہیں۔ (صحیح الجامع الالبانی ۳۲۱۴)

مقدمات: یہ مقدمہ کی جمع ہے (صیغہ اسم فاعل) قدّم تقدیم (یعنی اللہ کے سامنے یا قیامت کے دن اپنے قائل کی سفارش پیش کرنے والے)

معقبات: یہ معقبہ کی جمع ہے (صیغہ اسم فاعل) پیچھے آنے والے لوٹنے والے (یعنی یا تو پیچھے سے حفاظت کرنے والے یا آخرت میں لوٹ کر آنے والے)

مجنبات: یہ مجنبہ کی جمع ہے (صیغہ اسم فاعل) بچانے والی۔

(یہ تمام معانی المعجم الوسیط سے لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم)

☆☆☆

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾

فما أشبه المسلمين اليوم بالرجل العطشان يموت من الظمأ والماء بين يديه، أو بالحيوان يهلك من الجوع والعطش والزاد والماء على ظهره، وما أجمل قول القائل

كالعيس في البيداء يقتلها الظمأ والماء فوق ظهورها محمول

ولقد صدق رسول الله ﷺ حين قال:

لقد تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما بعدي أبدا: كتاب الله وسنتي.

لغات: يستضيئون: روشنی حاصل کرنا۔ يقتبسون: استفادہ کرنا، علم حاصل کرنا۔ اَوْج: بلندی، چوٹی۔ ذُریٰ۔ ذُروہ کی جمع، بلندی، چوٹی، عزت کا اعلیٰ مقام۔ رکب: کاروان۔ شاطئ: دریا یا وادی کا کنارہ۔ تتخبط: خطی و دیوانہ ہونا، بھٹکنا۔ تحلل: اباحت کا قائل ہو، حرام و حلال سے بے پرواہ ہونا۔ منقذ: راہ نجات، چھٹکارہ، کھونٹی۔ سلائل: سلالۃ کی جمع، خاندان، قبیلہ۔ مؤسف: افسوس کی بات۔ انغام: نغمہ کی جمع، مراد قرآن کو مختلف راگ کے انداز میں پڑھنا۔ يلحنون: ترنم یا لے سے پڑھنا۔ مآتم: ماتم کی جمع، سوگ کی محفل (کہ جسکو ہندو کی جھنگ کی پنجابی زبان میں "ستھر" کہتے ہیں)۔ مساخط: مسخط کی جمع، سبب ناراضی و ناگواری۔

ترجمہ چھٹی فصل

تفسیر اور مفسرین (کے بارے میں)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم نازل فرمائی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے دستور (حیات) ہو۔ اور انکی (ہدایت کی) شاہراہ ہو کہ جس پر وہ چلیں (کر اپنی زندگی گزار) سکیں۔ چنانچہ وہ اس کی روشنی سے روشنی پکڑیں اور اس کی ہدایت سے سیدھا رستہ پائیں اور اس کی درست تعلیمات اور مضبوط نظاموں سے وہ (سب کچھ) حاصل کریں کہ جو انہیں عزت و سعادت کی اوج (ثریا) تک پہنچا دے۔ اور انہیں بزرگی اور کمال کی چوٹیوں تک بلند کر دے اور انہیں کاروان انسانیت کی قیادت کا اہل بنا دے۔ اور انہیں اس دنیاوی زندگی میں (تمام قوموں کا) قائد اور اہل سیادت (وقیادت) بنا دے اور وہ امتوں (اور قوموں) کو عزت و کرامت کی زندگی کی طرف لے چلیں اور ان (کی مصائب و آلام اور گمراہیوں و ظلمتوں کی اندھیروں میں بھٹکتی زندگی) کو امن و سلامتی اور قرار کے کنارے تک پہنچا دیں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج انسانیت بدبختی اور جاہلیت کی اندھیریوں میں ماری ماری پھر رہی ہے اور مال کی پوجا اور اباحت کے سمندروں میں غرق ہے اور اسلام کے سوا ان کے لئے نجات کا کوئی رستہ نہیں کہ جو قرآنی تعلیمات اور ان مضبوط نظاموں کی طرف راہنمائی کرے (حاصل ہوتی ہے) کہ جن میں انسانیت کی ہمہ جہت سعادتوں کی رعایت کی گئی ہے کہ جو

"اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"آج کا انسان اس شخص کے کس قدر مشابہ ہے کہ جو پیاس سے مر جائے جب پانی اس کے سر کے اوپر ہو۔ یا اس جانور کے (کس قدر مشابہ ہے) کہ جو بھوک اور پیاس سے مر جائے جبکہ کھانا پانی اس کی پیٹھ پر لدا ہو۔"

اور کہنے والے کا یہ قول کتنا خوبصورت ہے۔

كالعيس في البيداء يقتلها الظما   والماء فوق ظهورها محمول

"جنگل میدانوں کے ان اونٹوں کی طرح کہ جن کو پیاس مار ڈالے جبکہ پانی ان کی پیٹھوں پر لدا ہو۔"

بے شک نبی ﷺ نے جب یہ فرمایا تو سچ فرمایا

"بے شک میں تمہارے درمیان دو باتیں چھوڑے جا رہا ہوں جن کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے جب تک تم ان دونوں کو (مضبوطی سے) تھامے رکھو گے۔ کتاب اللہ اور میری سنت۔" ❶

لماذا نفسر القرآن؟

أسئلة تخطر ببال كل إنسان، وتجول في كل فكر: لماذا نفسر القرآن؟ ألمجرد قراءته وحسن تلاوته؟

أم لنزيل الستار عن غامض معانيه؟

أم لنجلو أسراره، ونبرز محاسنه؟

لا، لا ليس لهذا، ولا لذاك فقط، بل لنتحرر من عبادة العباد، وتبعية البشر، إلى عبادة رب العباد جل وعلا، ولنربط الفرد والجماعة بخالق العوالم، ومدبر الكون، رب السموات العلى ورب العرش العظيم!

فالقرآن الكريم دستور الأمة، وهداية الخالق، وشريعة الله لأهل الأرض، وهو النور الرباني، والهدى السماوي، والتشريع العام الخالد الذي تكفل بكل ما يحتاج إليه البشر في أمور دينهم ودنياهم. ولا عجب فهو كتاب كامل، ونظام شامل، يشمل جوانب الحياة بأجمعها، في العقائد، والعبادات، والأخلاق، والمعاملات، وفي السياسة والحكم، وفي السلم والحرب، وفي الشئون الاقتصادية والعلاقات الدولية. فهو كتاب جامع نزله الله تبيانا لكل شيء وهدى ورحمة لقوم يؤمنون، وهو في ذلك كله حكيم كل الحكمة لا يعتريه خلل ولا اختلاف، فلا

❶ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے۔

فعجب أن كانت السعادة لا تنال إلا بهديه، والتزام ما جاء به، فهو شفاء لما في الصدور، وعلاج لما حل أو يحل بالمجتمع من شرور: ﴿وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين إلا خسارا﴾

لغات: يستار: پردہ ڈالنا، چھپنا، آ، جمع استار۔ طلاسم: وجیزہ: مختصر۔ مبہم: ناقابل فہم۔ تکفل: ذمہ دار ہونا۔ یدبر شؤون: شان کی جمع امور، معاملات۔ حوائج: ضروریات۔ لا یعتریہ: لاحق نہ ہونا، پیش نہ آنا۔ خلل: خرابی، بگاڑ، فساد۔ المجتمع: معاشرہ۔

ترجمہ: ہم تفسیر کیوں کرتے ہیں؟

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"چند سوالات ہیں کہ جن کا تکرار ہر انسان کے ذہن پر ہوتا ہے اور وہ (ہر انسان کی) فکر کے ارد گرد گردش کرتے ہیں۔ (وہ یہ کہ) ہم قرآن کی تفسیر کیوں کرتے ہیں؟ کیا اس لئے کہ ہم اس کی قراءت کو درست کرنے کے لئے (تفسیر کرتے ہیں)؟

یا اس کی تلاوت پر مہارت حاصل کرنے کے لئے؟

یا اس کے اجمالی پوشیدہ معانی پر سے پردے ہٹانے کے لئے؟

یا اس کے بھیدوں کو روشن کرنے کے لئے یا اور اس کے محاسن کو ظاہر کرنے کے لئے؟

نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ فقط ان وجوہات کے لئے نہیں بلکہ (ہم اس لئے تفسیر کرتے ہیں) تاکہ ہم بندوں کی غلامی اور انسانوں کی اتباع سے آزاد ہو کر رب العباد (بندوں کے رب) جل وعلا کی عبادت کی طرف (آ جائیں) اور ہم افراد (و آحاد) اور جماعتوں (اور گروہوں) کو تمام جہانوں کے پیدا کرنے والے اور کائنات کا نظام چلانے والے کے ساتھ جوڑ دیں کہ جو ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب ہے چنانچہ قرآن کریم (اس) امت کے لئے دستور (حیات) ہے اور خالق (رب السموات والارضین) کا پیغام (ہدایت) ہے اور زمین والوں کے لئے اللہ کی شریعت (اور اس کا مقرر کردہ زندگی گزارنے کا طریقہ) ہے۔ یہ دستور ربانی ہمیشہ کا منشور (ہے جو سب کے لئے) عام (اور) دائمی تشریع (قانون) ہے کہ جو (نوع انسانیت کی) ہر اس ضرورت کو پورا کرتا ہے کہ جس کا انسان اپنے دینی یا دنیوی کاموں میں محتاج ہوتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہ ایک کامل کتاب ہے اور (ہر ایک چیز کو) شامل ایسا نظام ہے کہ جو عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق میں اور سیاست و حکومت میں اور امن اور جنگ میں اور اقتصادی معاملات اور ملکی تعلقات میں (غرض) زندگی کے ہر گوشہ (کی ضروریات اور احکامات) کو شامل ہے۔

یہ کیا جامع کتاب ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے لئے تبیان (یعنی واضح کرنے والی) بنا کر اور اس پر ایمان رکھنے

والی قوموں کے لئے اس کو ہدایت و رحمت بنا کر بھیجا ہے اور ان باتوں میں (کامل طور پر) بڑی حکمت ودلیل ہے کہ کوئی غلط (بدخواہی) اور (الفاظ و معانی کا) اختلاف اس کے قریب نہیں آتا۔ یہی (اس میں) کوئی حیرت کی بات نہیں کہ سعادت (دنیوی و اخروی) صرف اسی کی ہدایت اور جس کو لے کر یہ کتاب آئی ہے اس کا دامن پکڑنے سے ہی حاصل ہوتی ہے یہ دلوں کے روگوں کا علاج ہے اور اجمالی طور پر جو شرور (وہمی اور حسی اور پریشانیاں) نازل ہوئیں یا ہوں گی ان سب کا علاج ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)

وننزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين إلا خسارا. (الاسراء ۸۲)

"اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں۔ اور رحمت ایمان والوں کے واسطے اور گنہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

الفرق بين التفسير و التأويل

التفسير في اللغة هو الإيضاح والتبيين قال تعالى ﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ تقول فسر بمعنى بين ووضّح، وكلام مفسر أي واضح ظاهر. وأما التفسير في الاصطلاح فهو: علم يعرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيه محمد وبيان معانيه واستخراج احكامه وحكمه. وعرّفه غيره بأنه (علم يبحث فيه عن القرآن الكريم من حيث دلالته على مراد الله تعالى بقدر الطاقة البشرية)

معنى التأويل

وأما التأويل فهو لغة من الأول بمعنى الرجوع فكأن المفسر أرجع الآية إلى ما يحتمله من المعاني ويرى بعض العلماء أن التأويل مرادف للتفسير حتى قال صاحب القاموس. أول الكلام تأويلاً وتأوله بمعنى دبره وقدره وفسره ومنه قوله تعالى ﴿وَابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾ أما في الاصطلاح فهو عند المتقدمين بمعنى التفسير فيقال تفسير القرآن ويقال تأويل القرآن بمعنى واحد. قال (ابن جرير الطبري) في تفسيره. (القول في تأويل قوله تعالى كذا واختلف أهل التأويل في هذه الآية) يريد بذلك أهل التفسير

وقال (مجاهد) إن العلماء يعلمون تأويله (يعني القرآن) ويريد تفسير معناه. وذهب فريق من العلماء إلى أن بين (التفسير والتأويل) فرقا جليا وقد اشتهر هذا عند المتأخرين

التفسير: هو المعنى الظاهر من الآية الكريمة.

وأما التأويل. فهو ترجيح بعض المعاني المحتملة من الآية الكريمة التي تحتمل عدة معان وقد

أفاض العلامة (السيوطي) في كتابه (الإتقان في علوم القرآن) في هذا البحث ونقل نقولاً كثيرة عن العلماء، نكتفي بأجمعها وأقربها إلى الصواب وهو أن نقول إن التفسير هو كشف معاني القرآن الظاهرة والتأويل ما استنبطه العارفون من المعاني الخفية والأسرار الربانية اللطيفة التي تحملها الآية الكريمة. وهذا الذي اخترناه هو الذي ذهب إليه (الآلوسي) رحمه الله حيث قال:

(قد تعورف عن المؤلفين من غير نكير أن التأويل معان قدسية ومعارف ربانية تنهل من سحب الغيب على قلوب العارفين والتفسير غير ذلك)

والخلاصة أن التفسير هو المعاني الظاهرة من القرآن الكريم التي هي واضحة الدلالة على المعنى المراد لله عز وجل. والتأويل هو المعاني الخفية التي تستنبط من الآيات الكريمة والتي تحتاج إلى تأمل وتفكر واستنباط والتي تحتمل عدة معان فيرجح المفسر منها ما كان أقوى عن طريق النظر والاستدلال وليس هذا الترجيح بقطعي بل هو ترجيح للأظهر والأقوى إذ الحكم بأنه المراد القطعي تحكم في كتاب الله والله تعالى يقول: (وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ) الآية. والله أعلم.

لغت: تنہل: سیراب کیا جانا۔ سحب: یہ سحاب کی جمع ہے بادل خواہ پانی بھرے ہوں یا خالی۔ قطعی: یقینی۔

ترجمہ: تفسیر اور تاویل میں فرق

(مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"تفسیر کا لغوی معنی واضح کرنے اور کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔" ❶

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ (الفرقان: ٣٣)

"اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر۔" (تفسیر عثمانی)

چنانچہ ہمارا قول "فسر القرآن" کا معنی کھول کر بیان کرنا اور واضح کرنا ہے اور (ھذا قول) کلام مفسر اس کا معنی (ایسا کلام کہ جو) واضح اور ظاہر (ہے) اور تفسیر کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: "علم يعرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيه محمد صلى الله عليه وسلم وبيان معانيه واستخراج احكامه وحكمه." یہ وہ علم ہے کہ جس سے اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب (قرآن کریم) کا فہم حاصل ہو اور اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کا

---

❶ ترجمہ از [illegible] مرحوم

استنباط کیا جا سکے۔" ❶

دوسروں نے یہ تعریف کی ہے۔

علم یبحث فیه عن القرآن الکریم من حیث دلالته علی مراد الله تعالی بقدر الطاقة البشریة. ❷

"تفسیر ایک ایسا علم ہے کہ جس میں بشری استطاعت کی حد تک اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ الفاظ قرآنی سے خداوند تعالیٰ کی مراد کیا ہے۔" (مناہل العرفان جلد ۲ صفحہ ۴ ترجمہ از تاریخ تفسیر و مفسرین غلام احمد حریری مرحوم صفحہ ۱۳)"

تاویل کا معنی

"(مادہ لفظ) تاویل تو لغت میں (لفظ) "اوّل" سے (نکلا) ہے کہ جو "رجوع" (یعنی لوٹنے) کے معنی میں ہے۔ پس گویا کہ مفسر آیت کو ان معانی کی طرف لوٹاتا ہے کہ جن پر یہ آیت مشتمل ہوتی ہے۔ اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ (تاویل اور تفسیر یہ دونوں مرادف الفاظ ہیں یعنی) لفظ تاویل یہ تفسیر کے مرادف (یعنی ہم معنی) ہے۔ یہاں تک کہ

صاحب قاموس فرماتے ہیں "اول الکلام تاویلا وتاوله" اس کا معنی ہے دبره وقدره وفسره.

"اس نے کلام کی تاویل کی اور اس کو لوٹایا یعنی اس کی تخریج و توضیح کی، اس کا اندازہ کیا اس کو کھول کر بیان کیا۔"

اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾ (آل عمران: ۷)

"گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے۔" (تفسیر عثمانی)

رہی تاویل کی اصطلاحی تعریف تو بعض متقدمین کے نزدیک یہ لفظ تفسیر کا ہم معنی ہے پس "تفسیر قرآن" (بھی) کہتے ہیں اور "تاویل قرآن" (بھی) کہتے ہیں (دونوں ہم معنی ہیں) مثلاً ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

القول فی تاویل قوله تعالی کذا — واختلف اهل التاویل فی هذه الآیة

"فلاں آیت کی تاویل یوں ہے ❸ — اور اہل تاویل نے اس آیت (کے معانی) میں اختلاف کیا ہے)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) یہاں وہ (لفظ) تاویل سے تفسیر مراد لیتے ہیں۔" ❹

مجاہد فرماتے ہیں "ان العلماء یعلمون تاویله" ❺ یعنی (تاویل قرآن)

---

❶ البرہان فی علوم القرآن میں علامہ زرکشی نے یہ تعریف کی ہے (ترجمہ علوم القرآن ص ۲۲۳) ❷ مناہل العرفان للزرقانی

❸ ترجمہ از تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۱۹ غلام احمد حریری مرحوم۔ ❹ ترجمہ از تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۴ غلام احمد حریری مرحوم۔

❺ ہمارے پاس جو نسخہ ہے اس میں یہ لفظ یعلمون نہیں بلکہ یعلمونه ہے جبکہ غلام احمد حریری مرحوم لکھتے ہیں۔ "مجاہد کا یہ قول جب کہتے ہیں کہ علماء قرآن کی تاویل کو جانتے ہیں۔ تو ان کی مراد تاویل سے تفسیر ہی ہے۔" (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۴)

علامہ مرحوم کی اس عبارت سے یہ بات زیادہ واضح محسوس ہوتی ہے کہ یعلمه یعلمون کی جگہ اصل کتاب کے متن میں غلطی کاتب سے ہوئی ہے۔ واللہ اعلم (مترجم)

"علماء قرآن کی تاویل پر عمل کرتے ہیں۔" 0

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) ان کی مراد قرآن کے معنی کی تفسیر ہے (کہ اس پر عمل کرتے ہیں) اور علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ تفسیر اور تاویل میں بڑا واضح فرق ہے۔ اور یہ بات علماء متاخرین میں بڑی مشہور ہوئی ہے۔ (جو کہ مندرجہ ذیل ہے کہ)

تفسیر

یہ آیت کریمہ کا ظاہر معنی ہے۔

تاویل

یہ آیت کریمہ میں پائے جانے والے متعدد معانی میں سے کسی ایک معنی کو ترجیح دینے کا نام ہے۔ اور علامہ سیوطیؒ نے اس بحث میں اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں طویل کلام فرمایا ہے اور بہت سارے علماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ہم ان میں سے سب سے جامع اور حق کے سب سے زیادہ قریب (کے نقل کرنے) پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم کہتے ہیں۔

تفسیر یہ ہے کہ یہ قرآن کے ظاہری معانی کو کھولنا ہے اور تاویل یہ عارفین کا ان پوشیدہ معانی لطیفہ اور اسرار ربانی کا استنباط کرنا ہے کہ جو اس آیت کریمہ میں ہوتے ہیں۔

اور اسی (تفسیر اور تاویل کے فرق اور ان کی تعریف) کو ہم نے اختیار کیا ہے کہ جس کی طرف (علامہ شہاب الدین محمود) آلوسی گئے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے۔

> "اور سوجھی (یعنی مفسرین قرآن کہ جو متقدمین ہیں ان) سے بغیر کسی نکیر کے یہ بات متعارف ہے کہ تاویل یہ (قرآن کے) معانی قدسیہ اور معارف ربانیہ ہیں کہ غیب کے بادلوں سے عارفین کے دلوں پر برستے ہیں (اور انہیں سیراب کرتے ہیں) جبکہ تفسیر تو وہ اس کے علاوہ ہوتی ہے۔"

خلاصہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ)

تفسیر

یہ قرآن کریم کے وہ ظاہری معانی ہیں کہ جو اللہ جل جلالہ کے مرادی معنی پر واضح دلالت کرتے ہیں اور

تاویل

یہ وہ پوشیدہ معانی ہیں کہ جن کا آیات کریمہ سے استنباط کیا جاتا ہے اور وہ تامل اور غور وفکر اور استنباط کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور جن میں بہت سارے معانی کا احتمال ہے جن مفسر کسی ایک معنی کو کہ جو نظر واستدلال کے طریقے سے (اس کے

---

0 ہم نے متن کتاب کی رعایت کرتے ہوئے لفظی ترجمہ کر دیا ہے البتہ حاشیہ میں اس کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ (مترجم)

نزدیک) قوی ہو اس کو ترجیح دیتا ہے۔ اور یہ ترجیح دینا (اس معنی کا) قطعی ہوتا نہیں ہے بلکہ یہ زیادہ ظاہر اور زیادہ قوی معنی کو ترجیح دینا ہے۔ کیونکہ اس معنی کے قطعی المراد ہونے کا حکم لگانا یہ کتاب اللہ پر تحکم ہوگا۔ (یعنی بے جا جسارت ہوگی) جبکہ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ . (آل عمران: ۷)

"اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے" (تفسیر عثمانی) واللہ اعلم

توضیح

تفسیر اور تاویل کی تعریف

علامہ سعید احمد اکبر آبادی مرحوم فرماتے ہیں۔

ابوحیان اندلسی صاحب بحر المحیط نے تفسیر کی تعریف اس طرح کی ہے۔

"وہ ایک ایسا علم ہے جس میں قرآن کریم کے الفاظ کی کیفیت نطق سے الفاظ کے مدلولات اس کے احکام افرادی و ترکیبی اور ان کے معانی سے جن پر الفاظ بحالت ترکیب محمول کئے جاتے ہیں بحث کی جاتی ہے اور ان کے علاوہ چند اور تکملات بھی ہیں جن کا علم مفسر کے لئے ضروری ہے۔ (فہم قرآن صفحہ ۳۵)

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

"لفظ تفسیر کا مادہ دراصل "فسر" سے ہے جس کے معنی ہے کھولنا اور اس علم میں چونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اس لئے اسے "علم التفسیر" کہتے ہیں۔ قدماء میں قرآن کی تفسیر کا اطلاق اس کی تشریح پر ہی ہوتا تھا۔ عہد رسالت کے قریب قریب علوم میں اختصار کی وجہ سے اس کی زیادہ شاخیں نہیں تھیں۔ لیکن جب یہ علم مدون ہو گیا اور اس کی ہمہ جہتی خدمات کی گئیں تو یہ ایک نہایت وسیع اور پہلو دار علم بن گیا۔ اور اس کی تفصیلات میں زمانہ کے تقاضوں سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اب علم تفسیر جن تفصیلات کو شامل ہے اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔"

"علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے ان کے مفہوم ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے جو ان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لئے جاتے ہیں۔ نیز ان معانی کا تکملہ ناسخ و منسوخ، شان نزول اور مبہم قصوں کی توضیح کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔" ●

اس تعریف کی روشنی میں علم تفسیر مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے۔

(۱) الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے۔

(۲) الفاظ قرآنی کا مفہوم۔

● روح المعانی جلد اصفحہ ۴۔

(۳) الفاظ کے انفرادی احکام۔

(۴) الفاظ کے ترکیبی احکام۔

(۵) ترکیبی حالت میں الفاظ کے مجموعی معنی۔

(۶) معانی کے تکملے۔

(علوم القرآن صفحہ ۳۲۳-۳۲۴ ملخصاً)

تاویل

علامہ عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں

"تفسیر کے لئے قدیم زمانے میں ایک اور لفظ "تاویل" بھی بکثرت استعمال ہوتا تھا۔ اور خود قرآن کریم نے بھی اپنی تفسیر کے لئے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ. اس کے بعد علماء میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آیا یہ دونوں لفظ بالکل ہم معنی ہیں یا ان دونوں میں فرق ہے۔"

امام ابوعبیدؒ وغیرہ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں لفظ بالکل مترادف ہیں۔ اور دوسرے حضرات نے ان میں فرق بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق بتلانے کے لئے اتنی آراء ظاہر کی گئی ہیں کہ ان سب کا شمار بھی مشکل ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۳۲۵-۳۲۶ ملخصاً)

تفسیر تاویل میں فرق

علامہ عثمانی دامت برکاتہم نے یہاں چند اقوال نقل کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) تفسیر ایک ایک لفظ کی انفرادی تشریح اور تاویل مجموعی آیت کی تشریح کا نام ہے۔

(۲) تفسیر الفاظ کے ظاہری معنی بیان کرنے کو کہتے ہیں اور تاویل اصل مراد کی توضیح کو۔

(۳) تفسیر اس آیت کی ہوتی ہے کہ جس میں زیادہ معانی کا احتمال نہ ہو۔ جبکہ تاویل کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی جو مختلف تشریحات ممکن ہیں ان میں سے کسی ایک کو دلیل کے ساتھ اختیار کرنا۔

(۴) تفسیر یقین کے ساتھ تشریح کو اور تاویل تردد کے ساتھ تشریح کو کہتے ہیں۔

(۵) تفسیر الفاظ کا مفہوم بیان کر دینے کو کہتے ہیں اور تاویل اس مفہوم سے نکلنے والے سبق اور نتائج کی توضیح کو کہتے ہیں۔

(علوم القرآن ۳۲۶)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم نے متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد تاویل اور تفسیر میں فرق کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

امام زرکشی فرماتے ہیں:

"علماء نے تاویل اور تفسیر کے مابین جس فرق و امتیاز کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ تفسیر میں منقولات

پر اعتماد کیا جاتا ہے اور تاویل کا مدار زیادہ تر اجتہاد پر ہوتا ہے۔" (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۰)

خلاصہ بحث

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں ابو عبیدؒ کی ہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں لفظوں میں استعمال کے لحاظ سے کوئی حقیقی فرق نہیں۔ اور جن حضرات نے ان میں فرق بیان کرنے کی کوشش کی ہے ان کے شدید اختلاف آراء پر غور کرتے ہی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی معین اور اتفاقی اصطلاح نہیں بن سکی۔ اگر ان میں واقعی فرق ہوتا تو اس شدید اختلاف کے کوئی معنی نہیں تھے۔ اگرچہ بعض علماء نے تفسیر اور تاویل کو الگ الگ اصطلاح قرار دینے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن اس میں ایسا اختلاف رونما ہوا کہ کوئی بھی اصطلاح عالمگیر شہرت نہ پا سکی۔ یہی وجہ ہے کہ قدماء مفسرین سے لے کر آج تک ان دونوں لفظوں کے ساتھ علماء یکساں معاملہ فرماتے آئے ہیں اور ان کو ہم معنی لفظ قرار دے کر ایک دوسرے کی جگہ بلا تکلف استعمال کیا ہے لہٰذا اس بحث میں وقت کھپانے کی ضرورت نہیں۔"

(علوم القرآن صفحہ ۳۲۶)

أقسام التفسير

ينقسم التفسير حسب الاصطلاح العلمي الدقيق إلى ثلاثة أقسام:

أولاً: (التفسير بالرواية) وهذا الذي يسمى التفسير بالنقل أو التفسير بالمأثور.

ثانياً: (التفسير بالإشارة) وهو الذي يسميه العلماء (التفسير الإشاري)

وسنتحدث عن كل قسم من هذه الأقسام بالتفصيل إن شاء الله وترضيح السليم من السقيم

القسم الاول

التفسير بالرواية

هو ما جاء في القرآن' أو السنة' أو كلام الصحابة' بيانا لمراد الله تعالى تفسير القرآن بالسنة النبوية' فالتفسير المأثور إما أن يكون تفسير القرآن بالقرآن' أو تفسير القرآن بالسنة النبوية أو تفسير القرآن بالمأثور عن الصحابة.

(أ) مثال ما جاء تفسيره في القرآن الكريم قوله تعالى: ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ فقد جاء تفسير قوله ﴿إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ في آية كريمة أخرى هي قوله تعالى ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ الآية. وكذلك قوله تعالى

(وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ) جاء تفسير الطارق في نفس السورة (النجم الثاقب) وكذلك قوله تعالى (فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ) الآية. جاء تفسير الكلمات التي تلقاها آدم في موطن آخر من القرآن وهي قوله تعالى (قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ)

ومن الأمثلة أيضا على تفسير القرآن بالقرآن قوله تعالى (إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ) جاء تفسير الليلة المباركة بأنها ليلة القدر في قوله جل ذكره (إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ) إلى آخر ما هنالك.

(ب) ومثال ما جاء في السنة المطهرة تفسيرا وشرحا للقرآن أنه ﷺ فسر الظلم بالشرك في قوله سبحانه (الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ) وأيد تفسيره هذا بقوله تعالى (إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ)

وفسر ﷺ الحساب اليسير بـ(العرض) أي عرض الأعمال على المؤمن وتذكيره بها فقط وذلك حين قال: من نوقش الحساب عذب. فقالت السيدة عائشة له: يا رسول الله أو ليس قد قال الله تعالى (فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا) فقال ﷺ ذلك العرض. (بيانا للحساب اليسير) وأما من نوقش الحساب عذب.

وكتفسيره ﷺ الصلاة الوسطى في قوله تعالى (حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ) بأنها صلاة العصر ..... وتفسير المغضوب عليهم والضالين في سورة الفاتحة باليهود والنصارى ومن الأمثلة أيضا على تفسير النبي للآيات الكريمة تفسيره الزيادة في قوله تعالى (لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ) الآية لقد فسرها بأنها النظر إلى وجه الله الكريم وكتفسيره ﷺ القوة (بالرمي) في قوله تعالى (وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ) فقد قال ﷺ ألا إن القوة الرمي ألا إن القوة الرمي. وكتفسير قوله تعالى (يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا) قال ﷺ أتدرون ما أخبارها؟ قالوا الله ورسوله أعلم. قال: أن تشهد على كل عبد أو أمة بما عمل على ظهرها تقول: عملت يوم كذا وكذا وأمثال هذه التفاسير كثير وقد جمع (السيوطي) في كتابه (الإتقان في علوم القرآن) طائفة كبيرة من التفاسير النبوية فليرجع إليه.

وكلا هذين القسمين (تفسير القرآن بالقرآن) وتفسير (القرآن بالسنة) لا شك في أنه أعلى أنواع التفسير ولا شك في قبوله أما الأول فلأن الله تعالى أعلم بمراد نفسه من غيره وكتاب الله تعالى أصدق الحديث لأنه لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه. وأما الثاني. فلأن

الرسول ﷺ قد بين مهمته القرآن، وذكر أنها مهمة التوضيح والبيان ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ الآية فما جاء عن رسول الله ﷺ من شرح أو بيان بسند صحيح ثابت فإنه مما لا شك في أنه حق يجب اعتماده

ترجمہ تفسیر کی اقسام

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"دقیق علمی اصطلاح کے مطابق تفسیر کی تین اقسام ہیں۔

(۱) تفسیر بالروایہ

(اس تفسیر) کا نام "تفسیر بالنقل" یا "تفسیر بالماثور" رکھا جاتا ہے۔

(۲) تفسیر بالدرایہ

اس کا نام تفسیر بالرائے رکھا جاتا ہے۔

(۳) تفسیر بالاشارہ

یہ وہ تفسیر ہے کہ جس کا نام علماء نے تفسیر اشاری رکھا ہے۔

ہم ان تینوں قسم کی تفسیر کے بارے میں تفصیلی کلام کریں گے۔ (ان شاء اللہ) اور صحیح کو غیر صحیح سے واضح کریں گے۔

تفسیر بالروایہ

یہ وہ تفسیر ہے کہ جو قرآن یا سنت یا اقوال صحابہ میں اللہ تعالیٰ کی مراد کو بیان کرنے کے لئے سنت نبویہ کے ذریعے قرآن کی تفسیر بیان کرنے کے لئے آئی ہو۔ پس تفسیر ماثور یا تو قرآن سے قرآن کی تفسیر یا سنت نبویہ سے قرآن کی تفسیر یا صحابہ کرام سے منقول اقوال سے قرآن کی تفسیر ہوگی۔

(الف) اس آیت کی مثال کہ جس کی تفسیر (خود) قرآن کریم میں آئی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ (المائدہ۔ ۱)

"حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی سوائے ان کے جو تم کو آگے سنائے جائیں گے۔" (تفسیر عثمانی)

تحقیق کہ "إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ" کی تفسیر ایک دوسری آیت کریمہ میں آئی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا (یہ) قول ہے۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ...﴾ (المائدہ: ۳)

"حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو مر گیا گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر اور سینگ مارنے سے۔" (تفسیر عثمانی)

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ (الطارق: ۱)

"قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں آنے والے کی۔" (تفسیر عثمانی)

"الطارق" کی تفسیر اسی سورت میں (آگے) آتی ہے۔ "النجم الثاقب" "وہ تارا چمکتا ہوا" (تفسیر عثمانی)

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ (البقرة: ۳۷)

"پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر۔" (تفسیر عثمانی)

ان کلمات کی تفسیر کہ جو حضرت آدم علیہ السلام نے (اپنے رب سے) سیکھے قرآن میں ایک دوسری جگہ آتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الاعراف: ۲۳)

"بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ۔" (تفسیر عثمانی)

قرآن کی قرآن ہی سے تفسیر کی مثالیں (مزید) بھی ہیں۔ (جیسے) ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ (الدخان: ۳)

"ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں۔" (تفسیر عثمانی)

(قرآن میں ہی ایک دوسری جگہ) اس لیلۂ مبارکہ کی تفسیر یہ آئی ہے کہ یہ "لیلۃ القدر" ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں (یہ تفسیر آئی ہے)

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر: ۱)

"ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں۔" (تفسیر عثمانی)

مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لیلۃ القدر کا بیان یہاں سے لے کر آخر تک (ہے)

(ب) وہ مثالیں کہ جن میں سنت مطہرہ قرآن کی تفسیر اور شرح بن کر آتا ہے (جیسا کہ مثلاً) نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ظلم کی تفسیر شرک سے کی ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام: ۸۲)

"جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملا دیا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے دل جمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔" (تفسیر عثمانی)

اور آپ کی اس تفسیر کی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے (بھی) تائید ہوتی ہے۔

ن کا منصب سمجھا جائے گا۔ اس لئے ان آیات کی تفسیر میں اختلاف رائے نہیں پایا جاتا ہے۔ یہ آیات فقط لغت عربی پر عبور اور عقل سلیم سے ہی سمجھ آجاتی ہیں۔ (۲) دوسری قسم کی وہ آیات ہیں کہ جن میں اجمال ابہام یا کسی قسم کی دشواری پائی جاتی ہے۔ یا ان کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ان کا پورا پس منظر جاننا ضروری ہوتا ہے۔ یا ان سے دقیق تر فقہی مسائل یا گہرے اسرار و معارف مستنبط ہوتے ہیں۔ ایسی آیات کی تشریح میں فقط زبان دانی کافی نہیں ان آیات کی تفسیر کے لئے بہت ساری معلومات چاہئیں۔ آگے ہم اسی قسم کی آیات کے بارے میں تفسیر کے ماخذ بیان کریں گے۔

تفسیر کے کل چھ ماخذ ہیں۔ (۱) خود قرآن کریم۔ (۲) احادیث نبویہ۔ (۳) صحابہ کے اقوال۔ (۴) تابعین کے اقوال۔ (۵) لغت عرب۔ (۶) عقل سلیم۔

قرآن کریم تفسیر کا پہلا ماخذ

تفسیر قرآن کا پہلا ماخذ خود قرآن کریم ہی ہے۔ چنانچہ اس کی آیات بعض اوقات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ یہ کئی طرح پر ہوتا ہے مثلاً۔

(۱) ایک جگہ کوئی بات مبہم بیان ہوتی ہے تو دوسری جگہ اس کا ابہام دور کر دیا جاتا ہے۔

(۲) تفسیر القرآن بالقرآن کی دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی بات ایک قراءت میں مبہم ہوتی ہے مگر دوسری قراءت میں وہ ابہام دور ہو جاتا ہے۔

(۳) اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی آیت کی تفسیر مطلوب ہے خود اس کے سیاق و سباق پر غور کیا جائے۔ اس طرح بسا اوقات آیت کے کسی حل طلب نکتے کی تشریح واضح ہو جاتی ہے۔

علامہ عثمانی ان کو مثالیں دے کر بہت تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "یہ تفسیر القرآن بالقرآن" کا اجمالی تعارف تھا۔ بعض حضرات نے ایسی پوری تفسیریں بھی لکھی ہیں جن میں ہر آیت کی تفسیر قرآن کی کسی دوسری آیت سے کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔ اس قسم کی ایک تفسیر علامہ ابن جوزی نے بھی لکھی ہے اور علامہ سیوطی نے "الاتقان" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ①

اسی نوعیت کی ایک گرانقدر کتاب مدینہ منورہ کے ایک عالم شیخ محمد امین بن محمد مختار شنقیطی نے دس جلدوں میں تصنیف کی ہے جو "اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں انہوں نے تفسیر القرآن بالقرآن کی مختلف صورتیں زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہیں۔" ② (علوم القرآن صفحہ ۳۴۲-۳۴۳ ملخص)

مولانا غلام احمد حریری مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔

قرآن کا قاری اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اس میں ایجاز بھی ہے اور اطناب بھی، اجمال بھی ہے اور تبیین بھی، مطلق و

---

① اتقان جلد ۲ نوع نمبر ۷۸ ② اضواء البیان صفحہ ۳ تا ۵

مقید اور خاص و عام سب ہی کو شامل ہے۔ جو چیز ایک جگہ مختصراً بیان ہوئی ہے وہ دوسری جگہ تفصیلاً بیان ہوئی ہے۔ جو ایک جگہ مجمل ہے تو دوسری جگہ مفصل ہے۔ جو ایک اعتبار سے مطلق ہے وہ دوسرے پہلو سے مقید ہے۔ جو چیز ایک آیت میں عام ہے وہ دوسری آیت میں خاص ہے لہٰذا جو شخص قرآن کی تفسیر کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک موضوع میں وارد ہونے والی تمام مکرر آیات کو جمع کر کے ان کا تقابل کرے۔ اس طرح مفصل آیات سے مجمل آیات کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اور مبین آیات کا فہم واد راک مبہم آیات کا مفہوم متعین کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ اس کے لئے لازم ہے کہ مطلق کو مقید پر اور عام کو خاص پر محمول کرے۔

یہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے اس سے تجاوز کرنا کسی کے لئے بھی موزوں نہیں۔ اس لئے کہ صاحب کلام سے بڑھ کر اور کوئی اس کے اسرار و رموز سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔

تفسیر القرآن بالقرآن کی اقسام اور طریقہ

(۱) مختصر آیات کی تفسیر ان آیات سے کی جائے جہاں ان کی تفصیل آئی ہے۔

(۲) مجمل کو مبین پر محمول کیا جائے۔

(۳) مطلق کو مقید پر اور عام کو خاص پر محمول کیا جائے۔

(۴) بظاہر مختلف نظر آنے والی باتوں کو یکجا کر دیا جائے۔

ان تمام باتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد علامہ مرحوم فرماتے ہیں۔

"یہ ہے تفسیر القرآن بالقرآن جس کی جانب صحابہؓ قرآن کے معانی و مطالب معلوم کرنے کے لئے رجوع کیا کرتے تھے۔ یہ ایک سطحی کام نہیں۔ جس کو بغیر غور و فکر کا محتاج نہ ہو۔ بخلاف ازیں یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی اساس ہی فکر و نظر پر رکھی گئی ہے۔ اس لئے کہ مجمل کو مفصل (و مبین) عام کو خاص اور مطلق کو مقید پر محمول کرنا کوئی معمولی کام نہیں۔ جو ہر شخص انجام دے سکتا ہو۔ بلکہ یہ ایک ایسا کام ہے کہ جس سے اہل علم ہی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۰-۲۲ ملخصاً)

احادیث نبوی

تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ "تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ آنحضرتؐ کی احادیث ہیں۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ آپؐ کو دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد ہی اپنے قول و فعل سے قرآن کو واضح کرنا اور کھول کھول کر بیان کرنا ہے۔

یہ بات قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ آپؐ اس لئے دنیا میں تشریف لائے کہ دنیا کو قرآن کریم کی ہدایات اور

اس کے اسرار و معارف سے آگاہ کریں۔ اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقے سکھائیں۔ اس سے خود قرآن کریم سے ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات قرآن کریم کی تفسیر کا اہم ترین ماخذ ہیں۔ (علوم القرآن صفحہ ۳۳۴۔ ۳۳۵ ملخصاً)

(ج) تفسیر الصحابة

ففي القسم الثالث من أقسام التفسير المأثور ألا وهو (تفسير الصحابة) فإنه أيضا من التفسير المعتمد المقبول؛ لأن الصحابة رضوان الله عليهم قد اجتمعوا بالرسول ﷺ ونهلوا من معينه الصافي، وشاهدوا الوحي والتنزيل، وعرفوا أسباب النزول، ولهم من صفاء نفوسهم، وسلامة فطرتهم، وعلو منزلتهم في الفصاحة والبيان، ما يؤهلهم من الفهم الصحيح السليم لكلام الله، وما يجعلهم يدركون أسرار هذا القرآن أكثر من أي إنسان.

قال الحاكم: (إن تفسير الصحابي الذي شهد الوحي والتنزيل له حكم المرفوع) ومعنى هذا أن تفسير الصحابي له حكم الحديث النبوي الذي رفع إلى النبي ﷺ فهو إذا من المأثور.

وأما التابعي: فقد اختلف في تفسيره، فذهب بعض العلماء إلى أنه من المأثور لأنه تلقاه من الصحابة غالباً، ومنهم من قال إنه من التفسير بالرأي، أي له حكم بقية المفسرين فسروا حسب قواعد اللغة العربية دون التزام للمأثور.

ملاحظة: التفسير بالمأثور من أجود أنواع التفسير إذا صح سنده إلى الرسول ﷺ أو إلى الصحابة. وينبغي التثبت من الرواية عند ذكر التفسير بالمأثور.... قال الحافظ (ابن كثير) رحمه الله: إن أكثر التفسير المأثور قد سرى إلى الرواة من زنادقة اليهود والفرس، ومسلمة أهل الكتاب، وجل ذلك في قصص الرسل مع أقوامهم، وما يتعلق بكتبهم ومعجزاتهم، وفي تاريخ غيرهم كأصحاب الكهف ... الخ. لينبغي إذا التثبت من الرواية.

أسباب ضعف الرواية بالمأثور

ذكرنا فيما تقدم أن تفسير بعض القرآن ببعض، وتفسير القرآن بالسنة الصحيحة المرفوعة إلى النبي ﷺ لا شك في قبوله ولا خلاف في أنه من أعلى مراتب التفسير، وأما تفسير القرآن بالمأثور عن الصحابة والتابعين فإنه يتطرق إليه الضعف من وجوه:

أولاً: اختلاط الصحيح بغير الصحيح، ونقل كثير من الأقوال المنسوبة إلى الصحابة أو التابعين من غير إسناد ولا تثبت، ومما أدى إلى التباس الحق بالباطل.

ثانیا: أن تلك الروایات منبثة (بالإسرائیلیات) وفیها كثیر من الخرافات التي تصادم العقیدة الإسلامیة' والتي قام الدلیل علی بطلانها' وهي مما دخل علی المسلمین من أهل الكتاب.

ثالثاً: أن بعض أصحاب المذاهب المتطرفة لفقوا أقوالاً وصنعوا أباطیل نسبوها إلی بعض الصحابة مثل (الشیعة) شیعة علي المتطرفین نسبوا إلیه ما هو منه بري ومثل اولئك المتزلفین للعباسیین نسبوا الی ابن عباسؓ مالم یصح نسبته الیه' تملقاً للحكام.

رابعاً: أن بعض الزنادقة من أعداء الإسلام دسوا علی الصحابة والتابعین كما دسوا علی رسول الله في الأحادیث النبویة' وذلك بغرض هدم الدین عن طریق (الدس والوضع) فمن هذه الناحیة ینبغي الاحتیاط والتثبت والتحذر من الأقوال التی تنسب إلی الصحابة الكرام أو التابعین۔

رأي الزرقاني في مناهل العرفان

وقد ذكر الأستاذ (الزرقاني) في كتابه "مناهل العرفان" كلاماً حسناً حول التفسیر بالمأثور بعد أن ذكر نقولا عن الإمام أحمد رحمه الله' وعن ابن تیمیة رحمه الله فقال: (وكلمة الإنصاف في هذا الموضوع أن التفسیر بالمأثور نوعان:)

أحدهما: ما توافرت الأدلة علی صحته وقبوله' وهذا لا یلیق بأحد رده' ولا یجوز إهماله وإغفاله' ولا یجمل أن نعتبره من الصوارف عن هدی القرآن' بل هو علی العكس عامل من أقوی العوامل علی الاهتداء بالقرآن.

ثانیهما: ما لم یصح لسبب من الأسباب الآنفة أوغیرها' وهذا یجب رده ولا یجوز قبوله ولا الاشتغال به' ولا یزال كثیر من أیقاظ المفسرین كابن كثیر یتحرون الصحة فیما ینقلون' ویزیفون ما هو باطل أو ضعیف.

لغات: مسلمہ: اسلام قبول کرنے والے' اسلام میں دوسرے مذاہب سے داخل ہونے والے لوگ۔ متطرف: انتہا پسند' راہ حق سے دور' صراط مستقیم سے منحرف۔ متزلفین: چغل خور' چاپلوس' خوشامد پرست۔ الدس: زبردستی۔ گھسیڑنا: توافر۔ جمع ہونا' مہیا ہونا۔ اھمال: چھوڑ دینا۔ یزیفون: قول یا رائے کے بطلان کو ظاہر کرنا۔ جعلی ہونا۔ تملقا: خوشامد کی نشاندہی کرنا۔ تحری: بچنا۔

ترجمہ: (ج) صحابہ کرام کی تفسیر

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"التفسیر ماثور کی تیسری قسم (ذکر کرنے سے) باقی رہ گئی تو جان لیجئے کہ وہ "صحابہ کرام کی تفسیر" ہے کہ یہ بھی معتبر اور

معتبر تفسیر ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ آپؐ کے گرد جمع ہوئے اور آپؐ کے صاف چشمے سے اپنے آپ کو سیراب کیا اور انہوں نے وحی اور قرآن اترنے کا مشاہدہ کیا۔ اور وہ اسباب نزول جانتے تھے۔ ان کی باطنی پاکیزگی، سلامتی فطرت، فصاحت و بلاغت میں ان کے بلند مرتبہ نے ان کو کلام اللہ کو صحیح اور درست سمجھنے کا اہل بنا دیا۔ اور وہ ہر ایک اقرب ہے اس قرآن کے اسرار (و رموز) کو زیادہ سمجھنے لگے۔"

حاکمؒ فرماتے ہیں:

"جس صحابی نے وحی اور تنزیل کا مشاہدہ کیا ہو اس کی تفسیر حدیث مرفوع کا حکم رکھتی ہے۔"

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ)

"اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابی کی تفسیر اس حدیث نبوی کے حکم میں ہے کہ جو (سند کے اعتبار سے) نبی علیہ السلام تک مرفوع ہو۔ تو اس تقدیر پر تو صحابی کی تفسیر بھی تفسیر ماثور ہی ہوگی۔"

البتہ تابعی کی تفسیر (کے حکم) کے بارے میں (علماء میں) اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی ماثور کے حکم میں ہے کیونکہ انہوں نے غالب یہ ہے کہ اس تفسیر کو کسی صحابی سے ہی لیا ہوگا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تفسیر بالرائے کی قسم میں سے ہے یعنی ان کا حکم (بھی) ان باقی مفسرین کا ہے کہ جنہوں نے ماثور (اور منقول روایات) کا التزام کئے بغیر لغت عربی کے قواعد کے مطابق (قرآن کی) تفسیر کی۔

تنبیہ

تفسیر کی جب سند نبیؐ یا صحابہؓ تک صحیح ہو جائے تو یہ سب سے عمدہ تفسیر ہے۔ اور تفسیر ماثور کے ذکر کے وقت اس روایت کی تحقیق کر لینا مناسب ہے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "تفسیر ماثور اکثر زندیق، یہودیوں اور اسرائیلیوں اور اہل کتاب میں سے مسلمان ہونے والے (علماء) تک پہنچتی ہے اور یہ زیادہ تر انبیاء کرام اور ان کی قوموں اور ان کی کتابوں اور ان کے معجزات اور ان کے علاوہ تاریخی واقعات جیسے اصحاب کہف وغیرہ (کا قصہ) ان کے بارے میں ہوتی ہیں لہٰذا اس صورت میں ان روایات کی تحقیق کر لینا مناسب ہے۔

روایات ماثورہ کے ضعف کے اسباب

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"گزشتہ سطور میں ہم نے یہ بیان کیا کہ قرآن کی بعض آیات کی قرآن ہی سے اور قرآن کی صحیح مرفوع احادیث سے تفسیر کے معتبر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور ان کے سب اعلیٰ مرتبہ کی تفسیر ہونے میں (بھی) کسی کا اختلاف نہیں۔

البتہ صحابہؓ اور تابعینؒ سے مروی روایات سے قرآن کی تفسیر کریں تو اس میں چند وجوہات سے کمزوری آ گئی ہے۔

(1) صحیح احادیث کا غیر صحیح احادیث سے مل جانا ہے۔ بہت سارے ایسے اقوال نقل کیے گئے ہیں کہ جو بغیر کسی سند اور

"حدیث کا طالب علم آگاہ ہے کہ جو صحابی نزولِ وحی کے وقت موجود ہو اس کی تفسیر شیخینؒ کے نزدیک حدیث مرفوع کا درجہ رکھتی ہے (یعنی امام بخاریؒ و مسلمؒ کے نزدیک) (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۹۳ بحوالہ تدریب الراوی صفحہ ۶۴)

چوتھا ماخذ

اقوالِ تابعین

علامہ عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: تابعینؒ سے مراد وہ حضرات ہیں کہ جنھوں نے صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔ تفسیر میں تابعینؒ کے اقوال حجت ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۳۴۴ بتصرف)

صحابہ وتابعین کے اقوال کے لینے میں معیار

علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے تفسیری اقوال کو لینے میں چند امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) صحابہ کرامؓ کے تفسیری اقوال میں بھی ہر طرح کی صحیح و سقیم روایات ملتی ہیں۔ لہٰذا ان اقوال پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اصول حدیث پر ان کو پرکھ لیا جائے۔

(۲) اگر آیت کی تفسیر آپؐ سے کسی معتبر روایت سے ثابت نہ ہو تو اس وقت اقوال صحابہ معتبر ہوں گے۔ اگر کوئی معتبر روایت مل جائے تو اس وقت اقوال صحابہؓ کی حیثیت محض تائیدی ہوگی۔ اور اگر کسی صحابیؓ کا کوئی قول کسی صریح حدیث کے متعارض ہو تو وہ قابل قبول نہ ہوگا۔

(۳) اگر کوئی صحیح حدیث نہ ملے اور اقوال صحابہؓ میں بھی اختلاف نہ ہو تو ان کے اقوال کو ہی اختیار کیا جائے گا۔

(۴) اور اگر صحابہ کرامؓ کے تفسیری اقوال میں اختلاف ہو تو اول تو ان میں جمع و تطبیق کی کوشش کی جائے گی اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو مجتہد جس قول کو دلائل سے اختیار کرے گا اس کو لیا جائے گا۔

رہے تابعین کے اقوال تو ان کے بارے میں حافظ ابن کثیرؒ نے ان الفاظ سے بہترین کلام کیا ہے۔ ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"تابعی اگر کوئی تفسیر کسی صحابیؓ سے نقل کر رہا ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو صحابہ کرامؓ کی تفسیر کا ہے اور اگر خود اپنا کوئی قول بیان کرے تو یہ دیکھا جائے گا کہ کسی دوسرے تابعیؒ کا قول اس کے خلاف ہے یا نہیں؟ اگر اس کے خلاف کوئی دوسرا قول موجود ہو تو اس تابعیؒ کا قول حجت نہ ہوگا۔ بلکہ اس آیت کی تفسیر کے لئے قرآن کریم، لغت عرب، احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر تابعین کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو تو ایسی صورت میں بلاشبہ ان کی تفسیر حجت اور واجب الاتباع ہوگی۔" ۞ (علوم القرآن صفحہ ۳۴۰-۳۴۱ ملخصاً)

۞ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵ جلد ۱۔

علامہ غلام احمد حریری مرحوم لکھتے ہیں۔

(۱) جب کسی صحابی کی تفسیر اسباب نزول یا ایسی بات کے متعلق ہو کہ جس کو عقل انسانی کا دخل نہ ہو تو وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور جس تفسیر میں عقل انسانی کا دخل ہو اور اس کو انہوں نے نبیؐ کی طرف صریح منسوب بھی نہ کیا ہو تو اسے موقوف قرار دیں گے۔

(۲) صحابی کی مرفوع روایت کو کسی طرح رد نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مفسر لازماً اس سے استناد کرے اور کسی صورت میں بھی اس سے انحراف نہ کرے۔

(۳) رہے اقوال صحابہؓ تو بعض کے نزدیک ان سے اخذ واحتجاج واجب نہیں اور دوسرے بعض علماء کی رائے اس کے برعکس ہے۔

(۴) بقول علامہ زرکشی قرآن (کی تفسیر) کے دو حصے ہیں۔

(۱) قرآن کا وہ حصہ کہ جس کی تفسیر رسول کریمؐ اور صحابہؓ سے مروی ہو کہ وہ یا تو

(الف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو گی یا

(ب) صحابہؓ سے منقول ہوگی۔

(۲) قرآن کا وہ حصہ کہ جس کی تفسیر آپؐ سے منقول وماثور نہیں۔

اب جو تفسیر نبیؐ سے منقول ہو گی اس کی سند سے بحث کی جائے گی کہ وہ صحیح ہے یا نہیں فقط۔ اور صحابہ کی تفسیر کے بارے میں دیکھیں گے کہ اگر تو وہ لغت سے یا اسباب نزول کے بارے میں ہو کہ جس کو انہوں نے خود دیکھا ہو تو ان کی تفسیر بلا تردد اور شک قابل اعتماد ہو گی۔ (الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۳)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں:

"جب کسی آیت کی تفسیر ہمیں کتاب وسنت سے نہ ملے تو ہم اقوال صحابہ کی جانب رجوع کریں گے۔ کیونکہ انہوں نے نزول قرآن کے احوال وقرائن بچشم خود ملاحظہ فرمائے تھے۔ اس لئے وہ قرآن کریم کی تفسیر ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ان میں فہم کامل، صحیح اور عمل صالح پایا جاتا تھا۔ خصوصاً ان کے اکابر خلفائے راشدین آئمہ اربعہ اور اہل علم صحابہؓ مثلاً حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین (ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۳)

علامہ حریری مرحوم فرماتے ہیں:

"یہ آخری رائے ذہن وقلب کو اپیل کرنے والی ہر طرح موجب اطمینان اور قابل تسلیم ہے۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۹۳-۷۹ ملخصاً)

تابعینؒ کے بارے میں علامہ مرحوم تحریر فرماتے ہیں: "کہ ان کے قبول وعدم قبول کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کیونکہ آپؐ اور صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں (کہ آیا وہ حجت ہیں یا نہیں "تسہیل") اور امام احمدؒ سے اس بارے

میں دو قول منقول ہیں۔ حجت ہونے کا بھی اور اس کے برعکس بھی۔ ابن عقیل کا یہی مسلک ہے اور اسے شعبہؒ کی جانب بھی منسوب کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

''شعبہ بن حجاج اور دیگر علماء کا خیال ہے کہ تابعین کے اقوال جب مسائل فروعیہ میں حجت نہیں ہیں تو پھر تفسیر میں کیونکر حجت ہو سکتے ہیں۔'' ان کا مطلب یہ ہے کہ تابعین کے اقوال سے مخالف پر حجت قائم نہیں ہو سکتی یہ بات بجائے خود درست ہے۔ مگر جس (بات) پر تابعین کا اجماع منعقد ہو جائے اس کے حجت ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔ جب تابعین کسی بارے میں مختلف الرائے ہوں تو نہ ایک کا قول دوسرے پر حجت ہوگا نہ بعد میں آنے والے لوگوں پر۔ بخلاف ازیں ایسے مواقع پر عربی زبان یا سنت نبوی ﷺ یا عربی زبان کے عموم اور یا اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۲۴ بحوالہ مقدمہ اصول التفسیر ابن تیمیہ صفحہ ۲۸'' اور فواتح الرحموت جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ نیز الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)

روایات ماثورہ کے ضعف کے اسباب

علامہ حریری مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔ (کہ یہ اسباب مختصراً یوں بیان کئے جا سکتے ہیں)

(۱) لوگوں کے بکثرت حلقہ بگوش اسلام ہونے کی وجہ سے تفسیری اقوال میں اسرائیلیات و نصرانیات کی آمیزش شروع ہو گئی۔ ان نو مسلموں کے قلب و ذہن کے ساتھ بھی ایسے اخبار و وقائع پیوست تھے کہ جن کا شرعی احکام کے ساتھ کچھ تعلق نہ تھا۔

نیز تابعینؒ کی بعض اکابر بھی یہود و نصاریٰ کے بکثرت احادیث و وقائع کے تفسیری اقوال میں درج ہونے کا سبب بنی اور ان کو لینے میں کسی نقد و تبصرہ سے کام نہ لیا گیا۔

(۲) ایک سبب مذہبی اختلافات کی گرم بازاری بھی تھی۔ کہ ایسے اپنے تفسیری اقوال منظر پر آنے لگے کہ جن میں ان اختلافات کی رنگ آمیزی تھی۔ مثلاً قتادہ بن دعامہ سدوسی منکر تقدیر تھا۔ اس لئے اس کی تفسیر میں قدریت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس لئے بعض لوگ اس کی تفسیر سے احتراز کرتے تھے۔

اور حضرت حسن بصری ان کو کافر کہتے تھے۔

(۳) عہد صحابہ میں تفسیری اقوال میں چنداں اختلاف نہ تھا۔ عہد تابعین میں اختلاف کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی۔ البتہ متاخرین کے بہ نسبت ان میں اختلاف پھر بھی کم رہا۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۲۴ - ۱۲۵ ملخصاً)

(۴) بادشاہوں کی خوشامد بھی اس کا ایک قوی سبب تھی مثلاً حضرت ابن عباسؓ چونکہ خاندان نبوت سے وابستہ تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ تفسیری اقوال کو آپؓ کی جانب منسوب کرنے سے ان کی قوت وثقاہت میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ کسی

اور کی جانب منسوب کرتے ہیں وہ روایات تو بہت سی تھیں۔ اسی لیے بعض لوگ عباسی خلفاء کے دور میں حضرت ابن عباس کی طرف جعلی روایات نقل کر کے ان کا تقرب حاصل کرتے تھے۔ واللہ اعلم (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۸۰ ملخصا)

أشهر المفسرين من الصحابة

قال السيوطي في (الإتقان): اشتهر بالتفسير من الصحابة عشرة: الخلفاء الأربعة، وابن مسعود، وابن عباس، وأبي بن كعب، وزيد بن ثابت، وأبو موسى الأشعري، وعبد الله بن الزبير. أما الخلفاء فأكثر من روي عنه منهم (علي بن أبي طالب) كرم الله وجهه، والرواية عن الثلاثة قليلة جداً، وكأن السبب في ذلك تقدم وفاتهم) انتهى.

وأما السبب في قلة الرواية عن الثلاثة (أبي بكر وعمر وعثمان) فإنما يرجع كما نبه إليه السيوطي إلى قصر مدة خلافتهم، وتقدم وفاتهم، ومن ناحية أخرى فإنهم قد عاشوا في وسط أغلب أهله كانوا علماء بكتاب الله، لأنهم صاحبوا الرسول ﷺ فكثر الواقفون على أسرار التنزيل العارفين بمعانيه وأحكامه. أما (علي) رضي الله عنه فقد عاش بعد الخلفاء الثلاثة في وقت اتسعت فيه رقعة الإسلام، ودخل كثير من العجم في الدين الجديد، ونشأ جيل من أبناء الصحابة كانوا بحاجة إلى دراسة القرآن، وتفهم أسراره وحكمه، ولذلك اشتهرت الرواية عنه أكثر من بقية الخلفاء الراشدين. وسنتكلم بشيء من التفصيل عن بعض هؤلاء الصحابة الذين اشتهروا بتفسير القرآن.

١) عبد الله بن عباس

عبد الله بن العباس حبر هذه الأمة، وهو ابن عم رسول الله ﷺ الذي دعا له الرسول الكريم بقوله "اللهم فقهه في الدين وعلمه التأويل" وهو المسمى بـ (ترجمان القرآن) قال عبد الله بن مسعود: (نعم ترجمان القرآن عبد الله بن عباس). كان أعلم الصحابة بتفسير القرآن الكريم، وقد شهد له بالفضل - وهو شاب في عنفوان الصبا - كبار الصحابة حتى كان ينافسهم ويستخرج إعجابهم مع حداثة سنه، وكان عمر يدخله إلى مجلس الشورى مع كبار الصحابة الأجلاء يستشيرهم، وربما عرض الأمر عليه، وكان تقدير عمر لابن عباس مثار جدل عند بعض الصحابة حتى قال بعضهم: لم يدخل هذا الشاب معنا وعندنا من الأولاد من هو أكبر منه سناً؟ وله قصة رواها البخاري في صحيحه تدل على غزارة علمه وعلو شأنه في الفهم عن دقائق أسرار القرآن.

روایۃ البخاری

روی البخاری من طریق (سعید بن جبیر) عن ابن عباسؓ قال كان عمر يدخلني مع أشياخ بدر، فكأن بعضهم وجد في نفسه، فقالوا: لم يدخل هذا معنا وإن لنا أبناء مثله؟ فقال عمر: إنه ممن علمتم (يعني إنه من عرفتم ذكاءه وعلمه) فدعاهم ذات يوم فأدخلني معهم، فما رأيت أنه دعاني فيهم يومئذ إلا ليريهم. فقال: ما تقولون في قول الله تعالى: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾... فقال بعضهم: أمرنا أن نحمد الله ونستغفره إذا نصرنا وفتح علينا، وسكت بعضهم فلم يقل شيئاً، فقال لي: أكذلك تقول يا ابن عباس؟ فقلت: لا، فقال: ما تقول؟ فقلت: هو أجل رسول الله أعلمه له، قال: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ فذلك علامة أجلك، ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾، فقال عمر: والله لا أعلم منها إلا ما تقول. فهذه القصة تدل على مدى قوة فهمه، ودقة رأيه في استنباط الإرشادات القرآنية التي لا يدركها إلا الراسخون في العلم ..... ولا عجب أن ينال ابن عباس تلك الرتبة الرفيعة في فهم أسرار القرآن، فقد دعا له الرسولﷺ بالفهم والفقه في الدين كما روى الشيخان عن ابن عباسؓ قال: ضمني رسول الله إلى صدره وقال: اللهم فقهه في الدين وعلمه التأويل. وفي رواية اللهم علمه الحكمة. ... وكان (ابن عباس) يسمى البحر لكثرة علمه.

روی أن رجلاً أتى (عبدالله بن عمر) يسأله عن السموات والأرض ﴿كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا﴾، فقال: اذهب إلى ابن عباس فاسأله ثم تعال فأخبرني. فذهب فسأله فقال: كانت السموات رتقاً لا تمطر، وكانت الأرض رتقاً لا تنبت، ففتق هذه بالمطر، وهذه بالنبات، فرجع إلى ابن عمر فأخبره فقال: قد كنت أقول ما يعجبني جراءة ابن عباس على تفسير القرآن، فالآن قد علمت أنه أوتي علماً.

وروى أن عمر بن الخطاب قال يوماً لأصحاب النبي فيمن ترون هذه الآية نزلت ﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ ...﴾ الآية. قالوا: الله أعلم فغضب عمر، فقال: قولوا: نعلم أو لا نعلم، فقال ابن عباس: في نفسي منها شيء فقال: يا ابن أخي قل ولا تحقر نفسك! قال ابن عباس: ضربت مثلاً لعمل، فقال عمر: أي عمل؟ قال ابن عباس: لرجل غني يعمل بطاعة الله ثم بعث له الشيطان فعمل بالمعاصي حتى أغرق أعماله. رواه البخاري.

كل هذا وأمثاله كثير يدل على مبلغ علم ابن عباس وفهمه الثاقب منذ حداثة سنه، ولهذا أصبح

في مصاف كبار شيوخ الصحابة، وأصبح يدعى حبر الأمة بشهادة الصحابة أنفسهم.

شيوخ ابن عباسؓ

ومن شيوخ ابن عباس الذين استقى منهم علمه بعد رسول الله ﷺ وكان لهم أبرز الأثر في توجيهه وثقافته (عمر بن الخطاب، وأبي بن كعب، وعلي بن أبي طالب، وزيد بن ثابت) وهؤلاء الخمسة هم أهم شيوخه الذين أخذ عنهم أكثر علمه وتلقى منهم معظم ثقافته، وكان لهم أثر في توجيهه تلك الوجهة العلمية الدقيقة.

تلامذة ابن عباسؓ

تلقى العلم عن ابن عباس عدد كبير من التابعين كان من أشهرهم تلامذته المشهورون الذين نقلوا تفسيره وعلمه الغزير وهم: (سعيد بن جبير، ومجاهد بن جبر المخزومي، وطاووس بن كيسان اليماني، وعكرمة مولى ابن عباس، وعطاء بن أبي رباح) وهؤلاء هم أظهر تلامذته الذين نقلوا مدرسة ابن عباس في التفسير إلينا رضي الله عنه.

(۲) عبد الله بن مسعودؓ

ومن أعلام الصحابة الذين اشتهروا بالتفسير ونقلوا لنا آثار الرسول وأقواله (عبد الله بن مسعود) رضي الله عنه، لقد كان من السابقين إلى الإسلام، وكان سادس ستة ما على وجه الأرض مسلم سواهم، وكان خادم رسول الله ﷺ يلبسه نعليه، ويمشي معه وأمامه، فكان له من هذه الصلة النبوية خير مثقف ومؤدب، لذلك عدوه من أعلم الصحابة بكتاب الله، ومعرفة محكمه ومتشابهه، وحلاله وحرامه، قال السيوطي: قد روي عن ابن مسعود في التفسير أكثر مما روي عن علي كرم الله وجهه، روى الشيخان عنه أنه قال: (والذي لا إله غيره ما نزلت سورة من كتاب الله تعالى إلا وأنا أعلم أين أنزلت، ولا أنزلت آية من كتاب الله تعالى إلا وأنا أعلم فيم أنزلت، ولو أعلم أحدا أعلم مني بكتاب الله تبلغه الإبل لركبت إليه .....) روى عنه كثير من التابعين.

لغات: رقعة الاسلام (سلطنت اسلامیہ) حدود۔ جیل: نسل قوم۔ عنفوان الصبا: آغاز جوانی۔ یتنافس: ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔ یتترع: روکے رکھنا۔ عجاب: حیرت و تعجب کرنا۔ حداثة سن: نوعمری۔ یستشیر: مشورہ لینا۔ مستشار: جس کا مشورہ لیا جائے۔ جدل: نزاع، جھگڑا، بحث۔ غزارة: کثرت، بہتات۔ رتق: بند۔ فتق: کھولنا۔ مصاف: صف کی جمع صف بندی کی جگہ مراد ہے دربار میں بیٹھنے کی جگہ۔ ثقافت: علم وہنر، تعلیم و تربیت۔

جس میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیے کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے سامنے بھی معاملہ رکھ دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا حضرت ابن عباسؓ کو یہ مقام دینا بعض صحابہ کرامؓ میں (نزاع و) ناراضی کا سبب بن گیا۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ کرامؓ نے کہہ دیا کہ:

"یہ نوجوان (ہماری اس مجلس میں) ہمارے پاس کیوں آتا ہے جبکہ ہماری اولاد یں اس سے بڑی ہیں۔" ان کا ایک (نہایت دلچسپ) قصہ ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے' جو قصہ کہ ان کی وسعت علم اور قرآن اسرار کے دقائق میں ان کی غواصی کی بلندی مرتبہ کو بتلاتا ہے۔

بخاری شریف کی روایت

امام بخاریؒ نے حضرت سعید بن جبیرؒ کے طریق سے انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ "حضرت عمرؓ مجھے بدر کے شیوخ کے ساتھ (اپنی مجلس میں) شریک فرماتے تھے۔ تو اس پر بعض صحابہ کرامؓ کے جی میں کچھ بات آ گئی۔ وہ کہنے لگے" یہ نوجوان ہماری (اکابر کی) مجلس میں کیوں شریک ہوتا ہے جبکہ ہمارے (بھی) اس جیسے بیٹے ہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے کہ جن کو تم جانتے ہو۔ (یعنی اس کی ذہانت و ذکاوت اور علم و فہم کو تم جانتے ہو) چنانچہ حضرت عمرؓ نے سب کو ایک دن (اپنی مجلس شوریٰ میں) بلوایا۔ اور مجھے بھی ان کے ساتھ ہی داخل کیا۔ پس میرا یہی گمان تھا کہ اس دن آپؓ نے مجھے ان میں ان کو (یہ) دکھلانے کے لئے ہی بلایا تھا (کہ وہ مجھے اپنی مجلس میں کیوں شامل کرتے ہیں) پس آپ نے پوچھا "تم اللہ کے اس ارشاد "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ" ❶ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو بعض نے تو یہ کہا کہ "جب ہماری نصرت کی جائے اور ہمیں فتح دی جائے تو ہم اللہ کی حمد بیان کریں اور اس سے استغفار چاہیں۔" اور بعض صحابہ کرامؓ خاموش رہے کہ انھوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا اے ابن عباس! "کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟" تو اس پر میں نے عرض کیا" یہ آپ ﷺ کی وفات (کا تذکرہ) ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ نے بتلایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ" کہ یہ آپؐ کی وفات کی علامت ہے (پھر فرمایا) "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۝ (النصر الآیۃ ۳)" "تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اس سے بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

(آگے راوی فرماتے ہیں کہ) اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا" خدا کی قسم میں بھی اس آیت کے بارے میں وہی جانتا ہوں جو آپ کہہ رہے ہیں۔" ❷

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) یہ قصہ حضرت ابن عباسؓ کی قوت فہم کے رسوخ' اور ان ارشادات قرآنیہ کے استنباط میں ان کی دقت نظر پر دلالت کرتا ہے کہ جن کو راسخین فی العلم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اور حضرت ابن عباسؓ کے اسرار قرآن کی فہم میں اس بلند مرتبہ کو پا لینے پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپؓ نے حضرت

❶ النصر آلایۃ ۱ "جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ" (ترجمہ از تفسیر عثمانی) ❷ اس کے لیے صحیح بخاری میں فضائل صحابہ کا باب دیکھیں۔

ابن عباسؓ کے لئے دین کی فہم (و فراست) اور تفقہ کی دعا فرمائی تھی۔ جیسا کہ بخاری و مسلم رحمہما اللہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: "آپؐ نے مجھے سینے سے لگا کر یہ دعا کی۔ "اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر کا علم دے۔" اور ایک روایت میں ہے (کہ یہ دعا فرمائی) "اے اللہ! اس کو حکمت (دانائی) سکھا۔"

اور حضرت ابن عباسؓ کو ان کی وسعت علمی کی وجہ سے "بحر" (یعنی علوم کا سمندر) کہا جاتا تھا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے زمین آسمان کے بارے میں (قرآن کی آیت پڑھ کر) سوال کیا

﴿كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا﴾ (الانبیاء: ۳۰)

"(آسمان اور زمین) منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔" (تفسیر عثمانی)

آپؓ نے فرمایا: "حضرت ابن عباسؓ کے پاس جا کر یہ پوچھو اور پھر مجھ کو آ کر بتاؤ کہ انہوں نے کیا جواب دیا۔" اس آدمی نے جا کر ان سے سوال کیا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "آسمان منہ بند تھا (یعنی) بارش نہ برساتا تھا اور زمین کا منہ بند تھی (یعنی) اگاتی نہ تھی۔ پس اللہ نے آسمان کا منہ تو بارش برسا کر کھول دیا اور زمین کا منہ (اس سے غلے وغیرہ) اگا کر کھول دیا۔

اس نے آ کر حضرت ابن عمرؓ کو یہ بتایا۔ تو انہوں نے (یہ سن کر) کہا "میں کہا کرتا تھا۔ ابن عباسؓ کی تفسیر قرآن میں یہ جرأت مجھے پسند نہیں۔ مجھے اب پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں خصوصی علم ودیعت ہوا ہے۔ ❶

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی:

﴿أَيَوَدُّ --------- وَأَعْنَابٍ﴾ (البقرۃ: ۲٦٦)

"بھلا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ کہ ہو اس کا ایک باغ کھجور اور انگور کا۔" (تفسیر عثمانی)

(تو کوئی بھی شافی جواب نہ دے پایا اور وہ) لوگ کہنے لگے کہ اللہ ہی جانتا ہے اس پر حضرت عمرؓ غصہ میں آ گئے۔ اور فرمایا "یہ کہو کہ ہم جانتے ہیں یا کہو کہ ہم نہیں جانتے" اس پر حضرت ابن عباسؓ (کہ جو حضرت عمرؓ کے پیچھے تھے) بولے (اے امیر المؤمنین) میرے جی میں ایک بات آتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے میرے بھتیجے (بولا) کہو اور مجھ کو نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (اس آیت میں) عمل کی مثال دی گئی ہے" حضرت عمرؓ نے پوچھا کس عمل کی" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "ایک ایسے مالدار شخص کے عمل کی کہ جو (عمر بھی) اللہ تعالیٰ کی اطاعت (میں نیکیاں) کرتا رہے پھر اس کے لئے (جو) شیطان (مجھوٹے شیطانوں کو) بھیجے اور گناہوں کا ارتکاب کرنے لگے حتیٰ کہ اپنے (عمر بھر کے) اعمال کو (گناہوں میں) غرق کر دے۔ (رواہ البخاری)

(مولف کتاب فرماتے ہیں) یہ تمام قصے اور ایسے قصے بہت ہیں کہ جو حضرت ابن عباسؓ کی نو عمری میں ہی ان کے مبلغ

---

❶ اس آخری جملہ کا ترجمہ تاریخ تفسیر و مفسرین مطبوعہ سے لیا گیا ہے۔ (مترجم)

۱۰۹-۱۱۰ پر اور علامہ عثمانی دامت برکاتہم نے علوم القرآن صفحہ ۴۵۳-۴۵۵ پر اور علامہ حریری مرحوم نے تاریخ تفسیر و مفسرین میں صفحہ ۶۹-۷۰ پر نقل فرمایا ہے۔ (نسیم)

علامہ عثمانی دامت برکاتہم حضرت ابن عباسؓ کی تحصیل علم کی کوششوں اور قابلِ قدر کاوشوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ”انہی وجوہ کی بنا پر حضرت ابن عباسؓ کو امام المفسرین کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ تفسیری روایات انہی سے مروی ہیں۔“ (علوم القرآن ص ۴۵۳-۴۵۵ ملخصاً)

علامہ حریری مرحوم نے اپنی کتاب تاریخ تفسیر و مفسرین میں حضرت ابن عباسؓ کے نام و نسب، آغاز طفولیت سے ہی آپؐ سے وابستگی، آپؐ کے اخلاق و آداب، اکابر صحابہ کرام کا احترام، ان کی علمی برتری، اس کے اسباب، تفسیر قرآن میں ان کا مرتبہ و مقام، ان کے عظیم مفسر ہونے کے دلائل، حضرت عمرؓ کا باوجود نو عمری کے آپؓ کو خصوصی مقام و مرتبہ دینا، حضرت علیؓ کے آپ کی شان میں فرمودات، علم تفسیر کے اخذ میں ان کے طریقہ کار، اور اہل کتاب سے استفادہ، اور اس پر مشہور یہودی مستشرق گولڈ زیہر کے بے بنیاد اعتراضات اور ان کا منہ توڑ جواب، اور منکر حدیث احمد امین مصری کا اس خبیث یہودی کی ہم نوائی کرنا اور علامہ کا اس کو رسوا کرنا۔ اور ان کے اعتراضات کی تردید، حضرت ابن عباسؓ کی لغت دانی، ان کی تفسیری روایات اور ان کا پایۂ صحت، آپ کی طرف منسوب تفسیر کی قدر ❶ و قیمت وغیرہ تمام امور کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اصل کتاب سے ان کا مطالعہ طالبانِ علوم القرآن کے لئے نہایت نافع ہے (دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۶۷-۸۲)

ترجمہ: (۴) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ)

”وہ اکابر صحابہ کرامؓ کہ جنہوں نے (علم) تفسیر میں (خاص طور پر) شہرت پائی اور انہوں نے ہمارے لئے آپؐ کے آثار و اقوال کو نقل کیا۔ (ان میں سے ایک) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ آپ اول اول اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اور وہ (اس وقت) چھٹے مسلمان تھے کہ جب ان چھ کے علاوہ (کوئی دوسرا انسان) روئے زمین پر مسلمان نہ ہوتا تھا۔ ❷

اور آپؓ نبی علیہ السلام کے خادم تھے آپ ﷺ کو نعلین (مبارکین) پہنایا کرتے تھے اور آپؐ کے آگے (پیچھے) اور دائیں (بائیں) اور ساتھ (ساتھ) چلا کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کو ان نبوی خدمت کے صلہ میں تعلیم و تربیت اور ادب و اخلاق کی دولت نصیب ہوئی۔ اسی لئے صحابہ کرامؓ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو کتاب اللہ کا سب سے بڑا عالم اور اس کے

❶ علامہ عثمانی نے اس مروجہ تفسیر کی حیثیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے ”ہمارے زمانے میں ایک کتاب ”تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ“ کے نام سے مشہور ہے جو شائع ہو چکی ہے جسے آج کل عموماً ”تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ“ کہا جاتا ہے جس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ”محمد بن مروان السدی عن محمد بن السائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ“ کی سند سے مروی ہے اور محدثین نے اس سند کو ”سلسلۃ الکذب“ (جھوٹ کا سلسلہ) قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم ❷ اس نمبر کا ترجمہ علامہ حریری مرحوم کی تاریخ تفسیر کے صفحہ ۸۱ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

حلال وحرام اور محکم و متشابہ کا سب سے زیادہ جاننے والا شمار کرتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "حضرت ابن مسعودؓ سے تفسیر میں حضرت علیؓ سے زیادہ روایات آئی ہیں۔" امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ خود فرماتے ہیں "قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی جو آیت بھی نازل ہوئی ہے اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی، اور کہاں نازل ہوئی؟ اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ معلوم ہو جائے جو کتاب اللہ کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو تو میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا بشرطیکہ اس جگہ تک اونٹ پر جا سکتا ہوں۔" ❶

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بہت بڑی تعداد میں تابعین نے روایت کی ہے۔

توضیح

علامہ عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جن سے قرآن کریم کی بہت سی تفسیریں مروی ہیں۔ بلکہ ان کی مرویات حضرت علیؓ سے بھی زیادہ ہیں۔ مشہور تابعی مسروقؒ فرماتے ہیں۔ "حضرت ابن مسعودؓ ہمارے سامنے ایک سورت پڑھتے اور دن کا بیشتر حصہ اس کی تفسیر میں اور اس کے بارے میں احادیث کے بیان کرنے میں صرف فرما دیتے تھے۔" ❷

حضرت مسروقؒ کا یہ قول ہے کہ میں نے بہت سے صحابہ کرامؓ سے استفادہ کیا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہؓ کے علوم چھ آدمیوں میں جمع تھے۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔ پھر میں نے غور کیا تو ان چھ حضرات کے علوم دو حضرات کے درمیان منحصر پائے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (علوم القرآن صفحہ ۴۵۵-۴۵۶ ملخصا)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا نام ونسب، قبیلہ، لقب، رنگ وروپ، قد وقامت، اسلام لانے، اسلام لانے میں کفار ومشرکین مکہ کے ظلم وستم اور ان کے برداشت کرنے، نبی علیہ السلام کی صحبت میں ملازمت وخدمت، ہجرت حبشہ ومدینہ، قبلتین کی طرف نماز پڑھنے کی سعادت، غزوات رسول اللہ ﷺ کی رفاقت، فرعون امت ابوجہل کے واصل جہنم کرنے، صحابہ کرامؓ نے آپؓ کے مناقب کے بیان کرنے، نبی علیہ السلام کا آپؓ سے قرآن سننے کی خواہش فرمانے، احادیث وادعیہ کی پابندی نیز آپ کے اخلاق وآداب سے حد درجہ مشابہت، دور فاروقی میں کوفہ کے معلم بننے، کوفہ میں درس حدیث وتفسیر دینے، کوفی فقہ اور آپ کے اجتہاد، تفسیر میں آپ کا مقام، آپ کی تفسیر روایات کو نہایت شرح وبسط سے بیان کیا ہے۔ اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے چاہیے کہ وہاں دیکھا جائے۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین از صفحہ ۸۴-۸۷)

---

❶ اس کا ترجمہ علامہ عثمانی کی علوم القرآن صفحہ ۴۵۵ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم) ❷ تفسیر ابن جریر صفحہ ۲ جلد ۱۔

من كنوز المعلومات

كم مرة ورد ذكر محمد ﷺ في القرآن الكريم؟

ورد ذكر محمد ﷺ في القرآن الكريم في اربعة مواضع:

۱۔ قال تعالى: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

۲۔ قال تعالى: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

۳۔ قال تعالى: ﴿وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ﴾ (محمد: ۲)

۴۔ قال تعالى: ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹)

من الصحابي الذي لا يرد الله له دعا؟

سعد بن ابي وقاص رضي الله عنه دعا له رسول الله ﷺ فقال: "اللهم استجب لسعد اذا دعاك" (اخرجه الترمذي ۳۷۵۱ الحاكم ۳/۴۹۹)

اكمل الحديث؟

قال رسول الله ﷺ من حفظ عشر آيات من اول سورة الكهف؟

"عصم من فتنة الدجال"۔ (اخرجه الامام احمد ۲۱۷۶۹/۳۷۷ واخرجه ابو داود ۴۳۲۳ وانظر السلسة الصحيحة للألباني ۲/۱۸۲)

معلومات کا خزانہ

سوال: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قرآن میں کتنی مرتبہ ذکر آیا ہے؟

جواب: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن میں چار جگہ ذکر آیا ہے۔

(وہ چار آیات قرآنیہ مندرجہ ذیل ہیں)

۱۔ قال تعالى: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

۲۔ قال تعالى: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

۳۔ قال تعالى: ﴿وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ﴾ (محمد: ۲)

۴۔ قال تعالى: ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹)

سوال: وہ کونسے صحابی تھے کہ جن کی دعا اللہ تعالیٰ رد نہ فرماتے تھے؟

جواب: (وہ) حضرت سعد بن ابی وقاص تھے کہ جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ) دعا مانگی تھی "اے اللہ! سعد کی دعا قبول کر جب (جب) بھی وہ تجھ سے دعا مانگیں"۔ (ترمذی ۳۷۵۲، حاکم ۳/۴۹۹)

اس حدیث کو مکمل کریں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سورة الكهف؟

جس نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیات یاد کر لیں)

(حدیث کا اگلا جز یہ ہے)

عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔

"وہ دجال کے فتنے سے بچا دیا جائے گا۔"

اس کو امام احمد نے اخراج کیا ہے ۶/۴۴۹ ـ ۴۴۴۹ ابوداؤد ۲/۳۴۳ (البانی کی صحاح بھی دیکھیں وہاں یہ حدیث ۲/۱۸۲ میں ہے)

☆☆☆

الفصل السابع

المفسرون من التابعين

إذا ذكر المفسرون من التابعين فإنهم يعتبرون كثرة كثيرة، ويعدون في العدد أكثر من الصحابة، ذلك لأن الذين اشتهروا بالتفسير من الصحابة لا يزيدون على عشرة - كما ذكر ذلك السيوطي في كتابه الإتقان - وقد تقدم معنا أسماؤهم، وذكر نبذة عن ترجمة مشاهيرهم، أما التابعون فقد كثر فيهم المفسرون، واشتهروا شهرة واسعة، ونبغ فيهم رجال أفذاذ اعتنوا عناية كبيرة بتفسير كتاب الله تعالى، وعنهم نقل المفسرون معظم الآراء، وقد انقسموا إلى طبقات ثلاث:

١- طبقة أهل مكة.

٢- طبقة أهل المدينة.

٣- طبقة أهل العراق.

(أ) أما الطبقة الأولى

وهي طبقة أهل مكة، فقد أخذوا علومهم من شيخ المفسرين، وترجمان القرآن سيدنا عبد الله بن عباس رضي الله عنه وأرضاه، وقد نقل السيوطي عن ابن تيمية أنه قال: (أعلم الناس بالتفسير أهل مكة، لأنهم أصحاب عبد الله بن عباس). وقد اشتهر فيهم عدد كبير، وظهر فيهم رجال أفذاذ، على رأسهم (مجاهد، وعطاء، وعكرمة، وطاووس، وسعيد بن جبير) وسنعرض بترجمة موجزة لحياة هؤلاء العلماء الأعلام.

ترجمہ: ساتویں فصل

مفسرین تابعینؒ (کا بیان)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"جب مفسرین تابعینؒ کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے وہ (ان کی) بہت زیادہ (تعداد) مراد لیتے ہیں۔ اور وہ ان کی تعداد صحابہ کرامؓ سے (بھی) زیادہ گنواتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ میں سے جو مفسرین مشہور ہوئے ان کی تعداد دس سے بھی زیادہ نہیں ہے جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "الاتقان" میں یہ بات ذکر کی ہے۔ اور ہم نے ان کے نام پیچھے ذکر کر دیئے ہیں۔ اور ان میں چند مشہور کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ البتہ تابعین میں مفسرین بہت زیادہ

حدیث کا علم حاصل کیا۔ ان میں عبادت تقویٰ پیدا کر کے ان کو تفکر و تعمق بنیادوں پر قائم کر دیا۔ (علم قرآن صفحہ ۳۴۶)

مجاهد بن جبر

أما مجاهد: فقد ولد سنة ٢١ وتوفي سنة ١٠٣ هجرية، وهو مجاهد بن جبر وكنيته (أبو الحجاج) المكي كان من أشهر العلماء في التفسير، قال عنه الذهبي: "شيخ القراء والمفسرين بلا مراء أخذ التفسير عن ابن عباس."

وكان من أخص تلامذته، ومن أوثق من روى عنه، ولهذا يعتمد البخاري كثيرا على تفسيره كما يعتمد كثير من المفسرين على روايته. تنقل في الأسفار، واستقر في الكوفة، وكان لا يسمع بأعجوبة إلا ذهب فنظر إليها.

تلقى مجاهد تفسير كتاب الله عن شيخه الجليل (ابن عباس) وقرأه عليه قراءة تفهم وتدبر، ووقوف عند كل آية من آيات القرآن، يسأله عن معناها، ويستفسره عن أسرارها" روى الفضيل بن ميمون عن مجاهد أنه قال:

عرضت القرآن على ابن عباس ثلاث عرضات، أقف عند كل آية منه أسأله عنها: فيما أنزلت؟ وكيف أنزلت؟

وهذا العرض من (مجاهد) رضي الله عنه على شيخه الجليل إنما كان طلباً لتفسيره ومعرفة أسراره ودقائقه وتفهم حكمه وأحكامه، ولذا قال الإمام الثوري: إذا جاءك التفسير عن مجاهد فحسبك به. أي يكفي هذا التفسير ويغني عن غيره من التفاسير إذا كان رواية الإمام مجاهد

عطاء بن أبي رباح

وأما عطاء بن أبي رباح فقد ولد سنة ٢٧ هجرية وتوفي سنة ١١٤ هجرية نشأ بمكة وكان مفتي أهلها ومحدثهم، وهو تابعي من أجلاء الفقهاء، وكان ثقة ثقة في الرواية عن ابن عباس.

قال عنه الإمام الأعظم أبو حنيفة النعمان: ما لقيت أحدا أفضل من عطاء بن أبي رباح.

وقال قتادة: أعلم التابعين أربعة: عطاء بن أبي رباح أعلمهم بالمناسك، وسعيد بن جبير أعلمهم بالتفسير ... الخ.

توفي رضي الله عنه بمكة ودفن فيها عن (٨٧) سبع وثمانين سنة

عكرمة مولى ابن عباس

وأما عكرمة: فقد ولد سنة ٢٥ هجرية وتوفي سنة ١٠٥ هجرية قال عنه الإمام الشافعي رحمه الله

ما بقي أحد أعلم بكتاب الله من عكرمة. وهو مولى ابن عباس رضي الله عنه' تلقى علمه على ابن عباس' وأخذ عنه القرآن والسنة' وكان رضي الله عنه يقول: لقد فسرت ما بين اللوحين وكل شيء أحدثكم في القرآن فهو عن ابن عباس جاء في تعريفه في كتاب الأعلام ما يلي:

"عكرمة بن عبدالله البربري المدني' أبو عبدالله' مولى عبدالله بن عباس تابعي' كان من أعلم الناس بالتفسير والمغازي' طاف البلدان' وروى عنه زهاء ثلاثمائة رجل' منهم أكثر من سبعين تابعياً' وخرج إلى بلاد المغرب' فأخذ عن أهلها ثم عاد إلى المدينة المنورة' فطلبه أميرها فتغيب عنه حتى مات' وكانت وفاته بالمدينة هو والشاعر المشهور (كثير عزة) في يوم واحد فقيل: مات أعلم الناس' وأشعر الناس.

ترجمہ: حضرت مجاہد بن جبرؒ

(مولف کتاب فرماتے ہیں) حضرت مجاہدؒ ۲۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴ ہجری میں وفات پائی۔

آپ کا پورا نام مجاہد بن جبر ہے آپ کی کنیت ابوالحجاج ہے اور آپ مکی تھے۔ اور آپ علم تفسیر کے مشہور عالم تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے۔ "آپ بلا اختلاف (پوری امت کے نزدیک متفقہ طور پر) قراء اور مفسرین کے امام تھے۔ اور آپ نے تفسیر کا علم حضرت ابن عباسؓ سے حاصل کیا۔" ❶

(مولف کتاب فرماتے ہیں) آپ حضرت ابن عباسؓ کے خصوصی شاگرد اور ان سے روایت کرنے والے سب سے با اعتماد شاگرد تھے اسی وجہ سے امام بخاریؒ ان کی تفسیر پر اعتماد کیا کرتے تھے جس طرح کہ اکثر مفسرین ان کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔ آپ (اکثر) اسفار میں رہتے اور (آخری زندگی میں) کوفہ جا کر (مستقل) سکونت اختیار کر لی۔ آپ جب بھی کوئی عجیب بات سنتے تو اس کو جا کر ضرور دیکھتے۔ آپ نے کتاب اللہ کی تفسیر اپنے شیخ جلیل حضرت ابن عباسؓ سے حاصل کی۔ اور آپ ان کو سامنے فہم و تدبر کے ساتھ (درس حاصل کرتے اور) پڑھتے۔ اور اس آیت کریمہ کے اسرار (و معانی) کو حضرت ابن عباسؓ سے پوچھتے۔

فضل بن میمون مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں "میں نے حضرت ابن عباسؓ کو تین مرتبہ قرآن سنایا اور ہر آیت سنا کر میں ٹھہر جاتا اور اس کے بارے میں یہ سوال کرتا کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ اور کیسے نازل ہوئی؟

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کا اپنے شیخ جلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ قرآن سنانا بے شک قرآن کی تفسیر اس کے اسرار (و رموز) اور دقائق کی معرفت اور اس کی حکمتوں اور احکام کو سیکھنے (اور سمجھنے) کی طلب کے لئے ہوتا تھا۔ لہذا امام نوویؒ

---

❶ اس کی تفصیل "اعلام النبلاء" میں دیکھیں۔ صفحہ ۱۹ جلد ۹۔

فرماتے ہیں۔

"جب تمہیں حضرت مجاہدؒ کا تفسیری قول مل جائے تو تیرے لئے یہی کافی ہے۔"

(مولف کتاب اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) یعنی تجھے وہ تفسیر ہی کافی ہے۔ اور تمہیں دوسری تفسیر کی ضرورت نہ پڑے گی جبکہ اس کا راوی امام مجاہدؒ ہو۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔

حضرت مجاہد حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے خاص شاگرد تھے۔ جن سے انہوں نے تیس مرتبہ قرآن پاک کا دور کیا اور تین مرتبہ تفسیر پڑھی۔ ❶ قتادہؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"تفسیر کے جو علماء باقی رہ گئے مجاہدؒ ان میں سب سے بڑے عالم ہیں۔"

اور خصیفؒ کا قول ہے:

"مجاہدؒ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔" ❷

کہا جاتا ہے کہ ان کی تفاسیر کا ایک مجموعہ مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں محفوظ ہے۔ ❸

حضرت مجاہدؒ اگرچہ تابعین کرامؒ میں سے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ بھی ان کی قدر کرتے تھے۔ حضرت مجاہدؒ خود فرماتے ہیں۔

"میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی صحبت میں رہا اور میں ان کی خدمت کرنا چاہتا تھا لیکن وہ میری خدمت کرتے تھے۔" ❹

چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ان کی رکاب پکڑ کر فرمایا:

"کاش کہ میرا بیٹا سالم اور میرا غلام نافع حافظہ میں تم جیسے ہو جائیں۔" حضرت مجاہد کی وفات ۱۰۳ ہجری میں سجدہ کی حالت میں ہوئی۔ (علوم القرآن صفحہ ۳۴۱-۳۴۲ بحوالہ البدایہ والنہایہ لابن کثیر صفحہ ۲۲۴ جلد ۹)

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح

(مولف کتاب فرماتے ہیں) حضرت عطاء ۲۷ ہجری میں پیدا ہوئے اور انہوں نے ۱۱۴ ہجری میں وفات پائی۔ انہوں نے مکہ میں تربیت پائی اور وہ اہل مکہ کے مفتی اور ان کے محدث تھے۔ یہ اجل فقہاء تابعین میں سے تھے۔ اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرنے میں ثبت (یعنی پختہ) اور ثقہ (یعنی قابل اعتماد) تھے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "میں عطاء بن ابی رباح سے افضل کسی آدمی سے نہیں ملا۔"

---

❶ تہذیب التہذیب صفحہ ۴۲ جلد ۱۰۔ ❷ تذکرۃ الحفاظ للذہبی صفحہ ۸۶ جلد ۱ ترجمہ ۸۲۔

❸ تاریخ التفسیر از عبدالصمد صارم صفحہ ۷۔ ❹ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد ۳ صفحہ ۲۸۰-۲۸۶ جزء ۳۔

قتادہؒ فرماتے ہیں:

"چار تابعین کا علم سب سے زیادہ تھا: عطاء بن ابی رباحؒ ان میں مناسک حج (کے مسائل) کے سب سے بڑے عالم تھے اور سعید بن جبیرؒ تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے۔"

آپ کا انتقال مکہ (المکرمہ) میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کی عمر ۸۷ سال تھی۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ "دور تابعین میں عطاء نام کے چار بزرگ تھے۔ عطاء بن ابی رباحؒ، عطاء بن یسارؒ، عطاء بن السائب اور عطاء الخراسانی رحمہم اللہ علیہم۔ پہلے دو بزرگ باتفاق ثقہ ہیں اور دوسرے کے بارے میں کچھ کلام ہوا ہے۔ لیکن کتابوں میں جب صرف "عطاء" نام ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد عطاء ابن ابی رباحؒ ہی ہوتے ہیں۔ آپ کا پورا نام ابو محمد عطاء بن ابی رباح المکی القرشی ہے یہ ابن خیثم القرشیؒ کے آزاد کردہ غلام (مولی) تھے۔ خلافت عثمانی کے آخری دور میں پیدا ہوئے اور ۱۱۴ ہجری میں وفات پائی۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔ خاص طور پر علم فقہ میں مشہور تھے۔ مناسک حج کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ❶ زہد و عبادت میں معروف تھے۔ محمد بن عبداللہ الدیباجؒ کہتے ہیں: "میں نے کوئی مفتی ان سے بہتر نہیں دیکھا ان کی مجلس ذکر اللہ سے معمور رہتی تھی جس کا سلسلہ برقرار رہتا اس دوران کوئی (فقہی) سوال کرتا تو اس کا بہترین جواب دیتے۔" ❷ (علوم القرآن صفحہ ۱۷۴-۱۷۲ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم نے ان کا پورا نام کنیت نسبت ولادت وفات حلیہ جسمانی افراد آخری عمر میں لاحق ہونے والی عوارض میں کی بیماری، علم و فضل، آپ کے اساتذہ، ثقاہت، فقاہت، کثرت حدیث کی روایت، فتوی دینے، ان کے علم و فضل کے بارے میں صحابہ کرامؓ کی شہادتیں، امام ابو حنیفہؒ کی تصدیق و شہادت، امام اوزاعی، سعید بن کہیلؒ اور ابن عونؒ وغیرہم کی آپ کی عظمت و جلالت کے بارے میں رائے، اصحاب ستہ کا آپ سے نقل روایت کرنا اور آپ کا علمی مقام وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے چاہے تو وہاں دیکھ لیا جائے۔ (دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین از صفحہ ۱۱۰-۱۱۲)

ترجمہ: حضرت عکرمہؒ مولی ابن عباسؓ

(مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ) حضرت عکرمہؒ کی ۲۵ ہجری میں ولادت ہوئی اور انہوں نے ۱۰۵ ہجری میں وفات پائی۔

ان کے بارے میں امام شعبیؒ فرماتے ہیں:

"کوئی شخص بھی حضرت عکرمہؒ سے زیادہ کتاب اللہ کا زیادہ جاننے والا نہیں رہا۔ ❸ وہ حضرت ابن عباسؓ کے آزاد

---

❶ تہذیب: ۱-۱، صفحہ ۳۳۲-۳۳۳ جلد ۷ ترجمہ ۱۰۱۔ ❷ تذکرۃ الحفاظ للذہبی صفحہ ۹۲ جلد ۱۔

❸ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم نے علوم القرآن صفحہ ۴۲۶ پر بعینہٖ یہی عبارت امام شعبیؒ سے بھی نقل کی ہے۔ (دیکھیں علوم القرآن صفحہ ۴۲۶) اور علامہ حریری مرحوم نے بھی یہی قول امام شعبیؒ سے ہی نقل کیا ہے۔ دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۰۹۔

طاووس بن كيسان اليماني

وأما طاووس

فقد ولد سنة ٣٣ هجرية و توفي سنة ١٠٦ هجرية وهو (طاووس بن كيسان اليماني) اشتهر بتفسير كتاب الله تعالى، وكان آية في الحفظ والنبوغ والذكاء وآية في الورع والتقشف والصلاح، أدرك من الصحابة نحو (٥٠) خمسين صحابياً، وتلقى العلم عنه خلق كثير، وقد كان عابداً زاهداً، ورد أنه حج بيت الله الحرام أربعين مرة، وكان مستجاب الدعوة، قال فيه ابن عباس: إني لأظن طاووساً من أهل الجنة.

جاء في تعريفه في كتاب الأعلام ما يلي

"طاووس بن كيسان الخولاني الهمداني، أبو عبدالرحمن، من أكابر التابعين تفقهاً في الدين، ورواية للحديث، وتقشفاً في العيش، وجرأة على وعظ الخلفاء والملوك، أصله من الفرس، ومولده ومنشأه باليمن توفي حاجاً بالمزدلفة، وكان (هشام بن عبدالملك) حاجاً تلك السنة فصلى عليه وكان يأبى القرب من الملوك والأمراء، قال ابن عيينة "متجنبو السلطان ثلاثة: أبو ذر، وطاووس، والثوري.

سعيد بن جبير

وأما سعيد بن جبير

فقد ولد سنة ٤٥ هجرية و توفي سنة ٩٤ هجرية، وهو من أكابر التابعين علماً وورعاً، وقد اشتهر بتفسير كتاب الله عز وجل وكان طوداً شامخاً، وعلماً لامعاً، تناقل علمه الرجال، وسرت بذكره الركبان وقد قال (سفيان الثوري) خذوا التفسير عن أربعة عن سعيد بن جبير، ومجاهد، وعكرمة، والضحاك، وقال (قتادة) كان سعيد بن جبير أعلمهم بالتفسير.

كان آية في الحفظ، يحفظ ما يسمع، وقد شهد له ابن عباس بالحفظ حتى قال له: "انظر كيف تحدث عني فإنك قد حفظت عني حديثاً كثيراً.

وكان ابن عباس بعد أن فقد بصره، إذا أتاه أهل الكوفة يسألونه قال: تسألوني وفيكم ابن أم دهماء، يعني (سعيد بن جبير) رضي الله عنه.

ولقد كان عابداً زاهداً، يختم القرآن في كل ليلتين، وقد قرأ ذات مرة القرآن كله في ركعة

واحدة في الكعبة.

وجاء في ترجمته في الأعلام ما يلي: سعيد بن جبير الأسدي الكوفي' أبو عبدالله تابعي' كان أعلمهم على الإطلاق' وهو حبشي الأصل' أخذ العلم عن ابن عباس وابن عمر' ولما خرج عبدالرحمن بن الأشعث على عبدالملك بن مروان' كان سعيد بن جبير معه' فلما قتل عبدالرحمن ذهب سعيد إلى مكة' فقبض عليه واليها (خالد القسري) وأرسله إلى الحجاج فقتله' وكان الحجاج يخاطبه (بشقي بن كسير) بدل سعيد بن جبير.

قال أحمد بن حنبل: قتل الحجاج سعيداً' وما على وجه الأرض أحد إلا وهو مفتقر إلى علمه.

وروى أن الحجاج لما أراد قتله أمر الجلاد أن ينطلق به فيضرب عنقه' فقال له سعيد: دعني أصلي ركعتين' فقال الحجاج ماذا يقول؟ قال: يريد الصلاة' فأبى إلا أن يصلي إلى المشرق– قبلة النصارى– ثم أمر أن تضرب عنقه ووجهه موجه إلى غير القبلة فأداروا وجهه فقال سعيد عندئذ: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ ثم ضربت عنقه وهو يردد: لا إله إلا الله محمد رسول الله' وذهبت نفسه البريئة الطاهرة إلى ربها تشكو إليه ظلم الحجاج' وجاد بأنفاسه في سبيل عقيدته ودينه' رحمه الله وأسكنه فسيح جناته.

ترجمہ: حضرت طاؤس بن کیسان یمانی

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"آپ کی ولادت ۳۳ ہجری میں ہوئی اور آپ نے ۱۰۶ ہجری میں وفات پائی۔ اور آپ (کا پورا نام) طاؤس بن کیسان الیمانی (ہے) اور آپ نے کتاب اللہ کی تفسیر میں (یگانۂ روزگار ہونے میں) شہرت پائی۔ آپ حافظِ کمالِ علم اور ذہانت (و ذکاوت) میں (اللہ تعالیٰ کی ایک) نشانی تھے۔ اور (آپ) زہد و پرہیزگاری اور (تقویٰ و صلاح) میں (اپنی) مثال (آپ) تھے۔ آپ نے تقریباً ۵۰ صحابہ کرامؓ کی زیارت کی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے علم حاصل کیا۔ اور آپ بڑے عابد و زاہد تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے بیت اللہ الحرام کے چالیس حج کئے۔ آپ مستجاب الدعا تھے۔ حضرت ابن عباسؓ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔"

"مجھے یقین ہے کہ طاؤس جنتی ہیں۔"

حضرت طاؤسؒ کے بارے میں کتاب اعلام (النبلاء) میں مندرجہ ذیل تعریفی کلمات آئے ہیں:

"طاؤس بن کیسان الخولانی الہمدانی ابو عبدالرحمٰن: دین میں تفقہ، روایت حدیث، زاہدانہ (طریق) حیات، بادشاہوں اور خلفاء کو (برملا) وعظ (و نصیحت) پر جرأت کرنے میں اکابر تابعین میں سے تھے۔ آپ ایرانی الاصل تھے۔ لیکن

میں پیدا ہوئے اور اپنے بیٹے بڑھتے مزدلفہ کے مقام پر حج کرتے ہوئے ان کا انتقال ہوا اسی سال ہشام بن عبدالملک بھی حج کرنے گیا ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے آپ کا جنازہ پڑھا (یا آپ کا جنازہ پڑھایا) اور بادشاہوں اور امراء سے کنارہ کش رہتے تھے۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں۔ "تین آدمی بادشاہوں سے دور رہتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ حضرت طاؤسؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ۔"

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان کا پورا نام ابو عبدالرحمن طاؤس بن کیسان الحمیری الجندی تھا۔ یہ یمن کے شہر جند کے باشندے تھے۔ یہ غلام تھے۔ انہوں نے عبادلہ اربعہ اور متعدد صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔ بعض صحابہ کرامؓ سے ان کی مرسل روایات بھی ہیں۔ اپنے زمانے میں علم و فضل اور عبادت و تقویٰ میں مشہور تھے۔ امام زہریؒ نے فرمایا "اگر تم طاؤس کو دیکھتے تو یقین کر لیتے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔"

عمرو بن دینار فرماتے ہیں:

"میں نے لوگوں کے مال کے بارے میں طاؤس سے زیادہ بے نیاز کسی کو نہیں دیکھا۔" ❶

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

"ان کی جلالت قدر ان کی فضیلت اور وفور علم صلاح و تقویٰ قوت حافظہ اور احتیاط پر علماء کا اتفاق ہے۔ ❷ ۱۰۶ ہجری میں منیٰ یا مزدلفہ میں ان کا انتقال ہوا۔ جنازے میں ارکان حکومت سے لے کر عوام و طلباء تک ہر طبقے کے لوگ شریک تھے۔ یہاں تک کہ ہجوم کی وجہ سے خلیفہ کو پولیس بھیجنی پڑی۔ حضرت عبداللہ بن الحسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے مسلسل ان کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھا۔ حتیٰ کہ ان کی ٹوپی گر گئی اور ان کی چادر پھٹ گئی۔ ❸

(علوم القرآن مختصراً صفحہ ۴۶۹-۴۷۰)

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیرؒ

(مؤلف کتاب تحریر فرماتے ہیں)

"حضرت سعید بن جبیرؒ ۴۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۹۴ ہجری میں ہوئی۔ علم (و فضل) اور (تقویٰ و) ورع میں اکابر تابعین میں سے تھے۔ اور انہوں نے (خاص طور پر) کتاب اللہ کی تفسیر میں شہرت پائی۔ آپ (تقویٰ و صلاح کے) بلند و بالا پہاڑ اور روشن علم (کے مالک) تھے۔ لوگوں نے آپ کے علم کو نقل کیا۔ اور سوا آپ

---

❶ یہاں تک کے اقوال تہذیب التہذیب صفحہ ۸-۱۰ جلد ۵ سے ماخوذ ہیں۔

❷ تہذیب الاسماء صفحہ ۲۵۱ جلد ۱ ترجمہ نمبر ۲۶۹۔

❸ حلیۃ الاولیاء صفحہ ۴ جلد ۳ ترجمہ نمبر ۲۰۹۔

روایت میں آتا ہے کہ "جب حجاج نے حضرت سعید بن جبیرؒ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، تو جلاد کو حکم دیا کہ ان کو لے جا کر ان کی گردن مار دو۔ تو اس پر حضرت سعید نے حجاج کو (مخاطب کر کے) کہا "مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دے۔" حجاج نے کہا "کیا کہہ رہے ہو؟" حضرت سعید نے جواب دیا "نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ حجاج نے اجازت دے دی مگر یہ شرط لگائی کہ نصاریٰ کے قبلہ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں (تو نماز پڑھنے کی اجازت ہے) پھر ان کی گردن کو اس طرح مارنے کا حکم دیا کہ ان کا منہ قبلہ سے پھیر دیا جائے۔ چنانچہ وہاں نے ان کا منہ قبلہ سے پھیر دیا۔ اس پر حضرت سعید نے (قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر) کہا ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (البقرہ ۱۱۵)

"سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔" (تفسیر عثمانی)

پھر آپ کی گردن اس حال میں ماردی گئی کہ آپ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھ رہے تھے۔ آپ کی (ہر عیب سے) بری اور (ہر گناہ سے) پاک روح رب کی طرف حجاج کے ظلم کی شکایت کرتی ہوئی چلی گئی آپ نے اپنے دین اور عقیدہ کی خاطر اپنی جان کو قربان کر دیا۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ اور آپ کو اپنی وسیع جنتوں میں جگہ دے۔ ❶

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ "آپ مشہور تابعی ہیں۔ متعدد صحابہ کرامؓ اور اصحاب بدرؓ سے علم حاصل کیا۔ عبادت و زہد میں مشہور تھے۔ نماز میں کثرت سے رونے کی وجہ سے ان کی بینائی میں فرق آ گیا تھا۔ ❷ ان کو حجاج نے شہید کیا۔ ان کی شہادت کا واقعہ معروف ہے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان کی خواہش پر ایک تفسیر بھی لکھی تھی کہ جو شاہی خزانہ میں محفوظ رہی۔ (علوم القرآن صفحہ ۴۲۲-۴۲۳ ملخصاً)

علامہ حریری مرحوم نے آپ کے نام و نسب، اصل و نسل، حلیہ و قد و قامت، سیرت و کردار، علم و استفادہ، تلمذ صحابہ کرامؓ، تفسیر میں آپ کا مقام، علم قراءت میں آپ کی دسترس، تفسیر بالرائے سے اجتناب، ابن خلکان کے توصیفی کلمات، خصیف کا آپ کی عظمت و برتری کا اقرار، حضرت ابن عباسؓ کا آپ پر اعتماد اور آپ کے قتل ہونے کے بارے میں مختلف علماء کی رائے کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے چاہیے کہ وہاں دیکھ لیا جائے۔ (دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۰۲-۱۰۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ نے حکایات صحابہ "باب ہفتم" "صحابہ کرامؓ کی دلیری اور بہادری اور موت کے شوق" کے واقعات میں صفحہ ۹۵-۹۶ میں حضرت سعید بن جبیرؓ کی شہادت کے قصے کو نہایت مفصل لکھا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۴) طبقة أهل المدينة

وقد اشتهر منهم عدد على رأسهم (محمد بن كعب القرظي، وأبو العالية الرياحي، وزيد بن

---

❶ اس کے لئے دیکھیے طبقات الکبریٰ ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۲۵۶۔ ❷ حلیۃ الاولیاء جلد ۴ صفحہ ۲۷۳۔

أسلم، رضي الله عنهم جميعاً.

ونحن نتحدث عن هؤلاء الثلاثة الذين اشتهروا بالتفسير من أهل المدينة المنورة والذين كان لهم أثر عظيم في نقل علوم الصحابة سواء كان ذلك في الفقه أو الحديث أو التفسير، وإن كان هناك غيرهم ممن اشتهروا من التابعين ولكن شهرة هؤلاء كانت أوسع، وأثرهم كان أكبر.

محمد بن كعب القرظي

جاء في تهذيب التهذيب للعسقلاني في ترجمته ما يلي:

(هو محمد بن كعب القرظي، أبو حمزة المدني، من حلفاء الأوس، سكن الكوفة ثم المدينة"

روى عن جمع غفير من الصحابة وخاصة عن علي بن أبي طالب، وعبد الله بن مسعود.

قال ابن سعد: كان ثقة عالماً كثير الحديث ورعاً صالحاً.

قال عون بن عبد الله: ما رأيت أحداً أعلم بتأويل القرآن منه.

ويذكر البخاري في سبب تسميته بـ(القرظي) أن أباه كان ممن لم ينبت يوم قريظة فترك، وذلك أن النبيّ قتل الرجال من بني قريظة حينما خانوا العهود وغدروا بالمسلمين، فأمر بقتل مقاتليهم وترك الأطفال والصبيان والنساء. وقد كان من أفاضل أهل المدينة علماً وفقهاً، وكان يحدث في المسجد فسقط عليه السقف وعلى أصحابه، فمات تحت الهدم، وكان ذلك سنة ١١٨ هجرية رضي الله عنه وأرضاه.

أبو العالية الرياحي

اسمه رفيع بن مهران، وكنيته أبو العالية، وهو مولى امرأة من بني رياح، وهو تابعي ثقة من أهل البصرة، اشتهر بالفقه والتفسير، رأى أبا بكر، وقرأ القرآن على أبي بن كعب وغيره، وسمع من عمر وابن مسعود وعلي وعائشة وغيرهم.

روي عنه أنه قال: قرأت القرآن بعد وفاة نبيكم بعشر سنين. وكان منذ حداثة سنه راغباً في العلم، مكباً على طلبه، حتى سبق فيه رفاق الأقران وخاصة في التفسير، وقد كان ابن عباس يرفعه على سريره وقريش أسفل منه، ويقول: هكذا العلم يزيد الشريف شرفاً ويجلس المملوك على الأسرة. مات سنة ٩٣ هجرية عن عمر يناهز الثمانين رضي الله عنه وأرضاه.

زيد بن أسلم

هو زيد بن أسلم العدوي العمري، يكنى أبا أسامة، وهو فقيه محدث من أهل المدينة، كان مع

عمر بن عبد العزيز أيام خلافته' واستقدمه الوليد بن يزيد في جماعة من فقهاء المدينة إلى دمشق مستفتيا في أمر' وكان ثقة كثير الحديث له حلقة في المسجد النبوي' وله كتاب في التفسير رواه عنه ولده (عبدالرحمن) وقد كان رجلا مهيبا قال ابن عجلان: "ما هبت أحدا قط هيبتي لزيد بن أسلم" وحدث ذات يوم بحديث ولم يسنده' فسأله رجل يا أبا أسامة عمن هذا؟ فقال: يا ابن أخي ما كنا نجالس السفهاء.

وكان له حلقة كبيرة في المسجد النبوي الشريف' وكان (علي بن الحسين) يجلس إليه ليستمع له ويترك مجالس قومه' فقيل له في ذلك: تترك مجالس قومك إلى عبد عمر بن الخطاب (حيث كان مولى لعمر) فقال علي: إنما يجلس الرجل إلى من ينفعه في دينه' توفي رضي الله عنه بالمدينة المنورة سنة ١٣٦ هجري.

ترجمہ: دوسرا طبقہ

طبقۂ اہلِ مدینہ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"اس طبقے کے بہت سے لوگ مشہور ہوئے ان میں سرِ فہرست حضرت محمد بن کعب القرظیؒ ابوالعالیہ الریاحیؒ اور زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔" ہم اہلِ مدینہ منورہ کے علمِ تفسیر میں مشہور ہونے والے ان تین اصحاب کا (بھی) تذکرہ کریں گے اور ان لوگوں کا صحابہ کرامؓ کے علوم کے نقل کرنے میں عظیم کردار ہے۔ ہو سکتا ہے (ان کی یہ خدمات) فقہ میں تھیں یا حدیث یا تفسیر میں۔

مدینہ منورہ میں ان تین اصحاب کے علاوہ اور بہت مشہور علماء بھی تھے۔ لیکن ان تین حضرات کی سیرت زیادہ تھی اور ان کا (کردار اور) اثر سب سے زیادہ ظاہر تھا۔

حضرت محمد بن کعب القرظیؒ

علامہ عسقلانیؒ کی (کتاب) تہذیب التہذیب میں ان کے ترجمہ میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

"یہ محمد بن کعب قرظی (کنیت) ابوحمزہ مدنی اور قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ (شروع شروع میں) کوفہ میں رہے پھر مدینہ (منتقل ہو گئے) صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد سے روایت کی خاص طور پر حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے ابن سعد فرماتے ہیں۔ "محمد بن کعب قرظی ثقہ عالمِ حدیث کو کثرت سے روایت کرنے والے متقی (وپرہیزگار) اور (تقویٰ و) صلاح والے تھے۔"

عون بن عبداللہ فرماتے ہیں:

"میں نے ان سے زیادہ قرآن کی تفسیر جاننے والا کوئی نہیں دیکھا۔"

امام بخاریؒ ان کے قرظی نام رکھے جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"محمد بن کعب کے والد ان لوگوں میں سے تھے کہ جو غزوۂ بنو قریظہ کے دن بالغ نہ تھے۔ اس لئے انہیں (قتل نہ کیا گیا اور) چھوڑ دیا گیا (اور وہ بچ گئے) وہ یوں کہ جب بنو قریظہ نے عہد شکنی کی اور نبیؐ کے ساتھ غداری کی تو اس وقت نبیؐ نے بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کیا۔ چنانچہ آپ نے ان سے لڑائی کے قابل (یعنی بالغ اور جنگی تربیت یافتہ) مردوں کو قتل کرنے اور بہت چھوٹے بچوں نابالغ بچوں اور عورتوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔"

آپ علم و فقہ میں اہل مدینہ کے فضلاء میں سے تھے۔ آپ مسجد میں درس حدیث دے رہے تھے کہ مسجد کی چھت آپ اور آپ کے اصحاب پر آن گری یعنی آپ چھت گرنے سے نیچے آ کر وفات پا گئے۔ یہ ۱۱۷ ہجری کا واقعہ ہے۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں۔

"آپ کا نام محمد بن کعب بن سلیم بن اسد القرظی ہے آپ کی کنیت ابو حمزہ یا ابو عبداللہ ہے۔ آپ کے والد کو غزوۂ بنو قریظہ میں نابالغ ہونے کی وجہ سے امان دی گئی کہتے ہیں کہ آپ آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے عبادلہ ثلاثہ اور متعدد صحابہ کرام سے روایات نقل کی ہیں۔"

علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ ان کے ثقہ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۴۷۶-۴۷۷ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم لکھتے ہیں

"مدینہ کے مدرسہ تفسیر کی تشکیل و تاسیس حضرت ابی بن کعبؓ کے مرہون منت ہے۔ بکثرت صحابہ مدینہ ہی کے ہو کر رہ گئے اور دیگر بلاد و امصار اسلامی کی طرف نقل مکانی نہ کی۔ مدینہ میں اقامت پذیر ہو کر وہ اپنے اتباع و اصحاب کو قرآن کریم اور سنت رسولؐ کا درس دیا کرتے تھے۔ اس طرح مدینہ منورہ میں تفسیر کے ایک مدرسہ کی بنیاد پڑ گئی۔ اس مدرسہ میں بکثرت تابعین نے مشاہیر صحابہؓ سے تفسیر کا درس لیا۔ ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت ابیؓ اس مدرسے کے اولین مؤسس تھے اور اکثر تابعینؒ نے آپؓ سے کسب فیض کیا۔"

اس مدرسے کے تین بزرگ زیادہ مشہور ہوئے ان میں سے ایک محمد بن کعب القرظی تھے۔ اس کے بعد علامہ مرحوم نے حضرت محمد بن کعب قرظی کے نام و نسب، کنیت و نسبت، اکابر صحابہ کرامؓ کے علوم سے کسب فیض، ان سے روایت، آپ کی ثقاہت و عدالت، تفسیر و حدیث میں شہرت اور علماء کرام کی آپ کے بارے میں گراں قدر آراء اور چھت گرنے سے آپ کی اور آپ کے رفقاء کی ناگہانی موت کے دلخراش واقعہ کو نقل فرمایا ہے۔ دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین از صفحہ ۱۱۱-۱۱۳۔

ترجمہ حضرت ابو العالیہ الریاحیؒ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

''آپ کا نام رفیع بن مہران کنیت ابو العالیہ ہے۔ اور آپ بنی ریاح کی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے آپ اہل بصرہ کے ثقہ تابعین میں سے تھے۔ فقہ اور تفسیر میں (بطور خاص) شہرت پائی۔ حضرت ابو بکرؓ کی زیارت کی اور حضرت ابی بن کعبؓ وغیرہ کو قرآن سنایا۔ اور حضرت عمرؓ ابن مسعودؓ علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی۔''

آپ کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میں نے نبیؐ کی وفات کے بعد دس سال میں قرآن پڑھا'' اور اس کے حصول میں منہمک رہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نو عمری سے ہی علم (قرآن و حدیث) کی طرف مائل اور (قرآن و حدیث کے) علم میں اور خاص طور پر علم تفسیر میں (اپنے) معاصرین کے ہم پلہ ہو گئے۔ اور حضرت ابن عباسؓ انہیں (اپنے ساتھ) اپنے تخت پر (یا چارپائی پر کہ جس پر بیٹھ کر وہ درس قرآن و حدیث دیا کرتے تھے) بٹھلاتے تھے۔ جبکہ قریشی (نوجوان علماء) ان سے نیچے (بیٹھے) ہوتے تھے۔ اور فرماتے: ''علم اسی طرح شرف والوں کے شرف کو بڑھاتا ہے اور غلاموں کو تختوں پر جلوہ افروز کرتا ہے آپ نے ۹۳ ہجری میں وفات پائی جبکہ آپ کی عمر ۹۰ سال کے قریب تھی۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔

''ان کا پورا نام ابو العالیہ رفیع (بروزن زبیر) بن مہران الریاحی ہے یہ بصرہ کے باشندے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ کی وفات کے دو سال بعد مسلمان ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ سے ملاقات کی ہے۔ اور متعدد صحابہ کرام سے کسب فیض علم کیا ہے اور روایت کی ہے۔ قرآن کریم کے بہترین قاری تھے۔'' ❶

ان کے ثقہ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور ۹۳ ہجری میں وفات پائی۔ ❷ اور العبر کے علاقے میں سب سے پہلے اذان دینے والے یہی تھے۔ ❸ (علوم القرآن صفحہ ۴۷۵-۴۷۶ ملخصاً)

ترجمہ: حضرت زید بن اسلمؒ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

''یہ زید بن اسلم العدوی العمری ہیں ان کی کنیت ابو اسامہ ہے۔ یہ اہل مدینہ کے (مشہور) فقیہ اور محدث ہیں۔ یہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور خلافت میں ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ ولید بن یزید نے کسی بارے میں فتویٰ لینے

❶ تہذیب الاسماء جلد ۲ صفحہ ۲۵۱۔ ❷ تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۸۴۔ ❸ حلیۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۲۲۱۔

تے تھے فقہاء مدینہ کی جماعت میں سے ان کو مشق حسب کیا یہ ثقہ اور حدیث کو کثرت سے روایت کرنے والے تھے۔ مسجد نبوی میں آپ (کے درس حدیث، قرآن وفقہ وتفسیر) کا ایک حلقہ (لگتا) تھا آپ نے تفسیر میں ایک کتاب بھی لکھی آپ کے بیٹے عبدالرحمن آپ سے اس کو روایت کرتے تھے۔ آپ بڑے رعب اور ہیبت والے شخص تھے۔

ابن عجلان کہتے ہیں

"میں جتنا زید بن اسلم سے ڈرتا تھا اتنا کبھی کسی سے نہیں ڈرا۔"

ایک دن آپ نے ایک حدیث بیان کی اور اس کی سند بیان کی۔ تو اس پر کسی نے پوچھ لیا اے ابو اسامہ! یہ (حدیث) کس سے مروی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا اے میرے بھتیجے ہم بیوقوفوں کے پاس نہ بیٹھا کرتے تھے۔

مسجد نبوی شریف میں آپ کا بہت بڑا حلقہ (درس) ہوتا تھا۔ حضرت علی بن حسین ان کے حلقہ میں تشریف فرما ہوا کرتے اور ان کا درس سنا کرتے تھے۔ اور انہوں نے دوسروں کی مجلس میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔ تو اس پر کسی نے ان سے بارے میں (یہ) پوچھا کہ آپ نے اپنی قوم کے لوگوں کی مجلسوں کو حضرت عمر بن خطاب کے ایک غلام کی خاطر چھوڑ دیا (کیونکہ وہ حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام تھے) حضرت علی نے جواب دیا "بے شک آدمی اسی کی مجلس میں بیٹھتا ہے کہ جو اس کو دین کا فائدہ دے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں ۱۳۶ ہجری میں وفات پائی۔ ❶

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

"ان کا پورا نام ابو عبداللہ زید بن اسلم العدوی متوفی ۱۳۶ ہجری ہے یہ مدینہ طیبہ کے باشندے ہیں۔ اور حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہوں نے متعدد صحابہ کرام سے روایت نقل کی ہیں۔ یہ علم تفسیر کے بڑے عالم تھے۔ اور بالاتفاق ثقہ تھے۔ ان کی مقبولیت کے بارے میں ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد کبھی مجھے اپنے کسی شاگرد کے پاس بھیجتے تو وہ میرے سر کو بوسہ دے کر فرماتے "خدا کی قسم تمہارے والد ہمیں اپنے اہل وعیال سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور اگر ہمیں یہ خبر دی جائے کہ ہمارے اہل وعیال کو موت آئے گی یا زید بن اسلم کو اور ہمیں یہ اختیار دیا جائے کہ جس کی موت کو چاہیں اختیار کر لیں تو ہماری خواہش یہ ہوگی کہ زید بن اسلم زندہ رہیں۔ ❷

حضرت ابو حازم فرماتے ہیں کہ ہم زید بن اسلم کی مجلس میں چالیس فقہاء کے ساتھ رہتے تھے ہم سب کی ادنیٰ خصلت یہ تھی کہ اپنی املاک سے ایک دوسرے کی غم خواری کرتے تھے۔ اور اس مجلس میں مجھے کبھی دو آدمی بھی ایسے نظر نہیں آئے کہ جو کسی بے فائدہ گفتگو پر بحث یا جھگڑا کر رہے ہوں۔ ❸

---

❶ دیکھئے تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد ۱ صفحہ ۱۳۲۔ ❷ تہذیب التہذیب مع حاشیہ صفحہ ۳۹۵-۳۹۶ جلد ۳

❸ تہذیب الاسماء جلد ۱ صفحہ ۲۰۰

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور سفیان بن عیینہؒ ان دو حضرات کے علاوہ کسی اور کی ان کے بارے میں جرح میری نگاہ سے نہیں گزری۔ (علوم القرآن ص ۴۷۲۔ ۴۷۳ ملخصاً)

(۳) طبقة أهل العراق

وقد اشتهر منهم عدد و على رأسهم (الحسن البصري، ومسروق بن الأجدع، وقتادة ابن دعامة، وعطاء بن أبي مسلم الخراساني، ومرة الهمداني)

ونحن نتحدث عن ترجمة هؤلاء الأعلام بشيء من الإيجاز فنقول ومن الله نستمد العون.

الحسن البصري

هو الحسن بن يسار البصري، إمام أهل البصرة، وحبر الأمة في زمانه، يكنى (أبا سعيد) وهو أحد العلماء، والفصحاء، والشجعان، والنساك، ولد بالمدينة المنورة، وشب في كنف (علي بن أبي طالب) واستكتبه الربيع بن زياد والي خراسان في عهد معاوية فسكن البصرة، وعظمت هيبته في القلوب، فكان يدخل على الولاة فيأمرهم وينهاهم، لا يخاف في الحق لومة لائم، رأى مائة وعشرين صحابياً، وكان من أفصح أهل البصرة وأعبدهم وأفقههم.

قال الغزالي: كان الحسن البصري أشبه الناس كلاماً بكلام الأنبياء، وأقربهم هدياً من الصحابة، وكان في غاية من الفصاحة، تنصب الحكمة من فيه.

قال أيوب: ما رأت عيناي رجلاً قط كان أفقه من الحسن البصري، كان يحيي الحكمة وينطق بها، وكان إذا أبكى الحاضرين، كأنما كان في الآخرة ثم جاء منها فهو يخبر عمّا رأى وعاين ولهذا فقد اشتهر بالوعظ وكان رقيق القلب فصيح اللسان. وكان يحدث بالأحاديث النبوية فإذا حدث عن (علي بن أبي طالب) لم يذكره خشية من بطش الحجاج، قال يونس بن عبيد: سألت الحسن قلت: يا أبا سعيد، إنك تقول قال رسول الله وإنك لم تدركه؟ قال يا ابن أخي: لقد سألتني عن شيء ما سألني عنه أحد قبلك، ولولا منزلتك مني ما أخبرتك، إني في زمان كما ترى. وكان في عمل الحجاج- كل شيء سمعتني أقول قال رسول الله فهو عن علي بن أبي طالب، غير أني في زمان لا أستطيع أن أذكر علياً.

ولما ولي عمر بن عبدالعزيز الخلافة كتب إليه: إني قد ابتليت بهذا الأمر، فانظر لي أعواناً يعينوني عليه، فأجابه الحسن: أما أبناء الدنيا فلا تريدهم، وأما أبناء الآخرة فلا يريدونك فاستعن بالله عن أمرك.

توفي بالبصرة سنة ١١٠ هجرية و دفن فيها رحمه الله واسعة.

مسروق بن الأجدع

مسروق بن الأجدع الهمداني' كوفي تابعي ثقة' من أصحاب ابن مسعود الذين نقلوا لنا هدى الرسولﷺ.

وهو عابد فقيه يكنى (أبا عائشة) وقد اشتهر بالتفسير' ورواية الحديث كان أبوه أفرس فارس باليمن' وكان خاله (عمرو بن معدي كرب) وقد تولى القضاء' فلم يكن يأخذ على القضاء رزقًا' وكان قانتًا زاهدًا راضيًا بما قسم الله' مع أنه كان صاحب عيال' جاءته امرأته يومًا فقالت: يا أبا عائشة: إنه ما أصبح اليوم لعيالك رزق' فتبسم ثم قال: والله ليأتينهم الله برزق' فرزقه الله رزقًا واسعًا.

روى عنه أنه لقي (عمر بن الخطاب) فسأله ما اسمك؟ قال: مسروق بن الأجدع' فقال له عمر: الأجدع شيطان' أنت مسروق بن عبدالرحمن فكان بعد ذلك يقول. أنا مسروق بن عبدالرحمن

قال علي بن المديني شيخ البخاري: ما أقدم على مسروق من أصحاب عبدالله بن مسعود أحدًا صلى خلف أبي بكر' ولقي عمر و عثمان

شهد القادسية مع اخوته الثلاثة' فقتلوا يومئذ بالقادسية' وجرح مسروق فشلت يده' وله طريقة لطيفة في النصح والوعظ' خرج يومًا ومعه بعض تلامذته فارتقى بهم على كناسة في الكوفة فقال: الا اريكم الدنيا؟ هذه هي الدنيا' أكلوها فأفنوها' لبسوها فأبلوها' ركبوها فأنضوها' سفكوا فيها دماءهم' واستحلوا فيها محارمهم' وقطعوا فيها أرحامهم.

سئل يومًا عن بيت شعر فقال: اكره أن أرى في صحيفتي شعرًا.

ترجمہ: (۳) طبقہ اہل عراق

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"اہل عراق میں سے بہت سے لوگ (علم تفسیر میں) مشہور ہوئے' ان میں سرفہرست حضرت حسن بصری' حضرت مسروق بن الاجدع' حضرت قتادہ بن دعامہ' حضرت عطا بن ابی مسلم الخراسانی اور حضرت مرہ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔" ہم ان سب بزرگوں کا ترجمہ اختصار سے بیان کریں گے۔ چنانچہ ہم اللہ سے مدد چاہتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

روایت کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کوفہ آپ کی صحبت دوسروں کی نسبت زیادہ اختیار کرتے اور آپ سے زیادہ استفادہ کرتے تھے۔

اہل عراق کو دوسروں اہل الرائے کہا جاتا ہے اور ابن مسعودؓ پہلے شخص تھے کہ جنہوں نے اس کی طرح ڈالی۔ باقی علماء نے بھی آپ کی اقتدا کی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کی تفسیر رائے و اجتہاد کی اساس پر شروع ہوئی۔

عراقی مکتب فکر کے مفسرین تابعین میں متعدد ذیل نے بہت شہرت حاصل کی۔

علقمہ بن قیس، مسروق، اسود بن یزید، مرہ ہمدانی، عامر شعبی، حسن بصری اور قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمت اللہ علیہم۔

اس کے بعد علامہ مرحوم نے حضرت حسن بصری کا نام تحیث والدہ کا نام عمرو ان کے آزاد کرنے والوں کے نام وغیرہ فصاحت، بلاغت، زہد و عبادت، کمالات روزگار حضرت متعدد صحابہ کرام سے کسب فیض یا علم قرآن و حدیث کے علوم میں آپ کا مقام، حلال و حرام کے احکام میں آپ کی اعلیٰ درجہ کی بصیرت اور آخر میں ان کے علم و فضل اور فقاہت و ثقاہت پر متعدد علماء کرام کے اقوال نقل کئے ہیں۔ (دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۱۱ اور ۱۱۴)

ترجمہ: حضرت مسروق بن الاجدع

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"مسروق بن اجدع ہمدانی کوفی تابعی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ان با اعتماد اصحاب میں سے ہیں کہ جنہوں نے علم کتاب و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نقل کیا۔ یہ بڑے عابد و فقیہ تھے۔ ان کی کنیت ابوعائشہ ہے۔ تفسیر اور روایت حدیث میں (خاص طور پر) شہرت پائی آپ کے والد یمن کے مشہور بہادروں میں سے تھے۔ اور عمرو بن معدیکرب (مشہور جنگجو بہادر) ان کے ماموں تھے۔ آپ کو عہدہ قضا بھی سونپا گیا۔ لیکن آپ عہدہ قضا کی تنخواہ نہ لیتے تھے۔ اور آپ (بڑے) قناعت شعار، عبادت گزار (اور دنیا سے بے رغبت) اور اللہ کے دیئے پر صابر (وشاکر) رہنے والے تھے باوجود آپ کا ایک (ہاتھ) کٹا بھی تھا۔"

ایک روز آپ کی اہلیہ نے آپ کے پاس آ کر کہا "اے ابوعائشہ! آج آپ کے گھر والوں کے لئے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔" اس پر آپ مسکرائے اور جواب دیا "خدا کی قسم! اللہ ہمیں ضرور (کہیں نہ کہیں سے) رزق بھیجے گا۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی روزی دی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ کی حضرت عمر بن خطابؓ سے ملاقات ہوئی حضرت عمرؓ نے آپ سے پوچھا "تمہارا کیا نام ہے؟" آپ نے جواب دیا "مسروق بن الاجدع" تو اس پر حضرت عمرؓ نے آپ سے ارشاد فرمایا "اجدع" (تو) شیطان (کا نام) ہے (آج کے بعد) آپ مسروق بن عبدالرحمٰن ہیں۔" پس آپ اس کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ میں مسروق بن عبدالرحمٰن ہوں۔

امام بخاری کے شیخ علی بن المدینی فرماتے ہیں

"میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں میں سے کسی کو حضرت مسروق پر ترجیح نہیں دیتا۔" انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی زیارت کی۔"

حضرت مسروقؒ قادسیہ کی جنگ میں اپنے تین بھائیوں سمیت شریک ہوئے۔ وہ تینوں بھائی تو اس جنگ قادسیہ میں شہید ہو گئے اور حضرت مسروقؒ زخمی ہوئے چنانچہ آپ کا ایک ہاتھ شل ہو گیا تھا۔

آپ کے وعظ و نصیحت کا طریقہ بہت عمدہ ہوتا تھا۔ ایک دن آپ اپنے چند شاگردوں کے ساتھ (کہیں جا رہے تھے) آپ ان سب کو کوڑی کے اوپر لے گئے۔ اور فرمایا:

"کیا میں تمہیں دنیا نہ دکھاؤں؟ یہی دنیا ہے۔ لوگوں نے دنیا کو کھایا اور اس کو ختم کر دیا اور اس کو پہنا اور پرانا کر دیا اس پر سوار ہوئے اور اس کو دبا چلا کر (تھکا کر) بلا چلا کر دیا اس دنیا میں لوگوں نے ایک دوسرے کے خون بہائے اپنے محرم کو حلال کیا۔ اور اس میں اپنے قرابت داری کے رشتے توڑے۔" ❶

ان سے ایک دن کسی نے ایک شعر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا "مجھے اپنے نامۂ اعمال میں شعر لکھا ہوا دیکھنا پسند نہیں۔"

توضیح

علامہ غلام احمد حریری لکھتے ہیں

"حضرت مسروقؒ نے خلفاء راشدین اور متعدد صحابہ کرامؓ سے علمی استفادہ کیا۔ آپ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ میں سے سب سے بڑے عالم اور فتویٰ میں ممتاز تھے۔ کوفہ کے مشہور قاضی شریح مشکل مسائل میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔"

امام شعبی نے فرمایا

"میں نے مسروق سے بڑھ کر علم کا طالب نہیں دیکھا۔"

انہوں نے تفسیر قرآن میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے کس قدر استفادہ کیا؟ خود فرماتے ہیں۔

"ابن مسعودؓ ہمیں قرآن کی کوئی سورت سناتے پھر دن بھر اس کی تفسیر کرتے رہتے۔"

آپ کی عدالت و ثقاہت پر علمائے جرح و تعدیل کا اتفاق ہے۔ محدث ابن معین فرماتے ہیں:

"مسروق جیسے شخص کی عدالت کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت نہیں۔"

ابن سعد فرماتے ہیں۔

"مسروق ثقہ تھے اور انہوں نے صالح احادیث روایت کی ہیں۔"

---

❶ تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۰۔

مشہور محدث شعبہؒ نے ابو اسحٰقؒ کا قول نقل کیا ہے:

''مسروق حج کو گئے تو ان کی یہ کیفیت تھی کہ سوتے بھی تھے تو سجدے میں تھے۔'' (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۵-۱۶۰ ملخصاً)

قتادہ بن دعامة

وأما قتادة: فهو أبو الخطاب السدوسي البصري، ولد في البصرة سنة ٦١ و توفي سنة ١١٧ هجرية ومات و عمره ٥٥ سنة روى عن أنس بن مالك و سعيد بن المسيب، و جمع من الصحابة، و كان قوي الحفظ، شديد الذكاء، يروى عنه أنه قال: ما قلت لمحدث قط أعد علي، و ما سمعت أذناي شيئاً إلا وعاه قلبي.

ويروى أنه دخل علي (سعيد بن المسيب) فجعل يسأله أياماً، وأكثر عليه من السؤال، فقال له سعيد: أكل ما سألتني عنه تحفظه؟ قال: نعم فتعجب منه، فقال له قتادة: سألتك عن كذا، فقلت فيه كذا، وسألتك عن كذا، فقلت فيه كذا، حتى أورد عليه جميع ما سمعه منه، فقال له سعيد: ما كنت أظن أن الله خلق مثلك، و قال عنه مرة: ما أتاني عراقي أحسن من قتادة و قرئت عليه مرة صحيفة جابر فحفظها.

ولقد كان ضريراً فاقد البصر، حيث ولد وهو أعمى: ولكنه كان آية في الحفظ و النبوغ والذكاء، وكان أحمد بن حنبل يطنب في ذكره والثناء عليه، وينشر من علمه و فقهه، وكان إماماً في التفسير والفقه ولكنه أخذ عليه أنه كان يأخذ عن كل أحد، حتى قال فيه الشعبي: قتادة حاطب ليل.

توفي رضي الله عنه بالبصرة و دفن بها، وعمره خمس و خمسون سنة، ولما مات بكى عليه أهل البصرة.

عطاء الخراساني

قال الحافظ الأصبهاني: كان مولده سنة ٥٠ و وفاته سنة ١٣٥ هجرية. وهو عطاء ابن أبي مسلم الخراساني، يكنى (أبا عثمان)، وكان ثقة صدوقاً، عابداً، زاهداً، كثير العبادة و التبتل، كان يحيى الليل تهجداً وصلاة

روى عبد الرحمن بن يزيد أنه كان يحيى الليل صلاة، فإذا ذهب من الليل ثلثه أو نصفه نادانا يا فلان ويا فلان، قوموا فتوضأوا و صلوا، فإن قيام الليل وصيام النهار أيسر من شراب الصديد.

وكان يحب نشر العلم، فإذا لم يجد أحداً من تلامذته يحدثه ذهب إلى المساكين فحدثهم،

خوفا من الوعيد لكاتم العلم.

وقد اشتهر بالفقه والحديث والتفسير وكان على غاية من الزهد والورع رحمه الله تعالى.

مرة الهمداني

هو مرة بن شراحيل الهمداني أدرك عددا من الصحابة غير قليل ويكنى (أبا إسماعيل) وهو المعروف بمرة الطيب ومرة الخير لقب بذلك لعبادته كان عابداً ورعاً وزاهداً صالحاً قال العجلي: كان يصلي في اليوم والليلة خمسمائة ركعة وهو تابعي ثقة توفي سنة ٧٦ هجرية رحمه الله تعالى رحمة واسعة وأسكنه فسيح جناته.

هؤلاء هم أعلام المفسرين من التابعين استمدوا علومهم وقبسوا معارفهم من الصحابة الكرام رضوان الله عليهم أجمعين.

وعنهم أخذ تابعو التابعين ومن بعدهم من العلماء العاملين وهكذا حفظ دين الله وكتابه وشريعته وعلومه ومعارفه سليمة كاملة عن طريق التلقي والتلقين جيلا عن جيل مصداقا لقول الله سبحانه وتعالى: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

ولقد صدق الرسول الكريم فيما نبأ عنه وأخبر حيث قال:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين.

وهكذا حفظ الله كتابه بحفظ هؤلاء الرجال الأعلام والثقات الأفاضل الذين كرسوا جهودهم في خدمة العلم والدين فجزاهم الله عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء وأسكنهم فسيح جناته آمين.

تنبيه

يلاحظه على تفسير التابعين رضوان الله عليهم أنه قد دخلت إلى أقوالهم بعض الروايات الإسرائيلية واختلط الصحيح بالعليل ونقل على لسانهم بعض الروايات التي لم تثبت فينبغي التنبه عند نقل أقوالهم إلى الصحيح منها وأن يرجع الإنسان إلى المراجع الموثوقة من كتب التفسير كتفسير ابن جرير وغيره من التفاسير الموثوقة.

قال (السيوطي) في كتابه الإتقان بعد أن ذكر أشهر المفسرين من التابعين ما نصه

فهؤلاء قدماء المفسرين وغالب أقوالهم تلقوها من الصحابة. ثم بعد هذه الطبقة ألفت تفاسير

تجمع أقوال الصحابة والتابعين، كتفسير (سفيان بن عيينة) و (وكيع بن الجراح) و شعبة بن الحجاج و (يزيد بن هارون) وآخرين. ثم جاء بعدهم (ابن جرير الطبري) وكتابه أجل التفاسير وأعظمها.

ترجمہ: حضرت قتادہ بن دعامہ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"قتادہ، ابو الخطاب السدوسی البصری ہیں آپ بصرہ میں ۶۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۱۷ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۵۶ چھپن سال تھی۔ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت سے روایت کی۔ آپ قوی الحافظہ اور بڑے ذہین تھے۔"

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

"میں نے کبھی محدث کو (حدیث کی قراءت کے وقت) یہ نہیں کہا کہ مجھے دوبارہ سنا دو۔ میرے دونوں کانوں نے جو بھی سنا میرے دل نے اس کو محفوظ کر لیا۔"

ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ حضرت سعید بن المسیبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند دن (آٹھ دن) ان کے ہاں ٹھہرے رہے وہاں دنوں میں ان سے (قرآن و حدیث و تفسیر وغیرہ کے بارے میں) سوالات کرتے رہے، اور ان پر سوالات کی (بوچھاڑ) کر دی۔ تو اس پر حضرت سعیدؒ نے ان سے پوچھا: "کیا جو کچھ تم نے مجھ سے پوچھا ہے وہ تمہیں یاد ہے؟" آپ نے کہا "ہاں" اس پر حضرت سعید کو تعجب ہوا تو حضرت قتادہ نے (ان کی حیرت دور کرنے کے لئے) ان سے کہا "میں نے آپ سے فلاں چیز پوچھی آپ نے اس کا یہ جواب دیا میں نے فلاں فلاں بات پوچھی آپ نے اس کو یہ جواب دیا۔"

یہاں تک کہ جو کچھ سنا تھا وہ سب کو دہرا ڈالا۔ تو اس پر حضرت سعید نے ان سے کہا "میرا خیال نہیں ہے کہ اللہ نے تیرے جیسا کوئی اور پیدا کیا ہوگا" اور ایک مرتبہ ان کے بارے میں یہ فرمایا: "کوئی عراقی میرے پاس قتادہ جیسا نہیں آیا۔" اور میں نے ایک دفعہ حضرت جابرؓ کا (پورا) صحیفہ ان کے سامنے پڑھا، اور انہوں نے وہ (پورے کا پورا ایک دفعہ میں) یاد کر ڈالا۔

اور آپ نابینا تھے کہ آپ کی بینائی ختم تھی کیونکہ آپ نابینا پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ (قوت) یادداشت، فقہ، عربی اور بلاغت (و ذکاوت) میں (بے) مثال تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ آپ کی بہت زیادہ (مدح و) تعریف اور ذکر کیا کرتے تھے۔ اور آپ کے علم و فقہ کو پھیلاتے تھے۔ آپ فقہ و تفسیر میں امام تھے۔ لیکن آپ پر یہ جرح کی گئی ہے کہ آپ ہر ایک سے روایت کر لیتے تھے۔

حتیٰ کہ امام شعبیؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ:

"وہ جنت و دوزخ والوں کی گنتی جاننے والے ہیں۔"

آپ کا بصرہ میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے آپ کی عمر ۵۵ سال تھی۔ آپ کی وفات جب ہوئی تو تمام بصرہ آپ پر رو رہا تھا۔

توضیح

- علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم حضرت قتادہ بن دعامہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"آپ مادرزاد نابینا تھے۔ لیکن اس کے باوجود باکمال حافظے کے مالک تھے۔ آپ تفسیر کے بہت بڑے عالم تھے اس کے علاوہ لغت، ادب، تاریخ و انساب میں بھی بڑا ادراک تھا۔ البتہ محدثین نے فرمایا ہے کہ بسا اوقات روایات میں تدلیس کر جاتے ہیں۔"

آپ کا انتقال طاعون کی وبا سے شہر واسط میں ۱۱۸ ہجری میں ہوا۔ (علوم القرآن صفحہ ۴۷۷-۴۷۸ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم لکھتے ہیں:

"قتادہ قوت حافظہ سے بہرہ ور عربی اشعار کے عظیم عالم ایام العرب اور علم الانساب کے زبردست ماہر اور عربی زبان و ادب میں بصیرت تامہ رکھتے تھے۔

قتادہ مفسر قرآن ہونے کے اعتبار سے بھی مشہور ہیں۔ ان کی ثقاہت و عدالت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ صحاح ستہ کے مؤلفین ان سے اخذ و تخریج کرتے ہیں۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۲۰ ملخصاً)

- ترجمہ، حضرت عطاء الخراسانیؒ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) حافظ ابو نعیم اصبہانیؒ فرماتے ہیں

"آپ کی ولادت ۵۰ ہجری اور وفات ۱۳۵ ہجری میں ہوئی۔ یہ عطاءؒ ابن ابی مسلم الخراسانی ہیں۔ ان کی کنیت ابو عثمان ہے آپ ثقہ نہایت راست باز عابد و زاہد اور عبادت اور خلوت گزینی میں کثرت کرنے والے تھے۔ اور آپ ساری رات تہجد اور نوافل پڑھتے رہتے تھے۔"

عبد الرحمن بن یزید فرماتے ہیں:

"آپ رات بھر نمازوں میں گزارتے، جب ایک تہائی رات ڈھل جاتی یا نصف رات (بیت جاتی) تو آپ ہمیں آواز دیتے "فلاں فلاں" اٹھو وضو کرو اور (تہجد کی) نماز پڑھو کیونکہ رات کی نمازیں اور دن کے روزے یہ جہنم کی پیپ پینے سے زیادہ آسان ہیں۔" ❶

---

❶ تہذیب الکمال للمزی، جلد ۲۰ صفحہ ۷۹۹۔

آپ اشاعت علم سے محبت رکھتے تھے چنانچہ جب انہیں اپنے شاگردوں میں سے کوئی نہ ملتا کہ جس کو وہ حدیثیں سنائیں تو علم چھپانے والے کے بارے میں (آنے والی) وعید کے ڈر سے مسکینوں کے پاس چلے جاتے اور انہیں حدیث سناتے۔ آپ نے فقہ، حدیث، تفسیر (کے علم میں مہارت تامہ حاصل ہونے) میں شہرت پائی۔ اور آپ نہایت متقی اور دنیا سے کنارہ کش تھے۔
(اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو)

حضرت مرہ ہمدانیؒ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"یہ مرہ بن شراحیل الہمدانی ہیں۔ انہوں نے بہت سارے صحابہ کرام کا زمانہ پایا۔ آپ کی کنیت ابو اسماعیل ہے آپ "مرۃ الطیب" اور "مرۃ الخیر" (کے لقب) سے معروف تھے۔ اور آپ کا لقب آپ کی (کثرت) عبادت کی وجہ سے پڑا۔ آپ (بڑے) عابد، متقی (پرہیزگار)، زاہد اور نیکی (و) صلاح والے تھے۔"

عجلی فرماتے ہیں:

"آپ رات دن میں ۵۰۰ رکعات نوافل پڑھتے تھے۔ آپ تابعی تھے اور ثقہ تھے آپ کی وفات ۷۶ ہجری میں ہوئی۔ (اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمت واسعہ (کی بارش نازل) فرمائے اور اپنی کشادہ جنتوں میں جگہ دے۔" ❶
(آمین ثم آمین)

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا پورا نام ابو اسماعیل مرۃ بن شراحیل الہمدانی السکسکی الکوفی ہے۔ آپ مخضرمین ❷ میں تھے۔ متعدد صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے زیادہ استفادہ کیا۔ بالاتفاق ثقہ ہیں۔ آپ کی کثرت عبادت کا یہ حال تھا کہ مورخین نے آپ کے بارے میں لکھا ہے "آپ نے اتنے سجدے کئے کہ مٹی آپ کی پیشانی کو کھا گئی۔"

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"آپ تفسیر میں صاحب بصیرت تھے" (علوم القرآن صفحہ ۴۸۰-۴۸۱ ملخصاً)

ترجمہ: (مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"یہ (مذکورہ بزرگ) تابعین میں سے بڑے مفسرین (شمار کئے جاتے) ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اپنے علوم و معارف کو حاصل کیا۔ اور تبع تابعینؒ اور ان کے بعد کے علماء طلبہ نے ان ہی سے علم حاصل

---

❶ تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۸۹۔
❷ مخضرمین ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے نبی کا زمانہ پایا ہو لیکن آپ کی زیارت نہ کی ہو۔ (حاشیہ از مولانا تقی عثمانی صاحب)

کیا۔ اللہ جل جلالہ کا دین، اس کی کتاب اور اس کی شریعت اور کتاب اللہ کے علوم و معارف اسی طرح سیکھنے اور سکھانے کے طریقے سے پوری طرح نسل در نسل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول کو سچ ثابت کرنے کے لئے محفوظ رہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

"ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

اور تحقیق نبی کریمؐ نے اس کی خبر دیتے ہوئے اور اس کے بارے میں بتلاتے ہوئے سچ فرمایا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"اٹھائیں گے اس علم کو ہر بعد میں آنے والوں میں سے ان کے عدول لوگ اور دور کریں گے اس سے حد سے تجاوز کرنے والوں کی تبدیلیوں کو اور باطل لوگوں کے جھوٹ کو اور جاہلوں کی تاویل کو۔" ①

اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو علماء دین اور فقہاء کی حفاظت کے ذریعے سے محفوظ فرمایا کہ جنہوں نے اپنی (زندگی بھر کی) کاوشوں کو علم اور دین کی خدمت کے لیے مخصوص کر لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کو اپنی کشادہ جنتوں میں جگہ دے۔ (آمین ثم آمین)

توضیح

علامہ حریری مرحوم لکھتے ہیں:

"بہر کیف یہ ہیں حضرات تابعین کرام جنہوں نے تفسیر قرآن میں شہرت پائی۔ تابعین نے جو علمی ورثہ چھوڑا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس سلف کا علم خلف کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ ہر پچھلے دور کے علماء نے اپنے سابقین کے علم کو سنبھالا۔ اور اس پر شاندار اضافہ کیا۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آغاز کار میں علم کا دائرہ نہایت تنگ ہوتا ہے اس کے وسائل محدود ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے نقطۂ عروج و کمال تک جا پہنچتا ہے۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۱۳۱ ملخصاً)

ترجمہ: تنبیہ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"تابعین رضوان اللہ علیہم کی تفسیر میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا کہ ان کے اقوال میں بعض اسرائیلی روایات داخل ہو چکی تھیں۔ اور صحیح (اقوال) غیر صحیح (اقوال) کے ساتھ مل جل گئے تھے۔ انہوں نے بہت سی روایات (بھی) نقل کیں کہ جو (صحابہ کرامؓ سے) ثابت نہ تھیں۔ لہٰذا تابعین کے اقوال نقل کرتے وقت ان کے صحیح اقوال کی طرف

① اس حدیث کا ترجمہ ارشاد الطالبین شرح ... مولانا محمد عتیق الرحمٰن صفحہ ۲۲۹ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

منتسب ہونا چاہیے۔ اور آدمی کو چاہیے کہ وہ باعتبار تفسیری ماخذ کی طرف رجوع کرے جیسے تفسیر ابن جریر وغیرہ جیسی معتبر کتب تفسیر۔"

علامہ سیوطیؒ اپنی کتاب الاتقان میں مشہور تابعین مفسرین کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں:

یہ سب قدماء مفسرین ہیں انہوں نے اپنی اکثر روایات صحابہ کرام سے لیں ہیں۔ پھر اس طبقہ کے بعد کچھ ایسی تفاسیر تالیف کی گئیں جو صحابہ وتابعین (دونوں) کے اقوال کو جمع کرتی ہیں۔ جیسے سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحجاج اور یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کی تفسیریں ہیں۔ پھر ان کے بعد ابن جریر الطبریؒ آئے۔ ان کی کتاب (بعد کی تفسیروں میں) سب سے زیادہ جلالت شان اور عظمت والی ہے۔ ❶

توضیح

تابعین سے ماثور تفسیر بالروایہ کی اہمیت اور اس دور کی تفاسیر کی اہم خصوصیت گزشتہ صفحات میں مذکور ہو چکی ہیں۔

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: بعد کی تمام تفاسیر کا بنیادی ماخذ اور جن روایات اور اقوال پر بیشتر تفاسیر کا مدار ہے اور جنہوں نے تفسیر بالروایہ کا طرز اختیار کیا۔ کہ جن تفاسیر کے مطالعہ سے علم تفسیر میں بصیرت پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

تفسیر ابن جریر، تفسیر الدر المنثور، اور تفسیر ابن کثیر۔ رحمہم اللہ علیہم

اور وہ تفاسیر کہ جن میں سند کے بغیر قدیم آئمہ تفسیر کے اقوال نقل ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔

روح المعانی، تفسیر قرطبی وغیرہ۔ (علوم القرآن صفحہ ۵۰۰ بتغییر یسیر)

الفصل الثامن

اعجاز القرآن

العناية بدراسة القرآن العظيم

لم يحدث في تاريخ البشرية أن أمة من الأمم، اعتنت بكتابها السماوي كما اعتنت هذه الأمة المحمدية، ولم يسمع عن كتاب مقدس نال من الحفظ والرعاية، والإجلال والإكبار، كما ناله هذا الكتاب المجيد، معجزة محمد الخالدة، وحجته البالغة، ودعوته إلى الناس أجمعين. ولا عجب أن ينال القرآن العظيم هذه المنزلة الرفيعة، ويحتل من نفوس المسلمين تلك المكانة الجليلة، ذلك لأن الأحداث التي رافقت نزول هذا الكتاب المقدس، تجعله يتبوأ مكان الصدارة بين جميع الكتب السماوية، ويفوق كل ما جاء به الأنبياء والمرسلون صلوات الله وسلامه

❶ الاتقان للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۹۰۔

علومها أجمعين من هداية وإصلاح وتربية وتعليم وسلم وتشريع وثقافة عصر والعالم من

قال

الله أكبر إن دين محمد ... وكتابه أهدى وأقوم قيلا

لا تذكروا الكتب السوالف عنده ... طلع الصباح فأطفئ القنديلا

القرآن معجزة محمد الخالدة

وقد جرت حكمة الله الأزلية أن يؤيد أنبياءه ورسله بالمعجزات الباهرات والدلائل الواضحات والحجج والبراهين الدامغة التي تدل على صدقهم وعلى أنهم أنبياء مرسلون من عند الله العزيز الحكيم، وقد خص الله تبارك وتعالى نبيه محمدًا ﷺ بالمعجزة العظمى القرآن الكريم، ذلك النور الرباني والوحي السماوي الذي ألقاه على قلب نبيه قرآنًا عربيًا غير ذي عوج يتلوه آناء الليل وأطراف النهار، والذي أحيا به أجيالًا من العدم كانت في عداد الموتى فأحياها الله بنور هذا القرآن وهداها أقوم طريق وانتشلها من الحضيض فجعلها خير أمة أخرجت للناس، وصدق الله حيث يقول: ﴿أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ لقد أحيا القرآن أممًا وأوجد مجتمعًا وألف جيلًا لم يعرف له التاريخ مثيلًا، فأخرج من العرب الذين كانوا رعاة الإبل والغنم سادة الشعوب والأمم تملكوا الدنيا حتى حكموا أقاصي المعمورة، وكل ذلك بفضل هذا القرآن معجزة خاتم الأنبياء والمرسلين، وفي ذلك يقول أمير الشعراء

أخوك عيسى دعا ميتًا فقام له ... وأنت أحييت أجيالًا من الرمم

ولئن كانت معجزة الأنبياء السابقين معجزات "حسية" تتناسب مع العصر والزمان الذي بعث فيه نبي، كمعجزة موسى عليه السلام حيث كانت اليد والعصا، لأنه بعث في زمن كثر فيه السحرة واشتهر فيه السحر، وكذلك معجزة عيسى عليه السلام حيث كانت بإحياء الموتى وإبراء الأكمه والأبرص والإخبار عن بعض المغيبات، لأنه بعث في عصر كثر فيه الطب والحكمة وظهر فيه الأطباء البارعون فأتاهم عيسى بن مريم بما أدهشهم وأعجزهم من شفاء المرضى وإحياء الموتى وإبراء الأعمى بحكم الطب

فإن كانت معجزات الأنبياء السابقين معجزات (مادية حسية) فإن معجزة محمد بن عبد الله معجزة (روحية عقلية) وقد خصه الله بالقرآن معجزة العقل الباقي على الزمان الخالد

ذوو القلوب والبصر، فيستنيرون بضيائها ويغمرهم بهديها في المستقبل والحاضر، فقد ورد عن سيد المرسلين أنه قال:

ما من نبي من الأنبياء إلا أعطي من الآيات ما مثله آمن عليه البشر، وإنما كان الذي أوتيته وحيا أوحاه الله إلي فأرجو أن أكون أكثرهم تابعا رواه البخاري

أجل.... هذا الوحي السماوي الذي ألقاه الله على قلب نبيه الأمين ليكون ضياء ورحمة للعالمين، هو معجزة الإسلام الخالدة، وحجته الباقية، تقوم على فم الدنيا شاهدة بصدق الرسول، ناطقة بعظمة الإسلام وخلود هذا الدين، بينما ذهبت المعجزات الحسية، وعفت مع أحداثها الكونية، وتلاشت من الوجود بعد وفاة الأنبياء الكرام الذين أتوا بها، فلم يعد لها وجود ولا بيان إلا في هذا القرآن الذي أخبر عنها، فكان له الفضل الأعظم عليها سابقاً ولاحقاً، ولله در القائل حيث يقول:

جاء النبيون بالآيات فانصرمت وجئتنا بكتاب غير منصرم

آياته كلما طال المدى جدد يزينهن جمال العتق والقدم

الآيات: المراد بها المعجزات جمع آية بمعنى المعجزة. انصرمت: أي ذهبت بذهابهم ..

ترجمہ: آٹھویں فصل

اعجاز القرآن کے بارے میں

قرآن عظیم کی تعلیم کی طرف توجہ

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

''انسانی تاریخ میں یہ بات نہیں ملتی کہ کسی امت نے اپنی آسمانی کتاب کی طرف ایسی توجہ دی ہو جیسی کہ امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (اپنی آسمانی کی طرف) دی۔ اور ہم کسی آسمانی کتاب کے بارے میں نہیں جانتے کہ اس نے حفظ و رعایت اور احترام و تقدس کا وہ حصہ پایا ہو کہ جو اس کتاب مجید نے پایا ہے کہ جو محمد ﷺ کا دائمی معجزہ اور آپ کی نبوت یا رسالت اور سروری کی سرمدی انسانیت کو آپ کی دعوت (عام) ہے اور اس میں کوئی تعجب نہیں کہ قرآن عظیم نے یہ (قدر و) منزلت کی بلندی پائی اور مسلمانوں کے دلوں میں یہ بلند مرتبہ پایا اس لئے کہ جو حالات (واقعات) اس کتاب مقدس کے نزول کے شریک حال رہے۔ انہوں نے اس کتاب کو تمام آسمانی کتابوں کا سردار بنا دیا اور تمام انبیاء و مرسلین جو ہدایت و اصلاح اور تعلیم و تربیت اور بلندی و ترقی لے کر آئے ان میں اس کو برتر کرتے

سے قوموں اور قبیلوں کے سردار پیدا کئے۔ پھر انہیں دنیا کا بادشاہ بنا دیا یہاں تک کہ انہوں نے دور دراز کے ملکوں (اور اطراف واکناف عالم) پر حکومت کی۔ اور یہ سب کچھ اس قرآن کریم کی برکت سے حاصل ہوا کہ جو خاتم الانبیاء والمرسلین (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ ہے۔

امیر الشعراء اس بارے میں فرماتے ہیں:

أخوك عيسى دعا ميتا فقام له — وأنت أحييت أجيالا من العدم

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بھائی (حضرت) عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ایک مردے کے لئے دعا کی اور وہ (اللہ کے حکم سے) ان کے لئے (زندہ ہو کر) کھڑا ہو گیا۔"

جبکہ آپ نے قوموں (کی قوموں) کو عدم سے (وجود بخشا اور) حیات (نو) بخشی۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اگر گزشتہ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے معجزے "حسی" تھے تو اس دور اور زمانے کے مناسب تھے کہ جن میں وہ بھیجے گئے جیسے حضرت موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا معجزہ ید (بیضاء) اور عصا تھا کیونکہ آپ کی بعثت ایسے زمانے میں ہوئی کہ جس میں جادو کی کثرت تھی۔ اور اس میں (فن) جادوگری (کی شہرت اور اس) کا چرچا تھا۔

جیسا کہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا معجزہ مردوں کو زندہ کرنا، اندھوں اور کوڑھیوں کو (اندھے پن اور کوڑھ سے) شفا دینا بعض غیب کی باتوں کو بتلا دینا تھا۔ کیونکہ آپ کی بعثت ایسے زمانے میں ہوئی تھی کہ جس میں (علم) حکمت اور طب کی کثرت تھی اس دور میں (بڑے بڑے ماہر) با کمال طبیب ہوئے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے پاس ایسے معجزات لے کر آئے کہ جنہوں نے ان کو دہشت زدہ اور عاجز کر دیا جیسے مریضوں کو شفا دینا مردوں کو زندہ کرنا اندھوں گونگوں اور بہروں کو صحیح کرنا۔ (وغیرہ وغیرہ)

میں کہتا ہوں جب گزشتہ انبیاء کے معجزے "حسی اور مادی" تھے تو حضرت محمد کا معجزہ "روحانی اور عقلی" ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قرآن (کے معجزہ) کے ساتھ خاص فرمایا کہ جو معجزہ عقلی (اور قیامت تک کے) زمانوں تک باقی رہنے والا ہے۔ تا کہ اس کو اہل قلب ونظر (جانچتے پرکھتے اور) دیکھتے رہیں اور اس کی روشنی سے روشنی لیتے رہیں اور موجودہ اور آئندہ (قیامت تک آنے والوں زمانوں) میں اس کی ہدایت سے نفع اٹھاتے رہیں۔

سید المرسلین نبیؐ سے روایت میں آتا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"ہر ایک نبی کو (اللہ کی) نشانیوں میں سے عطا دیا گیا اتنے کے بقدر جس پر لوگ ان نشانیوں پر ایمان لائے بے شک جو کچھ مجھے دیا گیا وہ "وحی" (یعنی قرآن) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کیا ہے پس میں امید کرتا ہوں کہ (قیامت کے دن) میں سب سے زیادہ پیروکاروں والا ہوں گا۔" (رواہ البخاری)

حق بات ... یہ ہے وہ آسمانی وحی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صادق و) امین کے قلب پر القاء کیا تا کہ یہ تمام عالم

کے لئے روشنی اور رحمت بن جائے۔ یہ اسلام کا دائمی معجزہ اس کی باقی رہنے والی حجت ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی گواہی دینے کے لئے، اسلام کی عظمت اور اس دین کے تا قیامت ہونے کو بیان کرنے کے لئے دنیا کے منہ پر قائم ہے۔

اس دوران کے وہ حسی معجزات (اس دنیا سے) رخصت ہو گئے اور اپنے محرکات کو لے سمیت ختم ہو گئے اور ان انبیاء کرام (علیہم السلام) کی وفات کے بعد کہ جو انہیں لائے تھے ان کا وجود ناپید ہو گیا۔ ان کا کوئی وجود اور ذکر نہ رہا سوائے اس قرآن میں مذکور ہونے کے جس نے ان کے بارے میں خبر دی۔ تو اس قرآن کی ان (سب) اگلے پچھلے (تمام) معجزات پر ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اللہ ہی کے لئے خوبی ہے اس (شعر) کہنے والے کے لئے کہ اس نے کہا:

جاء النبيون بالآيات فانصرمت　　　وجئتنا بكتاب غير منصرم

آياته كلما طال المدى جدد　　　يزينهن جمال العتق والقدم

(اس کا ترجمہ گزشتہ صفحات میں گزر گیا ہے)

(مؤلف کتاب شعر کے بعض کے الفاظ کے معانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں)

"آیات سے مراد معجزات ہیں یہ آیت کی جمع ہے کہ جو معجزہ کے معنی میں ہے اور "انصرمت" (فعل) معنی "ذهبت بذهابهم" کے ہے (یعنی ان انبیاء کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی وجہ سے وہ معجزات ختم ہو گئے)

قال العلامة الزرقاني: (وهنا نلفت النظر إلى أن القرآن بما اشتمل عليه من المعجزات الكثيرة قد كتب له الخلود فلم يذهب بذهاب الأيام، ولم يمت بموت الرسول عليه الصلاة والسلام، بل هو قائم على فم الدنيا يحاج كل مكذب، ويتحدى كل منكر، ويدعو أمم العالم جمعاء إلى ما فيه من هداية الإسلام وسعادة بني الإنسان. ومن هنا يظهر الفرق جليًا بين معجزات نبي الإسلام ﷺ ومعجزات إخوانه الأنبياء عليهم أزكى الصلاة وأتم التسليم، فمعجزات محمد في القرآن وحده آلاف مؤلفة، وهي متمتعة بالبقاء إلى اليوم وإلى ما بعد اليوم حتى يرث الله الأرض ومن عليها، أما معجزات سائر الرسل فمحدودة العدد، قصيرة الأمد، ذهبت بذهاب زمانهم، وماتت بموتهم، ومن يطلبها الآن لا يجدها إلا في خبر كان، ولا يسلم شاهد له بها إلا هذا القرآن؟ وتلك نعمة يمنها القرآن على سائر الكتب والرسل، بل ما صح من الأديان كافة، قال تعالى: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ...﴾ الآية.
وقال عز اسمه: ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ...﴾ الآية.

لهذا لم تكن معجزة سيد الأنبياء معجزة حسية تقرع الحس وتستولي على النفوس، فلم تكن

عصا تنقلب حية كعصا موسى، أو نارا تصير بردا وسلاما كالنار التي ألقي فيها الخليل، أو ناقة تخرج من صخر أصم ولها رغاء كناقة صالح، أو مريضا يشفى، أو أعمى يبرأ كما فعل عيسى عليه السلام، وإنما كانت معجزة عقلية خالدة لأنها خاتمة الرسالات، فهي خالدة خلود الدهر، باقية بقاء الإنسان. . .

يقول الشيخ (محمد البنا) ما نصه: وإذا كان قد جرت خوارق للعادات على يد النبي ﷺ غير القرآن كما ورد في صحاح السنة فإن النبي ﷺ لم يتحد بها، بل كان التحدي بالقرآن وحده، ولهذا كان القرآن معجزة الرسول التي تؤيد رسالته، وتشرق في قلوب الذين اتبعوه من المؤمنين. ورسالة النبي ﷺ شاملة خالدة لأنها خاتمة الرسالات فكانت الحكمة أن تتفق معجزته من نوع رسالته، إذ كل نبي سبق كان يأتي برسالة لقوم بأعيانهم و تنتهي بما يأتي بعدها من الرسالات، ولم يكن من الممكن أن تكون معجزة خاتم الأنبياء أمرا حسيا يراه جماعة حين يقع، فإذا لحق الرسول بالرفيق الأعلى انقضى ذلك الأمر المحسوس ولا يراه أحد من بعده، لأن الأمور المحسوسة لا تتفق مع نوع هذه الرسالة ولا مع خلودها، لقد كان القرآن معجزة للناس جميعا، ولذلك جاء من نوع آخر غير نوع المعجزات السابقة، ولقد جاء للدنيا بعد أن اكتملت المدارك البشرية وارتقى الفكر الإنساني، لأن رسالة سيدنا محمد ﷺ وافت البشرية بعد أن ادركت رشدها وتكامل النمو العقلي في مجموعها، فكانت معجزته تدرك (بالعقل) ولا تحتاج إلى أي نوع من الحس، فهي معان خالدة يدرك سموها الإنساني في كل الأجيال، وهي معجزة يخاطب بها الناس جميعا.

لغات: تنقلب: غالب ہونا، قبضہ کرنا۔ أصم: ٹھوس، سخت۔ خوارق: خلافِ عادت، اسباب مادیہ سے ماوراء۔ تحدی: چیلنج کرنا۔ مدارك: حواسِ خمسہ، پانچ طاقتیں، قوتِ باصرہ، قوتِ سامعہ، قوتِ شامہ، قوتِ ذائقہ، قوتِ لامسہ۔ النمو العقلي: عقلی نشو ونما۔

ترجمہ: علامہ زرقانیؒ کی رائے

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) "علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں:

"اس مقام پر ہم اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ قرآن اپنے ان بہت سے معجزات سمیت کہ جن کو یہ مشتمل ہے اس کے لئے ہمیشگی (مقدر کر دی گئی ہے اور) ضروری قرار دی گئی ہے چنانچہ یہ مرورِ زمانہ سے ختم نہیں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے فنا نہیں ہوا بلکہ یہ دنیا کے منہ پر قائم ہے جو ہر جھٹلانے والے سے جھگڑ رہا ہے اور

ہر مشرکو چیلنج کر رہا ہے اور ساری کی ساری دنیا کی تمام قوموں کو اپنی اسلام کی ہدایت اور بنی نوع انسان کی (دنیوی اخروی) سعادت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ یہیں سے نبی اسلام (حضرت محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کے دوسرے بھائی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے معجزات کے درمیان واضح فرق ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ صرف قرآن میں (حضرت محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزار ہا معجزات ہیں اور وہ (معجزات) آج کے دن تک اور آج کے بعد کے دن تک بقا (کی دولت) سے سرفراز ہیں۔"

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کا اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اس سب کا وارث ہو جائے گا (یعنی یہ قرآن قیامت تک کے لئے باقی رہنے والی لازوال کتاب ہے۔ (مترجم)

رہے دوسرے تمام انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے معجزات تو وہ محدود تعداد میں اور تھوڑے عرصہ کے لئے تھے وہ معجزات ان انبیاء کے ادوار گزرنے سے رخصت ہو گئے اور ان انبیاء کی وفات سے ختم ہو گئے۔

اور جو اب ان کو تلاش کرے گا تو وہ سوائے ان کی خبر کے ان کو نہ پائے گا۔ اور اس تلاش کے لئے ان معجزات کے لئے سوائے قرآن کے کوئی گواہ نہیں بچا ہے۔

یہ وہ نعمت ہے کہ جس کا قرآن نے تمام (آسمانی) کتابوں اور (گزشتہ) انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر اور تمام صحیح (آسمانی) مذاہب پر (بار) احسان رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾ الآیۃ ❶ (المائدہ: ۴۸)

"اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب سچی تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور ان کے مضامین پر نگہبان۔" (تفسیر عثمانی)

اور رب ذوالجلال نے (ایک اور جگہ) ارشاد فرمایا ہے:

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ الآیۃ. (البقرۃ: ۲۸۵)

"مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

---

❶ اس مضمون کے لئے دیکھئے مناہل العرفان صفحہ ۳۳ جلد ا۔

"اسی وجہ سے سید الانبیاء (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ حسی معجزہ نہ تھا جو (آدمی کے) حواس پر چھوٹ مارتا اور نفوس پر چھا جاتا۔ چنانچہ یہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کی لاٹھی کی طرح لاٹھی نہیں تھی کہ سانپ بن جاتی' نہ یہ آگ نہیں تھی کہ جو ٹھنڈک اور سلامتی بن جاتی جیسے وہ آگ کہ جس میں (حضرت ابراہیم) خلیل (اللہ) کو ڈالا گیا۔ نہ یہ کوئی اونٹنی نہیں کہ جو کسی سخت چٹان سے نکلی ہو اور بلبلا رہی ہو جیسے صالح (علیہ السلام) کی اونٹنی (تھی) یا کوئی مریض کہ جسے شفا مل گئی' نہ کوئی اندھا کہ جس کی بینائی لوٹ آئی ہو جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ (نہیں ایسا نہیں بلکہ) بے شک یہ ایک "لازوال عقلی" معجزہ ہے' کیونکہ یہ تمام رسالتوں (اور شریعتوں) کا ختم کرنے والا ہے پس رہتی دنیا تک ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے۔ اور جب تک انسان (یہاں) باقی ہے یہ باقی رہے گا۔"

شیخ محمد الغزالی فرماتے ہیں

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں قرآن کے علاوہ کئی قسم کے خارق عادت معجزات صادر ہوئے۔ جیسے کہ صحاح ستہ میں آتا ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذریعہ (اپنی امت کو) چیلنج نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے فقط قرآن کے ذریعہ چیلنج کیا۔ اسی لئے قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ ہے کہ جو آپ کی رسالت کی تائید (وتصدیق) کرتا ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے مومنین کے دلوں میں روشن ہوتا ہے (اور انہیں جلا بخشتا ہے)۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت (سب تعلیمات کو) شامل اور دائمی ہے۔ کیونکہ آپ کی رسالت تمام (گزشتہ انبیاء اور رسولوں کی) رسالتوں کو ختم کرنے والی ہے۔ پس (اللہ تعالیٰ کی) حکمت یہی تھی کہ آپ کا معجزہ بھی آپ کی رسالت کی قسم کے مطابق ہو۔ (پس جیسے آپ کی رسالت دائمی ہے مناسب یہ تھا کہ آپ کا معجزہ بھی دائمی ہوتا) کیونکہ ہر گزشتہ نبی کی رسالت کو اپنی قوم کے لوگوں کے لئے ہی لے کر آتا تھا اور وہ رسالت ان کے بعد آنے والی رسالتوں کی وجہ سے ختم ہو جاتی تھی۔ اور یہ بات ممکن نہ تھی کہ خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ ایک ایسا امر حسی ہوتا کہ جس کو ایک جماعت (فقط) اس کے وقوع کے وقت (ہی) دیکھتی۔ پھر جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رفیق اعلیٰ سے جا ملتے تو وہ امر محسوس بھی رخصت ہو جاتا کہ جسے آپ کے بعد کوئی نہ دیکھتا۔ کیونکہ امور حسیہ اس قسم کی رسالت (کہ جو خاتمۃ الرسالات ہے) کے اور اس رسالت کے دوام کے مطابق نہیں ہیں۔

تحقیق کہ قرآن ساری کی ساری انسانیت کے لئے معجزہ تھا اسی لئے یہ دیگر معجزات کے طریق سے ہٹ کر ایک اور طریق سے (معجزہ بن کر) آیا۔ قرآن دنیا میں بشری قوتوں کی تکمیل اور فکر انسانی کے ارتقاء کے بعد آیا' کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت نے انسانیت کو اس کے سن شعور کو پا لینے اور مجموعی طور پر عقلی (نشوو) نما کی تکمیل کے بعد پایا۔ پس آپ کا معجزہ (بھی ایسا ہونا چاہیے تھا کہ جو) عقل سے پہچانا جائے کہ جو کسی قسم کے امر حسی کا محتاج نہ ہو۔ بلکہ یہ ہمیشہ رہنے والی معانی میں جن کی بلندی کو ہر صدی کا انسان پا لیتا ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے جس کے ذریعے ساری انسانیت کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] اس کے لئے دیکھیں' ام الکتاب بر اللہ صفحہ ۲۳۔

توضیح

نبی امی اور اس کا اعجاز قرآنی

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"پھر طرفہ یہ ہے کہ جو ہادی اس کتاب کو لایا اس نے نہ کسی درسگاہ میں تعلیم پائی نہ کسی لائبریری کا مطالعہ کیا نہ کسی استاد اور معلم کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور نہ اس کے گردوپیش ایسے بحث یا تعلیمات کا کوئی مواد موجود تھا۔ بلکہ اس نبی اور اس کی قوم کی وہ حالت تھی جس کو قرآن نے یوں ادا کیا ہے:"

"وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں ان ہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا (کہ وہ) ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ان کو (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک صاف کرے اور ان کو کتاب (الٰہی) اور عقل کی باتیں) سکھائے اور وہ (اس سے) پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) تھے۔"

نہ صرف یہ کہ قرآن نے اس کے امی ہونے کا اشارہ کیا بلکہ امی کا وصف اس کے لئے بطور ایک ممتاز لقب کے استعمال فرمایا جس جگہ یہ فرمایا:

"(ان سے ہماری مراد اس زمانے کے وہ اہل کتاب ہیں) جو (ہمارے ان) رسول نبی امی (محمدؐ) کی پیروی کرتے ہیں جن (کی بشارت) کو اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔"

اور ایک موقع پر آپ کی نوشت و خواند کے متعلق ان لوگوں کے مجمع میں جن سے آپ کی چالیس سالہ طویل زندگی کا کوئی حصہ واقعہ خصوصاً کہ وہ جس میں احتیاطاً غیروں کی ہو مستور نہ رہ سکتا تھا۔ صاف صاف اعلان کر دیا گیا۔

"نہ تو تم قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو بے شک باطل پرستوں کو کچھ شک و شبہ کی گنجائش ہوتی۔"

یہی نہیں کہ آپ ہی نوشت و خواند سے بالکل الگ تھلگ رہے بلکہ جو چیز بڑے سے بڑے متعصب اور معاند کو بھی محو حیرت بنا دینے والی ہے وہ یہ ہے کہ باوجود عرب کے نہایت ہی واجب التعظیم معزز و ممتاز خاندان میں سے ہونے کے اس فن شاعری سے بھی ناآشنا رہے جس میں اس سرزمین کے بچے اور چھوکریاں بھی طبعی سلیقہ کے موافق ید طولیٰ رکھتی تھیں کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایسے ملک کا جہاں کی سرزمین نباتات کی طرح شاعروں کو اگاتی تھی۔ ایسا مایہ ناز فرزند شعر گوئی سے کوئی علاقہ نہ رکھے؟ ایک شعر بھی اس کا عرب کے دواوین میں موجود نہ ہو۔ کسی مشاعرہ میں ایک قصیدہ بھی اس نے نہ پڑھا ہو جو یہی گمان کر لیا جائے کہ شاعری سے ترقی کرتے کرتے وحی و الہام کا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

"اور ہم نے ان (پیغمبرؐ) کو شاعری نہیں سکھائی اور شاعری ان (کی شان) کے لائق بھی نہ تھی۔"

پھر لائے تو پورے چالیس سال بعد ایک ایسا کلام لائے جو نہ قصیدہ ہے نہ غزل نہ مرثیہ ہے اور نہ اس رنگ ڈھنگ کا کوئی

کلام ان کے یہاں موجود ہے نہ اس طرح کی کوئی تصنیف ان کے ہاں پائی جاتی ہے۔ بلکہ وہ آفتاب کی طرح مکانوں کو نہیں دلوں کو روشن کرنے والا کلام ہے۔ وہ حکمت ہے، علم ہے، شفا ہے، برہان ہے، نور ہے، قانون ہدایت ہے خلاصہ یہ کہ خدا کے علم سے روشن کی ہوئی ایک مشعل ہے جسے نہ کوئی ہوا کا جھونکا گل کر سکتا ہے اور نہ کوئی آندھی بجھا سکتی ہے دنیا کے فصحاء و بلغاء نے اس امی کی لائی ہوئی کتاب کے آگے سپر ڈال دی۔ بڑے بڑے شاعر ایسے بہک گئے کہ جس آدمی نے مدت العمر ایک شعر نہیں کہا تھا محض کلام سن کر اس کو شاعر کہنے لگے۔ اس کا خارق عادت معجزہ دیکھ کر سحر سے تعبیر کر دیا۔ اور یہی چیز ان کے زعم میں تمام خوارق العادات کارناموں کی حد تھی۔ اور بعض ان میں سے قرآن کی فصاحت کو سجدہ کرنے لگے۔ قرآن کے علوم و قوانین نے ساری دنیا کے قانون ردی کر دیئے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ فلسفوں اور تمدنوں کو پسپا کر کے ان کی جگہ لے لی۔ اور آخر کار امیوں کی جماعت کو دنیا کے مدعیان حکمت و تہذیب کا معلم بنا دیا۔ (اعجاز القرآن صفحہ ۳۶ تا ۳۹)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ "رحمۃ للعالمین" میں "کوثر" کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "کوثر سے مراد قرآن مجید اور کتاب مجید ہے۔

یہ وہی قند ہے کہ شاہانہ اشیاء کی اقلام اور تقریرات بہ رنگ ہمدانی جس کی مدح و ثنا کے استیفاء سے عاجز ہے عمر نوح و وہم جبرئیل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصر اسرار قرآنیہ سے قاصر ہیں۔

بے شک یہی کتاب قلزم حقائق ہے اور یہی کوثر علوم ہے یہی مطلع انوار ہے اور یہی مخزن اسرار ہے۔

معجزات انبیاء کا اظہار ایک وقت خاص میں ہوتا تھا اور پھر خود انہی کے عہد مبارک میں اس معجزہ کا وجود و نمونہ پایا جاتا تھا۔ موسیٰ کے عصا کا اژدہا بن جانا، پھر اژدہا کا سیرت اولیٰ پر عود کر جانا ایک ایسا نظارہ تھا جو کوہ طور کے بعد فرعون ہی کے دربار میں دیکھا گیا۔

وہی عصا بنی اسرائیل کے لئے چالیس سال کا آب رسا تھا ضرورت جاتی رہی تو وہی عصا کا عصا رہ گیا۔ پھر وہی عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

قرآن پاک ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، زندہ معجزہ ہے، دائمی معجزہ ہے، ابدی معجزہ ہے، اس کا اعجاز ہر وقت ہر آن موجود و مشہود ہے اور ہر ایک عالم دین اس کے معجزہ ہونے کی براہین صادقہ ہر وقت ہر جگہ پیش کر سکتا ہے بے شک یہ یہی خیر کثیر ہے جس کا اعلان من جانب رب رحمان ہونا ضروری تھا۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۳ صفحہ ۲۴۲)

علامہ عبدالحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اگرچہ آنحضرتؐ کے بے شمار معجزات ہیں کہ جن کو ان ثقات نے روایت کیا ہے جو تورات و انجیل کے رواۃ سے ہزار درجہ قوی ہیں اور خود قرآن میں بھی مذکور ہیں۔ لیکن قرآن کریم کا معجزہ تمام معجزات سے افضل ہے۔

(۱) اس لئے کہ اور معجزات طرفۃ العین میں واقع ہو کر بعد میں محض حکایت عن حکایات رہ جاتے ہیں۔ اور ان سے تصدیق کامل حاصل ہوگی تو خاص ان کو کہ جنہوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ اور باقی سننے والے کی نسبت حکم شنیدہ

یعنی لوگوں کو قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہونے کو جاننا (کہ یہ اعجاز القرآن کا مطلب نہیں ہے) کیونکہ یہ بات ہر عقل مند (سمجھدار) انسان کو معلوم ہے (کہ وہ قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہے بلکہ اعجاز القرآن سے) غرض بے شک اس بات کا اظہار ہے کہ یہ کتاب حق ہے اور جو رسول اس کو لے کر آیا ہے وہ سچا ہے اور اسی طرح وہ انبیاء کرام کے سارے معجزات جن (کی مثل لانے) سے انسان عاجز ہیں ان سے غرض (اور مقصود فقط) انبیاء کرام کی صداقت (پر شہادت) ہے اور اس بات کا اثبات ہے کہ انبیاء کرام جو (تعلیمات رشد و ہدایت) بھی لے کر آئے ہیں وہ (اللہ) حکیم و علیم کی وحی سے ہے اور (اللہ) عالم الغیب کی اتاری ہوئی (تعلیم رشد و ہدایت) ہے۔ اور یہ بتلانا ہے کہ وہ بے شک رب کی رسالتوں کے پہنچانے والے ہیں۔ اور ان کے اختیار میں فقط (غیب کی) خبر پہنچانا اور (رب کا پیغام) پہنچانا ہے۔

پس اس وقت معجزات اللہ کے اپنے بندوں کی طرف اپنے رسولوں اور انبیاء کے واسطے سے (اس کی سچی ہدایت اور تعلیم کے) براہین (و دلائل) ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ ان معجزات کے واسطوں سے (اپنے بندوں سے) یہ کہہ رہے ہیں۔

''میرے بندے نے میری طرف سے جو پہنچایا اس میں وہ سچا ہے اور اس کو میں نے بھیجا ہے تاکہ وہ تمہیں میری ہدایت پہنچائے اور اس کے سچے ہونے کی یہ دلیل ہے کہ میں اس نبی کے ہاتھ پر اس خارق عادت امر کو جاری کر رہا ہوں کہ جس کی مثل کو تم میں سے کوئی نہیں لا سکتا۔ کہ کسی بندہ بشر کو اس کی استطاعت نہیں ہے کہ وہ اس عجیب امر کی مثل میں اس خارق عادت کو جاری کرے۔

یہ ہے اعجاز کا معنیٰ یہ ہے معجزہ کا مفہوم۔''

توضیح

علامہ عبد الحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حق یہ ہے کہ عہد آدم سے لے کر اب تک (اور ان شاء اللہ قیامت تک) کوئی فصیح و بلیغ حکیم و ذکی ایسی کتاب کا سوال حصہ بھی تصنیف نہ کر سکا۔ اور نہ کر سکے گا۔ آج فرانس اور جرمنی بالخصوص شام میں عیسائی علماء عربیت میں بڑا ید طولیٰ رکھتے ہیں کسی نے قرآن میں کوئی نقص نہ ثابت کیا بلکہ بالاتفاق سب نے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کا اقرار کیا مگر افسوس صد افسوس کہ جن پادریوں اور کرسچنوں کو اچھی طرح اردو زبان بھی نہیں آتی انہوں نے منہ کھول کر قرآن پر اعتراض کیا۔ اور مقامات حریری کو (جس کا مصنف قرآن پر ایمان لائے ہوئے تھا) قرآن سے بہتر کہا۔ مگر سچ ہے جس کو قوت شامہ نہ ہو تو وہ اگر بدبو اور عطر کو یکساں کہے تو بعید نہیں۔ واللہ در من قال ؎

''چوں نیست در مشام ترا ہیچ امتیاز سرگین و مشک و عنبر سارا برابر است'' (تفسیر حقانی مقدمہ جلد ا صفحہ ۱۴۹-۱۵۰)

لغات: معارضات: مقابلہ کرنا۔ معارضہ: مخالفت کرنا۔ واحد۔ زکاوت: تیز عقل۔ اشتمال: گھیرا ہوا۔ تفکر: سمجھ داری۔

ترجمہ: اعجاز کب ثابت ہوتا ہے؟

(مصنف کتاب فرماتے ہیں)

"جب تین باتیں جمع ہو جائیں تو اعجاز ثابت ہو جاتا ہے ہم ذیل میں انہیں مختصر طور پر ذکر کرتے ہیں۔"

(اول) چیلنج یعنی مقابلہ اور معارضہ کو طلب کرنا۔

(ثانی) اس چیلنج کے توڑنے کا محرک (اور سبب) موجود ہو۔

(ثالث) اس چیلنج کے (توڑنے میں) کوئی بات مانع نہ ہو۔

ہم ان تینوں باتوں کو چند مثالیں پیش کر کے واضح کرتے ہیں:

"(امر اول) یہ قرآن عظیم کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ کبریٰ ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے عربی انسانیت کو اور خاص طور پر عربوں کو چیلنج کیا اس قرآن کو وہ نبی امی لے کر آیا ہے کہ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتے اور اس نے کسی مدرسے میں نہیں پڑھا۔ بڑی بڑی (درسگاہوں اور) جامعات میں سے کسی جامعہ سے علم حاصل نہیں کیا۔ اور نہ آپ کے بارے میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ آپ نے علوم و معارف میں کچھ بھی کسی ماہر عالم سے یا تجربہ (و تمرین) اور (علم و) عرفان کے فنون کے ماہرین سے کچھ سیکھا ہو۔ اور اسی طرح کتاب یہود و نصاریٰ کے کسی عالم سے بھی تاکہ (ان سے) گزشتہ امتوں کے احوال پہلے انبیاء کے قصوں کو جان لیا ہو۔"

وہ نبی یہ کتاب مجید لے کر ان کو چیلنج کرتا ہوا آیا جو کہ فصاحت کے امام اور بلاغت کے (شہ) سوار تھے۔ اور ان سے کسی قومی عبارات اور کلام کو اپنے قبیلوں میں قرآن کا مقابلہ طلب کیا کہ جو حوصلہ کو توڑے اور مقابلہ پر آمادہ کرے۔ اور وہ ان کے ساتھ پورے قرآن کا چیلنج کرتے کرتے دس ایسی سورتوں کے چیلنج تک اتر آیا۔ (حتیٰ کہ) پھر قرآن جیسی ایک ہی آیت کے چیلنج تک اتر آیا اور ان سب چیلنجوں میں وہ اور (نہ صرف وہ بلکہ عربوں کے علاوہ باقی) سب (بھی) اس چیلنج کے جواب میں (اپنے) لب تک نہ ہلا سکے (جواب تو کیا دیتے) اور وہ سب اس چیلنج کی ناکامی کے باوجود ذلت اور شکست و مشکل میں پڑے رہ گئے۔

کیا اس میں قرآن کے اعجاز کے لئے ایک بہت بڑی شہادت اور برہان نہیں ہے؟

اسلوب القرآن في التحدي

جاء التحدي في القرآن الكريم بصور متعددة، وأساليب متنوعة تهز كيان العرب هزاً وتجرهم إلى الميدان جراً في أسلوب ممتع أخاذ يملك عليهم شعورهم، ويستحوذ على أفئدتهم بسحره وجماله ورونقه

لقد تحداهم على أن يأتوا بمثل القرآن فعجزوا وولوا الأدبار. مع أنهم فرسان الفصاحة.

وصولة البيان.

فتنزل معهم إلى (عشر سور) من مثله مفتريات؛ فانقطعوا وانحسروا وعجزوا عن الاتيان بتلك السور العشر.

فتنزل معهم إلى ما هو أسهل وأيسر إلى الإتيان بمثل (سورة واحدة) فقط من سور القرآن؛ فلم يقدم واحد منهم إلى حلبة الميدان وبذلك سجل عليهم القرآن العجز والهزيمة وثبتت معجزة محمد النبي الأمي؛ يعني أن هذا القرآن تنزيل من رب العالمين ﴿وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ﴾ وصدق الله حيث يقول: ﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾

أنواع التحدي.

والتحدي الذي جاء في القرآن الكريم كان على نوعين:

(١) التحدي العام

(٢) التحدي الخاص

أما الأول: فقد ورد لجميع الخلائق؛ بما فيهم الفلاسفة والعباقرة والعلماء والحكماء وجاء لجميع البشر بدون استثناء؛ عربهم وعجميهم؛ أبيضهم وأسودهم؛ مؤمنهم وكافرهم. استمع إلى هذا التحدي الصارخ في سورة الإسراء

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾

وأما الثاني: (التحدي الخاص) فقد جاء للعرب خاصة وعلى الأخص منهم لكفار قريش؛ وقد ورد هذا التحدي على نوعين أيضا.

(١) تحدي كلي: وهو التحدي بجميع القرآن في أحكامه وروعته وبلاغته وبيانه.

(٢) تحدي جزئي: وهو التحدي بمثل سورة من سور القرآن الكريم ولو من أقصر سورة كسورة الكوثر.

فالأول مثل قوله تعالى: ﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ﴾ والمراد بالحديث في هذه الآيات الكريمة (قرآن مثله) أي يأتوا بقرآن يشبه هذا الذي جاءهم به محمد رسول الله والذي زعموا أنه افتراه وتقوله على الله؛ كما ورد التحدي بالقرآن كله في سورة القصص في

"قرآن پاک میں چیلنج کئی صورتوں اور مختلف اسالیب کے ساتھ آیا ہے جس نے عربوں کے وجود (طبیعت اور فطرت) کو ایسے مفید اور مسحور کن اسلوب کے ساتھ ہلا کر رکھ دیا اور انہیں (قرآن سے مقابلے کے) میدان میں کھینچ لایا کہ جس نے اپنی سحر (آفرینی) اور (حسن و) جمال اور رونق کے ذریعے سے ان کی عقل و شعور پر قبضہ جما لیا اور ان کے دلوں پر چھا گیا۔ تحقیق قرآن نے انہیں قرآن کی مثل لانے کا چیلنج کیا جس سے وہ عاجز آ گئے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے باوجودیکہ وہ فصاحت (و بلاغت) کے (شہ) سوار اور (زبان و) بیان کے بادشاہ تھے۔"

قرآن ان کے ساتھ اس جیسی دس سورتیں ہی گھڑ لانے (کے چیلنج) تک اتر آیا۔ چنانچہ وہ اس (جیسی) دس سورتیں لانے سے (بھی) رہ گئے دھتکارے گئے اور عاجز ہو گئے پھر قرآن ان کے ساتھ اس سے بھی زیادہ سہل اور آسان (چیلنج) (قرآن کی آیات میں سے فقط اس جیسی ایک آیت کی مثل لانے تک اتر آیا۔ پس کوئی بھی مقابلے کے میدان میں آگے نہ بڑھا۔ اسی وجہ سے قرآن نے ان پر دلائل و شواہد کی حجت کر دی اور نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات پر معجزہ قرار پایا کہ یہ رب العالمین کی نازل ہوئی کتاب ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے:)

﴿وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝﴾ (الشعراء: ۱۹۲ - ۱۹۵)

"اور یہ قرآن ہے اتارا ہوا پروردگار عالم کا۔ لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر تاکہ تو ہو ڈر سنانے والا کھلی عربی زبان میں۔" (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾

(النحل: ۱۰۲)

"تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے بلاشبہ تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری مسلمانوں کے واسطے۔" (تفسیر عثمانی)

چیلنج کی اقسام

قرآن میں آنے والا چیلنج دو قسم پر ہے۔

(۱) عام چیلنج

(۲) خاص چیلنج

پہلی قسم (عام چیلنج)

کہ جو چیلنج خلائق کے خلاف خبری تحدیات عام کئے گئے ہیں اور ساری انسانیت کے لئے بغیر کسی کے استثناء کے

عربوں عجمیوں کالے گوروں مومنوں کافروں (سب) کے لئے آیا ہے۔

ذرا سورۂ اسراء کے اس جملہ یا تحدی چیلنج کو کان لگا کر سنیں! (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝﴾ (الاسراء: ۸۸)

"کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔" (تفسیر عثمانی)

دوسری قسم (خاص چیلنج)

یہ خاص طور پر عربوں (ہی) کے لئے آیا ہے اور ان میں سے بھی خاص طور پر قریش کے لئے۔ اور یہ چیلنج بھی دو قسم پر آیا ہے۔

(۱) کل کا چیلنج

یہ پورے قرآن کا اس کے احکام اور اس کی شوکت (دبدبۂ کلام) اور اس کی بلاغت و بیان کا چیلنج ہے۔

(۲) جز کا چیلنج

یہ قرآن کریم کی سورتوں میں سے کسی سورت کی مثل لانے کا چیلنج ہے چاہے قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت ہو جیسے سورۃ کوثر۔

کل کے چیلنج کی مثال

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝﴾ (الطور: ۳۴)

"پھر چاہیے کہ لے آئیں کوئی بات اس طرح کی اگر وہ سچے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ) حدیث سے اس آیت کریمہ میں مراد "قرآن کی مثل" ہے یعنی وہ عرب ایسا قرآن لے کر آئیں کہ جو اس قرآن کے مشابہ ہو جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس لے کر آئے۔ اور اس قرآن کے (مشابہ ہو) کہ جس کو انہوں نے سمجھا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور اللہ پر اپنی طرف سے گھڑ لیا۔ جیسا کہ سورۂ قصص میں اس ارشاد خداوندی میں سارے کے سارے قرآن (کی مثل لانے) کا چیلنج آیا ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (القصص: ۴۹)

"تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں میں سے بہتر ہو کہ میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو۔" (تفسیر عثمانی)

علامہ قرطبی اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول "فان لم تفعلوا" یعنی (اس سے پہلے) گزشتہ زمانے میں اور "ولن تفعلوا" (کا معنی ہے) کہ تم اس کو آئندہ زمانے میں (بھی) طاقت نہیں رکھتے۔ اس میں ان کو عاجز کرنا اور ان کے جذبوں کو اکسانا ہے۔ (وہ اس کوشش میں لگیں اور پھر نہ کر پائیں تو) ان کا عجز (درماندگی) اس کے بعد اور زیادہ واضح ہو جائے۔ یہ ان غیب کی خبروں میں سے ہے جن کو قرآن نے ان کے وقوع سے پہلے ہی بتا دیا۔ ○

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس موقع پر فرماتے ہیں

"قرآن ایک ایسا کلام ہے کہ جس کی نظیر پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے اسی وجہ سے اس کو سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ کہا جاتا ہے۔"

ذرا زمانہ جاہلیت کے عربوں کا حال تصور کیجئے خطابت اور شاعری ان کے معاشرے کی روح رواں تھی۔ عربی شعر و ادب کا فطری ذوق ان کے بچے بچے میں سمایا ہوا تھا۔ فصاحت و بلاغت ان کی رگوں میں خون حیات بن کر دوڑ رہی تھی۔ ان کی مجلسوں کی رونق ان کی محفلوں کی رنگینی ان کے فخر و ناز کا سرمایہ اور ان کی شہرت و شجاعت کا ذریعہ سب کچھ شعر و ادب تھا۔ وہ اپنی زبان پر اتنا فخر و ناز تھا کہ وہ اپنے سوا تمام قوموں کو "عجم" یعنی گونگا کہا کرتے تھے۔

ایسے ماحول میں نبی امی (جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ کلام پیش کیا۔ اور اعلان فرمایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ

"اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن جیسا (کلام) پیش کرنا چاہیں تو اس جیسا پیش نہیں کر سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کیوں نہ کریں۔" (الاسراء ۸۸)

یہ اعلان کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ دعویٰ اس ذات کی طرف سے تھا جس نے کبھی وقت کے مشہور ادباء و شعراء سے کوئی علم حاصل نہ کیا تھا، کبھی مشاعروں کی محفلوں میں کوئی ایک شعر بھی نہ پڑھا تھا اور کبھی کاہنوں کی صحبت بھی نہ اٹھائی تھی۔ خود شعر بنانا تو درکنار آپ کو دوسرے شعراء کے اشعار تک یاد نہیں تھے۔ پھر بھی وہ ذات گرامی تھی جو میدان فصاحت کے سورماؤں میں ایک نئے دین کا بانی بن کر آئے تھے۔

اگر یہ اعلان سچا ثابت ہو جائے تو ان کے آبائی دین کی ساری عمارت منہدم ہو کر رہ جاتی اور ان کی صدیوں پرانی رسوم و روایات کا سارا بلند و بالا ڈھانچہ زمین بوس ہو جاتا تھا۔ اس لئے یہ اعلان درحقیقت ان کی ادبی صلاحیتوں کو ایک زبردست چیلنج تھا۔ یہ ان کے دین و مذہب پر ایک کاری وار تھا۔ یہ ان کی قومی حمیت کے نام مبارزت کا ایک پیغام تھا۔ یہ ان کی غیرت کو ایک للکار تھی جس کو جواب دیئے بغیر کسی غیور عرب کے لئے چین سے بیٹھنا ممکن نہ تھا۔

○ تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۲۳۳۔

سے شعراء کے کلاموں نوادر دنیا کے بڑے بڑے بولنے والوں کے نتائج افکار کو ان کے شستہ و مہذب بیانات کو شاندار انداز خطیبوں کو، محرکۃ الآرا لیکچروں کو غرض ہر زبان سے لکھی ہوئی تالیفات کو، دینی اور علمی مصنفات کو سامنے رکھ کر آسانی سے اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ یہ خدائی کلام ہے آدمیوں کا کلام نہیں۔"

خدائی کلام کو پرکھنے کے لئے ہمیں چند امور پر غور کرنا چاہئے گا۔

اس کلام کو لانے والے کا حال

یہ ایک یتیم بچہ ہے کہ جس کے سر پرست باپ نے سایہ کیا اور نہ ماں دودھ پلا سکی، آغوش مادری کی راحت اٹھائی۔ نہ دولت نہ ثروت نہ گھرانہ علمی، مشتبی نہ لڑکپن و جوانی میں بلکہ نبوت کے بعد بھی کوئی ظاہری علمی سامان ہے نہ اس کے وطن میں کوئی مکتب نہ مدرسہ تھا اس معاشرہ میں علوم وفنون کا چرچا اور نہ ان کے ذکر سے کسی کو آشنائی۔ اگر ہے تو فقط زبان ہے اور اسی قدر فصاحت بیانی اور قادر الکلامی کہ باقی سارے جہان کو "عجمی" گونگا کہتے ہیں۔ ان کو دراصل کلام نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے مقابلے میں سب کو ہیچ سمجھتے تھے۔ شاہوں کے درباروں میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ بے دھڑک بولتے تھے۔ اونٹ چرانے والا معمولی انسان بھی برجستہ کلام کرتا ہے بولتے تو معلوم ہوتا کہ بجلی کی طرح چمکتے اور بارش کی طرح برستے۔ تھوڑی سی دیر میں سب کے سب کے سامنے آتش کا سماں کھینچ دیتے۔ غرض ان کے پاس کچھ تھا تو فقط زبان تھی۔

اب ایسے ماحول میں ایک بے سروسامانی کے ساتھ زندگی گزارنے والا جس نے نہ کبھی قلم پکڑا نہ کتاب کھولی نہ کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ علاوہ ازیں بھی ہے کہ ایسا شخص ابواب تہذیب و تمدن اور معارف الٰہیہ اور حقائق توحید ازلی وصفاتی و نعمائی اور علوم ہدایت و امم و اقوام میں کوئی سیدھی بات بھی نہ کر سکے۔ چہ جائیکہ کوئی ایسی کتاب لاجواب اور ایسی آیات بینات لوگوں کے سامنے پیش کرے جس کو دیکھ کر ارباب فنون اور علماء متبحرین حیران رہ جائیں بلکہ رتی کے بڑے بڑے عقلاء اور حکماء اس کے پیچھے سر دھننے لگیں۔ جن و انس اس کا مثل پیش کرنے سے صریح عاجز و درماندہ ہو جائیں۔ ایسے حالات میں ہم ایسے کلام کو دیکھیں تو ضرور اس کو کلام الٰہی کہیں گے۔ اور از روئے عقل و فکر با انصاف یہ کہنے پر مجبور ہوں گے۔

قرآن کی طرف سے مقابلہ کا پرزور چیلنج

اس قرآن نے شروع ہی سے دعویٰ کیا کہ میرا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ غیرت دلائی جھنجوڑ جھنجوڑ کر اٹھایا ایک بار بار کر معارضہ کے لئے کھڑا کیا اور کہا کہ میرے جیسی ایک چھوٹی سی سورت سب مل کر بنا لاؤ اور اسی پر فیصلہ ہے اگر تم لا سکو اور ہمارا جو تمہاری بیے کہ کبھی نہ لا سکو گے تو پھر مجھ کو خدا کا کلام تسلیم کرو ورنہ اس عذاب سے ڈرو جو منکرین کے لئے تیار ہے۔

اب دیکھئے کہ چیلنج کس زور کا تھا۔ کیا لوگوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہوگی یا پوری ہمت اور قوت سے مقابلہ کے لئے نہ نکلے ہوں گے۔ یقیناً نکلے اور انہوں نے ہر طرح سے آپ کو ستایا۔ آپ کے قتل پر انعام مقرر کیا۔ آپ کے ماننے والوں پر عذاب کیے۔ غیض و غضب سے بیتاب ہو کر جنگ و جدال اور معرکہ آرائی شروع کر دی تلواریں اٹھائیں صف آرائیاں ہوئیں

برہان ہوگئی ہے۔“

یعنی (آپ اندازہ کیجئے کہ) عرب اس کی مثل لانے کے کس قدر محتاج ہوں گے (اور اس کی مثال پیش کرنے پر کتنے مجبور ہو گئے) اور اس واضح (و دوٹوک) چیلنج کے بعد اور ان کی عقلوں اور جانوں کی تباہی اور از حد بے عزتی کے بعد (تو) خاص طور پر (اور بھی زیادہ مجبور ہوں گے)

میں کہتا ہوں:

”وہ آپ کے دعویٰ (رسالت و نبوت اور اس کتاب کے بے مثل ہونے کے دعویٰ) کے رد کرنے (اور اس دعویٰ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے) اور آپ کے اللہ کی طرف سے (رسول) ہونے (کے دعویٰ) کو باطل قرار دینے کے بہت زیادہ محتاج تھے۔“

اور یہ آپ کے دعویٰ کو رد کرنے کے لئے سب سے آسان راستہ پر چلنا اور سب سے قریبی دروازے میں داخل ہونا تھا۔ اور یہ وہ راستہ (اور طریقہ) تھا کہ جس میں وہ سب پر فائق اور اس کی عادی اور جنگجو تھیں (جو روئے عالم میں) مشہور تھے۔

ہاں ہاں وہ ان کی گفتگو میں وضاحت اور زبان کی فصاحت تھی۔ اور یہ راستہ ان کے لئے ان جنگوں سے زیادہ نافع تھا۔ جن کی تباہیوں (اور بربادیوں، ہلاکتوں اور عذابوں) کو انہوں نے چکھا اور ان لڑائیوں کے دن میں جھیلے یہاں تک کہ انہوں نے غم کے پیالے پیئے اور تیزی سے آنے والی موت (کہ جس نے سب کو چاٹ لیا اور ان کی نسلیں برباد کر دیں) کے پیالے کو انہوں نے (نہایت ناگواری سے) گھونٹ گھونٹ کر کے پیا۔

لیکن انہوں نے (تلواریں اٹھانے، نیزے مارنے اور تیر برسانے کو اختیار کیا اور (اس چیلنج کے) مقابلہ میں نہ آئے۔

قاضی باقلانیؒ فرماتے ہیں:

”یہ چیز ممکن تھا کہ قرآن کا مقابلہ کرنا ان کے لئے آسان ہوتا جبکہ یہ (قرآن) ان کے مقابلہ کی دلیل کو بے اثر اس کی دلالت کو فاسد اور اس کے امر کو باطل کر دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس معارضہ (و مقابلہ کے چیلنج) سے منہ موڑ کر ان سب باتوں کی طرف رخ کر لئے ہیں کہ جنگ (و جدال) اور دشمنی (و عداوت) میں اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ (یعنی دشمنی اور لڑائی کی جو حد کر دی مگر نہ کر سکے تو فقط قرآن کے چیلنج کا مقابلہ نہ کر سکے۔“ (نسیم)

اور معمولی (سی) بات کو ترک کرتے ہیں؟ (یعنی قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی ایک آیت کے مثل ہی کوئی آیت بنا لائیں؟ (نسیم) یہ ایسی بات ہے کہ (روز مرہ کی) عادات (و اطوار) میں اس کا وقوع (ناممکن اور) ممتنع ہے اور عقلاء کا اس پر اتفاق نہیں ہوتا۔

توضیح

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ عربوں کی بے بسی اور مذبوحی حرکات کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بھائیو! کیا یہ ممکن ہے کہ خود تمام مصیبتیں برداشت کریں اور دوسروں کو بھی بڑی مصیبت میں ڈالیں۔ قرآن پڑھنے والوں کے خلاف بادشاہوں کے پاس جا کر مدد مانگیں، ہر قسم کی سازشیں کریں، لوگوں کو قرآن سننے سے روکیں۔"

از خود اقرار کریں کہ اس آواز سے ہماری عورتیں اور بچے مفتون ہوئے جاتے ہیں۔ قرآن ان لوگوں پر ایسی ضرب کاری لگی کہ ان کی سرداریوں کو خاک میں ملادے، ان کے کبر و نخوت کے طلسم کو توڑ دے، ان کے معبودوں کی حکومت میں زلزلہ ڈال دے، ان کے جتھے توڑ ڈالے، ان کی قومیں پراگندہ کر ڈالے، بھائی کو بھائی سے، باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے، دوست کو دوست سے، غرض آدمی کو کل محبوب چیزوں سے چھڑا کر صرف اپنا ہی والہ و شیدا بنا لے مگر وہ یہ تو زبانی اور شیوا زبانیوں کے مدعی زبانیں بند کر اور منہوں کو بند کر کے چپ بیٹھے رہیں اور باوجود ایسے صاحب البیان اور قدرۃ الکلام ہونے کے دو چار جملے بنانے کی خواہش بھی نہ کریں۔ (اعجاز القرآن صفحہ ۶۳-۶۴)

لغت: برعت، کمال مہارت، فوقیت۔ حازوا: حاصل کرنا، قبضہ کرنا۔ قصب السبق: گوئے سبقت۔ اس کی اصل یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ کے میدان میں ایک بانس گاڑ دیتے تھے پھر دوڑ میں جو آگے رہتا وہ اسے بطور جیتنے کی علامت کے اکھاڑ لیتا۔ مضمار: گھڑ دوڑ کا میدان۔ منتدیات: منتدی کی جمع، بیٹھک، مجلس۔ یفضون: کلام کو مزین و مرتب کرنا۔

ترجمہ امر ثالث

وہ معارضہ قرآن سے مانع اشیاء کا نہ ہونا ہے۔ وہ اس لئے کہ قرآن عربی زبان میں اترا کہ جو ان کی زبان تھی۔ اور قرآن کے الفاظ حروف عرب میں سے تھے۔ اور اس کی عبارات (بھی) (اہل) عرب کے اسلوب پر تھیں۔ اور وہ اہل زبان و بیان تھے۔ اور فصاحت و بلاغت کے سردار (اور سورما) تھے۔ اور ان کے اشعار اس میں ان کے کمال پر دلالت کرتے تھے اور ان کے خطبے (اور تقریریں) اور حکمتیں ان کی اس میں (یعنی فصاحت و بلاغت میں) مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھیں اور باوجودیکہ وہ فصاحت (و بلاغت) اور (زبان و) بیان کے میدان میں گوئے سبقت لے گئے۔ جیسا کہ ایام (جاہلیت کے اشعار) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ لوگ اس بات کی قدرت اور استطاعت رکھتے تھے کہ شعر (و خطابت) اور (نظم و) نثر میں (سب پر) فوقیت لے جائیں اور فصاحت (و بلاغت) کی فضاؤں کی بلندیوں میں چکر لگائیں۔

ہاں ہاں (کیوں نہیں؟) وہ ان کی اساسی زبان، قرآن کی زبان تھی جس پر وہ (محفلوں میں) ایک دوسرے پر فخر اور ایک دوسرے سے مقابلہ کیا کرتے تھے۔ اور محفلیں لگایا کرتے تھے اور مجلسیں جمایا کرتے تھے تاکہ (ان مجلسوں اور محفلوں میں) نہایت عمدہ (پر شکوہ، شاندار اور خوبصورت) قصیدے اور تقریریں سنا کریں اور بہترین الفاظ و عبارات کو فصاحت و بلاغت کے سانچے میں ڈھالا کریں۔ اور (ایسا کرنے میں) وہ لوگ اہل قدرت (و استطاعت) میں عاجز نہیں تھے یا ان کی عقلوں میں کوئی نقص (اور خلل) نہیں تھا بلکہ ان کی (زبان و بیان کی) قدرت بہت زیادہ تھی اور ان کی (فصاحت و بلاغت کی) استطاعت

ومحاولات لم نستطع أن نأتي بمثل ما أتى به فضلاً عن أعظم منه، مع أننا أمة وهو فرد، ومع أنه قد دخل إلينا من أيسر الطرق في تفكيرنا ومن أشهر فن في زماننا، ومع أنه قد أعطانا الفرصة الكافية لمناظرته، وأنصفنا كل الإنصاف من نفسه؟

هل يشك كل ذي مسكة من عقل، في أن هذا الإنسان المتفوق الممتاز صادق في رسالته و محق في دعوته، خصوصاً إذ عرفنا فوق ذلك كله أنه نشأ فينا على الصدق والأمانة ومكارم الأخلاق، من لدن صباه وطفولته إلى يوم مبعثه و رسالته!

لو أنه جاء بالمعجزة من باب لا نعرفه، لقلنا: رجل حذق فنا من الفنون التي لا علم لنا بها، أو تعلم صناعة من الصناعات التي لم نحط بخبرها، أما وقد جاءنا من الناحية التي نشهد لأنفسنا فيها بالتفوق والسبق، فلا يسعنا إلا الإذعان له، والإيمان بما جاء به ما دمنا منصفين. ولنضرب لذلك مثلاً، جاء موسى عليه السلام بمعجزته عصا من الخشب، لا روح فيها ولا حركة، ولا لين ولا رطوبة، ثم ألقاها باسم الذي أرسله، فإذا هي حية تسعى، بينما الأمة التي تحداها بذلك كانت قد تفوقت في السحر وحذقته، وضربت فيه بأوفر سهم و أوفى نصيب، خصوصاً أنهم أمة وهو فرد، وهم ناشئون في السحر وهو مع نشأته فيهم لم يعرف يوماً من الأيام بمعالجة السحر، فهل يبقى – للشك ظل بعد أن ألقى موسى عصاه ﴿فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ﴾ ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ﴿وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ﴾؟ لقد ظهر الحق أبلج، ولذلك كان أول من آمن به هم السحرة أنفسهم لأنهم أعرف بالسحر ومقدماته ونتائجه، وقد رأوا رأي العين أن ذلك الإعجاز ليس من نوع السحر الذي عرفوه.

قل مثل ذلك في معجزة كل رسول أرسله الله، قله في عيسى بن مريم عليه السلام، وإبرائه الأكمه والأبرص، وإحيائه الموتى، وخلقه من الطين كهيئة الطير بإذن الله، أمام قوم نبغوا في الطب أيما نبوغ، و مهروا فيه أيما مهارة؟

وقل مثل ذلك وأكثر من ذلك في خاتم الأنبياء سيدنا محمد ﷺ وما جاء به من آيات بينات و معجزات واضحات، وحسبك القرآن وحده برهاناً ساطعاً، بل براهين ساطعات كل مقدار ثلاث آيات منه حجة قاطعة تقوم في فم الدنيا إلى يوم الساعة تتحدى العالم، بما يكون فيها من أسرار الفصاحة والبيان، والعلوم والمعارف، وأنباء الغيب وشواهد الحق.

لغات: يشرو: جوش میں آنا۔ تجشم: مشقل ہونا۔ تبہیت: مبہوت کرنا، تحیر کرنا، حیرت زدہ کرنا۔ عقل دنگ کرنا۔ محاولات: کوششیں، حیلے۔ محاولات: حیلے۔ حذق: کسی کام کو کرتے کرتے ماہر ہو جانا۔ اذعان: حق پرستی۔ ابلج:

سے آسمان راستے سے اور ہمارے زمانے کے سب سے مشہور فن (یعنی زبان دانی وفصاحت وبلاغت) کے واسطے سے آئے اور باوجودیکہ اس نے ہمیں اپنے ساتھ (بحث و) مناظرہ کی کافی فرصت (ومہلت بھی) دی اور اپنی طرف سے ہمارے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔

کیا کوئی ذی رائے (اور ذی عقل انسان) عقل سے ایسی برتر و ممتاز آدمی کے اپنی رسالت میں سچے ہونے اور اپنی دعوت میں برحق ہونے میں شک کر سکتا ہے خصوصاً جب کہ ہم ان سب باتوں سے بڑھ کر اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ ہم میں اپنے بچپن لڑکپن (اور جوانی کے زمانہ) سے لے کر اپنی بعثت اور رسالت کے دن تک سچائی امانت اور مکارم اخلاق پر جوان ہوا (اور پرورش پائی) ہے۔

(اب) اگر وہ ایسے دروازے سے (اور رستے سے) ایک معجزہ لاتا ہے کہ جس کو ہم جانتے نہیں تو ہم کہنے لگے "ایک آدمی ایسے فن میں۔ جو ہوا کہ جس کا ہمیں علم نہیں اور ایسے ہنر (کاریگری اور زبان کی مہارت یعنی وہ کوم فن لسان) سیکھ کر جس کی خبر کا ہمیں احاطہ نہیں۔ خبردار (ہرگز ہرگز یہ بات نہیں ہے بلکہ) وہ ہم میں ایسے رستے سے آیا ہے کہ جس میں خود ہم اپنے بارے میں برتری اور بڑائی کی گواہی دیتے ہیں۔ پس جب تک ہم انصاف پر قائم ہیں تو ہمیں اس شخص کی فرمانبرداری اور اس کے لائے ہوئے پر ایمان لانے بغیر کوئی گنجائش (اور چارہ کار) نہیں ہے۔ ہم آپ کو اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام لکڑی کی لاٹھی کا اپنا معجزہ لے کر آئے جس میں کوئی روح حرکت زندگی اور کچھ نہیں ہے۔ اور وہ اس کو اس ذات کا نام لے کر (زمین پر) ڈالتے ہیں۔ جس نے ان کو بھیجا ہے تو بس اچانک وہ دوڑنے والا سانپ (بن جاتا) ہے اس (واقعہ اور معجزہ کے) تماشہ وہ قوم کہ موسیٰ علیہ السلام نے جنہیں اس معجزہ کا چیلنج کیا وہ (خود) جادوگری میں آگے نکلی ہوئی تھی وہ اس میں بڑی ماہر تھی اور اس میں بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ خاص طور پر وہ ایک جماعت تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے اور وہ (فن) جادوگری میں (کمال) مہارت رکھتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام انہی میں پرورش پانے کے باوجود (اس فن) جادوگری سیکھنے میں کسی ایک دن بھی مشہور نہیں ہوئے۔ تو کیا موسیٰ علیہ السلام کا اپنی لاٹھی ڈالنے کے بعد شک کی کوئی پرچھائیں باقی ہے!"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ﴾ (الاعراف: ۱۱۷)

"سو وہ نگلنے لگا جو سانگ انہوں نے بنایا تھا۔" (تفسیر عثمانی)

﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الاعراف: ۱۱۸)

"پس ظاہر ہو گیا حق اور غلط ہو گیا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔" (تفسیر عثمانی)

﴿وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ ------ وَهَارُونَ﴾ (الاعراف: ۱۲۰-۱۲۲)

"اور گر پڑے جادوگر سجدے میں بولے ہم ایمان لائے پروردگار عالم پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔" (تفسیر

(خوانی)

حق واضح ہوگیا اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والے وہ خود جادوگر تھے۔ کیونکہ وہ جادو اس کے مقدمات اور اس کے نتائج کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

اور تحقیق انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہ معجزہ جادو کی وہ قسم نہیں ہے کہ جو وہ جانتے ہیں۔

(تو پھر) آپ (بھی) یہی بات اللہ کے بھیجے ہوئے ہر رسول کے معجزہ کے بارے میں کہیے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنی قوم کے سامنے اندھے اور کوڑھی کو ٹھیک کرنے مردوں کو زندہ کرنے اور گارے سے اللہ کے حکم سے پرندے کی شکل بنا دینے کے بارے میں (بھی) آپ یہی بات کہیے جو قوم کہ (فن) طب میں انتہائی کامل تھی اور اس میں بڑی ماہر تھی۔ اور آپ خاتم الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جو روشن نشانیاں اور واضح معجزات آپ لے کر آئے ہیں ان کے بارے میں (بھی) یہی اور (بلکہ) اس سے زیادہ (یہ) بات کہیں۔

آپ کے لئے روشن و کامل بلکہ روشن دلیلیں ہونے کے لئے فقط اکیلا قرآن ہی کافی ہے۔ قرآن کی ہر (چھوٹی سی چھوٹی) تین آیات بھی قیامت تک دنیا کے سر پر (اس کی زبان بندی کے لئے) حجت بن کر قائم ہے۔ اور (فقط) وہ تین آیات (ہی) پوری دنیا کو اپنی فصاحت و بیان کے سرار اور علوم و معارف اور غیب کی خبروں اور حق کے شہود کا چیلنج کرتی ہیں۔ ❶

معجزہ کی تحقیق

توضیح

علامہ عبدالحق حقانیؒ نے معجزہ پر جو کلام فرمایا ہے مناسب ہے کہ اس مقام پر اس کو اختصار کے ساتھ پیش کر دیا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں۔ (یہ نہ سمجھا جائے) کہ نبی کا کام تو ہدایت و راہنمائی ہے یہ عالم میں تصرفات اور معجزات کہ جو بظاہر قانون قدرت کے خلاف ہیں کیا چیز ہیں؟ غالباً یہ پرانے خیالات ہیں کہ جو ابتدائے عمر سے سنتے سنتے دلوں میں ایسے راسخ ہو گئے ہیں کہ ان کا منکر کافر شمار کیا جاتا ہے اور آج کل کے اہل یورپ (کہ جن کی تحقیقات کے آگے افلاطون اور ارسطو کی کتب ہیں ان پر قہقہہ مار کر ہنستے ہیں) اس لئے اب مجھ پر اس مقام پر چند باتوں کی تحقیق ضروری ہوئی۔

(۱) یہ معجزہ کیا ہے۔

(۲) یہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔

(۳) یہ نبی سے کس عمل سے صادر ہوتا ہے تو یا نبی کی تصدیق کر سکتا ہے یا نہیں۔

---

❶ یہاں تک کی عبارت علامہ زرقانیؒ کی کتاب مناہل العرفان صفحہ ۶۸ جلد ۱ سے لی گئی ہے۔

پہلی بات کی تحقیق

جو چیز کہ خلاف عادت اور بخلاف قانون قدرت یعنی بغیر اس بات کے کہ وہ اپنے اسباب عادیہ پر مبنی ہو کسی شخص سے سرزد ہو اس کو خارق عادت کہتے ہیں۔ مثلاً عادت یوں جاری ہے کہ جو کچھ پانی میں تخم نے بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے یا درخت یا پتھر بے جان بےحس وغیرہ انسانوں سے کلام نہیں کرتے کوئی درخت یا پتھر کسی کے بلانے سے بحرکت ارادیہ نہیں آ سکتا وغیرہ وغیرہ یا کوئی شخص دریا پر خشکی کی طرح نہیں چل سکتا یا ایک آدمی کا کھانا صدہا آدمیوں کو شکم سیر نہیں کر سکتا نہ کوئی شخص ایک مشت خاک سے صدہا آدمیوں کو اندھا کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس جو کوئی ایسا کام کرے تو یہ کام اس کا خارق عادت ہے۔ اب یہاں سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جو کام بذریعہ اسباب و آلات ہوں خواہ وہ اسباب مخفی ہوں یا ظاہر جیسے دوا سے بیمار کا تندرست کرنا، کشتی کے ذریعے سے دریا کو عبور کرنا خارق عادت نہیں ہے یہی جو باتیں سحر اور طلسم کے ذریعے سے ہوں یا قوت کے شعبدے ہوں وہ بھی محققین کے نزدیک خارق عادت نہیں کیونکہ ان کے سبب مخفی ہیں کہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔

پھر یہ خارق عادت اگر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو اس کو معجزہ کہتے ہیں کیونکہ لوگوں کو اس کے مثل کام کرنے سے عاجز کر دیتا ہے۔ اب خواہ مدعی نبوت سے یہ معجزہ ایک معمولی طور سے صادر ہو یا اس وقت نبوت کا دعویٰ بھی ہو۔

اس کے بعد علامہ موصوف اس کی اور معجزات کی تعریف کے بعد دوسری بات کی تحقیق پر طویل کلام فرماتے ہیں۔ ہم نے اس کو غیر متعلق ہونے کی وجہ درج نہیں کیا۔

تیسری بات کی تحقیق

خدا کی رحمت عامہ کا یہ مقتضیٰ ہے کہ وہ اس نبی سے اپنی مخلوق کو بہرہ ور کرے اور اس کا نفع عام لوگوں کو پہنچائے جو لوگ طبیعت سلیمہ اور قوائے فطریہ رکھتے ہیں وہ تو اس نبی کو بصورت پہچان جاتے ہیں کہ جس طرح بچہ بغیر کسی دلیل کے اپنے ماں باپ کو پہچان جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ

﴿یَعْرِفُونَهُ كَمَا یَعْرِفُونَ اَبْنَاءَهُمْ﴾

پس جو شخص سعید ولادت میں بچہ کو سوتی جھڑکیاں بتاتا ہے وہی لوگوں کو مریل دوائی کی خبر دیتا ہے۔ لیکن بعض وہ لوگ کہ جن کی طبیعت میں کجی ہوتی ہے بغیر کسی علامت رکھنے کے تصدیق نہیں کرتے جیسا کہ بعض بیمار دوا کو بغیر تجربے کے نہیں پی سکتے ہیں جس طرح طبیب حاذق ان میں تجربہ دکھا دیتا ہے اسی طرح وہ حکیم مطلق بھی نبی کے ہاتھوں کوئی امر خارق عادت کہ جس کو معجزہ کہتے ہیں ان کے لئے صادر کراتا ہے۔ (تفسیر حقانی علامہ عبدالحق صفحہ ۹۲۰ ملخصاً)

قرآن کیونکر معجزہ ہے؟

علامہ عبدالحق حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"واضح ہو کہ قرآن مجید عرب کی نہایت فصیح و بلیغ زبان میں نازل ہوا ہے کہ جس کا مثل بنانا طاقت بشریہ سے باہر ہے اس وقت کے تمام عرب العرباء اس کی فصاحت و بلاغت کے آگے عاجز آ گئے تھے۔ مقابلہ حروف سے مقابلہ سیوف ان کے نزدیک آسان تھا۔ علاوہ اس کے وہ لوگ اسباب فصاحت و بلاغت میں آنحضرت ﷺ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ کیونکہ جہاں کے آپ ﷺ رہنے والے تھے وہیں کے وہ بھی تھے پھر ایک نہیں بلکہ مجتمع ہو کر بھی اس کا مثل نہ بنا سکے۔ اور ایک سورت کا جواب حصہ بھی نہ لا سکے باوجودیکہ ان کو عار دلا کر کہا جاتا تھا۔ "فاتوا بسورۃ من مثلہ ان کنتم صادقین" اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور کچھ اتفاق نہ ہو تا مگر اعجاز قرآن دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ ثابت ہے۔"

دلیل اول:

قرآن میں حکمت عملیہ اور حکمت نظریہ کو جابجا اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ جس کو ایک بڑے سے بڑا حکیم اور فلاسفر اور بیج چڑنے والا عقل کہ جس کو علوم حکمیہ سے ذرا بھی مس نہ ہو بے خبر سمجھتے ہیں۔ اول تو اتنے علوم کا ایک کتاب میں جمع کرنا کہ جس کا مثل آج تک کسی کتاب میں نہیں پایا گیا۔ دوم ایسے شخص کا جمع کرنا کہ جو ایک وحشی ملک کا رہنے والا ہو کہ جہاں سوائے کشت و خون اور چوری و رہزنی و بت پرستی کے نہ کسی علم کا گزر ہو اور نہ کسی ہنر کا اور اس نے کسی سے تعلیم پائی ہو اور نہ اچھی طرح ماں باپ کی تربیت نصیب ہوئی ہو باوجود اس کے وہ شخص نہ علوم و فنون و شعر و شاعری کا مشتاق ہو نہ کبھی کسی نے اس میں مصروف دیکھا ہو بلکہ ہر وقت عبادت الٰہی میں مستغرق رہتا ہو۔

سوم پھر اس خوبی اور اسلوب سے جمع کرنا کہ جس کو تمام عقول نہایت عمدہ طور پر قبول کرتے ہوں مضامین درد انگیز اور شیریں عبارت پر وحشی بھی فریفتہ اور شیع کا پروانہ ہو البتہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے بلکہ ہزار درجہ بڑھ کر کیونکہ مردہ کو زندہ کرنے میں تو نظر بندی اور شعبدہ بازی یا کسی فریب یا اثر دوا یا سحر وغیرہ امراض کا بھی احتمال ہو سکتا ہے اور یہاں تو ان احتمالات کو دخل بھی نہیں۔ پس (قرآن کا) معجزہ ہونا بخوبی ثابت ہوا۔ کیونکہ معجزہ کی تعریف قرآن پر بدرجہ اتم صادق آتی ہے۔

دوسری دلیل:

قرآن باعتبار خوبی مضامین و عبارات کے (۱) یا تو انسانوں کے کلام سے اس قدر زائد ہے کہ عادۃً اس قدر زائد ایک کلام دوسرے سے نہیں ہوتا۔ (۲) یا مساوی۔ (۳) یا زائد بقدر معتاد۔ (۴) یا کم۔ چوتھی شق تو بدیہی البطلان ہے۔ دوسری اور تیسری شق میں بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ قرآن جب لوگوں کے کلام کے مساوی یا زائد بقدر معتاد تھا اور پھر ایک ایک کیا سب سے مل کر

بھی باوجود تواتر اور دلائل اور کثرت تحدی (ﷺ) کے قرآن کی ایک سورت کی مانند بھی نہ لا سکے تو یہ خارق عادت ہے اور جو امر خارق عادت مدعی نبوت سے ظاہر ہو وہ معجزہ ہے سو یہ بھی معجزہ ہے اور شق اول پر تو مدعا بالکل ظاہر ہے کیونکہ جب ایک شخص کا کلام تمام لوگوں سے خارق عادت زائد ہو تو حد اعجاز میں داخل ہے۔

تیسری دلیل:

قرآن کا مثل بنانا لوگوں سے بوقت معارضہ ممکن تھا یا نہیں تھا۔ اگر ممکن نہ تھا تو مدعا ثابت ہے کیونکہ انسانوں میں سے ایک کا کلام اس قدر بلیغ ہونا کہ اس کا مثل لوگوں سے ممکن نہ ہو خارق عادت ہے اور جو خارق عادت مدعی نبوت سے صادر ہو وہ معجزہ ہے پس قرآن معجزہ ہے اور اگر ممکن تھا پس باوجود امکان اور عارضہ ہونے کے اس کا ظہور وقوع میں نہ آنا اول سے بھی خارق عادت ہے پس قرآن معجزہ ہے۔

علاوہ اس کے اور بھی دلائل اعجاز قرآن کے ہیں۔ مگر یہاں سب کی گنجائش نہ تھی اس لئے انہیں بیان نہیں کیا۔ (تفسیر حقانی مقدمہ جلد ا صفحہ ۱۴۰-۱۴۱ ملخصاً)

شروط المعجزة الإلهية:

وللمعجزة شرائط خمسة نبّه عليها العلماء، فإن اختل منها شرط لا تكون معجزة:

(۱) الشرط الأول: أن تكون مما لا يقدر عليه إلا الله رب العالمين.

(۲) الشرط الثاني: أن تخرق العادة و تكون مخالفة للسنن الكونية.

(۳) الشرط الثالث: أن يستشهد بها مدعي الرسالة على صدق دعواه.

(۴) الشرط الرابع: أن تقع على وفق دعوى النبي المتحدي بتلك المعجزة.

(۵) الشرط الخامس: ألا يأتي أحد بمثل تلك المعجزة على وجه المعارضة.

فهذه الشروط الخمسة إن تحققت كان ذلك الأمر الخارق للعادة معجزة دالة على نبوة صاحب الدعوى، التي ظهرت المعجزة على يده، وإن لم تتحقق خرجت عن كونها معجزة ولم تدل على صدق صاحب الدعوى.

أما الشرط الأول:

فإنه لو أتى آت - في زمن يصح فيه مجيء الرسل - وادعى الرسالة وجعل معجزته أن يقوم ويقعد، ويأكل ويشرب، ويتحرك من مكان إلى مكان لم يكن هذا الذي ادعاه معجزة، ولا دالاً على صدقه لقدرة الخلق على مثله وإنما يجب أن تكون المعجزات مما لا يقدر عليها البشر

كفلق البحر، وانشقاق القمر، وإحياء الموتى ... إلخ

وأما الثاني:

وهو خرق العادة فلو قال المدعي للنبوة معجزتي أن تطلع الشمس من المشرق وتغرب من المغرب، وأن يأتي النهار بعد الليل، لم يكن فيما ادعاه معجزة لأن هذا الأمر وإن كان لا يقدر عليها إلا الله لكنها لم تحصل من أجله، وقد كانت من قبله، فليس فيها دلالة على صدقه

وأما الثالث:

وهو أن يستشهد به مدعي النبوة وتحصل عند طلبه تصديقا لدعواه، فلو ادعى إنسان أن معجزته أن ينقلب الجماد إلى حيوان أو إنسان، ولم ينقلب لا يدل على صدق دعواه

وأما الرابع:

وهو أن تقع المعجزة على وفق الدعوى لا على خلافه لأنها حينئذ تكون تكذيبا له. روي أن مسيلمة الكذاب لعنه الله طلب منه أصحابه أن يتفل في بئر ليكثر فيها الماء، فغارت البئر فدل على كذبه

خامسا:

ألا تعارض المعجزة فإن عورضت بطل كونها معجزة، ولم تدل على صدق صاحبها، فلو استطاع أحد فلق البحر أو شق القمر لم تعد معجزة، ولهذا قال تعالى في خطاب المشركين ﴿فليأتوا بحديث مثله إن كانوا صادقين﴾

ترجمہ: معجزہ انبیاء کی شرائط

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں:)

"معجزوں کی پانچ شرائط ہیں جن پر علماء نے تنبیہ کیا ہے کہ ان (پانچ) میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو وہ معجزہ نہیں ہوگا (وہ پانچ شرائط مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ معجزہ وہ کام ہو کہ جس پر فقط رب العالمین ہی قادر ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ خارق عادت اور سنت ربانی کے خلاف ہو۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ مدعی نبوت اس کو اپنے دعوی نبوت کی دلیل بنائے۔

(۴) چوتھی شرط: یہ کہ وہ (معجزہ) اس معجزہ کا چیلنج کرنے والے نبی کے دعوٰی کے مطابق ہو۔

(۵) پانچویں شرط: یہ کہ کوئی شخص مقابلہ کے طور پر اس معجزہ کی مثل نہ لا سکے۔

پس اگر یہ پانچ شرطیں پائی جائیں تو یہ خارق عادت امر معجزہ ہوگا کہ جو اس مدعی نبوت کے دعوٰی کی دلیل ہوگا کہ جس کے ہاتھ پر یہ معجزہ ظاہر ہوا ہے اور اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو وہ امر معجزہ ہونے سے نکل جائے گا۔ اور وہ مدعی نبوت کی صداقت پر دلیل نہ ہوگا۔

(ہر ایک شرط کی مختصر تفصیل بیان کرتے ہوئے مولف کتاب فرماتے ہیں)

پہلی شرط:

اگر کوئی شخص ایسے زمانے میں آئے کہ جس میں (انبیاء و) رسل کا آنا درست ہو اور وہ رسالت کا دعوٰی (بھی) کردے اور وہ اپنے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک حرکت کرنے کو اپنا معجزہ ٹھہرائے تو اس کا یہ دعوٰی معجزہ نہ بنے گا اور لوگوں کے اس کے مثل لانے پر قادر ہونے کی وجہ سے اس کی صداقت کی دلیل نہ بنے گا۔

بلکہ ضروری ہے کہ معجزات وہ ہوں کہ لوگ اس (کی مثل لانے) پر قادر نہ ہوں جیسے دریا کو پھوڑنا، چاند (دو) ٹکڑے کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ۔

توضیح

غلام احمد قادیانی کے جھوٹے معجزات

یہاں سے مرزا غلام احمد قادیانی لعین کی دجالی نبوت کی ملمع سازی عیاں ہو جاتی ہے کہ اس نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد جھوٹی نبوت کا انگریزی سوانگ رچایا کہ آپ کے بعد کے زمانے میں سرے سے نبوت کی گنجائش ہی نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس نے ایسی باتوں کو اپنا معجزہ ٹھہرایا کہ جو طاقت بشری سے باہر نہ تھے۔ مثلاً منی آرڈر وغیرہ کا آنا۔ محمدی بیگم سے نکاح کا امکان اولاد کا پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ (دیکھئے تحفہ قادنیت کی چار جلدیں۔ "نسیم")

ترجمہ: دوسری شرط:

اور وہ (معجزہ کا) خارق عادت ہونا ہے پس اگر مدعی نبوت یہ کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ اور مغرب میں غروب ہوتا ہے اور دن رات کے بعد آتا ہے تو اس کا یہ دعوٰی معجزہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ امور اگرچہ ان پر سوائے اللہ کے کوئی قادر نہیں لیکن یہ امور اس مدعی نبوت کے لئے مخصوص نہ کئے جاتے جبکہ یہ امور اس سے پہلے بھی ہو رہے تھے۔ چنانچہ ان باتوں میں اس کی صداقت پر کوئی دلیل نہ ہوگی۔

توضیح

مسیلمہ کذاب کا ایک عقلی معجزہ

حضرت مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری مسیلمہ کذاب کے جھوٹے معجزات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"چونکہ مسیلمہ خوارق عادت دکھانے سے قاصر تھا۔"

اور لوگوں کو معجزات کی قسم سے نبوت کی کوئی نہ کوئی نشانی ضرور چاہیے۔ اس لئے اس نے اپنی جودت طبع سے "بعض عقلی معجزے" تجویز کر لئے تھے۔ اور بوقت ضرورت انہی سے اعجاز نمائی کا کام لیتا تھا۔ ان میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ اس نے تنگ منہ والی بوتل میں بیضہ مرغ ڈال رکھا تھا اور جب کبھی کسی کی طرف سے اعجاز نمائی کا مطالبہ ہوتا تو اس انڈے کو پیش کر دیتا اور کہتا کہ تنگ منہ والی بوتل میں انڈے کو داخل کرنا قوت بشری کے حیطۂ امکان سے باہر ہے اور اگر کسی کو دعویٰ ہو تو ایسا کر دکھائے حالانکہ اس نے انڈے کو چند روز تک سرکے میں رکھ کر نرم کر لیا تھا۔ اس طرح انڈا بوتل میں بآسانی داخل ہو گیا تھا اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا وہی شخص ہے کہ جس نے بیضہ کو بوتل میں داخل کیا۔ ❶ (آئمہ تلبیس جلد ا صفحہ ۷۳-۷۴)

ترجمہ: تیسری شرط:

یہ کہ مدعی نبوت اس کو (اپنی نبوت کی) دلیل بنائے اور اس معجزہ کے مطالبہ کے وقت اس کے دعویٰ کی تصدیق کے لئے وہ وجود میں آئے۔

چنانچہ اگر ایک انسان اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس کا معجزہ یہ ہے کہ پتھر (وغیرہ) انسان یا حیوان بن جاتے ہیں۔ اور (اس کا جب مطالبہ کیا جائے تو) وہ (پتھر) انسان یا حیوان نہ بنے تو یہ اس کے دعویٰ کی صداقت پر دلیل نہ ہوگا۔

توضیح

غلام احمد قادیانی سے لوگوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مردوں کو زندہ کرنے اور کوڑھیوں کو ٹھیک کرنے کا مطالبہ کیا تو وہ نہ کر سکا۔ کہتے ہیں کہ چند میرٹھی اس کے پاس ایک کوڑھی لے کر گئے اور وہ ٹھیک نہ کر سکا تو انہوں نے کافی دنوں تک مرزا کے گھر کے سامنے اپنے مخصوص انداز میں اس کی تکذیب کا اعلان کئے رکھا۔ (دیکھئے تحفہ قادیانیت کی چار جلدیں۔ "جسیم")

دوسرے کا گھر جلا کر پیشین گوئی پوری کر لی

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری لکھتے ہیں:

"جھوٹے مدعی (نبوت) تائید ربانی اور نصرت الٰہی کی دولت سے محروم ہوتے ہیں اس لئے مکر کو اصل ظاہر کرتے

---

❶ ❸ دار الباقیین القرون الخالیہ البیرونی المولود ۱۳ صفحہ ۲۰ مطبوعہ ٹیوبنگ جرمنی ۱۸۷۸ء۔

بانشان یا امر تھا کہ اعجاز نمائی کے طور پر وہ جو کچھ کہتا اور جس بات کا بھی ارادہ کرتا اس کے برعکس اور خلاف مدعا ظاہر ہوتا تھا اور یہ بات اس زمانہ کے عجائبات قدرت میں شمار کی جاتی تھی اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جھوٹے مدعیان کو دنیاوی حیثیت سے جس درجہ وقار بھی کیوں نہ حاصل ہو جائے وہ دینی عزت وعظمت کے لحاظ سے کبھی سرفراز وکامگار نہیں ہو سکتے۔ ان کی غرض مندانہ تعلّی اور دروغ بافی ان کی دعاؤں کو شرف استجابت وقبول سے محروم رکھتی ہے۔ اور غیرت خداوندی ان کی خود غرضانہ پیشین گوئیوں کے پورے ہونے میں ہمیشہ مزاحم رہتی ہے خصوصاً مسیلمہ کذاب کے بارے میں تو یہ کلیہ کچھ ایسی غیر معمولی قوت اور سرعت کے ساتھ نمایاں ہوتا تھا کہ ان واقعات کو جناب سالار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اعجازی کارفرمائی کے سوا کچھ اور نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ایک دفعہ نہار نے مسیلمہ سے ذکر کیا حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے سر پر برکت کے لئے ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ مسیلمہ نے بھی معجزہ نمائی کے طور پر بنی حنیفہ کے چند اطفال کے سروں اور ان کی ٹھوڑیوں پر ہاتھ پھیرا مگر اس کا یہ معکوس اثر ظاہر ہوا کہ تمام لڑکے گنجے ہو گئے اور ہکلانے لگے۔ (آئمہ تلبیس جلد ۱ صفحہ ۷-۳ ملخصاً)

مرزا غلام احمد قادیانی لعین نے محمدی بیگم سے نکاح کی پیشین گوئی کی جو پوری نہ ہوئی جب شادی نہ ہوئی تو اس کی اور اس کے خاوند مرزا افضل بیگ کی موت کی پیشین گوئی کی مگر مرزا لعین ان دونوں کی زندگی میں ہی واصل جہنم ہو گیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی زندگی میں موت کی پیشین گوئی کی مگر حضرت مولانا ثناء اللہ مرزا کے آنجہانی ہونے کے چالیس سال بعد تک زندہ رہے۔ (دیکھیں تحفہ قادیانیت ۲ جلدیں "ہم")

ترجمہ: پانچویں شرط:

یہ کہ (اس مدعی نبوت کے) معجزہ کا معارضہ نہ کیا گیا ہو۔ اور اس معجزہ کا معارضہ کیا گیا ہو تو اس کا معجزہ ہونا باطل ہو جائے گا۔ اور وہ صاحب معجزہ کے صدق پر دلالت نہ کرے گا۔ چنانچہ اگر کوئی دریا پھاڑ سکتا یا چاند کو دو ٹکڑے کر سکتا ہوتا تو وہ معجزہ نہ کہلاتا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فَلْيَأْتُوا -- --- صَادِقِينَ. (الطور: ۳۴)

"پھر چاہیے کہ لے آئیں کوئی بات اس طرح کی اگر وہ سچے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

مدعی نبوت کے معجزہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے معجزہ کا معارضہ ممکن نہ ہو۔ جبکہ جتنے بھی جھوٹے مدعیان نبوت گزرے ہیں اور انہوں نے جو معجزات پیش کئے ان میں سے اکثر تو اس قدر مضحکہ خیز ہیں کہ بقول علامہ دلاوریؒ کے وہ (سب کچھ) اہل علم وبصیرت کے نزدیک سامان خندہ زنی کے سوا کچھ ان کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی کہ ان کو معجزہ تسلیم کیا جائے چنانچہ ہم ذیل میں اس کی مثال پیش کرتے ہیں۔

علامہ ابو القاسم رفیق دلاوریؒ جھوٹے مدعی نبوت بہافرید زوزانی نیشاپوری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"بابا فرید اوائل عہد میں زندان سے چین کی طرف گیا وہاں سات سال تک قیام کیا مراجعت کے وقت دوسرے چینی تحائف کے ساتھ سبز رنگ کی ایک نہایت باریک قمیص بھی ساتھ لایا اس کا کپڑا اس قدر باریک تھا کہ پوری قمیص ایک مٹھی میں آ جاتی تھی۔ چونکہ اس زمانہ تک زیادہ باریک کپڑے سے لوگ روشناس نہ ہوئے تھے۔ بابا فرید نے اس قمیص سے معجزہ کا کام لینا چاہا۔ چین سے وطن واپس رات کو آیا اور بغیر کسی سے ملاقات کئے سید صاحب خانہ چلا گیا اور مندر پر چڑھ کر بیٹھ رہا۔ صبح کو جب پجاری آئے تو آہستہ آہستہ نیچے اترا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ سات سال تک وطن سے باہر رہنے کے بعد اب اونچ تک بلندی سے کیسے نیچے اتر رہا ہے؟ لوگوں کو متعجب دیکھ کر کہنے لگا کہ حیرت زدہ نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے مجھے آسمانوں پر بلایا اور میں سات سال تک آسمانوں کی سیر وسیاحت کرتا رہا۔ وہاں مجھے جنت ودوزخ کی سیر کرائی اور آخر کار مجھے نبوت سے سرفراز کیا۔ اور یہ قمیص پہنا کر مجھے نیچے اترنے کا حکم دیا چنانچہ میں ابھی ابھی آسمان سے نازل ہو رہا ہوں مندر کے ساتھ ہی ایک کسان ہل چلا رہا تھا اس نے گواہی دی کہ میں نے اس کو آسمان سے اترتے دیکھا ہے۔ اس پر پجاریوں نے بھی تصدیق کر دی۔ بابا فرید کہنے لگا کہ خلعت جو مجھے آسمان سے عنایت ہوئی ہے زیب تن ہے۔ غور سے دیکھو کہ دنیا میں اس قدر باریک کپڑا بھی ہوتا ہے۔ لوگ اس قمیص کو دیکھ دیکھ کر محو حیرت تھے۔ غرض آسمانی نزول اور عالم بالا کے معجزہ مخصوصہ پر یقین کر کے ہزارہا مجوسی اس کے پیرو ہو گئے۔" (آئینہ تلبیس جلد ۱ صفحہ ۱۹۵-۱۹۶ ملخصاً)

بندہ عرض کناں ہے کہ اگر یہ معجزہ ہوتا تو قیامت تک اس کا مثل لانا بندوں کی بساط میں نہ ہوتا لیکن لوگ جانتے ہیں کہ اس وقت کپڑا سازی کی ٹیکنالوجی کس قدر ترقی کر گئی ہے اور اس کی مثل بلکہ اس سے ہزار گنا بہتر باریک کپڑا اب بھی تیار ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ معجزہ نہ تھا۔ (نسیم)

تصویر کا دوسرا رخ

مرزا غلام احمد سے مطالبہ کہ مسیح ہو تو کوئی مسیحائی دکھاؤ

مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری تحریر فرماتے ہیں: "اہل بصیرت سے مخفی نہیں کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ایک فرضی اور خیالی حمل کے ذریعہ سے عیسیٰ بن مریم بن گئے چنانچہ انہوں نے کتاب "کشتی نوح" (صفحہ ۴۶-۴۸) میں اپنے ابن مریم بن جانے کو نہایت مضحکہ خیز پیرایہ میں بوضاحت بیان فرمایا ہے غرض جب انہوں نے اپنے عیسیٰ بن مریم بن جانے کا اعلان کیا تو بعض اہل علم حضرات کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ اگر تم عیسیٰ بن مریم ہو تو وہ اعجازی کمالات بھی دکھاؤ کہ جو جناب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی ذات میں ودیعت تھے۔ مرزا صاحب کے پاس سوائے سخن سازی کے اور دکھاوا کیا تھا۔ اس مطالبہ کے جواب میں بساط جرأت پر قدم رکھتے ہوئے سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام کا ہی انکار کر دیا۔ اور جھٹ قرآن پاک پر اپنی لحدانہ

تحریف کاری کا روغن اترنے لگا۔ غرض جب اعجاز نمائی مرزا صاحب کے بس کا روگ نہیں تو انہوں نے اس "بکھیڑے" اور "جنجال" سے بچنے کی آسان ترکیب نکالی کہ سرے سے معجزات مسیح علیہ السلام ہی کا انکار کر دیا اور آخر کار یہاں تک لکھ دیا کہ "عیسائیوں نے آپ (علیہ السلام) کے معجزے لکھے مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ (اعجاز القرآن المعجزات والکذوبات) آئینہ تلبیس جلد ۱ صفحہ ۲۲۷-۲۲۹ ملخصاً)

بم كان إعجاز القرآن؟

القرآن العظيم كلام الله المعجز للخلق في أسلوبه و نظمه' و في روعته و بيانه' و في علومه و حكمه' و في تأثير هدايته' و في كشفه الحجب عن الغيوب الماضية والمستقبلة' ولقد جاء العلماء في كشف أسرار البيان' عن وجوه إعجاز القرآن' بعد أن ثبت عندهم بالوجدان والبرهان' وقد أجمع أهل العربية قاطبة' وأهل النقد منهم والبيان' على أن القرآن (معجز بذاته) أي أن إعجازه إنما كان بفصاحة الفائقة' وروعة بيانه' و أسلوبه الفريد' الذي لا يشابهه فيه أسلوب' لا من نثر' ولا من شعر' وسبحته اللفظية الخلابة' التي تتجلى في نظامه الصوتي' وجماله المعنوي' و براعته الفنية.

مذهب أهل الصرفة:

وقد ذهب بعض المعتزلة منهم (أبو اسحق النظام) إلى أن إعجاز القرآن إنما كان بـ (الصرفة) بمعنى أن الله عزوجل صرف البشر عن معارضة القرآن مع قدرتهم عليها و خلق فيهم العجز عن محاكاته في أنفسهم وألسنتهم' ولو لا أن الله صرفهم عن ذلك لاستطاعوا أن يأتوا بمثله ولعمري هذا قول من لم يتذوق طعم العربية' ولا عرف أسرارها' بل قول من لم يدرك من العلوم إلا قشورا لا تسمن ولا تغني من جوع' وهو قول ساقط مرذول' مخالف لما أجمع عليه العلماء والفصحاء والبلغاء في القديم والحديث.

يقول حجة الأدب العربي (مصطفى الرافعي) رحمه الله: (وقد اختلفت آراء المعتزلة في وجه إعجاز القرآن' فذهب شيطان المتكلمين (أبو إسحق النظام) إلى أن الإعجاز كان بالصرفة' وهي أن الله صرف العرب عن معارضة القرآن مع قدرتهم عليها' فكان هذا الصرف خارقاً للعادة وقال (المرتضى من الشيعة): بل معنى الصرفة أن الله سلبهم العلوم التي يحتاج إليها في المعارضة ليجيئوا بمثل القرآن فكأنه يقول: إنهم بلغاء يقدرون على مثل النظم والأسلوب

ولا يستطيعون ما وراء ذلك مما لبسته ألفاظ القرآن من المعاني، إذ لم يكونوا أهل علم، ولا كان العلم في زمنهم ... وهذا رأي بيّن السقط كما ترى!

ثم قال: وعلى الجملة فإن القول بالصرفة لا يختلف عن قول العرب فيه ﴿إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ﴾ وهذا زعم رده الله على أهله، وأكذبهم فيه، وجعل القول به ضربا من العمى ﴿أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ﴾

وعلى ذلك المذهب الفاسد يمكن أن يقال إن المعجز ليس هو القرآن الكريم على حد زعمهم إنما هو (الصرفة) التي بسببها عجزوا عن الإتيان بمثله ﴿صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ﴾ (التوبة: ١٢٧) وقد أسف (ابن حزم) الظاهري حين سلك ذلك المسلك الملتوي، وذهب إلى ما ذهب إليه سلفه (النظام) من معتزلة الكلام، ولكن بأسلوب رشيق رقيق حيث يقول في كتابه (الفصل) في سبب الإعجاز ما نصه:

(لم يقل أحد إن كلام الله تعالى غير معجز، ولكن لما قاله الله تعالى، وجعله كلاماً له أصاره معجزاً، ومنع من مماثلته، وهذا برهان كاف لا يحتاج إلى غيره)

فأنت ترى صاحب هذا الرأي يجعل القرآن الكريم معجزاً بمنع الله عز وجل من مماثلته وهذا عين رأي النظام الذي يقول بالصرفة، وهو رأي باطل كما أسلفنا، والقوم محجوبون عن ضياء الحق الساطع، وما أجمل قول القائل:

قد تنكر العين ضوء الشمس من رمد

وينكر الفم طعم الماء من سقم

آراء العلماء في الإعجاز

بعد أن أجمع العلماء على إعجاز القرآن بذاته، وعلى عدم استطاعة أحد من البشر الإتيان بمثله، اختلفت آراؤهم في وجه إعجاز القرآن على آراء.

(أ) يرى بعضهم أن وجه الإعجاز في القرآن هو ما اشتمل عليه من النظم الغريب المخالف لنظم العرب ونثرهم في مطالعه ومقاطعه وفواصله.

(ب) ويرى البعض الآخر أن وجه الإعجاز إنما يكمن في فصاحة ألفاظه، وبلاغة عباراته، وجودة سبكه، إذ هو في الدرجة العليا من البلاغة التي لم يعهد مثلها.

(ج) ويرى آخرون أن الإعجاز في خلوه من التناقض، واشتماله على المعاني الدقيقة، والأمور

سے پردہ اٹھانے کی کوشش ہے اور تمام اہل عرب کا اور ان میں سے اہل زبان و بیان کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن بذات خود ایک معجزہ ہے یعنی بے شک قرآن کا اعجاز اس کے الفاظ کی فصاحت اور اس کے بیان کے حسن (وجمال اور شان وشوکت) اور اس کے اس منفرد (طرز اور اسلوب کی وجہ سے ہے کہ کوئی دوسرا طرز (اور اسلوب) اس کے مشابہ نہیں۔"

یا کہ (اس کے الفاظ کے) پھیلاؤ اور شعر اور اس کے ان پرکشش الفاظ کے (نشانات اور) اثر کی وجہ سے ہے کہ جو اس کے سوتی نظام نغوی (حسن و) جمال اور لڑی کمال میں ظاہر ہوتا ہے۔

اہل صرفہ کا مذہب:

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"بعض معتزلہ کہ جن میں ابو اسحاق النظام معتزلی بھی ہیں اس طرف گئے ہیں کہ قرآن کا اعجاز صرف اور صرف "صرفہ" کی وجہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان کی قرآن سے معارضہ کی قدرت کے باوجود انہیں قرآن سے معارضہ کرنے سے باز رکھا۔ اور ان میں اور ان کی زبانوں میں قرآن کی نقل اتارنے (اور اس کی مثل لانے سے) عاجزی (اور درماندگی) پیدا فرمادی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ انہیں اس سے باز نہ رکھتا تو وہ اس کی مثل لا سکتے تھے۔"

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"میری زندگی کی قسم ایسے شخص کا قول ہے کہ جس نے عربی زبان (کی لذت اور چاشنی) کا ذائقہ نہیں چکھا اور نہ ہی عربی زبان کے اسرار سے وہ واقف ہے بلکہ یہ اس شخص کا قول ہے کہ جو (مغز) علوم کو نہیں جانتا (بلکہ ان کے چھلکے کو (یعنی اوپر اوپر سے جانتا ہے اور اسے علوم کی گہرائی نصیب نہیں ہوئی) اور وہ بندہ موٹا ہوتا ہے اور نہ اس کی بھوک مٹی ہے۔"

یہ قول ساقط (اور) گھٹیا (اور) اس بات کے خلاف ہے کہ جس پر متقدمین و متاخرین (قدیم و جدید) علماء فصحاء اور بلغاء کا اجماع ہو چکا ہے۔

ادب عربی میں بحث (جناب) مصطفیٰ الرافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"معتزلہ کی اعجاز قرآن کی وجوہ میں آراء میں اختلاف ہے جیسا کہ متکلمین کا شیطان (یعنی ان سب کا بابا اور سرخیل) ابو اسحاق النظام (معتزلی) اس طرف گیا ہے کہ قرآن کا اعجاز "صرفہ" (یعنی باز رکھنے) کی وجہ سے ہے اور صرفہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو معارضہ قرآن پر قدرت کے باوجود انہیں اس سے باز رکھا۔ اور یہ باز رکھنا خارق عادت ہے اور مرتضیٰ شیعہ یہ کہتا ہے کہ

"بلکہ صرفہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ علوم سلب کر لئے کہ جن کے وہ معارضۂ قرآن میں محتاج تھے۔ یعنی گویا کہ (یہ بدبخت) یوں کہہ رہا ہے۔"

اہل عرب (نہایت فصیح و) بلیغ ہیں وہ (قرآن کے) نظم و اسلوب کی مثل لانے پر قادر ہیں اور اس کے بارے وہ ان معانی (کی مثل لانے) پر استطاعت نہیں رکھتے کہ جن کو الفاظِ قرآن نے (اپنے اندر) چھپا رکھا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ علم والے نہ تھے۔ (یعنی امی تھے) اور نہ ہی ان کے زمانہ میں علم (کا چرچا) تھا۔ اور یہ دانے واضح طور پر بے ہودہ (اور غلط) ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

پھر (جناب رافعی مرحوم نے) فرمایا: خلاصہ کلام یہ ہے کہ "صرفہ" کا قول یا اعجازِ قرآن کے بارے میں عربوں کے اس قول سے مختلف نہیں ہے (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ﴾ (المدثر: ۲۴)

"اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا۔" (تفسیر عثمانی)

یہ وہ (جھوٹا) گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گمان والوں کا رد کیا ہے اور ان کو اس میں جھٹلایا ہے اور ان کے قول کو اندھے پن کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ ● (الطور: ۱۵)

"اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا۔" (تفسیر عثمانی)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"اس (ٹیڑھے اور بگڑے ہوئے) فاسد مذہب کی بنیاد پر (تو) یہ (بھی) کہا جا سکتا ہے۔ "معجزہ" یہ ان کے (جھوٹے) گمان کی حد تک قرآن کریم نہیں ہے (بلکہ) معجزہ تو بے شک وہ "صرفہ" ہے کہ جس کے سبب وہ قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہوئے (جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۱۲۷)

"پھیر دیئے ہیں اللہ نے دل ان کے اس واسطے کہ وہ لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے۔" (تفسیر عثمانی)

اور ابن حزم ظاہری بھی جب اس نہج سے راستے پر چلے اور ادھر گئے کہ جدھر ان کے بڑے (جیسے نظام معتزلی وغیرہ) گئے۔ اس گھٹیا (اور بے کار اور بے ہودہ) کلام میں الجھ گئے۔ لیکن انہوں نے (بڑے) مغالطے والے (عمدہ) اور لطیف انداز سے (یہ بات کہی) کہ وہ اپنی کتاب "الفصل" میں (قرآن کے) "سبب اعجاز کے بارے میں یہ کہتے ہیں:

"یہ تو کسی نے نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام معجز نہیں ہے لیکن جب اسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام

● اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ رافعی کی کتاب اعجاز القرآن صفحہ ۱۶۲۔

ہے) اور اللہ نے اسے اپنا کلام بنالیا تو اس کو (کلام) معجز بنادیا اور اس کی مماثلت سے منع فرمادیا۔ اور یہ (سبب اعجاز قرآن کی) کافی دلیل ہے اس کے علاوہ کی حاجت نہیں۔"

(مولف کتاب فرماتے ہیں) پس (جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے کہ

"اس رائے والا قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی اس کی مماثلت لانے سے منع کرنے کی وجہ سے معجز ٹھہراتا ہے یہ بعینہ وہی اس نظام کی رائے ہے کہ جو "صرفہ" کا قائل ہے اور یہ باطل رائے ہے۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ میں بتلا دیا اور (میری) قوم (کہ یہ) روشن حق کی روشنی سے حجاب میں ہے، اور کہنے والے نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے

قد تنکر العین ضوء الشمس من رمد

وینکر الفم طعم الماء من سقم

"اور آنکھ کبھی آشوب چشمی کی وجہ سے سورج کی روشنی کو پسند نہیں کرتی اور کبھی بیماری کی وجہ سے منہ کو پانی کا ذائقہ اچھا نہیں لگتا۔"

اعجاز (قرآن) کے بارے میں علماء کی آراء

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"علماء کرام نے قرآن کریم کے بذات خود معجز ہونے اور کسی بندہ بشر سے اس کی مثال لانے پر استطاعت نہ ہونے پر اجماع کے بعد قرآن کی وجہ اعجاز میں ان کی آراء (مندرجہ ذیل) آراء پر مختلف ہو گئیں۔

(الف) بعض کی رائے یہ ہے کہ قرآن کے اعجاز کی وجہ وہ انوکھا (طرز) نظم ہے کہ جو اپنے مطالع مقاطع اور فواصل میں عربوں کے (مشہور اور رواجی طرز) نظم ونثر کے مخالف ہے۔

(ب) بعض دوسروں کی رائے یہ ہے کہ (قرآن کی) وجہ اعجاز بے شک اس کے الفاظ کی فصاحت، اس کی عبارات کی بلاغت اور اس (کے الفاظ کی) بناوٹ کی عمدگی میں چھپی ہوئی ہے۔ کیونکہ قرآن بلاغت کے اس بلند مرتبہ پر ہے کہ جس کی مثل نہیں لائی گئی۔

(ج) بعض دوسروں کی رائے یہ ہے کہ (قرآن کی وجہ) اعجاز اس (قرآن کے الفاظ) کا نقص سے خالی ہونا اور اس کا ان معانی دقیقہ اور غیبی خبروں پر مشتمل ہونا ہے کہ جو انسانی طاقت سے باہر ہیں اور ان کا جاننا بندوں کی استطاعت میں نہیں۔ جیسا کہ یہ قرآن تناقض اور تعارض سے (بھی) محفوظ (اور سلامت ہے)

(د) اور کوئی یہاں یہ کہتا ہے۔ (قرآن کی) وجہ اعجاز وہ ظاہری خوبیاں اور ہر سورت کے فواتح، مقاصد اور خواتیم میں وہ تحسین کلام کے ان عمدہ قواعد (وضوابط) سے ہے کہ جن کو (یہ) قرآن متضمن ہے۔ اور ان کے نزدیک اس بات کا دارومدار مندرجہ ذیل باتوں پر ہے۔

ملائکہ و معجزات سے اس امر پر اجماع امت میں کچھ فرق آ سکتا ہے؟ الحاصل حق یہ ہے کہ قرآن کا اعجاز کئی وجوہ مذکورہ سے ہے یا اور بات ہے کہ کوئی کسی وجہ کو اور کوئی کسی اور کو ترجیح دیتا ہے۔"

وللناس فيما يعشقون مذاهب (تفسیر حقانی جلد ۱ ص ۱۴۲)

معتزلہ کے نظریہ کے غلط ہونے کے دلائل

مولانا رحمت اللہ کیرانوی تحریر فرماتے ہیں:

نظامیہ کا دعویٰ چند وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) (اگر نظامیہ کا دعویٰ درست ہوتا تو) عرب لوگ قرآن کریم کا معارضہ اس کلام سے کر سکتے تھے جو زمانہ جاہلیت میں ان کے شعراء اور فصحاء کے کلام کے ذخیرہ میں موجود تھا۔ وہ آسانی کے ساتھ قرآن کا مثل بن سکتا تھا۔

(۲) فصحائے عرب عام طور پر قرآنی الفاظ کے حسن اس کی بلاغت اور فصاحت پر حیرت زدہ ہوتے تھے ان کی حیرانی کی وجہ یہ نہ تھی کہ ہم اس کا مقابلہ کرنے پر قادر کیوں نہ رہے حالانکہ پہلے ہمیں اس جیسے کلام پر قدرت تھی۔

(۳) اگر مقابلے کی طاقت سلب کر کے قرآن میں اعجاز پیدا کرنا مقصود ہوتا تو زیادہ مناسب یہ تھا کہ قرآن کریم میں فصاحت و بلاغت کا بالکل ہی لحاظ نہ کیا جاتا۔ کیونکہ قرآن اس صورت میں بھی فصاحت و بلاغت کے جس درجہ میں بھی ہوتا بلکہ اگر رکاکت کے درجہ میں داخل کر دیا جاتا تب بھی اس کا معارضہ دشوار ہوتا لہٰذا ایسی صورت میں زیادہ تعجب انگیز اور خارق عادت ہوتا۔

(۴) قرآن کریم کی درج ذیل آیت اس کی تردید کرتی ہے۔

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝﴾

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات جمع ہو کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو نہیں لا سکیں گے۔ اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کی مدد کو کیوں نہ آ جائے۔" (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۲۴)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی رائے

قرآن کا اصلی اعجاز اس کے انتہائی درجہ کی بلیغانہ نظم و اسلوب میں ہے۔

علامہ عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ "نزول قرآن کے وقت بعض لوگوں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ سب مخترعات ہیں۔ ویقولون افترى على الله كذبا.

جواب یہ ہے کہ قل فاتوا بعشر سور مثله مفتريات. اچھا اگر ہدایت کی باتیں نہ سہی تو تم بھی ایسی ہی مفتریات یعنی گھڑی ہوئی باتیں ہی ایسے طرز بیان میں لے آؤ۔"

علی اقراء الشعر (یرید انواعه وبحوره) فلم یلتئم علی لسان احد منهم انه شعر، واللہ انهم لکاذبون وانه لصادق۔

(۳) واخرج ابن إسحٰق فی السیرة (أن ابا جهل قال فی ملأ من قریش: لقد التبس علینا أمر محمد، فلو التمستم لنا رجلاً عالماً بالشعر، والکهانة والسحر، فکلمه ثم أتانا ببیان عن أمره؟ فقال (عتبة بن ربیعة) ومن من اشراف القوم وسادتهم- أنا آتیه واکلمه: فأتاه فقال یا محمد: أنت خیر أم هاشم؟ أنت خیر ام عبدالمطلب؟ أنت خیر أم عبدالله؟ فیم تشتم آلهتنا وتضللنا؟ فإن کنت ترید الریاسة عقدنا لک اللواء فکنت رئیسنا وان کنت ترید النساء زوجناک عشراً تختار من أی بنات قریش شئت وإن کنت ترید المال جمعنا لک من اموالنا حتی تکون أغنانا وأکثرنا مالاً والنبی ﷺ ساکت لا یجیبه، فلما فرغ من عرضه قال له النبی ﷺ افرغت؟ قال: نعم، قال فاسمع إذا فقرأ علیه سورة فصلت ﴿حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ... ﴾ الخ حتی بلغ قوله تعالی ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً ...... ﴾ الآیة فامسک عتبة علی فیه وناشده بالرحم أن یکف، ورجع الی اهله ولم یخرج إلی قریش، فلما احتبس عنهم قالوا: ما نری عتبة الا قد صبأ فانطلقوا إلیه وقالوا یا عتبة: ما حبسک عنا إلا أنک قد صبأت، فغضب ثم قال لهم: واللہ لقد کلمته فأجابنی بشیء واللہ ما هو بشعر، ولا بسحر، ولا بکهانة وقد ناشدته بالرحم ان یکف خشیة أن ینزل بکم العذاب، وقد علمتم ان محمداً إذا قال شیئا لم یکذب۔

قال العلامة (القرطبی) رحمه اللہ

(وإذا اعترف عتبة علی موضعه من اللسان وموضعه من الفصاحة والبلاغة بأنه ما سمع مثل القرآن قط، کان فی هذا القول مقراً بإعجاز القرآن له ولضربائه من المتحققین بالفصاحة والقدرة علی التکلم بجمیع اجناس القول وانواعه)

ترجمہ: قرآن کریم کی وجوہ اعجاز

(مولف کتاب وجوہ اعجاز کو مختصراً ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:)

پہلی وجہ: وہ نظم بدیع کہ جو عربی زبان کے جانے پہچانے نظم کے خلاف ہے۔

دوسری وجہ: وہ انوکھا (طرز بیان اور) اسلوب کہ جو عربی کے تمام اسلوبوں کے مخالف ہے۔

جب قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کا لفظی اعجاز درحقیقت قرآن کے اعجاز کا ایک رخ ہے۔ ہمارے قرآن کا اعجاز اس میں منحصر نہیں۔ علمائے متقدمین نے جب قرآن کے اعجاز پر غور کیا اور اس موضوع پر قلم اٹھایا تو زمانہ کے رجحان اور عربوں کے ادبی ذوق یا زبان کی اہمیت کی وجہ سے ان کی نظر کے سامنے زیادہ تر قرآن کے اعجاز کا یہی گوشہ رہا اور کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے اس دائرہ کے اندر کمال تحقیق اور حسن ذوق کا ثبوت دیا اور بڑی دماغ سوزی سے کام لے کر اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کر دیا۔ اس ضمنی نتیجہ میں اضافہ مشکل ہے اس لئے اس باب میں انہی کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

(مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی صفحہ ۲۵۳ تا ۲۵۸ ملخصاً)

(ترجمہ: مؤلف کتاب لف النثر مرتب کے طور پر ہر ایک وجہ کو ترتیب وار تفصیل سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں)

قرآن پاک کی وجوہ اعجاز میں سے پہلی وجہ

”وہ قرآن پاک کا وہ نظم بدیع ہے کہ جو عربی زبان کے جانے پہچانے ہر قسم کے خلاف ہے یعنی کوئی شے بھی نہ کوئی شعر اور نہ کوئی نثر قرآن کے نظم میں اس کے مشابہ ہے اور یہ بات اساطین بلاغت اور فصاحت والوں سے ثابت ہے جیسے ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کی شہادت سے (ثابت ہے) کہ جو عرب کے فصحاء اور مشاہیر تھے۔“

تاریخ سے (اس کی) چند مثالیں

(۱) ایک روایت میں ہے کہ ولید بن مغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اسے قرآن پڑھ کر سنایا تو گویا کہ اسے آپ پر ترس آ گیا (یعنی وہ آپ کے کلام سے متاثر ہوا) یہ بات ابوجہل کو پہنچ گئی۔ پس وہ ولید بن مغیرہ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے میرے چچا! آپ کی قوم آپ کے لیے مال جمع کرنا چاہتی ہے تاکہ وہ آپ کو دیں۔ کیونکہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ان سے کچھ لینے گئے تھے۔ اس پر ولید نے جواب دیا۔ ”قریش جانتے ہیں کہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ تو ابوجہل نے اسے کہا ”(تو) پھر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں ایسی بات کہہ کہ جو تیری قوم کو یہ بتلائے کہ تو اس کا منکر ہے۔ اس نے پوچھا کہ میں کیا کہوں؟ خدا کی قسم تم میں سے کوئی مجھ سے زیادہ شعر (کو) نہیں جانتا اور نہ شعر کے رجز و قصید کو اور نہ ہی جنات کے اشعار کو۔ خدا کی قسم! جو وہ کہتے ہیں وہ ان میں سے کسی شے کے بھی مشابہ نہیں اور خدا کی قسم! آپ کے کلام میں (ایک) شیرینی اور رونق ہے اس کا سب سے اوپر کا حصہ پھل دار ہے اور سب سے نیچے والا حصہ بہتا (ہوا سیراب) ہے یہ کلام غالب ہی رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔

اس پر (اس بدبخت) ابوجہل لعین نے کہا خدا کی قسم تیری قوم تجھ پر راضی نہ ہوگی یہاں تک کہ تو اس کے بارے میں کوئی (بری) بات کرے۔ تو ولید نے کہا کہ مجھے کچھ سوچنے کے لئے چھوڑ دو۔ پھر اس نے (سوچ) سوچ کر کہا (تو یہ کہا) اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ”یہ کچھ نہیں مگر جادو جو چلا آتا ہے۔“

تو اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس کے بارے میں نازل ہوا۔

﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ۝ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ ❶ (المدثر: ۱۱-۲۵)

"چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جس کو میں نے بنایا اکیلا اور دیا میں نے اس کو مال پھیلا کر اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے اور تیاری کر دی اس کے لیے خوب تیاری پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں ہرگز نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف اب اس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی۔ اس نے فکر کیا اور دل میں ٹھہرایا سو مارا جائیو کیسا ٹھہرایا پھر مارا جائیو کیسا ٹھہرایا پھر نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا پھر بولا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا آدمی کا۔" (تفسیر عثمانی)

(۲) روایت میں آتا ہے کہ ولید نے (ایک دفعہ) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تو بہت ہی زیادہ متاثر ہوا اور اپنی قوم بنی مخزوم کے پاس آ کر کہنے لگا۔ خدا کی قسم! ابھی میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایسا کلام سنا ہے کہ جو نہ انسانوں کا کلام ہے اور نہ جنوں کا خدا کی قسم اس میں (بڑی) شیرینی ہے اور اس کی (بہت) رونق ہے۔

تو اس پر قریش کہنے لگے "خدا کی قسم! ولید بے دین ہو گیا۔ (اور آج یہ بے دین ہوا ہے تو کل) سارے کے سارے قریش ضرور بے دین ہو جائیں گے۔ ابوجہل کہنے لگا ولید کے بارے میں میں تمہیں کافی ہوں (میں اس کو سمجھا لوں گا) پھر وہ ولید کے پاس چلا گیا (اور غمزدہ ہو کر) بیٹھ گیا اور اسے حمیت وغصہ دلانے والی باتیں کرنے لگا۔ تو ولید کھڑا ہو گیا اور ابوجہل بھی اس کے ساتھ کھڑا ہوا پھر جب وہ اپنی قوم کے پاس آیا تو ان سے کہنے لگا۔

تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیوانہ کہتے ہو کیا تم نے (کبھی) اس کو کسی کا گلا گھونٹتے دیکھا ہے؟
تم اسے کاہن کہتے ہو کیا تم نے اس کو کہانت (کی باتیں) کرتے دیکھا ہے؟
تم اس کو شاعر سمجھتے ہو کیا تم نے اس کو شعر گوئی میں کبھی منہمک دیکھا ہے؟
تم اس کو جھوٹا گمان کرتے ہو کیا تم نے (کبھی) اس پر کسی جھوٹ کو پرکھا ہے؟

ان سب باتوں کے جواب میں انہوں نے کہا "اے خدا! (تیری قسم) نہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا (پھر آخر) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہے؟ تو اس پر ولید نے سوچ کر جواب دیا وہ تو بس جادوگر ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ آدمی اور اس کے گھر والوں میں اور باپ اور بیٹے میں تفریق ڈال دیتا ہے۔

اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہ کچھ نہیں مگر جادو ہے کہ جس کو وہ اہل بابل سے نقل کر (کے تمہیں سنا) تا ہے۔ اس پر نکلیں (والے

❶ امام بیہقی نے اس کو متعدد طرق سے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے

کرنے والوں کو ضلالت وجہالت اور ظلم وفساد وغیرہ کی ذلتوں کی صدا میں سے نجات بخش دی ہو۔

پھر ایسی حالت میں بھی اسی کے ملک میں رہنے والے اسی کی زبان کے بولنے والے اسی زبان کے بڑے بڑے ادباء اور سحر البیان لوگ اس کے سامنے ساکت وخاموش اور متحیر ومبہوت رہ گئے ہوں۔

ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے قرآن مجید پیش کرنے والے (فداہ ابی وامی) نے معارضہ کی پانچ قسمیں بتائیں اور ہر ایک قسم میں سب کا عاجز اور درماندہ ثابت کر کے اپنی صداقت کا آفتاب روشن کی طرح چمکا دیا ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید گو عربی مبین ہے مگر اس کی فصاحت وبلاغت کا جو درجہ ہے وہ تمام عالم کی کتب سے بالاتر ہے۔

(رحمۃ للعالمین جلد ۳ صفحہ ۲۶۶-۲۶۷)

أما الوجه الثاني لإعجاز القرآن:

(الأسلوب العجيب) المخالف لجميع الأساليب العربية. فقد جاء القرآن بذلك الأسلوب الرائع الخلاب الذي بهر العرب برونقه وجماله، وعذوبته وحلاوته، وقد كانت فيه من الخصائص العليا ما لم توجد في كلام بشر على نحو ما وجدت في القرآن، خصوصًا وأن النبي ﷺ تحدى به فأعجز أساطين الفصحاء، وأعيا مقاويل البلغاء، وأخرس ألسنة فحول البيان، وذلك في عصر كانت القوى فيه قد توافرت على الإجادة والتبريز في هذا الميدان، وفي أمة كانت مواهبها محشودة للتفوق في هذه الناحية.

يقول (الزرقاني) رحمه الله: (وها قد مرت على اللغة العربية من عهد نزول القرآن إلى عصرنا هذا أدوار مختلفة بين علو ونزول واتساع وانقباض، وحركة وجمود، وحضارة وبداوة، والقرآن في كل هذه الأدوار، واقف في عليائه يطل على الجميع من سمائه، وهو يشع نورًا وهداية، ويفيض عذوبة وجلالة، ويسيل رقة وجزالة، ويرف جدة وطلاوة، ولا يزال كما كان غضًا طريًا يحمل راية الإعجاز وصوته ﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝﴾ (الإسراء: ٨٨)

خصائص أسلوب القرآن:

وللقرآن الكريم في أسلوبه العجيب المخالف لجميع الأساليب البشرية خصائص عديدة نجملها فيما يلي:

الخاصة الأولى: مسحة القرآن اللفظية التي تتجلى في نظامه الصوتي وجماله اللغوي.

الخاصة الثانية: إرضاؤه العامة والخاصة، بمعنى أن الجميع يحسون بجلاله ويشعرون بروعته.

الخاصة الثالثة: إرضاؤه العقل والعاطفة معًا فالقرآن يخاطب العقل والقلب، ويجمع الحق والجمال معًا.

الخاصة الرابعة: جودة سبك القرآن وإحكام سرده، فكأنه سبيكة واحدة تلعب بالعقول وتأخذ بالأبصار.

الخاصة الخامسة: براعته في تصريف القول، وتفننه في ضروب الكلام، بمعنى أنه يورد المعنى الواحد بألفاظ شتى، وطرق مختلفة، وكلها رائعة فائقة.

الخاصة السادسة: جمع القرآن بين الإجمال والبيان.

الخاصة السابعة: الوفاء بالمعنى مع القصد في اللفظ.

لغات: عذوبت: مٹھاس۔ اعیی: تھکا دینا۔ عاجز کر دینا۔ اخرس: گونگا کرنا۔ زبان گنگ کرنا۔ فحول: بلند پایہ اہل علم۔ محشودہ: جمع کی گئیں یعنی جمع ہیں مہیا ہیں۔ حضارۃ: شہری وتمدنی زندگی۔ بداوت: دیہاتی زندگی۔ یعقل: بڑھاتا۔ یرف: لہلہاتا۔ طلاوۃ: رونق۔ غضا طریا: شگفتہ وتروتازہ۔

ترجمہ: اعجاز قرآن کی دوسری وجہ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"یہ (قرآن کا) وہ انوکھا طرز (نگارش و) بیان ہے کہ جو تمام اسالیب عربیہ کے خلاف ہے لیکن قرآن اس شاندار دلکش اسلوب کو لایا جس نے عربوں کو اپنی رونق و جمال اور مٹھاس اور شیرینی سے حیران کر دیا۔ اور اس طرز میں وہ بلند خوبیاں تھیں کہ کسی انسان کے کلام میں اس طرح نہیں پائی گئیں کہ جس طرح قرآن میں پائی گئیں خصوصاً جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کا چیلنج بھی کیا لیکن قرآن کے اس انوکھے طرز بیان نے اساطین فصحاء کو عاجز کر دیا اور بلغاء کے کلاموں کو تھکا کر چور کر دیا اور بلند پایہ اہل بیان لوگوں کی زبانوں کو گونگا کر دیا اور یہ چیلنج ایسے دور میں تھا کہ جب اس میدان میں (انہیں) عمدہ کلام پیش کرنے اور (اس میں) سبقت لے جانے کی ہمتیں تھیں اور (یہ چیلنج) ایسی قوم کو تھا کہ جن کی خداداد صلاحیتیں (اور ملکہ ومہارت) خاص اس میدان میں برتری کے لئے جمع تھیں۔"

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔

"اور سنو! عربی زبان پر نزول قرآن کے زمانہ سے لے کر ہمارے اس زمانے تک بلندی وپستی کشادگی وتنگی (خوشحالی اور تنگی) حرکت وجمود اور تہذیب (وتمدن اور شہری زندگی) اور دیہاتی (صحرائی) زندگی کے درمیان مختلف ادوار گزرے ہیں۔ اور قرآن ہر دور میں اپنی بلندیوں پر کھڑا ہے اور سب پر (یکساں طور پر) اپنے آسمان سے

(یقیناً یہی) بارش برسا رہا ہے، رشد و ہدایت کی روشنی ڈال رہا ہے اور حقائق اور حکمت کو (سب پر) عام کر رہا ہے اور (اپنی) تحریر کی شگفتگی اور خوش بیانی (یعنی فصاحت و بلاغت) کو (سب پر یکساں) ابھار رہا ہے اور جدت اور رونق کو لٹا رہا ہے اور یہ قرآن ہمیشہ سے پہلے کی طرح (آج بھی) تروتازہ اور خوشگوار (اور بارونق) ہے کہ جس نے اعجاز کا جھنڈا اٹھایا ہوا ہے اور اقوام عالم کو پورے یقین اور بھروسے کے ساتھ اعجاز کے غلبہ اور دبدبہ اور واضح حق اور اس کی قوت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے چیلنج کر رہا ہے۔"

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ ❶ (الاسراء: ۸۸)

"کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے قرآن کریم کے نادر اسلوب پر نہایت مفصل روشنی ڈالی ہے۔ یہاں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

"دوسری چیز جو قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ اس کی عجیب ترتیب، نادر اسلوب، آغاز کے اعجاز و انتہا کا انداز، ساتھ ہی اس کے علم بیان کے دقائق اور عرفانی حقائق پر مشتمل ہونا، عمدہ حسن عبارت اور پاکیزہ اشارے اور سلیس ترکیبیں اور بہترین ترتیب۔ ان مجموعی خوبیوں کو دیکھ کر بڑے بڑے ادباء کی عقلیں حیران ہیں۔"

انسانوں میں جتنے بھی ادیب گزرے ہیں چاہے وہ نثر نگار ہوں یا شعراء خاص طور پر اپنے کلام کے آغاز کو (یعنی مطلع کو) حسین تر بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ حسن ابتداء ہی ایک ادیب کے کلام کو چمکا دیتی ہے کہ اس میں کوئی لغزش پورے کلام کے حسن کو غارت کر دیتی ہے مثلاً امراء القیس کا یہ شعر کہ جو ایک مشہور قصیدے کا مطلع ہے۔

قفا نبک من ذکری حبیب و منزل

بسقط اللوی بین الدخول فحومل ❷

❶ اس کے لئے دیکھئے علامہ زرقانی کی مناہل العرفان جلد ۲ صفحہ ۳۳۹۔

❷ شعر کا مطلب یہ ہے کہ شاعر اپنے دوستوں کے ساتھ محبوب کے ایک پرانے مکان کے پاس سے گزرتا ہے جو اب کھنڈر بن چکا ہے تو ساتھیوں سے کہتا ہے۔

ٹھہرو ذرا محبوب اور اس کے گھر کو یاد کر کے رو لیں وہ گھر جو ٹیلے کے کنارے مقام دخول اور مقام حومل کے درمیان واقع تھا۔

اس شعر کے معنی پر بعض ناقدوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ محبوب کی یاد میں دوسروں کو رونے کی دعوت دینا غیرت عاشق کے خلاف ہے۔

(حاشیہ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم، بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۱۹)

شعر کے ناقدوں نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ پہلا مصرعہ تو اپنے الفاظ کی شیرینی، نزاکت اور مختلف قسم کے معانی اپنے اندر جمع کر لینے کے اعتبار سے بے نظیر ہے اس لئے کہ اس میں وہ اپنے آپ کو بھی محبوب کی یاد میں ٹھہرنے کی دعوت دے رہا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی، خود بھی رو رہا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی رلا رہا ہے محبوب کو بھی یاد کر رہا ہے اس کے گھر کو بھی لیکن دوسرا مصرعہ ان تمام نزاکتوں سے خالی ہے۔ غرض بڑے بڑے مشہور شعراء نے لغزشیں اور ٹھوکریں کھائی ہیں۔ شرفاء عرب باوجود اس کے کہ وہ کلام کے اسرار پر پوری طرح مہارت رکھتے تھے اور اسلام سے شدید عداوت بھی، لیکن قرآن کی بلاغت اور الفاظ کی خوبصورت اور اسلوب وطرز کی عمدگی میں انگلی رکھنے کی مجال نہ پا سکے۔ اور نہ کوئی عیب نکالنے کی قدرت ہوئی۔ بلکہ اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ کلام شاعروں اور خطیبوں جیسا نہیں البتہ اس کی فصاحت پر حیران ہو کر کبھی اس کو جادو اور کبھی اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تراشیدہ کہا اور کبھی یہ کہا کہ یہ پہلوں کی باتیں ہیں کہ جو نقل ہوتی چلی آتی ہیں۔

ثابت ہوا کہ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن الفاظ کی بنا پر معجز ہے اور جب ان سے قرآن کی بلاغت کا مقابلہ نہ ہو سکا تو جنگ و جدل کو ترجیح دی، زبانی مقابلہ کی بجائے مار دھاڑ کو گوارا کیا۔ تو ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم کی بلاغت ان کو تسلیم تھی اور وہ اس کے معارضے سے عاجز تھے۔ (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۲۱۸-۲۲۳ ملخصاً)

ترجمہ: اسلوب قرآن کے خصائص

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"قرآن کریم کے اس عجیب اسلوب کی کہ جو تمام اسالیب بشریہ کے خلاف ہے۔ چند خصوصیات ہیں جن کو ہم ذیل میں مختصراً ذکر کرتے ہیں۔"

پہلی خصوصیت:

(یہ) قرآن کا وہ لفظی اثر ہے کہ جو اس کے نظام صوتی اور جمال القول میں ظاہر ہوتا ہے۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ

"قرآن کریم ایسی نثر پر مشتمل ہے کہ جس میں شعر کے قواعد وضوابط ملحوظ نہ ہونے کے باوجود ایک ایسا لذیذ اور شیریں آہنگ پایا جاتا ہے جو شعر سے کہیں زیادہ لطافت (اور لذت) اور حلاوت کا حامل ہے۔ انسان کا جمالیاتی ذوق نظم اور شعر میں ایک ایسی لذت اور حلاوت محسوس کرتا ہے جو نثر میں محسوس نہیں ہوتی۔ اس کا راز درحقیقت لفظوں کی اس ترکیب میں مضمر ہے جو ایک خاص صوتی آہنگ پیدا کرتی ہے عربی اردو فارسی کی قدیم شاعری میں اس آہنگ کی لذت شعر کے خاص اوزان کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک ہی صوتی وزن کے الفاظ بار بار کانوں میں پڑتے ہیں تو اس سے ذوق سلیم کو ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے پھر جب وزن کے ساتھ قافیہ مل جائے تو یہ لذت دوچند

ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ردیف کی یکسانیت لذت میں اور اضافہ کرتی ہے، اور اگر مصرعوں کے بیچ بیچ میں عروضی اوزان کے ساتھ حرفی اوزان اور قوافی کی یکسانیت بھی شامل ہو جائے (جیسا کہ مرصع اشعار میں ہوتا ہے) تو یہ لذت اور بڑھ جاتی ہے۔"

لیکن اوزان اور قوافی کے اصول ہر خطے اور ہر زبان میں یکساں نہیں ہوتے ہر زبان کے لوگ اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کے مختلف قواعد مقرر کرتے ہیں۔ لیکن ایک چیز ان سب زبانوں اور ان سب قوموں میں قدر مشترک رکھتی ہے اور وہ ہے ایک "متوازن صوتی آہنگ" یعنی الفاظ کو اس طرح ترتیب دینا کہ ان کے تلفظ سے اور انہیں سن کر انسان کا جمالیاتی ذوق حظ محسوس کرے۔

اسی لیے مختلف شعراء جب اپنے کلام میں لطف پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ان کو اپنے ماحول کے بنائے ہوئے قواعد و ضوابط کی پابندی کرنا پڑتی ہے یہ صرف قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے ایسا کسی خطے کے قواعد و ضوابط کی پابندی اختیار نہیں کی بلکہ ایک "متوازن صوتی آہنگ" کو جو ایک قدر مشترک ہے اختیار کیا ہے جو ان سارے قواعد کا اصل مقصود ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نثر ہونے کے باوجود شعر سے زیادہ لطافت اور لذت کا حامل ہے اور صرف اہل عرب ہی نہیں بلکہ دنیا کی ہر زبان کے لوگ اسے سن کر غیر معمولی لذت اور تاثیر محسوس کرتے ہیں۔ (علوم القرآن از صفحہ ۲۵-۲۴۲ ملخصاً)

ترجمہ: دوسری خاصیت

قرآن کا ہر خاص و عام کو مشغول کرنا، جس کا مطلب یہ ہے کہ سب اس کی عظمت کو محسوس کرتے ہیں اور سب کی شان وشوکت (کلام) کو سمجھتے ہیں۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں

"قرآن کریم کے مخاطب عام دیہاتی بھی ہیں اور بڑے بڑے لوگ بھی اہل ادب کے علماء اور ماہرین فنون بھی لیکن اس کا ایک اسلوب بیک وقت ان تینوں طبقوں کو متاثر کرتا ہے ایک طرف ان پڑھ آدمی کو اس میں سادہ حقائق ملتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ قرآن میرے لئے ہی اترا ہے لیکن دوسری طرف علماء اور محققین اس میں گہری نظر ڈالتے ہیں تو انہیں اس میں بھی نکات نظر آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب علم و فن کی ایسی باریکیوں پر مشتمل ہے کہ معمولی واقفیت کا آدمی انہیں سمجھ ہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم کا طریق استدلال بہت سادہ ہے اور زیادہ تر مشاہدہ کی دلیلوں پر مبنی ہے۔ توحید، رسالت، آخرت وغیرہ کے بڑے بڑے فلسفیانہ مسائل بالکل سامنے کی دلیلوں سے ثابت کرتا ہے مظاہر فطرت سے یہ استدلال ایک معمولی سمجھ کے معیار کے آدمی پر بھی حقائق واضح کرتا ہے لیکن اس کی گہرائیوں میں اتریے تو عقلی و منطقی دلائل بھی ملیں گے جو فلسفیانہ موشگافیوں کے مریضوں کو شفا بخشتے ہیں۔"

باتوں باتوں میں قرآن نے فلسفہ اور سائنس کے وہ مسائل بھی حل کر دیئے ہیں کہ جن کی تحقیق کے لئے بڑے بڑے فلسفی آخر تک پیچ و تاب کھاتے رہے۔ (علوم القرآن صفحہ ۲۶۳-۲۶۴ ملخصاً)

تیسری خصوصیت

قرآن کا عقل اور جذبات دونوں کو ایک ساتھ مطمئن کرنا چنانچہ قرآن عقل اور دل دونوں سے مخاطب ہے اور حق اور جمال کو ایک ساتھ جمع کرتا ہے۔

توضیح

جاننا چاہیے کہ عقل کا دائرہ کار احکام و فرائض تک ہے کہ جس کی ترجمانی شوکت کلام سے ہوتی ہے اور جذبات و عواطف کا دائرہ اخلاق و آداب، زہد و عبادات آخرت اور ترک دنیا، امثال عبرت اور انذار و تبشیر سے ہوتا ہے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ قاضی سلیمان منصور پوری" ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ قرآن حکیم ہی کا حصہ ہے وہ احکام شریعت اور مواعظ و امثال اخبار و انذار میں زمانہ ماضی کی سرگزشت اور عہد مستقبل کی حالت پر القاء فرمارہا ہے اور بایں ہمہ کلام کسی جگہ بھی نہ صداقت اور روحانیت کے درجہ سے گرا اور نہ فصاحت و بلاغت کے مرکز سے متزلزل ہوا۔ (رحمۃ اللعالمین جلد ۳ صفحہ ۲۶۷)

مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی" اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

"قرآن کریم نے عبادات کے فرض ہونے، ناشائستہ امور کے حرام ہونے، اچھے اخلاق کی ترغیب دینے، دنیا کو ترک کرنے اور آخرت کو ترجیح دینے یا اور اس قسم کی دوسری باتوں کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔ ان چیزوں کا ذکر و تذکرہ کلام کی فصاحت و بلاغت کو کم کرنے کا موجب ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی فصیح شاعر یا ادیب فقہ یا علائد کے نو دس مسئلے اپنی بہترین فصیح عبارت میں لکھنے کی کوشش کرے جو بلیغ تشبیہات اور دقیق استعاروں کو لئے ہوئے ہو تو وہ قطعی عاجز ہوگا اور اپنے مقصد میں ناکام"۔ (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۰۸)

قاضی سلیمان منصور پوری" فردوسی، ہومر، سعدی، شیکسپیئر، والمیک، ملٹن، کریشنا، ہکن، نابغہ، سعید، امراء القیس اور خسرو وغیرہ کی فصاحت و بلاغت کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"اگر ان کی زبان آوران پر کلام کو وقفی قانون کوئی ضابطہ لکھنا پڑ جاتا اگر حقائق الٰہیات، رموز فطریات یا اسرار آفرینش پر انہیں چند سطریں بھی تحریر کرنی ہوتیں تو دنیا دیکھتی کہ عبارت کتنی پھیکی، بندش کتنی سست، الفاظ کیسے مہمل، طرز ادا کتنا متبذل ہوتا۔ (رحمۃ اللعالمین جلد ۳ صفحہ ۲۶۷)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کے الفاظ میں اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"کلام کی شوکت اور اس کی نزاکت و شیرینی (یعنی کلام اللہ کی فخامت اور اس کا جمال) دو متضاد صفتیں ہیں، دونوں

کے لئے الگ اسلوب اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ان دونوں صفتوں کو ایک عبارت میں جمع کر دینا انسانی قدرت سے باہر ہے یہ صرف قرآنی اسلوب کا اعجاز ہے کہ اس میں یہ دونوں اوصاف بدرجہ کمال یکجا پائے جاتے ہیں" (علوم القرآن صفحہ ۲۶۲)

علامہ حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں

"شاعری جتلانے نور فصاحت و بلاغت کے گھوڑے دوڑانے کا میدان رزم و بزم مدح حسن و جمال، وصف زلف و خال وغیرہ امور حسیہ ہوتے ہیں مگر حکیمانہ باتوں میں آ کر قافیہ تنگ ہو جاتا ہے۔ ذرا کسی بڑے شاعر سے دو چار جز مسائل فقہ و میراث میں تو لکھوایئے پھر شاعری ملاحظہ فرمایئے۔ مگر قرآن میں باوجود اس التزام کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔" (تفسیر حقانی مقدمہ جلد ا صفحہ ۱۳۹)

ترجمہ: چوتھی خصوصیت

قرآن کے (الفاظ کے) ڈھلاؤ (اور بناؤ) کی عمدگی اور اس کے بیان (اور تسلسل کلام) کی پختگی ہے گویا کہ ایک ہی ڈھلا ہوا کلام ہے کہ جو عقلوں کو کھولا دیتا ہے اور آنکھوں کو ٹھنڈا کر لیتا ہے۔

توضیح

قرآن پاک کی اس خصوصیت کو "الفاظ کا اعجاز" کہتے ہیں علامہ عثمانیؒ نے علوم القرآن صفحہ ۲۵۳ - ۲۵۸ پر اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے یہ بحث پڑھنے کے قابل ہے ہم نے طوالت کے خوف سے اس کو نقل نہیں کیا، چاہیے کہ وہاں دیکھ لی جائے۔ (قسیم)

علامہ رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ تحریر فرماتے ہیں

"کسی قصیدہ کے تمام اشعار (اور اس کے الفاظ) شروع سے آخر تک فصیح نہیں ہوتے بلکہ تمام قصیدہ میں ایک دو شعر ہی معیاری ہوتے ہیں اور باقی اشعار پھیکے اور بے مزہ۔ قرآن کریم اس کے برعکس باوجود اتنی بڑی ضخیم کتاب ہونے کے سارے کا سارا اس درجہ فصیح ہے کہ تمام مخلوق اس کے معارضہ اور مقابلہ سے عاجز ہے جس کسی نے سورۃ یوسف کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہوگا وہ جانتا ہے کہ اتنا طویل قصہ بیان کے لحاظ سے جان بلاغت ہے۔" (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۰۸)

علامہ حقانیؒ قرآن کی آیات کی کئی خوبیاں گنوانے کے بعد فرماتے ہیں:

"اب منصف غور کرے کہ اس قدر مضامین کو کہ جن کی خوبی و ضروری ہونے میں کسی اہل عقل کو کلام نہیں۔ قرآن نے کس فصاحت و بلاغت سے ادا کیا ہے۔"

اس کے بعد علامہ حقانیؒ نے الفاظ قرآن کے اعجاز کو اس قدر تفصیل اور شرح و بسط سے بیان کیا ہے کہ جس کا خلاصہ پیش

کرنا بھی بندوں کی قدرت میں نہیں۔ مناسب ہے کہ اس کا مطالعہ اصل کتاب سے کر لیا جائے۔ (دیکھیں تفسیر حقانی مقدمہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۲-۱۵۱)

علامہ حقانیؒ ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"مناسب میں بڑھ کر بلاغت کلام میں امر ضرور دیکھا جاتا ہے کہ اس کی ابتداء اور وسط اور اخیر کو کیا نسبت ہے؟ اگر تینوں موقعوں پر کلام عالی اور مطلب خیز ہے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ کلام درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔" (تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۱۴۹ مقدمہ)

ترجمہ: پانچویں خصوصیت

قرآن کی کلام کے تکرار میں (کمال مہارت اور) فوقیت اور کلام کی امثال میں قرآن کا تفنن جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ایک ہی (بات یا واقعہ) کو کئی الفاظ اور مختلف طریقوں سے بیان کرتا ہے اور وہ سب طریقے (فن) شرافت (اور) اعلیٰ ہے۔

توضیح

علامہ حقانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"جب کوئی فصیح و بلیغ ایک مضمون کو ایک بار کہہ کر پھر کہتا ہے تو وہ لطف نہیں رہتا لیکن قرآن نے مکرر مضامین بیان فرمائے اور ہر جگہ جداگانہ لطف ہے۔" (تفسیر حقانی مقدمہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۹)

اسی بات کو مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اگر کوئی شاعر یا ادیب کسی مضمون یا قصہ کو ایک یا زیادہ بار بیان کرتا ہے تو اس کا دوسرا کلام پہلے کلام جیسا ہرگز نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات، پیدائش و آخرت کے احوال و احکام اور صفات خداوندی بکثرت اور بارہا بیان کئے گئے ہیں۔ انداز بیان بھی اختصار اور تطویل کے اعتبار سے مختلف ہے، مگر ان کے بیان میں ایک ہی اسلوب اختیار نہیں کیا گیا ہے اس کے باوجود ہر جگہ اور ہر عبارت انتہائی فصاحت کی حامل ہے اس لحاظ سے دونوں عبارتوں میں کچھ بھی تفاوت محسوس نہیں ہوتا (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۲۰۸)

ترجمہ: چھٹی خصوصیت

قرآن کا اجمال اور (تفصیلی) بیان کو جمع کرنا۔

ساتویں خصوصیت

الفاظ کے اختصار کے ساتھ معانی کی تکمیل۔ ●

● ان سب خصوصیات کے لئے دیکھئے علامہ زرقانیؒ کی "مناہل العرفان"

توضیح

اس کو "ترکیب کا اعجاز" کہا جاتا ہے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اس کی وضاحت ان الفاظ سے فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم کا طرز اعجاز یہ ہے کہ اکثر جگہوں پر تھوڑے سے الفاظ میں بے شمار معانی اس طرح سمو لیتا ہے جیسے سمندر کو کوزے میں، اس جامعیت کے ساتھ کہ اس کی حلاوت اور شیرینی اور زیادہ ہو جاتی ہے۔"

اس کے بعد سورۃ "ص" پر مفصل تبصرے کے بعد فرماتے ہیں۔

"(اس سورت کے) یہ سب مضامین اور واقعات بہت ہی مختصر اور تھوڑے الفاظ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔"

(بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۱۲-۳۱۳ ملخصاً)

علامہ عثمانی رحمہ اللہ اس کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم کے جملوں کی ترکیب، ساخت، اور نشست کا اعجاز بھی انتہائی کمال پر ہے قرآن کے جملوں کے در و بست میں روانی، سلاست اور شیرینی ہے کہ اس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔" (علوم القرآن صفحہ ۲۵۹)

علامہ حقانیؒ قرآن کی اس خوبی کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"(پھر) کلام کو مقتضائے حال کے مطابق کیا۔ یعنی جہاں تقدیم مسند الیہ کا موقع تھا وہاں تقدیم کی اور جہاں تاخیر کا مقام تھا وہاں تاخیر کی۔ جس قدر جہاں مطلوب تھی وہاں اسی قدر تاکید کی۔ جہاں وصل کا موقع تھا وہاں وصل کیا اور جہاں فصل کا مقام تھا وہاں فصل کیا۔ جہاں نکرہ لانے کا موقع تھا وہاں نکرہ لایا اور جہاں معرفہ لانے کی جگہ تھی وہاں معرفہ استعمال کیا۔ اسناد حقیقی کے موقع پر حقیقی اور مجازی کے موقع پر مجازی۔ قصر جس وجہ مطلوب تھا وہاں اسی کا قصر کیا وغیرہ۔" (تفسیر حقانی مقدمہ جلد ۱ صفحہ ۳۵)

قرآن کے اس اعجاز، تعبیر، ایجاز اور تناسب، اعتدال اور قلت الفاظ مع کثرت معانی کی علماء ایک مشہور مثال دیتے ہیں مناسب ہے اس کو اختصار کے ساتھ نقل کر دیا جائے۔

اعجاز قرآنی کا ایک حیرت انگیز نمونہ

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ

"اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔"

قتل کے قصاص ہونا اہل عرب میں بڑی قابل تعریف بات تھی۔ اور اس کے فوائد ظاہر کرنے کے لئے عربی میں کئی مقولے مشہور تھے۔ مثلاً

(۱) القتل احیاءٌ للجمیع. "قتل اجتماعی زندگی ہے۔"

(۲) قتل البعض احیاءٌ للجمیع. "بعض لوگوں کا قتل باقی انسانوں کے لئے زندگی کا سامان ہوتا ہے۔"

(٢) وفي القرآن لفظة غريبة هي من أغرب ما فيه، وما حسنت في كلام قط إلا في موقعها فيه، وهي كلمة (ضيزى) من قوله تعالى ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ﴾ ومع ذلك فإن حسنها في نظم الكلام من أغرب الحسن ومن أعجب، ولو أردت اللغة العربية ما صلح لهذا الموضع غيرها، فإن السورة التي هي منها وهي سورة (النجم) مفصلة كلها على الياء، فجاءت الكلمة فاصلة من الفواصل، ثم هي في معرض الإنكار على العرب، إذ وردت في ذكر الأصنام، وزعمهم في قسمة الأولاد، فإنهم جعلوا الملائكة والأصنام بنات لله، مع وأدهم للبنات فقال تعالى ﴿أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ﴾ فكانت غرابة اللفظة أشد الأشياء ملاءمة لغرابة هذه القسمة التي أنكرها، وكانت الجملة كلها كأنها تصور في هيئة النطق بها، الإنكار في الأولى، والتهكم في الأخرى، وكان هذا التصوير أبلغ ما في البلاغة، وخاصة في اللفظة الغريبة التي تمكنت في موضعها من الفصل . .

(٣) ومما لا يسعه طوق إنسان في نظم الكلام البليغ، ثم مما يدل على أن نظم القرآن مادة فوق الصنعة، ومن وراء الفكر، وكأنها صبت على الجملة صبا، أنك ترى بعض الألفاظ لم يأت فيه إلا مجموعا، ولم يستعمل منه صيغة المفرد، فإذا احتاج إلى هذه الصيغة استعمل مرادفها، كلفظة (اللب) إنها لم ترد إلا مجموعة كقوله تعالى ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ وقوله ﴿وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ ونحوهما ولم ترد فيه مفردة، بل جاء مكانها (القلب) في قوله تعالى ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ وذلك لأن لفظ (الباء) شديد مجتمع، ولا يفضي إلى هذه الشدة إلا من اللام الشديدة المسترخية، فلما لم يحسن اللفظة أسقطها من نظمه بتة . . .

وكذلك لفظ (الكوب) استعمل فيه مجموعة، ولم يأت بها مفردة؛ لأنه لا يتهيأ فيها ما يجملها في النطق– من الظهور والرقة والانكشاف وحسن التناسب– كلفظ (أكواب) الذي هو الجمع، و(الأرجاء) لم يستعمل القرآن لفظها إلا مجموعا، وترك المفرد وهو الرجا أي الجانب لعلة لفظه، وأنه لا يسوغ في نظمه كما ترى . . .

وعكس ذلك لفظة (الأرض) فإنها لم ترد فيه إلا مفردة، ولم يرد في القرآن صيغة الجمع (أرضين) ولما احتاج إلى جمعها، أخرجها على هذه الصورة التي ذهبت بسر

الفصاحة، وذهب بها حتى خرجت من الروعة بحيث يستحيل أن تكون لكلمة سجدة طويلة، وذلك في قوله تعالى: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ ولم يقل (وسبع أرضين) لهذه الجساءة تدخل اللفظ، ويختل بها النظم اختلالا.

(٣) وتأمل قوله تعالى: ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُفَصَّلَاتٍ﴾ فإنها خمسة أسماء أخفها في اللفظ (الطوفان، والجراد، والدم) وأثقلها (القمل والضفادع)، فقدم (الطوفان) لمكان المدين فيها، حتى يأنس اللسان بخفتها، ثم (الجراد) وفيها كذلك مد، ثم جاء باللفظين الشديدين مبتدئا بأخفهما في اللسان وأبعدهما في الصوت لمكان تلك الغنة فيه، ثم جيء بلفظة (والدم) آخرا، وهي أخف الخمسة وأقلها حروفا، ليسرع اللسان فيها، ويستقيم له فرق النظم، ويتم بها هذا الإعجاز في التركيب، وأنت مهما قلبت هذه الأسماء الخمسة فإنك لا ترى لها فصاحة إلا في هذا الموضع، فلو قدمت أو أخرت لأدركت التهافت والتعثر، ولأعنتك أن تجيء منه بلفظ أو نظم فصيح.

من ذلك يتخلص لنا أن القرآن الكريم إنما ينفرد بأسلوبه؛ لأنه ليس وضعا إنسانيا ألبتة، ولو كان من وضع إنسان لجاء على طريقة تشبه أسلوبا من أساليب العرب، أو من جاء بعدهم إلى هذا العهد ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ ولقد أحس العرب بهذا المعنى، واستيقنته بلاغتهم، ولولا ذلك ما انحسروا، ولا انقطعوا من دونه؛ لأنهم رأوا جنسا من الكلام غير ما تؤديه طباعهم، وكيف لهم في معارضته بطبيعة غير مخلوقة؟!

ويقول المرحوم فضيلة الشيخ (الزرقاني) في موضوع خصائص أسلوب القرآن: (للقرآن مسحة خلابة عجيبة تتجلى في نظامه الصوتي وجماله اللغوي. ونريد بنظام القرآن الصوتي اتساق القرآن وائتلافه في حركاته وسكناته، ومداته وغناته، واتصالاته وسكتاته اتساقا عجيبا، وائتلافا رائعا يسترعي الأسماع ويستهوي النفوس بطريقة لا يمكن أن يصل إليها أي كلام آخر من منظوم ومنثور.

ونريد بجمال القرآن اللغوي: تلك الظاهرة العجيبة التي امتاز بها القرآن في رصف حروفه وترتيب كلماته ترتيبا دونه كل ترتيب تعاطاه الناس في كلامهم، ولقد وصل

هذا الجمال اللغوي إلى قمة الإعجاز بحيث لو دخل في القرآن شيء من كلام الناس لاختل مذاقه في أفواه قارئيه، واختل نظامه في آذان سامعيه، ومن عجيب أمر هذا الجمال اللغوي، وذلك النظام الصوتي، أنهما كما كانا دليل إعجاز من ناحية كانا سوراً منيعاً لحفظ القرآن من ناحية أخرى، وذلك أن من شأن الجمال اللغوي والنظام الصوتي أن يسترعي الأسماع، ويثير الانتباه، ويحرك داعية الإقبال في كل إنسان إلى هذا القرآن الكريم، وبذلك يبقى أبد الدهر سائداً على ألسنة الخلق وفي آذانهم ويعرف بذاته ومزاياه بينهم فلا يجرؤ أحد على تغييره وتبديله، مصداقاً لقوله سبحانه:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ٩)

لغات: مساوقة: ہم نوا۔ لا تُستَساغ: خوشگوار ہونا۔ جُشاف خشونت: کھردرا پن۔ نبوّ: ناموزوں کسی چیز کا اپنی جگہ فٹ نہ ہونا۔ اصطکاک: ٹکرانا، رگڑ کھانا۔ ملائمة: مناسب۔

ترجمہ:

اسلوب قرآن کے خصائص کی توضیحی مثالیں

مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ:

(1) اگر تو الفاظ قرآنی کی نظم (وترتیب) میں غور کرے گا تو تو ان الفاظ کی حرکات صرفیہ اور لغویہ کو دیکھے گا کہ وہ خود ان حروف کی جگہ وضع اور ترکیب میں اس فصاحت میں جاری ہوں گی کہ جس کے (حصول) کے لئے خود یہ الفاظ آئے ہیں۔

اور تو (لازماً) ضرور ان حرکات کو حروف کی آوازوں کے ساتھ ملا ہوا اور نظم موسیقی میں ان حروف کا ہم نوا پائے گا۔ یہاں تک کہ (وہ) حرکت کہ جو کبھی کبھی ثقیل ہوتی ہے جو نہ شیریں ہوتی ہے اور نہ خوشگوار پھر جب وہ قرآن میں استعمال ہوتی ہے تو تو اس کی ایک عجیب شان دیکھتا ہے۔ اسی وجہ سے لفظ "نُذُر" کہ "نذیر" کی جمع ہے کہ اس میں ضمہ نون اور ذال پر پے در پے ہونے کی وجہ سے ثقیل ہے قطع نظر اس لفظ کی خشونت (اور کھردرے پن) اور زبان پر ناموزوں ہونے کے لیکن وہ قرآن میں اس (وحشی وصف) کے برعکس اس ارشاد باری تعالیٰ میں آیا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ﴾ (القمر: ٣٦)

"اور وہ ڈرا چکا تھا ان کو ہماری پکڑ سے پھر لگے مکرانے ڈرانے کو۔" (تفسیر عثمانی)

ذرا تو اس ترکیب کو سوچ (اور) پھر اپنی (اس) سوچ میں اچھی طرح غور کر پھر (گہرائی سے) غور کر اور حروف کی جگہوں کا بار بار مزہ لے (اور ان کی لذت کو چکھ) اور ان حروف کی حرکات کو (اپنی) قوت سامعت میں جاری کر اور "ولقد" کی دال میں

اور "بَعْثَرْنَا" میں "طا" میں قلقلوں کی جگہ میں اور اللہ تعالیٰ کے قول "تَطَاوَلَتْ فَتَمَارَوْا" میں طا کے بعد سے لے کر وار تک آنے والے پے در پے فتحات میں غور کر کہ جس میں مد کے ذریعہ (یعنی الف کے ذریعہ) فصل ہے تاکہ اس لفظ پر ضمہ کا ثقل بعد میں ہلکا ہو جائے اور تاکہ یہ ضمہ اپنی جگہ کو پا لے جیسا کہ معانوں میں ترقی ہوتی ہے (کہ وہ بھی لذت کا باعث ہوتی ہے)

(۲) قرآن میں ایک لفظ غریب ❶ ہے اور یہ قرآن کا سب سے انوکھا (اور نرالا) لفظ ہے کہ جو کبھی کسی کلام میں چلا نہیں مگر قرآن میں جس جگہ آیا ہے وہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۝﴾ (النجم: ۲۲)

میں لفظ "ضیـــزی" ہے۔ اور اس کے باوجود نظم کلام میں اس کا حسن بہت حسین اور بہت ہی عجیب ہے اور اگر تو عربی زبان میں تلاش کرے تو اس مقام پر کوئی دوسرا لفظ صحیح نہ ہو۔ کیونکہ جس سورۃ کا یہ لفظ ہے وہ سورۃ النجم ہے اور وہ ساری کی ساری "یا" پر تفصیل کے ساتھ آئی ہے (یعنی اس کی ہر آیت "یا" پر ختم ہوتی ہے)

پس یہ کلمہ فواصل میں سے ایک فاصلہ بن کر آیا۔ پھر یہ عربوں پر انکار کی جگہ میں ہے کیونکہ یہ لفظ بتوں کے ذکر اور اولاد کی تقسیم میں ان کے (جھوٹے) گمان میں آیا ہے کیونکہ انہوں نے فرشتوں اور بتوں کو اللہ کی بیٹیاں ٹھہرا رکھا تھا (باوجودیکہ) خود بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۝﴾ (النجم: ۲۱-۲۲)

"کیا تم کو تو ملیں بیٹے اور اس کو بیٹیاں یہ بانٹا تو بہت بھونڈا۔" (تفسیر عثمانی)

پس لفظ کی غرابت سب سے سخت چیز تھی کہ جو اس تقسیم کی غرابت کے مناسب تھی کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے انکار کیا۔ اور یہ پورے کا پورا جملہ گویا کہ اس انکار کی نطق کی ہیئت کا تصور ہے پہلے انکار ہے اور پھر (ان کی) تحقیر (اور ان کا مذاق اڑانا) ہے۔ یہ تصویر بلاغت میں بہت زیادہ ہے اور خاص طور پر اس لفظ غریب میں کہ جو فصل کی جگہ میں جم گیا ہے۔

توضیح

فصاحت کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ عبارت کے الفاظ ثقیل اور نامانوس نہ ہوں۔ بعض ملحدین نے قرآن پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ قرآن میں بعض الفاظ ثقیل استعمال ہوئے ہیں۔ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم کے بعض الفاظ پر بعض ملحدوں نے ثقیل ہونے کا اعتراض کیا ہے مثلاً لفظ "ضیـــزی" لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ بعض الفاظ ذاتی طور پر ثقیل ہوتے ہیں لیکن ادیب انہیں ایسے سلیقے سے استعمال کرتا ہے کہ اس

❶ اہل معانی نے لفظ غریب کی تعریف یہ کی ہے: وهي كون الكلمة وحشية غير ظاهرة المعنى ولا مأنوسة الاستعمال. (تفسیر دلیل شرح مختصر جلد ۱ صفحہ ۱۳۳)

چنانچہ اس سے بہتر لفظ نہیں لایا جا سکتا۔ اردو میں اس کی مثال یہ ہے کہ "دھول دھپا" ایک مبتذل لفظ سمجھا جاتا ہے جسے فصیح و بلیغ عبارتوں میں عموماً استعمال نہیں کیا جاتا لیکن غالب کا یہ شعر دیکھئے۔

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

یہاں یہ لفظ ایسے حسن کے ساتھ آیا ہے کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ رکھ دیا جائے تو حسن بیان پر پانی پھر جائے۔
قرآن کریم میں بھی لفظ "ضیزی" ایسے حسن کے ساتھ آیا ہے کہ اس کی جگہ کوئی خوبصورت سے خوبصورت لفظ بھی اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

﴿أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۝﴾ (النجم: ۲۱-۲۲)

اگر انفرادی طور سے دیکھا جائے تو "قسمۃ جائرۃ" یا "قسمۃ ظالمۃ" کے الفاظ "ضیزی" کے مقابلہ میں بہتر معلوم ہوتے ہیں لیکن سیاق میں لفظ ضیزی قرآن میں آیا ہے وہاں اگر "جائرۃ" یا "ظالمۃ" کے الفاظ رکھ دیے جائیں تو کلام کی ساری روانی ختم ہو جائے۔ (علوم القرآن صفحہ ۲۵۷-۲۵۸ ملخصاً)

ترجمہ: (۳) اور کوئی بلیغ کے نظم میں سے کہ جس کی انسانی طاقت میں گنجائش نہیں پھر جو بات اس پر دلالت کرے کہ نظم قرآن خارق العادت ایک ... وہ امر ہے گویا کہ وہ جملے پر بہا دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تو دیکھے گا کہ (قرآن میں) بعض الفاظ جمع ہی آتے ہیں اور ان کا مفرد کا صیغہ استعمال نہیں کیا اور اگر اس مفرد صیغے کے استعمال کی ضرورت پڑے تو اس کا مرادف لفظ (یعنی اس جمع کے مفرد کے مرادف لفظ) استعمال کیا ہے جیسے لفظ "الالباب" (بمعنی عقل اور دل) کہ یہ (قرآن میں) جمع ہی آیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝﴾ (الزمر: ۲۱)
"بے شک اس میں نصیحت ہے عقل مندوں کے واسطے۔" (تفسیر عثمانی)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝﴾ (ابراہیم: ۵۲)
"اور تاکہ سوچ لیں عقل والے۔" (تفسیر عثمانی)

اور اسی طرح دوسری آیتیں (ہیں کہ جہاں یہ جمع استعمال ہوا ہے) اور قرآن میں (اس کا) مفرد نہیں آیا بلکہ (اس کے) مفرد کی جگہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں لفظ قلب آیا ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ ----- وَهُوَ شَهِيدٌ ۝﴾ (ق: ۳۷)
"اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کے اندر دل ہے یا لگائے کان دل لگا کر۔" (تفسیر عثمانی)

اور یہ اس لئے کہ لفظ باء (یہاں) مشدد ہے جس کے تلفظ میں ثقل ہے اور اس کا لام مشدد کے ذریعے ہی پہنچا جا سکتا

ہے کہ جس کے مخرج میں نرمی ہے۔

پس جب یہ لفظ بہترین نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نظم قرآن سے ساقط کر دیا اسی طرح لفظ "کــوب" ● ہے کہ جو قرآن میں جمع استعمال ہوا ہے اور قرآن اس کی مفرد نہیں لایا۔

کیونکہ اس مفرد میں وہ ظہور، رقت، انکشاف اور حسن تناسب میسر نہیں ہے جو جو ہے (اور نظم کلام میں) اس میں رکھا ہوا ہے جیسے کہ لفظ "اکواب" میں (ہے) جو اس کی جمع ہے۔

اور لفظ "ارجــاء" کہ قرآن نے اس لفظ کو استعمال نہیں کیا مگر جمع ہی۔ اور اس کے مفرد کو کہ جو "رجــاء" ● ہے اس کو استعمال نہیں کیا کیونکہ اس لفظ میں ایک علت ہے اور یہ نظم قرآن میں (آسانی سے فٹ نہیں ہوتا اور اچھا اور) خوشگوار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تو دیکھتا ہے۔ اس کے برعکس لفظ "ارض" ہے کہ جو قرآن میں مفرد ہی آتا ہے اور قرآن میں (اس کا) جمع کا صیغہ "ارضون" نہیں آتا۔ اور جب اس کی جمع (لانے) کی ضرورت پڑی تو اس کو اللہ تعالیٰ نے اس صورت سے نکال دیا کہ جو اس کی فصاحت کو زائل کر دے اور اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ نکال دیا کہ کہیں (کلام کی شان و) شوکت (نہ) جاتی رہے اس طور پر کہ اس کو ایک طویل بعید کرے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ ---- بَیْنَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۱۲)

"اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی اترتا ہے اس کا حکم ان کے اندر" (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ نے "سبع ارضین" نہیں کہا اس خشونت (اور کھردرے پن) کی وجہ سے کہ جو اس لفظ میں داخل ہے اور جس سے نظم (قرآنی) میں بالکل ہی خلل آ جاتا ہے۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس کی توضیح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"عربی میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو مفرد ہونے کی حالت میں تو ٹھیک اور فصیح ہیں لیکن ان کی جمع ثقیل بھی جاتی ہے (اور اس کے بالعکس بعض الفاظ میں کہ ان کی جمع فصیح ہے اور مفرد ثقیل ہے) مثلاً زمین کے معنی میں لفظ ارض ایک سبک لفظ ہے عربی میں اس کی دو جمعیں مستعمل ہیں "ارضون" اور "اراضی" یہ دونوں ہی ثقیل ہیں کہ ان کی وجہ سے کلام کی سلاست اور روانی میں فرق آ جاتا ہے لیکن جہاں ان کے جمع کی ضرورت ہوتی ہے تو ادباء عرب انہی کے استعمال پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن نے اکثر مقامات پر سموات کو تو بصیغہ جمع ذکر کیا ہے لیکن "ارض" کو اس کے مفرد ہی استعمال کیا ہے کہیں جمع استعمال نہیں کیا۔ البتہ جب اس کی جمع لانی ضروری تھی وہاں

■ کوب: گلاس، پیالہ، بڑی ٹونٹی والا کوزہ (القاموس الوحید صفحہ ۱۴۲۲ کالم نمبر ۳)

● رجاء: کنارہ، گوشہ، جانب، کنارہ (القاموس الوحید صفحہ ۲۰۶ کالم نمبر ۲)

اس کی جمع سے احتراز کر کے ایسی خوبصورت تعبیر اختیار کی کہ مفہوم بھی ٹھیک ٹھیک ادا ہو گیا اور نہ ہی کلام میں ثقل پیدا ہوا بلکہ حسن کلام میں چند در چند اضافہ ہو گیا ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ ----- مِثْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق: ۱۲)

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور زمین میں سے بھی اتنی ہی۔''

دیکھئے یہاں ''سماء'' کی جمع تو لائی گئی لیکن قرآن نے ''ارض'' کی جمع لانے کی بجائے اس کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ''وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ'' کی تعبیر اختیار فرمائی۔ جس کے اسرار و نکات پر جس قدر غور کیجئے معجزانہ بلاغت کا دریا موجزن نظر آتا ہے۔ (علوم القرآن بتصرف صفحہ ۲۵۶-۲۵۷)

لغات: تہافت: ٹوٹ پھوٹ بوسیدگی۔ العسر: مشکل، دشوار۔ لکنت، ہکلاہٹ۔ اغتنت: تھکا دینا، مصیبت میں ڈالنا۔

ترجمہ: (۳) اللہ تعالیٰ کے اس قول میں تو (ذرا) غور (تو) کر۔

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ﴾ (الاعراف: ۱۳۳)

''پھر ہم نے بھیجا ان پر طوفان اور ٹڈی اور چچڑی اور مینڈک اور خون بہت سی نشانیاں جدی جدی۔'' (تفسیر عثمانی)

کہ (یہاں) یہ پانچ نام ہیں۔ ان میں لفظوں میں ہلکے (یہ تین ہیں) طوفان، جراد اور دم اور ان میں ثقیل (یہ لفظ ہیں) قمل اور ''ضفادع'' پس (ان پانچ میں سے لفظ) طوفان کو مقدم کیا کیونکہ اس میں دو مدے ہیں (یعنی واؤ اور الف) یہاں تک زبان اس کی لغت (اور ہلکے پن) سے مانوس ہو جائے۔ پھر ''جراد'' کو ذکر کیا اور اس میں بھی (ایک) مد ہے (اور وہ الف ہے) پھر دو مشدد لفظ لے کر آئے (ایسے دو لفظوں سے) ابتدا کرتے ہوئے کہ جو زبان پر ان دونوں سے ہلکے ہیں۔ اور (مخرج) صوتی میں ان دونوں سے دور ہیں کیونکہ اس صوت (آواز) میں خفا ہے۔ پھر لفظ دم کو (سب سے) آخر میں لایا گیا جو ان پانچوں میں سب سے ہلکا اور کم حروف والا ہے۔ تاکہ زبان اس میں روانی سے چلے اور نظم (قرآنی) کا ذوق اس کے لئے مستقیم (اور ٹھیک) رہے اور اس لفظ کے ذریعے سے ترکیب میں یہ اعجاز تمام ہو جائے۔ (اور مکمل ہو جائے) اور تو جب جب بھی ان پانچ الفاظ (کی ترکیب) کو الٹ پلٹ کرے گا۔ تو تو اس میں فصاحت نہیں دیکھے گا مگر اس ترتیب میں۔ پس اگر تو (ان پانچ ناموں کو) آگے پیچھے کرے گا تو تجھے (فصاحت کی) ٹوٹ پھوٹ (اور شکستگی اور بوسیدگی) اور (کلام کی سلاست اور روانی میں) ڈگمگاہٹ آن لگے گی۔

اور تجھے ان پانچ میں سے ایک لفظ پر (کسی) فصیح الظم کا (بھی اپنی مرضی سے) لانا تھکا کے رکھ دے گا۔ (یعنی کوشش کے باوجود بھی تو ایسی فصاحت الفاظ کی اس ترتیب کو بدل کر نہ لا سکے گا)

توضیح

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کے بقول قرآن کی اس صفت اعجاز کو ''الفاظ کا اعجاز'' کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

"کسی زبان کا کوئی شاعر یا ادیب خواہ اپنے فن میں کمال کے کتنے ہی بلند مرتبے تک پہنچا ہوا ہو۔ وہ اس بات کا یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کے کلام میں کبھی کوئی غیر فصیح لفظ استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ بسا اوقات انسان کسی غیر فصیح لفظ کے استعمال پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن پورے قرآن کریم میں الحمد سے لے کر والناس تک نہ صرف یہ کہ کوئی لفظ کہیں غیر فصیح نہیں ہے بلکہ ہر لفظ جس مقام پر آیا ہے وہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایسا اٹل ہے کہ اسے بدل کر اس کی فصاحت و بلاغت کے ساتھ دوسرا لفظ لانا ممکن ہی نہیں۔" (علوم القرآن ۲۶۲)

جیسا کہ مصنف دامت برکاتہم نے بھی چوتھی منزل کے آخر میں یہی ارشاد فرمایا ہے

لغات: مسحة: اثر، نشان۔ یسترعی: متوجہ کرنا، توجہ مبذول کرانا۔ یستھوی: لبھانا، دل موہ لینا، مسحور کرنا، دل و دماغ پر چھا جانا۔ اعتل: بیمار ہونا، خراب ہونا، بگڑنا۔ اختل: خراب ہونا، بگڑنا۔ سقم: بیمار، بیماری۔ متین: مضبوط۔ سائغ: شان و شوکت والا۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اس وضاحت سے ہمارے سامنے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ بے شک قرآن کریم اپنے اسلوب میں منفرد (و یکتا) ہے کیونکہ یقیناً یہ کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے اور اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا ہوتا تو یہ ایسے مرتبہ پر آتا کہ اصحاب عرب یا ان کے بعد آنے والوں میں سے ہمارے اس زمانے تک کے (کسی کے) اسلوب کے مشابہ ہوتا۔ (ارشاد باری تعالیٰ)

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۸۲)

"اگر یہ ہوتا کسی اور کا اللہ کے سوا تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔" (تفسیر عثمانی)

یقیناً عربوں نے یہ حق (یہ مطلب) محسوس کر لیا (تھا) اور ان کے (فصحاء و) بلغاء نے یہ یقین کر لیا تھا ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ (ساکت اور) لاجواب نہ ہوتے اور نہ ہی وہ اس سے باز رہتے کیونکہ انہوں نے کلام کی وہ قسم دیکھی کہ جو ان کی طبائع کی دسترس سے باہر تھی۔

اور وہ قرآن کی غیر مخلوق طبیعت (وخاصیت) کا معارضہ کر بھی کیسے سکتے تھے۔

فضیلت الشیخ (علامہ) زرقانی اسلوب قرآن کے خصائص کے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں۔

"قرآن کا ایک عجیب پرکشش اثر ہے جو اس کے نظام صوتی اور جمال لغوی میں روشن ہو کر سامنے آتا ہے اور قرآن کے نظام صوتی سے ہماری مراد یہ ہے کہ قرآن کا اپنی حرکات و سکنات اور غنون اور مدوں اور اتصالات و سکتوں میں عجیب طریقے سے جڑا اور شاندار طرز پر ملا ہوا ہونا ہے کہ جو کانوں کو ایسے طریقے سے (اپنی طرف) متوجہ کرتا ہے اور دلوں کو اس طرح موہ لیتا ہے (اور جیبوں کو بھاتا ہے) کہ کسی دوسرے کلام کو خواہ نظم ہو یا نثر اس (درجہ اور طریقہ) تک پہنچنا ممکن (ہی) نہیں۔"

اور قرآن کے جمال لغوی سے ہماری مراد یہ ہے کہ یہ (الفاظ قرآنی کا) وہ عجیب مظہر ہے کہ جس کے ذریعہ قرآن اپنے

حروف کے وصف اور حرکات کی ترتیب میں ممتاز ہے ایسی ترتیب کہ جس سے بڑھ کر ترتیب (رتبہ و مرتبۂ فصاحت و بلاغت میں) کمتر ہے کہ انسان اپنے کلام میں جس میں منہمک رہتے ہیں۔ اور تحقیق کہ یہ جمال لفظی اعجاز کی اس (مرتبہ) چوٹی تک پہنچی ہے کہ اگر قرآن میں کوئی انسانی کلام داخل ہو جائے تو قرآن پڑھنے والوں کے منہ میں اس کا ذائقہ بگڑ جائے اور اس کے سننے والوں کا کانوں میں اس کا نظام خراب ہو جائے۔

اس جمال لفظی اور نظام صوتی کی ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ (یہاں) وہ ایک پہلو سے قرآن کے اعجاز کی دلیل ہیں (رہیں) وہ دوسرے پہلو سے قرآن کی حفاظت کی ایک مضبوط دیوار بھی ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ (قرآن کے) جمال لفظی اور نظام صوتی کی یہ شان ہے کہ وہ کانوں کو متوجہ کرتا ہے اور وہ توجہ کو جوش دیتا ہے اور اس قرآن کریم کی حرف بحرف انسان میں توجہ کے سبب کو تمیز کرتا ہے۔ اور اسی سبب سے یہ قرآن باقی رہے گا (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) مخلوق کی زبانوں اور کانوں پر محفوظ رہے گا اور مخلوق کے درمیان اپنی نوعیت اور ذات سے متعارف رہے گا۔ وہ کوئی شخص اس میں تغیر و تبدیلی کی جرأت نہ کرے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول کے مصداق ہونے کی وجہ سے۔

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹) ❶

"ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

ومن خصائص أسلوب القرآن العظيم أنه يخاطب العقل والقلب معاً ويجمع الحق والجمال معاً انظر إليه وهو في معمعان إقامة الدليل العقلي على البعث والنشور في مواجهة المنكرين المكذبين كيف يسوق حديثه سوقاً يهز القلوب هزاً ويمتع العاطفة امتاعاً بما جاء في طي هذه الأدلة المسكتة المقنعة إذ قال سبحانه في سورة (فصلت):

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ وسمع إليه في سورة (ق) إذ يقول: ﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ۝ رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ۝﴾

تأمل هذا الأسلوب البارع الذي أقنع العقل وأمتع العاطفة في آن واحد حتى في الجملة التي هي بمثابة النتيجة من مقدمات الدليل إذ قال في الآية الأولى ﴿إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَى﴾ وفي الآيات الأخيرة قال ﴿كَذَلِكَ الْخُرُوجُ﴾ أي الخروج من القبور والبعث والنشور

---

❶ اس کے لئے دیکھیں مناہل العرفان جلد ۲ صفحہ ۳۰۸۔

با للجمال الساحر، وبا للإعجاز الباهر، الذی یستقل عقل الانسان وقلبه معا، بأنصع الأدلة، وأجمل البیان، فی هذه الكلمات المعدودات؟

ثم انظر الی القرآن وهو یسوق قصة (یوسف) مثلاً كیف یأتی فی خلالها بالعظات البالغة، ویطلع من خلالها بالبراهین الساطعة، علی وجوب الاعتصام بالعفاف، والشرف، والأمانة، إذ قال فی فصل من فصول تلك القصة الرائعة: ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهٗ رَبِّیْٓ أَحْسَنَ مَثْوَایَ إِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

فتأمل فی هذه الآیة كیف قوبلت دواعی الغوایة الثلاث، بدواعی العفاف الثلاث، مقابلة صورت من القصص الممتع جدا لا عنیفا بین (جند الرحمن) و (جند الشیطان) ووضعتهما امام العقل المنصف فی كفتی میزان؟ وهكذا تجد القرآن كله مزیجا حلوا سائغا! فهل تسعد بمثل هذا فی كلام البشر؟ لا، ثم لا، فالكلام البشری إن وفی بحق العقل، بخس العاطفة حقها، وإن وفی بحق العاطفة بخس العقل حقه، حتی لقد بات العرف العام یقسم الاسالیب البشریة الی قسمین، لا ثالث لهما (اسلوب علمی) و (اسلوب ادبی) فطلاب العلم لا یرضیهم اسلوب الادب، وطلاب الادب لا یرضیهم اسلوب العلم، وهكذا تجد كلام العلماء والمحققین فیه من الجفاء والعری، مالا یهز القلوب ویحرك النفوس، وتجد فی كلام العلماء والمحققین فیه من الجفاء والعری مالا یهز القلوب و یحرك النفوس و تجد فی كلام الأدباء والشعراء، من الهزال والعقم العلمی ما لا یغذی الأفكار ویقنع العقول، اما القرآن لقد انفرد بهذه المزیة بین انواع الكلام، لانه تنزیل من القادر الذی لا یشغله شان عن شان ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ .....

لغات: معمعان: شدت، جوش۔ المقنع: لاجواب کرنے والا، مطمئن کرنے والا، تسلیم کروانے والا۔ اعتصام: تھامنا، پکڑنا۔ الغوایۃ: گمراہی۔ الممتع: مفید۔ عنیف: سخت۔ مزیج: ملا ہوا، باہم دگر مرتب۔ کفتان: لفت کی تثنیہ، پہلو، جانب۔ الجفاء: بے رخی۔ العقم: بے اثر، نتیجہ بیکار۔

ترجمہ: (مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"قرآن عظیم کے اسلوب کے خصائص میں سے (ایک بات) یہ (بھی) ہے کہ وہ عقل اور دل (دونوں کو) بیک وقت مخاطب کرتا ہے اور حق اور جمال کو جمع کرتا ہے تو قرآن کی طرف (ذرا) دیکھ کر وہ منکرین کذبین کے بالمقابل قیامت اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر دلیل عقلی قائم کرنے کے جوش میں اپنے استدلال کو کیسے ان مثالوں سے بیان کرتا ہے کہ جو دلوں کو جھنجوڑ کے رکھ دیں اور جذبات کو تسکین (بھی) دیں کہ جن کو وہ ان سنگت اور لاجواب دلائل کے ضمن میں لایا ہے۔"

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ فصلت میں فرماتے ہیں۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (حم السجدة: ۳۹)

"اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی پڑی پھر جب اتارا ہم نے اس پر پانی تازی ہوئی اور ابھری بے شک جس نے اس کو زندہ کیا وہ زندہ کرے گا مردوں کو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

اور تو ارشاد باری تعالیٰ کو ذرا غور سے (کان لگا کر) سن کہ وہ سورۃ (ق) میں ارشاد فرماتا ہے۔

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ۝ رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ۝﴾ (ق: ۹-۱۱)

"اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا پھر اگائے ہم نے اس سے باغ اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے اور کھجوریں لمبی ان کا خوشہ ہے تہ بہ تہ روزی دینے کو بندوں کے اور زندہ کیا ہم نے اس سے ایک مردہ دیس کو یونہی ہوگا نکل کھڑے ہونا۔" (تفسیر عثمانی)

(اور) تو اس پاکیزہ مطلوب پر (بھی) غور کر کہ جو ایک ہی وقت میں عقل کو (بھی) لاجواب کر دیتا ہے اور جذبات کو (بھی) تسکین دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس بحث میں کہ جو مقدمات و دلیل کے نتیجے کے بجائے ہے کہ اللہ تعالیٰ (اس سے) اگلی آیت میں فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ﴾ (فصلت: ۳۹)

"بے شک جس نے اس کو زندہ کیا وہ زندہ کرے گا مردوں کو۔" (تفسیر عثمانی)

اور آخری آیت میں فرماتے ہیں ﴿كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ﴾ یعنی قبروں سے نکلنا اور (روز قیامت) اٹھنا اور (قبروں سے زندہ ہو کر) نکل کھڑے ہونا۔

کیا ہی سحر انگیز حسن ہے اور کیا ہی دلفریب (اور حیرت انگیز) اعجاز ہے کہ جو انسان کے دل اور عقل کو ان چند کلمات میں کیسی روشن دلیلوں اور کیسے خوبصورت بیان کے ساتھ یکساں طور پر مخاطب کرتا ہے۔

پھر تو قرآن کی طرف دیکھ کہ وہ مثلاً یوسف (علیہ السلام) کا قصہ بیان کرتا ہے کہ وہ اس قصے کے دوران کیسی بلیغ نصیحتیں کرتا ہے اور اس قصے کے دوران روشن دلائل کے ساتھ پاکیزگی شرافت اور امانت کو لازم پکڑنے کو کہتا ہے۔ کہ اس نہایت شاندار قصے کے مختلف واقعات کے دوران ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾ (یوسف: ۲۳)

"اور پھسلایا اس کو اس عورت نے جس کے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کر دیے دروازے اور بولی شتابی کر

کیا خدا کی پناہ وہ عزیز مالک ہے میرا، اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو، بے شک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

پس ذرا اس آیت میں غور کیجیے کہ زنی کے تین دواعی کو پاکیزگی کے تین دواعی سے مقابلہ لایا گیا ہے ایک مفید تمدنی صورت میں رحمٰن کے لشکروں اور شیطان کے لشکروں کے درمیان سخت (مقابلہ اور) لڑائی کرتے ہوئے۔ پھر تو ان دونوں باتوں کو انصاف پسند عقل کے سامنے (انصاف کے) ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھ دے۔ تو پورے قرآن کو اسی طرح باہم ملا ہوا شیریں اور خوشگوار پائے گا جو چیزوں پر دلائل عقلیہ کو گلے سے اتارنے کو آسان کر دیتا ہے اور آدمی کو عقلوں سے نرم جذبات کی طرف پھیر دیتا ہے کیا تو آدمی کے کلام میں اس جیسا نظارہ پا سکتا ہے؟ نہیں (نہیں) پھر تحقیق جب آدمی کا کلام اگر عقل کا حصہ پورا کرے تو وہ جذبات کے حق میں کمی کر دیتا ہے اور اگر وہ جذبات کا حق ادا کرے تو وہ عقل کا حق کم کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ عرف عام اسالیب بشریہ کو دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے کہ جن کی تیسری قسم نہیں ہوتی (ایک) اسلوب علمی اور (دوسرے) اسلوب ادبی ہیں (اسلوب) علمی کے طلباء کو اسلوب ادب پسند نہیں آتا اور (اسلوب) ادبی کے طلباء انہیں اسلوب علم پسند نہیں آتا اور اسی طرح تو علماء اور محققین کے کلام میں وہ پھیکا پن اور خالی پن دیکھے گا جو دلوں کو تو جھنجھوڑے اور چہروں کو نہ (اس) بیزار کرے۔ اور تو ادباء اور شعراء کے کلام میں وہ کمزوری اور غلطی یا کجی پن دیکھے گا کہ جو افکار (و نظریات) کو (تازہ) غذا نہ دے اور عقلوں کو مطمئن نہ کرے۔

البتہ قرآن تو وہ اس خصوصیت (اور خوبی) میں کلام کی تمام انواع میں منفرد (اور نادرۂ روزگار) ہے کیونکہ یہ اس قادر کا اتارا ہوا ہے کہ جس کو ایک کام دوسرے سے غافل نہیں کرتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ❶ (غافر: ۶۴)

"سو بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

اس مضمون کو علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم ان الفاظ کے ساتھ ادا فرماتے ہیں:

حقانیت قرآن

"قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ بہت دعوے اور دلائل کی بات تو دور ہے لیکن جو شخص بھی غیر جانبداری اور اخلاص کے ساتھ اس کو پڑھے گا وہ بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ قرآن کریم بیک وقت عقل اور دل دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی صداقت اور حقانیت دل

❶ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے مناہل العرفان ص ۲۱۔

میں اترتی چلی جاتی ہے اور قرآن کی حقانیت کے دلائل پر غور کیا جائے تو ایک غیر مسلم تک کو بھی اس کی حقانیت تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔" (علوم القرآن صفحہ ۲۲۱)

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ قرآن کی اس خصوصیت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ہر شاعر کی سحر کاری ایک ہی فن تک محدود ہوتی ہے اس کا کلام دوسرے مضامین کے بیان میں بالکل پھیکا پڑ جاتا ہے جیسا کہ شعراء عرب کے متعلق مشہور ہے کہ امراء القیس کے اشعار شراب، کباب، عورتوں کے ذکر اور گھوڑوں کی تعریف میں بے مثل اور لاجواب ہیں۔ نابغہ کے اشعار خوف و ہیبت کے بیان میں اعشیٰ کے شعر حسن طلب اور شراب کے وصف میں، زہیر کے اشعار رغبت اور امید کے بیان میں بے نظیر ہوتے ہیں۔ شعراء فارس نظامی اور فردوسی جنگ و جدل کے بیان میں یکتا ہیں۔ سعدی غزل گوئی کے بادشاہ ہیں تو انوری قصیدہ گوئی کے امام ہیں۔"

اس کے برعکس قرآن حکیم خواہ کوئی مضمون بیان کرے ترغیب کا ہو یا ترہیب کا ڈرانے والا ہو یا نصیحت کا ہر مضمون میں اس کی فصاحت کا سورج نصف النہار کو پہنچا ہوا ہے۔ (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۰۹)

اس مضمون کو مولانا سید سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے رحمۃ للعالمین جلد ۳ صفحہ ۲۹۷ میں نہایت عمدہ بیان کیا ہے کہ جو گزشتہ میں گزر گیا۔

(۳) الوجه الثالث من وجوه الإعجاز: ذلك الأسلوب الرائع، والمعجزة الخارقة التي ليس بإمكان مخلوق من البشر أن يحيط بها، أو يأتي بمثلها لأنها فوق الطاقة البشرية والقدرة الإنسانية. لقد كان البدوي، راعي الغنم، يسمع القرآن فيخر ساجدا لله رب العالمين، وذلك لروعة هذا الكتاب المجيد، ولما يفعل به في نفوس السامعين، وهو دليل رقة الإحساس، ولطف الشعور من أولئك الرعاة الجفاة.

قصة الجارية والأصمعي:

يروى أن (الأصمعي) خرج ذات يوم فلقي جارية خماسية أو سداسية، وسمعها تنشد أبياتا من الشعر رائعة، فأعجب بتلك الأبيات وهزت منه النفس والقلب، بجمال أسلوبها، وروعة بيانها، وفصاحة ألفاظها، فقال لها: قاتلك الله ما أفصحك؟ فقالت له: ويحك أو يعد هذا فصاحة بعد قول الله تبارك وتعالى ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾ ثم قالت له: لقد جمعت هذه الآية على وجازتها بين أمرين، ونهيين، وخبرين، وبشارتين - الخ قال الأصمعي فأعجبت بفهمها وإدراكها أكثر مما أعجبت بشعرها، فهي جارية بدوية صغيرة السن

ولكنها واسعة العلم والفهم، أما الأبيات التي كانت تنشدها فهي قولها:

أستغفر الله لذنبي كله	قبلت إنساناً بغير حله
مثل الغزال ناعماً في دله	وانتصف الليل ولم أصله

وقد أشارت هذه الجارية على الأصمعي بروعة ما في القرآن من بلاغة وفصاحة، وإيجاز وإعجاز، فالآية الكريمة جمعت بين أمرين وهما (أرضعيه) و (ألقيه في اليم) ونهيين وهما (لا تخافي) و (لا تحزني) وخبرين وهما (أوحينا) و (خفت) وبشارتين وهما (إنا رادوه إليك) و (جاعلوه من المرسلين) فالبشارة الأولى برده إليها سليماً كريماً، والبشارة الثانية وهي أن الله سبحانه وتعالى سيجعله رسولاً هادياً. فانظر رعاك الله – كيف أدركت هذه الجارية البدوية بفطرتها العربية سراً من أسرار هذا الإيجاز والإعجاز، وانتبهت إلى ما لم يدركه هو من أسرار هذا القرآن، فكأن الآية نظمت في عقد من اللؤلؤ والمرجان، فكانت لألئها بميزان .

(ب) ويروى أن (ابن المقفع) الكاتب البليغ المشهور، حاول أن يعارض القرآن ذات مرة، فسمع صبياً يقرأ قوله تعالى: ﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ فكسر الأقلام، ومزق الصحف التي كان قد بدأ بها في المعارضة وقال: هذا والله مما لا يستطيع البشر أن يأتوا بمثله، فمزق ما جمع واستحيا على نفسه من إظهاره .

وهكذا رجع الأديب الكبير البليغ عن عزمه، بعد أن حدثته نفسه بمعارضة بعض سوره لأنه شعر بروعة القرآن.

ثم انظر إلى الجزالة والإيجاز في أسلوب القرآن، وقارنها بأروع أسلوب نطق به عربي، وهو أسلوب أفصح من نطق بالضاد، سيد المرسلين محمد بن عبدالله الذي شهد ببلاغته وفصاحته أعداؤه قبل أنصاره، قارن بين (القرآن والسنة النبوية) تجد الفرق شاسعاً والبون بعيداً، كفرق ما بين السماء والأرض، فبلاغة القرآن وبيانه وإشراقه في أعلى طبقات الإحسان، وأرفع درجات الإيجاز والبيان، تأمل قوله ﷺ في صفة الجنة وما فيها من نعيم وخلود

فيها ما لا عين رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر .. الحديث، وقارن بين هذه الألفاظ على روعتها، وبين قوله تعالى في وصف نعيم أهل الجنة

﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾ الآية. وقوله تعالى ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُم

﴿مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ فهذا أعدل وزناً وأحسن تركيباً وأعذب لفظاً وأجزل عبارةً وأقل حروفاً!!

ووازن بين قوله ﷺ "كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته الرجل راع في بيته ومسؤول عن رعيته" وبين قوله تعالى ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ وقوله ﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ﴾ وكذلك قارن بين سائر أقواله ﷺ وبين القرآن الكريم تجد أن كلام الرسول على بلاغته لا يخرج عن كونه كلام بشر في الذروة العليا من الكلام، أما كلام الله تعالى فلا يشبهه كلام لأنه كلام خالق البشر. انظر إليه وهو يتحدث في جزء آية من آياته المجيدة عن أحوال الأمم السابقين ومآل الجاحدين المكذبين، وما حل بهم من كوارث ونكبات نتيجة لطغيانهم وتمردهم، ثم كيف انتقم الله منهم جميعاً بعد أن جاوزوا الحد في الطغيان فلم ينج منهم إنسان يقول جل ثناؤه

﴿فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾

يقول القرطبي رحمه الله نقلاً عن (ابن الحصار) وهذه الثلاثة وجوه من (النظم والأسلوب والجزالة) لازمة كل سورة بل هي لازمة كل آية وبمجموع هذه الثلاثة يتميز مسموع كل آية وكل سورة عن سائر كلام البشر وبها وقع التحدي والتعجيز ومع هذا فكل سورة تنفرد بهذه الثلاثة من غير أن ينضاف إليها أمر آخر من الوجوه العشرة فهذه سورة الكوثر ثلاث آيات قصار وهي أقصر سورة في القرآن وقد تضمنت الإخبار عن مغيبين:

أحدهما: الإخبار عن الكوثر (نهر في الجنة) وعظمه وسعته وكثرة أوانيه وذلك يدل على أن المصدقين به أكثر من أتباع سائر الرسل.

والثاني: الإخبار عن (الوليد بن المغيرة) وكان عند نزول الآية ذا مال وولد ثم أهلك الله سبحانه ماله وولده وانقطع نسله. (انتهى)

قیامت تک حفاظت جان کی نئی تمدد خوددرخت اگا ان ـ فاعلم زم وناک. قلن وقار ادر مخیوں ـ بلیغ کلام ـ قیامت

انسان کا کلام ہو ـ سابقہ ہو ـ قارن متقدمہ ونذرہ کوارث کا رخ ان یاری سیت ہوا ـ نکبات مکیہ

کی جمع سخت نمرود ـ لرمانی ثمر فسادیہ ہمیں ـ مد بیاں ہمصاف ـ ما

ترجمہ: (قرآن کی) تیسری وجہ اعجاز

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

کیا تھا۔ اور کہنے لگا "خدا کی قسم! (یہ) اس (کلام) میں سے ہے کہ جس کی بشر کو طاقت نہیں کہ اس کا مثل لائے۔" پس اس نے جو جمع کیا تھا وہ پھاڑ ڈالا اور وہ اس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ سے شرمانے لگا۔

اور اس طرح (اس) بڑے (فصیح و) بلیغ ادیب نے اپنے جی میں قرآن کی بعض سورتوں کے معارضہ کے خیال کے بعد اپنا (یہ) ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ اس نے قرآن کی شان و شوکت کو پہچان لیا۔

پھر تو قرآنی اسلوب کی فصاحت اور ایجاز میں نظر کر۔ اور پھر اس کو سب سے شاندار اسلوب سے ملا کہ جس کو ایک عرب نے بولا۔ یہ اسلوب ضاد کے ادا کرنے والے سے بھی زیادہ فصیح ہے کہ جو سید المرسلین محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جن کی فصاحت و بلاغت کی ان کے دشمنوں نے بھی ان کے (اعوان و) انصار (اور مددگاروں) سے (بھی) پہلے گواہی دی۔ تو قرآن اور حدیث کو ملا تو ان کے درمیان طویل فاصلہ اور بڑی دوری پائے گا۔ جیسے آسمان اور زمین کا فرق ہوتا ہے چنانچہ قرآن کی (فصاحت و) بلاغت اس کی شگفتگی (و تر و تازگی) اور اس کی چمک (رنگ اور اس کا نور معرفت) احسان کے اعلیٰ طبقات اور ایجاز و بیان کے اونچے درجات میں ہے تو جنت کی صفت اور اس کی نعمتوں اور ہمیشگی کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں غور کر۔

فیها ما لا عین رأت، ولا اذن سمعت، ولا خطر علی قلب بشر. (الحدیث)

"جنت میں وہ نعمتیں ہیں کہ جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور کسی کان نے (ان کے بارے میں) سنا نہیں۔ اور نہ ہی کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا ہے۔"

تو ان الفاظ کی شان و شوکت اور اہل جنت کی نعمتوں کے وصف میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کو ملا (اور پھر دیکھ)

﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾ (الزخرف: ۷۱)

"اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پائیں۔" (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ (السجدۃ: ۱۷)

"سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھری ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک۔" (تفسیر عثمانی)

کہ یہ ارشاد خداوندی زیادہ معتدل وزن، زیادہ خوبصورت ترکیب، زیادہ عمدہ الفاظ، زیادہ (فصیح و) بلیغ عبارت اور کم حروف والا ہے۔

اور تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول:

کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیته، الرجل راع فی بیته ومسؤول عن رعیته. (الحدیث)

"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر کا نگہبان ہے اور آدمی سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

(بھی) یہ دو معانی کے اظہار کو شامل ہے۔

(۱) ایک یہ کہ یہ جنت کی ایک نہر کوثر اس کی بڑائی (چوڑائی اور) وسعت اور اس کے (کنارے رکھے ہوئے) برتنوں کی کثرت کی خبر دیتا ہے اور یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والے دوسرے (انبیاء و) مرسلین کے ماننے والوں سے زیادہ ہوں گے۔

(۲) دوسرے یہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں خبر دیتی ہے کہ تحقیق وہ اس آیت کے نزول کے وقت (بڑے) مال و اولاد والا تھا۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے مال اور اولاد کو برباد کر دیا ❶ اور اس کی نسل ختم ہو گئی۔ (ابن حصار کا کلام ختم ہوا) ❷

قرآن مجموعہ صفات ہے

توضیح

جس شخص نے بھی قرآن پر جس زاویہ سے نگاہ ڈالی ہے اس کو قرآن اس صفت میں بے مثل اور یکتا نظر آیا ہے۔ حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم قرآن کی اس اعجازی صفت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"علمائے بلاغت نے اسلوب کی تین قسمیں قرار دی ہیں (۱) خطابی (۲) علمی اور (۳) ادبی۔ ان تینوں قسموں کے دائرے الگ الگ ہیں، ہر ایک کی خصوصیات جدا اور مواقع مختلف ہیں۔ اور ایک ہی عبارت میں ان تینوں اسالیب کو جمع کر دینا ممکن نہیں ہے۔ آپ جب تقریر کرتے ہیں تو آپ کا انداز اور ہوتا ہے اور جب کوئی ادبی نثر لکھتے ہیں تو اس کا اسلوب بالکل جدا ہوتا ہے اور جب کوئی علمی مقالہ لکھتے ہیں تو اس کا اسلوب کچھ اور اختیار کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ وہ ان تینوں اسالیب کو ساتھ لے کر چلتا ہے اس میں خطابت کا زور ادب کی شگفتگی اور علم کی متانت ساتھ ساتھ چلتی ہے اور کسی چیز میں کوئی کمی نہیں آنے پاتی۔" (علوم القرآن صفحہ ۲۶۳)

قرآن ایجاز و اختصار اور کثرت معانی کا حسین مجموعہ

قرآن کی اس خوبی پر کہ جس کو مؤلف کتاب دامت برکاتہم نے ذکر فرمایا ہے، علامہ رحمت اللہ صاحب کیرانوی ان الفاظ کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔

"سورۂ ص" کی ابتدائی آیات پر غور کیا جائے کہ کس عجیب طریقہ پر اس کی ابتداء کی گئی ہے، کفار کے واقعات اور ان کی

---

❶ مؤلف کتاب "الابتر" کا معنی بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں: "ابتر وہ ہوتا ہے کہ جس کی کوئی اولاد و نسل نہ ہو۔ (اور اگر ہو بھی تو منقطع ہو جائے)" "الشانی" کا معنی ہے بغض رکھنے والا (دشمن) علامہ زمخشری نے فرمایا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی۔

❷ اس کے لیے دیکھئے علامہ قرطبی کی شہرۂ آفاق تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" جلد ۱ صفحہ ۷۰۔

مخالفت و عناد کے بیان کے ساتھ گزشتہ امتوں کے ہلاک کیے جانے سے اس کو تنبیہ کی گئی ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا اور قرآن کریم کے نازل ہونے پر ان کا حیرت اور تعجب کرنا بیان کیا گیا۔ پھر ان کے سرداروں کا کفر پر متفق ہونا ان کے کلام میں حسد کا نمایاں ہونا اور ان کی تجہیز و تحقیر و دنیا و آخرت میں ان کی رسوائی اور ذلت کی دھمکی ان سے پہلی قوموں کی تکذیب کا بیان اور اللہ کا ان کو ہلاک کرنا قریش اور ان کے دوسرے سرداروں کو امم سابقہ کی سی ہلاکت کی دھمکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ایذا رسانی پر صبر کی ترغیب اور آپ کی دلداری اور تسلی اس کے بعد داؤد ایوب سلیمان ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام کے واقعات کا بیان۔

یہ سب مضامین اور واقعات بہت ہی مختصر اور تھوڑے تھوڑے الفاظ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۲۱۲-۲۱۳)

علامہ شبیر احمد عثمانی اس کو اور بھی زیادہ واضح انداز میں بیان فرماتے ہیں۔

قرآن میں ایک مضمون دوسرے سے مغلوب نہیں ہوتا

"انسان چونکہ مخلوق ہے اور کمزور مخلوق ہے اس لئے جب اس پر کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کے مقابل والی حالت مضمحل اور مغلوب ہو جاتی ہے بڑے سے بڑا قادر الکلام پیکر اور جب غصہ میں بھرا ہوا مضمون بیان کرتا ہے تو عین اسی وقت ملاطفت اور مہربانی کی تقریر ویسے زور سے نہیں کر سکتا۔ اسی طرح شفقت و رحمت کے ساتھ اگر غضب و عتاب کی بھی ضرورت ہو تو دونوں کا مساویانہ توازن قائم رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے یہ صرف خداوند اکبر ہی کی ذات کا خاصہ ہے جس کی ایک صفت دوسری صفت کے لئے مزاحم نہیں ہوتی۔ اور جس کو ایک شان دوسری شان سے مشغول نہیں کر سکتی۔ وہ ہر وقت و ہر آن تمام متقابل صفات کے ساتھ متصف ہے اس لئے اس کے کلام کو جب ہم پڑھتے ہیں تو رحمت کے ساتھ غضب وعدہ کے ساتھ وعید تبشیر کے ساتھ انذار اور خوف جب ترازو کے دو پلوں کی طرح ہمیں برابر نظر آتے ہیں۔ جن میں سے کوئی بھی دوسرے سے جھکا نہ ہو۔ عین غصہ کے وقت پیار اور پیار کے ساتھ غصہ اس طرح کہ ایک کا بیان وزن میں دوسرے سے گھٹنے نہ پائے۔ یہ صرف اسی رب العالمین کے کلام میں دیکھا گیا ہے۔ (اعجاز القرآن صفحہ ۹۳-۹۴)

۴- التشریع الالٰہی الکامل:

ومن وجوہ إعجاز القرآن الکریم ذلک التشریع الالٰہی الکامل، الذی یسمو فوق کل تشریع وضعی عرفہ البشر، فی القدیم والحدیث، فالقرآن الکریم ہو الذی وضع أصول العقائد، وأحکام العبادات، وقوانین الفضائل والآداب، وقواعد التشریع الاقتصادی، والسیاسی والمدنی، والاجتماعی، وہو الذی نظم حیاۃ الاسرۃ والمجتمع، ووضع أعدل المبادیء الانسانیۃ الکریمۃ التی ینادی بہا دعاۃ الإصلاح فی القرن العشرین ألا وہی (المساواۃ الحریۃ،

العدالة التي يسمونها (الديمقراطية، الشورى) إلى غير ما هنالك من أسس الحضارة والتشريع، الذي تسعى إليه المدنية الحديثة، ففي العقائد دعا القرآن إلى عقيدة طاهرة سامية واضحة جلية، عمادها الإيمان بالله عز وجل والتصديق بجميع أنبيائه ورسله، والإيمان بجميع الكتب السماوية مصداقاً لقوله تعالى:

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ ودعا أهل الكتاب (اليهود والنصارى) إلى كلمة سواء، لا انحراف فيها ولا التواء، قال تعالى: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ٦٤) وفي العبادات جاء القرآن العظيم بأسس العبادات ودعائمها، فشرع الصلاة والصيام والحج والزكاة وسائر أعمال البر والطاعة، وليست (العبادة) في الإسلام قاصرة على هذه الدعائم والأركان، بل هي تشمل كل عمل خير، وفعل بر أو طاعة، ولهذا فإن العلماء قرروا أن كل عمل يقصد به الإنسان وجه الله يكون عبادة، وقالوا (إن النية الصالحة تقلب العادة إلى عبادة) فإذا عمل الإنسان واحترف له صنعة بقصد التعفف عن الحرام والإنفاق على أهله وعياله، وإذا أكل أو شرب بقصد التقوي على طاعة الله كان عمله عبادة يثاب عليها، والأصل في هذا قول النبي الكريم: "وإنك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله إلا أجرت عليها، حتى اللقمة تضعها في في امرأتك. الحديث. وقوله ﷺ "وفي بضع أحدكم صدقة، قالوا يا رسول الله: أيأتي أحدنا شهوته ويكون له فيها أجر؟ قال: أرأيتم لو وضعها في حرام أكان عليه وزر؟ فكذلك إذا وضعها في حلال كان له أجر" وإذا أمعنا النظر في أصول العبادات المفروضة نجد أن الإسلام قد وسّعها ونوّعها، وجعلها ضروباً متفاوتة، فمنها ما هو (عبادة مالية) كالزكاة والصدقات، ومنها ما هو (عبادة بدنية) كالصلاة والصيام، ومنها ما هو يجمع بين الأمرين (عبادة مالية وبدنية) كالجهاد في سبيل الله يكون بالمال والنفس وهذا التنويع له مغزاه وحكمته السامية وذلك لئلا تألف النفس شيئاً فتصبح لها عادة أو تمل وتضجر من العبادة الواحدة. وفي مجال (التشريع العام) نجد القرآن العظيم قد وضع قواعد عامة في التشريع المدني، والجنائي، والسياسي، والاقتصادي، ووضع أسساً للتعامل الدولي في حالة السلم والحرب، على أكمل وجه وأعدل نظام، ففي أمر المعاملات حرم القرآن أكل أموال الناس بالباطل ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ

بينكم ﴾ الآية. ودعا إلى الإشهاد عند ابرام البيع وبكتابة الدين "يا أيها الذين آمنوا إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمًّى فاكتبوه وليكتب بينكم كاتب بالعدل" الآية وفي الأمور الجنائية شرع القرآن الحدود، وأوجب على الأمة تنفيذها من أجل حماية المجتمع وصيانته من الفوضى والاضطراب وتأمين الأمة على حياتها ومستقبلها، وأموالها وأعراضها لتعيش الحياة الكريمة السعيدة التي لن تكون إلا عن طريق (الأمن والاستقرار)

وقد نص القرآن الكريم على أمهات الجرائم، وأعظمها خطراً على مستقبل الفرد والجماعة، ووضع لكل منها عقوبات مقدرة لا يجوز الزيادة عليها أو النقصان منها، أو التساهل في تطبيقها، وترك ما سوى ذلك من (الجرائم الخفيفة) للحاكم المسلم يطبق فيها ما يراه من العقوبة على ضوء السنة النبوية المطهرة، وبالشكل الذي يحقق روح الإسلام من إرادة الخير للناس، وتطهير المجتمع من المفاسد والمظالم الاجتماعية، أما الجرائم الكبيرة التي عين لها القرآن عقوبات رادعة فهي خمسة: (جريمة القتل، جريمة الزنى، جريمة السرقة، جريمة قطع الطريق، جريمة الاعتداء على كرامة الناس بالقذف)

ولعل أروع مثل للمقارنة بين (التشريع الإلهي القرآني) وبين (التشريع الوضعي) الذي هو من صنع البشر ذلك الأثر العظيم الذي تركه القرآن الكريم في نفوس العرب بسبب تلك الطريقة الحكيمة التي سلكها في معالجة المفاسد والأمراض الاجتماعية، حيث قضى على كل فساد، واستأصل كل جريمة من نفوسهم وجعلهم خير أمة أخرجت للناس، فملكوا الدنيا وسادوا العالم....

أمثلة من واقع الحياة

ومن الأمثلة على تفوق ذلك التشريع القرآني الحكيم على بقية التشاريع البشرية والنظم الأرضية ما نلمسه في واقع الحياة، ويمكن أن نشير إشارة خاطفة إلى سمو الشريعة الإسلامية على بقية النظم فيما يلي

(١) منذ زمن قريب حرمت (أمريكا) الخمر، ولكنها فشلت ولم تنجح لأنها لم توفق إلى الطريقة الحكيمة التي اتبعها الإسلام في تحريم الخمر، فعادت إلى إباحته مع اعتقادها بضرره الفادح.

(٢) أباحت بعض الدول الغربية وخاصة (أمريكا) الطلاق بعد أن كان ممنوعاً لديها بسبب

تعاليم الكنيسة ولكنها أسرفت به إلى درجة هائلة ولا تزال تأخذ بتشريع الطلاق

(٣) مصلحو أوروبا يرفعون أصواتهم بضرورة السماح (بتعدد الزوجات) حتى بعض نسائهم طالبن بذلك نتيجة لكثرة العوانس من النساء بحيث أصبحت المشكلة ذات أهمية خطيرة على المجتمع الأوروبي

(٤) الخيانات الزوجية انتشرت في المجتمع الأوروبي (المتمدن) بشكل فظيع وبصورة مذهلة حتى أصبحت الأسر مهددة بانفصام عراها وكثر فيها اللقطاء وذلك بسبب السفور والتبرج والاختلاط بين الجنسين .

(٥) إيطاليا أصدرت حكومتها قرارا أو سنت قانونا بمنع البغاء الرسمي في بلادها ومنع النساء من البروز على الشواطىء في ثياب الاستحمام

(٦) زعيم فرنسا الذي شهدت هزيمتها أمام الألمان في الحرب الأخيرة يقول إن سبب انهيار دولة فرنسا وسبب هزيمتها وانكسارها هو انغماسهم في الشهوات الجنسية وإسرافهم في المفاسد والمفاتن

(٧) وأخيرا نجد أن الجرائم تزداد في كل يوم في المجتمع المتمدن (المجتمع الغربي) مع صرامة العقوبات المشروعة عندهم بالحبس والسجن السنوات الطوال أو الإعدام بالشنق ومع ذلك نجد الجرائم المروعة من خطف للفتيات والفتيان وإزهاق للأرواح وسرقات في وضح النهار - للبيوت والبنوك والمحلات الكبيرة حتى لقد أصبحنا نسمع عن وجود عصابات خطيرة تهدد أمن البلاد وسلامة العباد وذلك من أعظم البراهين على فشل النظم الوضعية والتشريعات البشرية أمام الإسلام فقد حقق الأمن والسلام وقضى على الجريمة في مهدها ولقد أحسن من قال:

أينما نظمت عقول ضعاف ... من نظام المهيمن الديان
إنه عصر العشرين ظنوا عصرا ... بين نور جهة ممجد الانسان
لست نورا بل أنت نار وظلم ... مذ جعلت الإنسان كالحيوان

ذلك هو الفرق بين تشريع الرحمن وتشريع الإنسان ولكن أكثر الناس لا يعلمون.

لغات: اقتصادي: معاشي ـ اسرة: خاندان ـ المجتمع: معاشرہ ـ دعاة الاصلاح: مصلحين اصلاحات ـ ديمقراطية: جمہوریت ـ

ترجمہ: چوتھی وجہ اعجاز "کامل تشریع الٰہی"

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں سے ایک اس کا وہ کامل تشریع الٰہی ہونا ہے کہ جو (انسانوں کی) بنائی ہوئی ہر قدیم وجدید تشریع سے بلند ہے کہ جس کو انسان جانتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے عقائد کے اصول عبادات کے احکام فضائل وآداب کے قوانین اقتصادی مدنی سیاسی اور اخلاقی تشریع کے قواعد کی وضاحت فرمائی ہے۔ یہ وہ قرآن ہے کہ جس نے خاندان اور معاشرے کی حیات کی تنظیم کی ہے اور انسانیت کے وہ قابل احترام (اور) عدل (وانصاف کی دولت سے مالا مال) بنیادی اصول جمع کئے ہیں کہ جن کی (آج) بیسویں صدی کے داعیان اصلاح آواز لگا رہے ہیں۔ ہاں ہاں یہ وہ مساوات، حریت اور عدل (وانصاف کے اصول) ہیں جن کا (ان جدید مصلحین یورپ نے) شورائی جمہوریت نام رکھ دیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ تشریعی (قانونی) اور تہذیب (وتمدن) کی بنیادیں ہیں کہ جن (کے قیام وبیان) کی (آج) جدید تہذیب کوشش کر رہی ہے۔ چنانچہ عقائد میں قرآن نے ایک پاک صاف واضح اور روشن عقیدہ کی طرف بلایا ہے کہ جس کا (بنیادی) ستون اللہ عزوجل پر ایمان تمام انبیاء ومرسلین کی تصدیق اور تمام کتب سماویہ پر ایمان ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (البقرۃ: ۲۸۵)

"مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے" (تفسیر عثمانی)

اور اہل کتاب یہود ونصاریٰ کو ایک ایسے (برابر اور) مشترک کلمہ کی طرف بلایا کہ جس میں کوئی انحراف اور کجی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝﴾ (آل عمران: ۶۴)

"تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کا کسی کو اور نہ بنائے کوئی کسی کو رب سوا اللہ کے پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

علامہ سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ:

"جس شخص کو قرآن سے تھوڑا بھی تعلق ہے (جو پچھلی تمام کتابوں کی تعلیمات کی جامع ہے) اس کو قطعی اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ شرک و بت پرستی کے خلاف صف آرائی کرنا اس سے جنگ کرنا اس کو شکست و نابود کرنے کی کوشش کرنا اور لوگوں کو اس کے چنگل سے نجات دلانا یہ نبوت (اور قرآن) کا بنیادی مقصد ہے۔" (منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ص ۲۳ بتصرف)

لغات الفاظ: یمورد: احترف: پیشہ اختیار کرنا' کمائی کرنا۔ اَمعَنَ: گہرائی میں جانا۔ تضجر: تنگ آنا' پریشان ہونا' کبیدہ خاطر ہونا۔ محصلة: ماحصل' مراد' خلاصہ' نتیجہ۔ الجنائی: تشریع الجنائی' فوجداری قانون۔ امہات الجرائم: جرائم کے سرچشمے' بنیادی جرائم' سب جرائم کی جڑ۔

ترجمہ: "اور عبادات میں قرآن کریم نے اہم ترین اور بنیادی عبادات کو بیان کیا ہے۔ پس اس نے نماز' روزہ' حج' زکوۃ اور نیکی و طاعت کے تمام اعمال کو مشروع کیا۔ اسلام میں عبادت (فقط) انہی بنیادی عبادات اور ارکان پر ہی مقصور (اور منحصر) نہیں ہیں بلکہ یہ ہر خیر کے عمل اور نیکی اور طاعت کے فعل کو مشتمل ہے۔ اسی وجہ سے علماء کرام نے یہ بات (طے کی ہے اور) مقرر کی ہے کہ ہر وہ کام کہ جس سے بندہ کو اللہ کریم کی رضا مقصود ہو وہ عبادت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نیک نیت عادت کو (بھی) عبادت بنا دیتی ہے۔"

چنانچہ جب کوئی انسان کوئی کام کرتا ہے اور حرام سے بچنے اور اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے ارادے کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے اور اللہ کی عبادت کے لئے قوت حاصل کرنے کے لئے کھاتا پیتا ہے۔

تو اس کا یہ عمل عبادت ہے کہ جس پر اس کو اجر ملے گا۔ اس میں بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: "بے شک تو نہیں خرچ کرتا ہے کچھ بھی کہ جس سے اللہ کی رضا چاہے مگر تجھ کو اس کا اجر دے گا۔ حتی کہ جو لقمہ کہ تو اپنی بیوی کے منہ میں رکھے (اس پر بھی تجھ کو اجر ملے گا) الحدیث۔ ❶

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم "میں سے کسی کے (اپنی بیوی کی) شرمگاہ میں (آنے کا بھی) صدقہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے اس میں بھی اس کو صدقہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر وہ اس کو حرام میں رکھے تو (کیا) اس کو اس کا گناہ ہوگا؟ پس اسی طرح جب وہ اس کو حلال میں رکھے گا تو اس کا اس کو اجر ہوگا۔" (الحدیث) ❷

---

❶ یہ حدیث بخاری شریف کی روایت ہے کہ جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے قصہ کے بارے میں ہے کہ جب رسول اللہ ان کی تکلیف میں ان کو ملنے گئے۔ ❷ یہ حدیث مسلم شریف کی روایت ہے کہ جو "کل نوع من المعروف صدقۃ" کے باب میں ہے۔ اس کی مکمل حدیث یہ ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! "مال والے تو اجر لے گئے۔"

اور جب ہم فرض عبادات کی (جڑ اور ان کی) اصل میں گہری نگاہ ڈالتے ہیں تو ہم یہ بات پاتے ہیں کہ اسلام نے ان کو بہت وسیع رکھا ہے اور اس کو کئی قسم کا بنایا ہے اور اس کی مختلف صورتیں بنا دی ہیں۔ پس ان میں کوئی عبادت مالیہ ہے جیسے زکوٰۃ صدقات وغیرہ۔ بعض عبادات بدنیہ ہیں۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ اور بعض عبادات دونوں کی جامع ہیں (یعنی عبادت بدنیہ اور مالیہ دونوں کی جامع ہیں) جیسے اللہ کے راستے میں جہاد کہ جو نفس اور مال (دونوں) سے ہوتا ہے۔ اور یہی (عبادات کی تقسیم در) اقسام اسلام کا خلاصہ (اور مقصد و مراد) اور اس کی بلند حکمت ہے۔

اور ایسا اس لئے کہ نفس ایک شے سے مانوس کرنے لگتا ہے پھر (اس کا عادی ہو جاتا ہے اور) وہ اس کی عادت بن جاتی ہے یا (یہ) کہ ایک (ہی طرح کی) عبادت سے نفس اکتا جاتا ہے اور تھک ہو جاتا ہے۔

تشریع عام کے دائرہ کار میں ہم قرآن کو پاتے ہیں کہ اس نے اقتصادی سیاسی فوجداری اور شہری قوانین میں عام (ضابطے اور) قواعد مقرر کئے ہیں۔ اور جنگ اور امن کی حالت میں مالی تعلقات کے لئے نہایت کامل طور پر اور نہایت محکم انصاف نظام کی بنیادیں وضع کی ہیں۔ اور معاملات میں قرآن نے لوگوں کے اموال کو ناجائز طور پر کھانے کو حرام کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾
(النساء: ۲۹)

"اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے۔" (تفسیر عثمانی)

اور قرآن نے (عقد) بیع کو حتمی شکل دینے کے وقت گواہ بنانے اور دین کی کتابت (یعنی اسکو لکھ لینے) کی دعوت دی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ﴾
(البقرۃ: ۲۸۲)

"اے ایمان والو! جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اور چاہیے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے۔" (تفسیر عثمانی)

اور جرائم (اور بد عنوانیوں) کے معاملات میں قرآن نے حدود مشروع کی ہیں اور معاشرہ کی انتشار و اضطراب (اور لا قانونیت اور بد امنی) سے حفاظت و صیانت کے لئے اور امت کی زندگی و مستقبل ان کے اموال اور ان کی عزتوں کو امن دینے کے لئے امت پر ان حدود کی تنفیذ لازم ٹھہرائی ہے۔ تاکہ یہ انسانی معاشرہ وہ باعزت اور باسعادت زندگی گزارے کہ جو صرف اور صرف امن اور سکون سے ہی ممکن ہے۔

تحقیق قرآن کریم نے فرد اور جماعت کے مستقبل کے پیش نظر بنیادی اور بڑے بڑے جرائم کا (واضح) لفظوں میں

ذکر کیا ہے اور ان کی ایسی قرار واقعی سزائیں مقرر کی ہیں کہ جن میں کمی یا زیادتی۔ ان کی تطبیق میں تساہل (اور مداہنت اور چشم پوشی یا سستی) جائز نہیں۔ اور ان کے علاوہ معمولی جرائم کو مسلمان حاکم (کی صوابدید) پر چھوڑ دیا ہے۔

کہ وہ ان جرائم میں سنت نبویہ علیہ کی روشنی میں اپنی رائے میں جو مناسب سمجھے سزا جاری کرے اور اس صورت کو نافذ کرے کہ جو معاشرہ کو اجتماعی مفاسد و مظالم سے پاک کرنے اور انسانوں کی خیر خواہی میں اسلام کی روح کو ثابت کرے۔

البتہ وہ بڑے بڑے جرائم کہ جن کی قرآن (کریم) نے (نہایت سخت) بھاری سزائیں معین (اور مقرر) کی ہیں وہ پانچ ہیں۔

(۱) جرم قتل (۲) جرم زنا (۳) جرم سرقہ (چوری)

(۴) ڈاکہ ڈالنا (۵) لوگوں کی عزتوں پر تہمت دھرنے کے ظلم کا جرم۔

اور یقیناً تشریع الٰہی قرآنی اور تشریع وضعی کہ جو انسانوں کی بنائی ہوئی ہے کے درمیان موازنہ کی سب سے شاندار مثال وہ عظیم الشان اثر ہے کہ جس کو قرآن نے عربوں کے چھوڑ دیا میں اس حکیمانہ طریقہ کے سبب چھوڑا کہ جس پر قرآن (معاشرہ کے) اجتماعی امراض و مفاسد کے معالجہ (اور انسداد) کے لئے چلا کہ قرآن نے ہر فساد (اور برائی) کو ختم کر دیا اور ہر جرم کو ان کے دلوں سے اکھاڑ پھینکا اور انہیں خیر امت بنا دیا کہ جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے (جزیرہ عرب کی طرف) نکالی گئی۔ پس وہ دنیا کے بادشاہ بن گئے اور جہان کے سردار۔

توضیح

مؤلف کتاب موصوف نے ایک نہایت طویل عمیق اور دقیق موضوع چھیڑا ہے کہ جس کا متعلقہ علمی مواد اسلامی ذخیرہ کتب میں از حد منتشر ہے۔

علماء امت نے قرآنی تعلیمات کی جملہ خوبیاں پر اس قدر متنوع الموضوع قلم اٹھایا ہے کہ فقط ان موضوعات کا ہی احاطہ دشوار ہے اور ان موضوعات پر لکھی جانے والی کتب کے اعداد و شمار کے لئے بھی دفتر کے دفتر چاہئیں۔ چونکہ زیر دست موضوع عبادات اور اخلاق اور فلسفہ عقوبات ہے تو اس کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ از حد مفید ہے۔

(۱) ارکان اربعہ (مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

(۲) اخلاق اور فلسفہ اخلاق (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

(۳) حجۃ اللہ البالغہ (حضرت شاہ ولی اللہ)

(۴) رجم کی شرعی حیثیت (مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ)

دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار و نظریات (مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ)

"این نمونہ مشتے از خروارے است" (نسیم)

لغات: تلمس: چھونا، محسوس کرنا۔ الشارۃ محاطفۃ: اچٹتا اشارہ، طائرانہ نظر، سرسری ملاحظہ۔ لفادح: بھاری اور برا، بوجھ۔ سماح: نرمی، ڈھیل، اجازت۔ عواتی: حاسن کی جمع، بے فائدگی، مورث، خوب، بیانی، ہوا یا ہوا مطلق۔ الخضابات ...

الفوضی الزوجیة: ازدواجی بے اعتدالیاں، زن وشوئی کی بدعنوانیاں۔ مستقبح: گھناؤنے۔ مدھشة: ہوش اڑا دینے والی، اوسان خطا کرا دینے والی۔ انفصام: ٹوٹ پھوٹ جانا۔ عرا: مکان کا کڑا۔ لقطاء: لقیط کی جمع، راستہ میں پڑا ہوا نامعلوم بچہ کہ جس کا باپ معلوم نہ ہو۔ راستے سے اٹھایا ہوا بچہ۔ مسفور: عورت کا بے حجاب ہونا۔ التبرج: غیر خاوند کے سامنے بناؤ سنگھار کرنا۔ البغاء الرسمی: سرکاری قحبہ خانہ، بازار حسن۔ لباب الاستحمام: نہانے کے کپڑے۔ السمان: جرمنی۔ انہیار: شکست۔ العمامی: ڈوبنا۔ حبس: قید۔ السجن السنوات الطوال: سالوں کی جیل۔ الشنق: پھانسی دینا۔ عطف: اغواء کرنا۔ ازھاق الارواح: قتل کرنا۔ البنوك: بنک کی جمع بینک (Bank)۔ المحلات الکبیرة: بڑی بڑی عمارتیں۔ پلازے۔ عصابات: عصابہ کی جمع، گروہ جماعت مراد ہے۔ شر پسندوں کا ٹولہ۔

ترجمہ: زندگی کے حقائق سے اس کی مثالیں

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

''اس حکیمانہ تشریع قرآنی کی باقی تمام بشری تشریعات اور زمینی نظاموں پر برتری کی مثالوں میں وہ باتیں ہیں کہ جن کو ہم (اپنی) حقیقی زندگی میں محسوس کرتے ہیں۔ ہم شریعت اسلامیہ کی باقی نظاموں پر برتری کی طرف ذیل میں ایک اچھا سا اشارہ کر سکتے ہیں۔

(۱) قریب زمانے میں ہی امریکہ نے شراب (پر پابندی لگائی اور اس) کو ممنوع (اور حرام) قرار دیا لیکن وہ (اس میں) ناکام ہو گیا اور کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ امریکا نے اس حکیمانہ طریقہ کار سے موافقت نہیں کی کہ جس پر شراب کو حرام کرنے میں اسلام چلا تھا۔ (نتیجتاً) امریکا (دوبارہ) اس کو جائز قرار دینے کی طرف لوٹ آیا باوجود یکہ وہ شراب کے زبردست نقصانات کا اعتقاد بھی رکھتا ہے۔ (علماء کرام نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ (نسیم)

(۲) بعض مغربی ممالک نے خاص طور پر امریکہ نے طلاق کو جائز قرار دیا بعد اس کے کہ وہ گرجا (اور کلیسا) کی تعلیمات کے سبب ان کے نزدیک ممنوع تھی۔ لیکن ان ممالک نے اس میں نقصان دہ حد تک اسراف (اور زیادتی) کی۔ اور (ابھی تک) وہ طلاق کی قانون سازی کر رہے ہیں۔ (کہ جس میں اب تک وہ کوئی معتدل قانون بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکے)

توضیح

(۱) اس کے لئے دیکھیں ''ہمارا معاشی نظام'' مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم

(۲) ''دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار ونظریات'' (مولانا یوسف صاحب شہیدؒ)

ترجمہ: (۳) مصلحین یورپ تعدد ازدواج کی اجازت کی ضرورت کی آواز اٹھا رہے ہیں۔ یہاں تک خود عورتوں نے بے شمار عورتوں کے بغیر شادی کے رہ جانے کے نتیجہ میں خود اس کا مطالبہ کیا ہے کیونکہ یورپی معاشرہ میں یہ مشکل نہایت خطرناک

(۶) فرانس کے صدر نے آخری جنگ میں اپنی شکست کے دن "جرمنی" کے سامنے پکار کر یہ کہا "حکومت فرانس کے گرنے اور شکست و ہزیمت کی وجہ ان کا جنسی شہوات میں ڈوب جانا اور برائیوں اور فتنوں میں حد سے آگے نکل جانا ہے۔

(۷) اور آخری بات یہ ہے کہ ہم ان جرائم کو مہذب معاشرہ (خاص طور پر) مغرب معاشرہ میں ان کے ہاں قید اور سالوں بھری جیل یا پھانسی کی شرعی سزاؤں کی صراحت کے باوجود دن بدن بڑھتا ہوا پا رہے ہیں۔ اور اس کے باوجود ہم ان میں تک جرائم کو بڑھتا پا رہے ہیں۔ جن میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا اغوا کرنا اور لوگوں کی جان لے لینا (انہیں قتل کر دینا) اور دن دیہاڑے گھروں، بنکوں اور بڑے بڑے بازاروں (اور تجارتی منڈیوں) میں چوری کرنا (اور ان میں ڈاکے ڈالنا)۔ یہاں تک کہ تحقیق ہم ایک خطرناک جماعتوں (اور دہشت گرد ٹولوں) کے وجود میں آنے کو دیکھ رہے ہیں کہ جو شہروں کے امن اور لوگوں کی سلامتی کو (تباہ و) برباد کر رہی ہیں۔

اور (یہ بات خود ساختہ) وضعی نظاموں اور بشری (قوانین و) تشریعات کی شکست کی بہت بڑی دلیلوں میں سے ایک ہے۔

البتہ اسلام نے امن و امان کو قائم کیا ہے اور مجرم کو اس کی قبر میں جا اتارا ہے (اور ختم کر دیا ہے) بے شک کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

أيما نظمت عقول ضعاف — من نظام المهيمن الديان

أيه عصر العشرين ظنوا عصرا — نيرا الوجه مسعد الانسان

لست نورا بل انت نار وظلم — مذ جعلت الإنسان كالحيوان

"(انسانی) کمزور عقلیں کہاں (اللہ) محافظ و نگران حاکم کے نظام جیسا نظام بنا سکتی ہیں اے بیسویں صدی تجھے لوگوں نے روشن چہرہ والا اور انسان کو خوش بخت بنانے والا دور سمجھا۔ (تو سن لے کہ) تو نور نہیں نار (آگ) اور ظلم ہے جب سے تو نے انسان کو جانور جیسا بنا دیا ہے۔"

تشریع رحمٰن اور تشریع انسان میں یہی فرق ہے جس کا اکثر لوگ بھولتے نہیں۔ ❶

---

❶ مؤلف کتاب نے یہ مضمون علامہ زرقانی کی مناہل العرفان سے لیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھیں۔ "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" اور "تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات" (از مولانا ابوالحسن علی ندوی) اور "اسلام کا معاشی نظام" مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔

(٥) الإخبار عن المغيبات

ومن وجوه إعجاز القرآن الكريم (إخباره عن المغيبات) وذلك برهان ساطع، ودليل قاطع على أن هذا القرآن ليس من كلام البشر، إنما هو كلام علام الغيوب، الذي لا تخفى عليه خافية، ولو كان من صنع محمد – كما زعموا – لظهرت علائم الوضع في تلك الأخبار الغيبية، بوقوعها على خلاف ما أخبر، ولافتضح أمره بالكذب الصريح، وحاشاه ﷺ من الكذب على الله.

(ألف) فمن هذه الأخبار الغيبية: إخباره عن الحروب التي ستقع بين الروم والفرس، وستكون الغلبة فيها والانتصار للروم بعد أن انكسروا في الحروب السابقة وذلك في قوله تعالى ﴿الٓمٓ ○ غُلِبَتِ الرُّومُ ○ فِيٓ أَدۡنَى ٱلۡأَرۡضِ وَهُم مِّنۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُونَ ○ فِي بِضۡعِ سِنِينَۗ لِلَّهِ ٱلۡأَمۡرُ مِن قَبۡلُ وَمِنۢ بَعۡدُۚ وَيَوۡمَئِذٖ يَفۡرَحُ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ○ بِنَصۡرِ ٱللَّهِۚ﴾ (الروم: ١–٥) يذكر المفسرون في سبب نزول هذه الآية أن حربا وقعت بين دولة الروم وهي (مسيحية) ودولة الفرس وهي (وثنية) فانتصر الفرس على الروم، ففرح المشركون وشمتوا وقالوا للمسلمين: تزعمون أنكم أهل كتاب وأن النصارى أهل كتاب وها قد ظهر إخواننا على إخوانكم، ولنظهرن نحن عليكم، فاغتم المسلمون وحزنوا، لانهزام الروم وهم دولة متدينة أمام دولة الفرس وهم وثنيون، فنزلت الآية الكريمة تبشر المسلمين بانتصار الروم على الفرس في مدة وجيزة تتراوح بين الثلاث والتسع من السنين (في بضع سنين) ولم يكن مظنونا وقت تلك البشارة أن الروم تنتصر على الفرس، لأن الحروب الطاحنة أنهكتها حتى غزيت في عقر دارها، ولأن دولة الفرس كانت قوية منيعة، وزادها النصر الأخير قوة ومنعة. فلما نزلت الآية الكريمة راهن أبو بكر بعض المشركين وهو (أبي بن خلف) على مائة ناقة إلى تسع سنين، ولم تمض المدة حتى وقعت الحرب بين الروم والفرس، فانتصر فيها الروم وانهزمت الفرس وتحققت نبوءة القرآن وذلك ٦٢٢ ميلادية الموافقة للسنة الثانية من الهجرة النبوية، وكسب أبو بكر الرهان فأمره ﷺ بالتصدق به.

وفي الآية نبوءة أخرى وهي أن المسلمين سيفرحون بنصر قريب، في الوقت الذي ينتصر فيه الروم ﴿وَيَوۡمَئِذٖ يَفۡرَحُ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ○ بِنَصۡرِ ٱللَّهِ...﴾ ولقد صدق الله وعده في هذه كما صدقه في تلك، فكان ظفر المسلمين في بدر واقعاً في الظرف الذي

انتصر فيه الروم، وهكذا تحققت النبوءتان في وقت واحد بفضل الله.

يقول الزمخشري: (وهذه الآية من الآيات البينة الشاهدة على صحة النبوة وأن القرآن من عند الله؛ لأنها إنباء عن علم الغيب الذي لا يعلمه إلا الله).

(ب) المبشر بدخول الرسول وأصحابه مكة آمنين مطمئنين: روي أن النبي ﷺ رأى رؤيا في منامه وذلك قبل خروجه إلى الحديبية، رأى كأنه هو وأصحابه قد دخلوا مكة آمنين وقد حلقوا وقصروا، فقص الرؤيا على أصحابه، ففرحوا واستبشروا، وحسبوا أنهم داخلوها من عامهم، وقالوا: إن رؤيا رسول الله ﷺ حق، فلما كان صلح الحديبية خرجوا من المدينة محرمين يسوقون الهدي إلى مكة لا يقصدون حربا، وإنما يقصدون العمرة والنسك، ولكن قريشا صدتهم، وكادت تقع الحرب بين المسلمين والمشركين لولا أن الرسول ﷺ رضي معهم بالصلح إيثارا منه للسلم وحبا للسلام العام، وكان من شروط ذلك الصلح أن يرجع الرسول ومن معه من ذلك العام على أن يدخلوا مكة في العام المقبل، واتخذ المنافقون ضعفاء الإيمان من ذلك سبيلا إلى الطعن والغمز واللمز حتى قال رئيس المنافقين (عبد الله بن أبي): والله ما حلقنا ولا قصرنا، ولا رأينا المسجد الحرام، ولكن نزلت الآية الكريمة تحمل تلك الوعود الثلاثة المؤكدة وهي: دخول مكة، وأداء النسك، والأمن من قريش، على رغم ما هو معروف من غدر قريش ونكثهم العهود، وتقطيعهم الأرحام، وقد أنجز الله وعده في الأمر ودخل المؤمنون مكة آمنين مطمئنين وفي ذلك يقول القرآن الكريم:

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝

(الفتح: ٢٧)

(ج) تنبؤ القرآن بانهزام المشركين قبل وقوع الحرب، وذلك في قوله تعالى في سورة القمر:

﴿أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾ (القمر: ٤٤ - ٤٦)

وسورة القمر مكية، والجهاد لم يشرع إلا في السنة الثانية من الهجرة، فأين هي إذن فكرة الحرب، ومن الذي كان يخطر بخاطره أن ينهزم جمع المشركين، وينتصر

عليهم المسلمون وهم قلة في العدد والعدد؟ ولكنه وعد الله لا يخلف ...

روى عن عكرمة انه قال: لما نزلت هذه الآية ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ قال عمر بن الخطاب أي جمع هذا الذي سيهزم؟ فلما كانت غزوة بدر رأى رسول الله ﷺ وهو يثب في الدرع ويقول ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ فعرف عمر تأويلها وروى عن ابن عباس كان بين نزول هذه الآية وبين بدر سبع سنين ...

(د) تنبؤ القرآن بذلك المستقبل الاسود الذي ينتظر كفار قريش وذلك في قوله تعالى في سورة الدخان:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۝ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ ۝ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ۝﴾ (الدخان: ١٠ - ١٦)

وسبب نزول هذه الآيات الكريمة أن أهل مكة لما كذبوا رسول الله ﷺ واستعصوا وتمردوا عليه؛ دعا عليهم فقال: اللهم أعني عليهم بسبع كسبع يوسف؛ فأخذتهم سنة حصت كل شيء حتى أكلوا الجلود والميتة من الجوع وينظر أحدهم إلى السماء فيرى كهيئة الدخان؛ فأتاه (أبو سفيان) فقال: يا محمد إنك جئت تأمر بطاعة الله وبصلة الرحم وإن قومك قد هلكوا فادع الله لهم فأنزل الله هذه الآيات الكريمة.

قال الزرقاني رحمه الله: وفي هذه الآيات عند التأمل خمسة نبوءات

أولها: الإخبار بما يصيبهم من القحط والجوع حتى يرى الرجل بينه وبين السماء كهيئة الدخان

الثاني: الإخبار بأنهم سيضرعون إلى الله حين تحل بهم هذه الأزمة

الثالث: الإخبار بأن الله سيكشف عنهم ذلك العذاب قليلا

الرابع: الإخبار بأنهم سيعودون إلى كفرهم وعتوهم.

الخامس: الإخبار بأن الله سينتقم منهم يوم البطشة وهو يوم بدر. ثم قال: ولقد حقق الله ذلك كله ما انخرم منه ولا نبوءة واحدة؛ فأصيبوا بالقحط حتى أكلوا العظام وجعل الرجل ينظر إلى السماء فيرى بينه وبينها كهيئة الدخان من شدة جوعه وجهده؛ ثم قالوا متضرعين ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ﴾ ثم كشف الله عنهم العذاب قليلا ثم عادوا إلى كفرهم

وعتوهم' فانتقم الله منهم يوم بدر لبطش بهم البطشة الكبرى حيث قتل منهم سبعون واسر سبعون واديل للمسلمين منهم ارايت ذلك كله هل يمكن ان يصدر مثله من مخلوق! كلا بل هو الله العزيز الحكيم.

ترجمہ: (۵) (قرآن مجید کا پانچواں معجزہ) غیبی واقعات کی خبر دینا ہے

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں سے ایک (قرآن کا) غیبی واقعات کی خبریں دینا ہے اور یہ اس قرآن کے کلام بشر نہ ہونے پر ایک روشن دلیل اور قطعی حجت (ہے اور دلیل ہے) بے شک یہ علام الغیوب کا کلام ہے کہ جس سے کوئی چھپنے والا چھپ نہیں سکتا۔ اگر یہ قرآن آپ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بنایا ہوا ہوتا جیسا کہ وہ کفار کہتے تھے تو قرآن غیبی خبروں میں آپ کے بتلائے ہوئے کے خلاف واقع ہونے کی وجہ سے وضع (یعنی کسی دوسرے کے بنانے) کی علامت ظاہر ہو جاتیں۔ اور قرآن کا معاملہ صریح جھوٹ ہونے کی وجہ سے جگ ہنسائی کا سبب بن جاتا۔ اور آپ ﷺ کبھی بھی اللہ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتے۔ (معاذ اللہ)

توضیح

علامہ سید ابوالحسن علی ندوی قرآن کے اس اعجاز پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

"قرآن مجید میں انبیاء سابقین اور گزشتہ قوموں سے متعلق جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ قرآن کا ایک مستقل معجزہ ہے۔ اعجاز کا پہلو یہ ہے کہ آپ کے لئے ان اطلاعات کا سرچشمہ اور ان روایات کا ماخذ علم الٰہی کے فیض اور غیب کی اطلاع (وحی) کے سوا کچھ نہیں۔ آپ امی تھے یہ واقعات و قصص زیادہ تر مکہ تمام ترکی سورتوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور وہاں باتفاق مورخین کوئی یہودی اور عیسائی نہ تھا۔ ورقہ بن نوفل جو انجیل کا علم رکھتے تھے۔ صحیح روایات کے مطابق نبوت کے پہلے سال ہی وفات پا گئے تھے۔"

ہجرت سے پہلے دو عیسائیوں کا آپ سے ملنا بیان کیا جاتا ہے ایک بحیرہ راہب بصری اعدائی ذی الذکر سے شام کے شہر بصری میں اور آخر الذکر سے حجاز کے شہر طائف میں ملنا مذکور ہے لیکن پہلی ملاقات چند گھنٹوں اور دوسری ملاقات چند منٹوں سے زیادہ نہیں۔ پہلی ملاقات میں آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ اتنی چھوٹی عمر میں اور اتنی مختصر ملاقات میں (زبان کی یگانگی کے ساتھ) کوئی ذی ہوش انسان یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ آپ نے وہ تمام علوم حاصل کر لئے کہ جو نبوت کے بیس سال میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس صحت واتقان کے ساتھ جس سے خود یہودی ششدر تھے معاصرین بیان فرمائے۔ بعد اس کوئی عالم نہ تھا وہ خود آپ ﷺ کا معتقد ہوا۔ اس لئے اتنی کمزور روایتی و درایتی بنیاد پر کسی طرح اس قیاس کی عمارت نہیں کھڑی کی جا سکتی کہ آپ کے علوم غیبیہ جن کا ایک ایک حرف اور نقطہ تمام تحقیقات اور انکشافات کے بعد صحیح ثابت ہوا ان لوگوں کے علوم سے ماخوذ ہیں جن

کی شخصیت ہر طرح سے مشتبہ ہے اور جن کا اضافہ ان کی اصل سے زیادہ ہے۔ جس چراغ میں خود لو نہ ہو اس سے کوئی دوسری مشعل کیسے جل سکتی ہے؟ ان غریب عیسائیوں کے پاس جن سے آپؐ کے تلمذ اور استفادہ کی نسبت کی جاتی ہے خود کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ جس کو صحیح علم کہا جاسکے۔ پس اس سے ثابت ہو گیا کہ ان واقعات کا علم سے کم آپؐ کے لئے کوئی ذریعہ اطلاع نہ تھا یہ تمام تر واقعات محض وحی الہٰی کا کرشمہ ہیں۔ اور اعجاز کا یہی پہلو ہے کہ جس کی طرف قرآن نے بار بار توجہ دلائی ہے۔(مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی صفحہ ۶۰ - ۶۱)

علامہ عثمانیؒ اس پر نہایت مختصر کلام فرماتے ہیں:

"قرآن کے مضامین کے متعلق ایک اور ضروری چیز اہم واقعات غیبیہ اور سنین گزشتہ کی ایسی مفصل اور درست خبریں اور واقعات کے متعلق اس کی متعدد پیش گوئیاں ہیں جو حرف بحرف صحیح ثابت ہو چکیں یہ نہیں کہ کاہنوں اور منجموں کے اٹکل پچو بیانات کی طرح سو میں ایک دو دفعہ تکہ نشانہ پر جا لگا بلکہ قرآن نے جن واقعات کی خبر دی ہے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح نور افزائے دیدۂ بصیرت ہوئے۔ گزشتہ واقعات تو اسی طرح ثابت ہوئے لیکن مستقبل کے متعلق جو بکثرت خبریں دی گئیں اور ایک کی بھی کوئی تکذیب نہ کر سکا۔ ان میں بجز اس کے کہ عالم الغیب والشہادت کی طرف نسبت کی جائے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔(اعجاز القرآن صفحہ ۹۵ - ۹۷ ملخصاً)

اس تفصیل کے بعد مؤلف کتاب نے قرآن کے جن غیبی واقعات کو ذکر کیا ہے ہم آخر تک اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

لغات: نصرانیۃ: نصرانی، عیسائی حکومت۔ وثنیۃ: بت پرست۔ بضع: مختصر زمانہ۔ تتراوح: اٹھنا بیٹھنا کے درمیان ہونا۔ المعروب الطاحنۃ: خونریز لڑائیاں، خون آشام جنگیں۔ الرھان: شرط۔ تنبؤ: پیشین گوئی۔

ترجمہ

(الف) ان غیبی واقعات میں سے (کہ جن کی قرآن نے خبر دی ہے ایک) اس جنگ کی خبر دینا ہے کہ جو عنقریب رومیوں اور ایرانیوں میں ہونے والی تھی۔ اور جس میں عنقریب غلبہ اور مدد رومیوں کی ہونی تھی بعد اس بات کے کہ انہوں نے پہلی جنگ میں شکست کھائی۔ اور یہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿الٓـمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۚ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝﴾

(الروم: ۱ - ۵)

"مغلوب ہو گئے ہیں رومی پاس کے ملک میں اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برسوں میں اللہ کے ہاتھ سب کام ہیں۔ پہلے اور پچھلے اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا۔" (تفسیر عثمانی)

مفسرین اس آیت کا سبب نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ سلطنت روم کہ جو مسیحی تھی اور بادشاہت ایران کہ جو بت پرست تھی کے درمیان ایک جنگ ہوئی۔ پس (پہلے) ایرانیوں نے رومیوں پر فتح پائی۔ تو اس پر مشرکین نے خوشی منائی اور (رومیوں کو شکست کی تکلیف میں دیکھ کر) خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہا: تم (بھی) اپنے آپ کو اہل کتاب کہلواتے ہو اور نصاریٰ بھی اہل کتاب ہیں۔ یہ لو ہمارے بھائی (یعنی بت پرست مشرک ایرانی) تمہارے بھائیوں (اہل کتاب مسیحیوں) پر غالب آ گئے اور ہم بھی ضرور بہ ضرور تم پر غالب آ کر رہیں گے۔ پس (اس سے) مسلمان غم زدہ ہو گئے اور رومیوں کی شکست پر انہیں دکھ ہوا۔ اور ایرانی حکومت کے بالمقابل (روم) ایک دیندار (ایک آسمانی مذہب کی قائل) حکومت تھی جبکہ ایرانی بت پرست تھے۔ پس اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نے مسلمانوں کو تھوڑی مدت میں ہی رومیوں کے ایرانیوں پر فتح پانے کی خوشخبری دی کہ جو ("بضع سنین" یعنی) تین اور نو سال کے درمیان کی مدت تھی۔ اور اس بشارت دیئے جانے کے وقت رومیوں کے ایرانیوں پر فتح پانے کا گمان بھی نہ تھا۔ کیونکہ (ان) خونریز جنگوں نے ان کی کمر توڑ کے رکھ دی تھی یہاں تک کہ ان کے ملک کے اندر گھس کر (گھمسان کی) جنگ لڑی گئی۔ اور اس لئے (بھی) کہ ایرانی حکومت (بڑی) طاقتور اور مضبوط تھی۔ اور آخری فتح میں ان کی قوت اور طاقت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مشرک ابی بن خلف کے ساتھ سو اونٹوں پر نو سال تک کی شرط لگائی۔ ابھی یہ نو سال کی مدت گزرنے نہ پائی تھی۔ کہ روم اور ایران میں ایک جنگ چھڑ گئی کہ جس میں رومیوں کو فتح اور ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ اور قرآن کی (پیش گوئی اور) غیب کی دی ہوئی خبر بھی ثابت ہوئی۔ اور یہ ۶۲۴ء بمطابق ۲ ہجری کا واقعہ ہے اور حضرت ابوبکرؓ نے وہ شرط جیت لی۔ آپؐ نے ان کو وہ اونٹ صدقہ کرنے کا حکم دیا۔" اس آیت میں ایک اور پیشین گوئی بھی ہے کہ مسلمان عنقریب ایک قریبی فتح سے اس وقت خوش ہوں گے کہ جس میں رومیوں کو فتح ہوگی۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ بِنَصْرِ اللَّهِ...﴾

"اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ بھی پورا کیا جس طرح وہ پورا کیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی بدر (کی جنگ) کی فتح اسی زمانہ میں ہوئی کہ جس میں رومیوں نے فتح پائی۔"

چنانچہ اس طرح ایک ہی وقت میں اللہ تعالیٰ کے (خاص) فضل (و کرم) سے دو پیشین گوئیاں (اور بشارتیں) بھی ثابت ہوئیں (اور پوری ہوئیں)

زمخشری (اس آیت کے بارے میں) یہ کہتے ہیں:

"یہ (واقعہ اور یہ) پیشین گوئی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی) نبوت کی سچائی اور اس قرآن کے اللہ کی طرف سے ہونے کی ایک روشن نشانی (اور) گواہی ہے۔"

کیونکہ یہ اس غیب کے علم کی خبر دیتا ہے کہ جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ❶

---

❶ اس کے لئے دیکھئے الکشاف جلد ۳ صفحہ ۳۶۵ (اس آیت کا سبب نزول)

(اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔)

(۱) علوم القرآن صفحہ ۲۶۸-۲۷۰۔

(۲) اعجاز القرآن صفحہ ۹۵-۹۷۔

(۳) بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۳۵-۳۳۶۔

(۴) مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی صفحہ ۸۷-۱۰۱۔(نسیم)

(ب) رسول اللہؐ اور آپ کے اصحابؓ کے مکہ میں امن واطمینان سے داخل ہونے کی پیشنگوئی

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے میں ایک خواب دیکھا اور آپؐ نے یہ خواب حدیبیہ روانہ ہونے سے پہلے دیکھا۔ آپؐ نے دیکھا گویا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ مکہ میں امن کے ساتھ داخل ہو گئے ہیں اور انہوں نے (مناسک حج کی ادائیگی کے بعد) سر کو منڈوا اور بالوں کو کتروالیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو یہ خواب سنایا پس وہ اس سے خوش ہوئے اور انہوں نے اس کی خوشی منائی۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اسی سال مکہ داخل ہو کر رہیں گے اور کہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ہے پھر جب صلح حدیبیہ کا موقع آیا تو وہ لوگ مدینہ سے مکہ کی طرف احرام باندھ کر اور قربانی کے جانور لے کر نکلے ان کا ارادہ لڑائی کا نہ تھا۔ ان کا ارادہ فقط عمرہ اور قربانی کا تھا۔ لیکن قریش نے ان کو روک دیا اور قریب تھا کہ مسلمانوں اور مشرکین میں لڑائی (اور جنگ) چھڑ جاتی اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ صلح سے امن (وامان) برقرار کرنے کے لئے اور امن عامہ کی محبت کے لئے ان سے صلح نہ کرتے اور صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک شرط یہ (بھی) تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہؓ اس شرط پر مدینہ واپس چلے جائیں کہ وہ اگلے سال مکہ داخل ہوں گے۔ اس صلح کی وجہ سے منافقین اور کمزور ایمان والوں نے (زبان) طعن (دراز کرنی) اور عیب کاری (وخلل خوری) اور عیب جوئی کرنی شروع کر دی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کہنے لگا "خدا کی قسم نہ ہم نے سر منڈوایا نہ قصر کروایا اور نہ ہی مسجد حرام دیکھی۔

لیکن یہ آیت کریمہ تمہیں سچے وعدوں کو لے کر نازل ہوئی تھی۔ اور وہ تھے مکہ میں داخل ہونا۔ مناسک (عمرہ) ادا کرنا اور قریش سے امن ہونا۔ قریش کی غداری، عہد شکنی اور ان کی قطع رحمی کے باوجود۔ پس تحقیق اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور بات پوری ہوئی اور ایمان والے مکہ میں امن واطمینان سے داخل ہوئے اسی واقعہ کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۝﴾ (الفتح: ۲۷)

"اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب تحقیق کہ تم داخل ہو رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے بال

سونڈتے ہوئے اپنے سروں کے اور کتراتے ہوئے بے تحاشا پھر جانا وہ جو تم نہیں جانتے پھر مقرر کردی اس سے پہلے ایک فتح نزدیک۔" (تفسیر عثمانی)

(اس کے لئے دیکھئے بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۳۰ پیشین گوئی نمبر (۱)

مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی صفحہ ۱۱۶ پیشین گوئی نمبر (۱۰))

(ج) اور قرآن کریم کا جنگ چھڑنے سے پہلے ہی مشرکین کی شکست کی پیشین گوئی کرنا

اور یہ پیشین گوئی سورۂ قمر کے اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے۔

﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ ○ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰی وَ اَمَرُّ﴾ (القمر: ۴۴ - ۴۶)

"کیا کہتے ہیں ہم سب کا مجمع ہے بدلہ لینے والا اب شکست کھائے گا یہ مجمع اور بھاگیں پیٹھ پھیر کر بلکہ قیامت ہے ان کے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور کڑوی۔" (تفسیر عثمانی)

سورۂ قمر یہ مکیہ ہے اور جہاد ابھی شروع ہوا نہ کر ہجری میں۔ تو اس وقت جنگ کا تصور کہاں؟ اور کس کے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ (قریش کے یعنی) مشرکین کے جتھے شکست کھائیں گے اور مسلمان ان پر فتح پائیں گے جبکہ وہ تعداد اور سامان جنگ میں تھوڑے تھے۔ لیکن یہ اس اللہ کا وعدہ ہے کہ جو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ جب یہ آیت ﴿سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○﴾ نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا کہ یہ کونسی جماعت ہوگی کہ جو عنقریب شکست کھائے گی؟ ● پھر جب غزوۂ بدر ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ زرہ پہن کر حملہ کر رہے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

﴿سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○﴾

"پس (اس دن) حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب سمجھا۔" ●

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ "اس آیت کے نزول اور غزوۂ بدر کے درمیان سات سال کا عرصہ تھا۔" (یعنی یہ آیت سات سال پہلے یہ پیشین گوئی لے کر اتری تھی)

(اس کے لئے دیکھیں بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ - ۳۲۹ پیشین گوئی نمبر ۱۳)

● علامہ تقی عثمانی اس پر تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت عمرؓ یہ بات کیسے کہتے جبکہ یہ آیت کی زندگی میں اس وقت نازل ہوئی ہے کہ جب مسلمان ہر طرف سے کفار کے شکنجوں میں کسے ہوئے تھے، اور ان کو مدافعت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور پورے عزم و ادا کے ساتھ یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ سب شکست کھائیں گے۔

غور فرمایئے کیا کوئی انسان ایسے وثوق کے ساتھ ایسی حالت میں یہ بات کہہ سکتا ہے؟ (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۲۹ - ۳۳۰)

● اس کے لئے دیکھیں الکشاف جلد ۳ صفحہ ۴۴۰۔

(د) قرآن کا (قریش کے) اس سیاہ مستقبل کی پیشین گوئی کرنا کہ جس کا قریش انتظار کر رہے تھے۔ اور سورۂ دخان میں یہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ○ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ○ أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ○ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ○ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ○ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ○﴾

(الدخان: ۱۰ - ۱۶)

"سو تو انتظار کر اس دن کا کہ لائے آسمان دھواں صریح جو گھیر لے لوگوں کو یہ ہے عذاب دردناک۔ اے رب کھول دے ہم پر سے یہ آفت ہم یقین لاتے ہیں۔ کہاں ملے ان کو سمجھنا اور آ چکا ان کے پاس رسول کھول کر سنانے والا پھر اس سے پیٹھ پھیری اور کہنے لگے سکھایا ہوا ہے باؤلا۔ ہم کھول دیتے ہیں یہ عذاب تھوڑی مدت تک تو پھر تم وہی کرو گے جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ۔ تحقیق ہم بدلہ لینے والے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

ان آیات کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ اہل مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا اور آپ ﷺ کی نافرمانی اور سرکشی کی تو اس آپ نے ان پر بددعا کی اور فرمایا:

اے اللہ! قرآن کے خلاف میری مدد کر قحط سالی سے یوسف علیہ السلام کی قحط سالی کی طرح" پس پھر ان پر قحط سالی آن پڑی جس نے ان کی ہر شے کو ختم کر دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے بھوک کی وجہ سے چمڑے اور مردار (تک) کھائے اور ان میں کوئی آسمان کی طرف نگاہ کرتا تو اس کو دھواں سا دکھائی دیتا۔ پس ابوسفیان آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور صلہ رحمی کا پیغام لے کر آئے ہیں اور (یہ) آپ کی قوم (بھوک اور خشک سالی اور قحط سے) ہلاک ہوئی جاتی ہے۔ آپ ان کے لئے دعا فرمایئے (کہ اللہ ان پر سے قحط کو دور فرمادے) تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ●

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں:

"ان آیات میں غور کرنے سے (چاہتا ہے کہ اس میں) پانچ پیشین گوئیاں ہیں۔

(۱) ایک اس قحط اور بھوک کے ان پر چھا جانے کی خبر دینا یہاں تک کہ آدمی اپنے اور آسمان کے درمیان دھواں سا دیکھے گا۔

(۲) دوسرے اس بات کی پیشین گوئی کہ جب ان پر یہ مصیبت نازل ہوگی تو وہ اللہ کے آگے (روئیں گے اور) گڑگڑائیں گے۔

(۳) تیسرے اس بات کی پیشین گوئی کہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ عذاب تھوڑا سا ہٹا دیں گے۔

● یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں آئی ہے۔

(۴) چوتھے اس بات کی پیشین گوئی کہ وہ دوبارہ اپنے کفر و سرکشی میں لوٹ جائیں گے۔

(۵) پانچویں اس بات کی پیشین گوئی کہ اللہ تعالیٰ ان سے (ایک سخت) پکڑ کے دن ان سے انتقام لیں گے اور وہ بدر کا دن ہے۔

اس کے بعد علامہ مرحوم فرماتے ہیں:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے سب کی سب باتیں سچ کر دکھائیں ان میں سے کچھ بھی نہ ٹلا حتیٰ کہ ایک پیشین گوئی بھی: چنانچہ وہ قحط میں بھی مبتلا ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں اور ایک آدمی آسمان پر نگاہ ڈالتا تو بھوک اور سختی کی شدت کی وجہ سے اس کو اپنے اور آسمان کے درمیان دھواں سا دکھائی دیتا پھر وہ گڑگڑا کر کہنے لگے۔"

ربنا اکشف عنا العذاب انا مومنون

پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عذاب تھوڑا سا ہٹا لیا۔ پھر وہ دوبارہ اپنے کفر اور سرکشی میں لوٹ گئے۔

تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے بدر کے دن انتقام لیا اور انہیں ایک بڑی پکڑ میں یوں لیا کہ ان میں سے ستر قتل ہوئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کی گئی۔

تیرا کیا گمان ہے کہ یہ سب کا سب کیا ممکن ہے کہ اس کی مثل کسی مخلوق سے صادر ہو؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ اللہ ہے زبردست حکمت والا ● (اسی سے ہی ان سب باتوں کا صادر ہونا ممکن ہے)

(اس کے لئے دیکھیں: معارف القرآن) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی جلد ۷ صفحہ ۲۶۰ تا ۲۴۲ ۔

(هـ) التنبؤ بإظهار الإسلام على جميع الأديان، وذلك في قوله تعالى: ﴿هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (الصف: ۹)

وكذلك التنبؤ بالمستقبل الباسم الذي سيكون للمؤمنين وذلك في قوله تعالى: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ (النور: ۵۵)

وقد تحقق هذا الوعد الإلهي فأظهر الله الإسلام على جميع الأديان، ومكن للمسلمين في الأرض في حياة النبي ﷺ حتى استولوا على جميع البلاد العربية، ولم يبق جزء منها إلا دان للمسلمين بالطاعة ومن لم يدخل في الإسلام دخل في ذمة المسلمين، وخضع لسلطانهم، ودفع الجزية لهم، ثم سار أصحابه من بعده إلى أرض كسرى وأرض هرقل، فأزالوا دولة الفرس، ودولة الرومان، ولم يمض قرن من الزمان حتى اتسعت رقعة الدولة الإسلامية، فصارت تمتد من بحر الظلمات في المغرب إلى تخوم الصين في المشرق، فتحقق بذلك الوعد الكريم، وكان وعد

● اس کے لئے دیکھیں معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۷۷۲۔

بالله مغرورٌ.

وكل هذه - وأمثالها في القرآن كثير - أخبار عن المستقبل وقد تحققت جميعها، وهذا أمر خارق للعادة فكان وجهاً من وجوه الإعجاز لأن مثله لا يتفق إلا بإخبار من عند الله جل وعلا.

ولا يغيب عن بالنا أن جميع القصص التي جاء في القرآن الكريم هو من باب الإخبار عن غيوب الماضي الذي أطلع الله رسوله الكريم عليه، وما كان له علم بها، ولهذا ذكر الله جل ثناؤه قصة نوح ثم أعقبها بهذه الآية الكريمة وهي قوله تعالى: ﴿تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (هود ٤٩)

وما أروع قصص القرآن الذي نزل على خاتم المرسلين ليكون تثبيتاً للقلب وذكرى للمؤمنين[1] وذلك أعظم برهان على أنه تنزيل رب العالمين، فإنه من حكمة سامية ومعجزة باهرة[2].

سادساً: عدم التعارض مع العلم الحديث:

ومن وجوه إعجاز القرآن تلك الإشارات الدقيقة إلى بعض العلوم الكونية التي سبق إليها القرآن قبل أن يكتشفها العلم الحديث، ثم عدم تعارضه مع ما يكتشفه العلم من نظريات علمية حديثة، وقد أشار القرآن الكريم إلى هذه الناحية من نواحي الإعجاز بقوله جل شأنه:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (حم السجدة: ٥٣)

ومع اعتقادنا بأن القرآن العظيم ليس كتاب طبيعة أو هندسة أو فيزياء، وإنما هو كتاب (هداية وإرشاد) وكتاب (تشريع وإصلاح)، ولكن مع ذلك لم تخل آياته من الإشارات الدقيقة والحقائق العلمية إلى بعض المسائل الطبيعية والطبية والجغرافية مما يدل على إعجاز القرآن وكونه وحياً من عند الله، إذ من المقطوع به أن محمداً ﷺ كان أمياً لا يقرأ ولا يكتب، وأنه نشأ في بيئة بعيدة عن مظاهر الحضارة، حيث لم تكن علوم ولا معارف ولا مدارس تقرأ فيها العلوم الكونية، لأن قومه وعشيرته كانوا أميين، ومع ذلك فإن النظريات العلمية التي أشار إليها القرآن لم تكن معلومة في عصره، ولم يكتشف العلم أسرارها إلا بعد زمن طويل، وذلك من أصدق البراهين على أن هذا القرآن ليس من تأليف محمد - كما يزعم بعض المستشرقين - إنما هو وحي من الله أنزله على قلب سيد المرسلين، بلسان عربي مبين. ولقد أجاد الأستاذ

(عفیف طبارة) فی کتابه (روح الدین الإسلامی) فذکر بعض هذه الحقائق العلمیة الدقیقة ونحن ننقل بعضها بشیء من الایجاز مع التصرف.

ترجمہ: (ھ) (دین) اسلام کی تمام ادیان پر غلبہ کی پیشین گوئی

اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۳۳)

"اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تا کہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور پڑے برا مانیں مشرک۔" (تفسیر عثمانی)

ایک (روشن اور بہتے) مستقبل کی پیشین گوئی کہ جو عنقریب مسلمانوں کو حاصل ہوگا۔ اور وہ پیشین گوئی اس ارشاد خداوندی میں ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ (النور: ۵۵) ❶

"وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن۔" (تفسیر عثمانی)

تحقیق کہ یہ وعدہ الٰہی پورا ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر دیا۔ اور مسلمانوں کو آپ ﷺ کی زندگی میں ہی زمین میں جما دیا۔ (انہیں مضبوط کر دیا اور ان کی ایک مضبوط حکومت مدینہ اور اطراف مدینہ میں قائم ہوگئی) یہاں تک کہ انہوں نے تمام بلاد عرب پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور بلاد عرب کا کوئی ٹکڑا نہ باقی رہا مگر وہ مسلمانوں کا اطاعت کے ساتھ فرمانبردار بن گیا اور جو اسلام میں داخل نہ ہوا وہ مسلمانوں کا ذمی بن کر زندگی گزارنے لگا۔

اور مسلمانوں کے غلبہ و اقتدار کے آگے سرنگوں ہو گیا اور انہیں جزیہ دینے لگا۔ پھر آپ ﷺ کے (دنیا سے پردہ فرمانے کے) بعد آپ ﷺ کے صحابہؓ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کی طرف چلے (اور ادھر کا رخ کیا) اور ایرانیوں اور رومیوں کی سلطنتوں کے نام و نشان مٹا دیئے اور ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ سلطنت اسلامیہ کا رقبہ (نہایت) پھیل گیا۔ چنانچہ یہ مغرب میں بحر ظلمات (یعنی بحر اوقیانوس) سے لے کر مشرق میں چین کی سرحدوں تک پھیل گئی۔ پس اس (وسعت سلطنت اسلامیہ) سے وعدۂ کریم (الٰہی) پورا ہوا اور اللہ کا وعدہ ہو کر رہتا ہے۔

---

❶ اس کے لئے دیکھئے علامہ زمخشری کی تفسیر الکشاف جلد ۳ صفحہ ۷۵۔

(اس کے لیے دیکھیں باغی سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۰۹-۳۴۴ پیشین گوئی نمبر ۲ مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی صفحہ ۱۱۱-۱۱۲ پیشین گوئی نمبر ۵)۔

اور غلبہ اسلام اور صحابہ کرام کی فتوحات اور سلطنت اسلامیہ کی وسعت کے بارے میں مندرجہ کتب کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

تاریخ اسلام (مولانا اکبر شاہ صاحب نجیب آبادی)

تاریخ اسلام (مولانا معین الدین ندوی)

سیر الصحابہؓ (قدیم)

مولف کتاب فرماتے ہیں:

"یہ سب پیشین گوئیاں' وہ ان جیسی (اور) مثالیں قرآن میں بہت (ذکر) ہیں (اور) مستقبل کے بارے میں (قرآن نے جتنی بھی) خبریں (دی ہیں) وہ سب کی سب حق ثابت ہو گئی ہیں۔ اور یہ ایک خارق عادت امر ہے یہ بھی وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ ہے کیونکہ ان جیسی باتیں نہیں واقع ہوتیں مگر اللہ جل وعلا کی طرف سے (غیب کی) خبر دیئے جانے کے ذریعہ ہی۔ اور ہم سے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ وہ تمام قصے کہ جو قرآن کریم میں آئے ہیں۔ وہ بھی گزشتہ کے اخبار الغیب کے باب سے ہیں کہ جن کی اللہ تعالیٰ نے رسول کریم کو اطلاع دی اور آپ کو ان کی (مطلق) خبر نہ تھی۔"

اسی وجہ سے اللہ جل جلالہ نے حضرت نوحؑ کا قصہ ذکر کیا۔ پھر اس قصہ کے بعد یہ آیت کریمہ لائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (ھود:۴۹)

"یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں سے ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف نہ تجھ کو ان کی خبر تھی۔ اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے سو تو صبر کر البتہ انجام بھلا ہے ڈرنے والوں کا۔" (تفسیر عثمانی)

اور کتنے ہی شاندار ہیں قرآن کے وہ قصے کہ جو خاتم المرسلین (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اترے تا کہ وہ آپ کے دل کی مضبوطی اور مومنوں کے لیے نصیحت ہو۔ اور یہ ایک عظیم دلیل ہے کہ یہ رب العالمین کی اتاری ہوئی کتاب ہے کتنی ہی اس کی بلند بالا حکمت ہے اور کیا ہی غالب نکتہ ہے۔

زمانے میں (ان کو) کوئی جانتا نہ تھا۔ اور وہ ان لوگوں میں معروف (ومعلوم) نہ تھے۔ اور (جدید) علوم نے ان اسرار (اور کائناتی رازوں) کو نہ کھولا تھا مگر کچھ عرصہ پہلے ہی۔ ● اور یہ سب سے زیادہ بڑی دلیل ہے کہ یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تالیف نہیں جیسا کہ بعض مستشرقین کا گمان ہے بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے متین عربی زبان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل پر اتارا ہے۔

محقق استاذ "عفیف طبارہ" نے اپنی کتاب "روح الدین الاسلامی" میں ایک عمدہ بحث کی ہے چنانچہ انہوں نے بعض ان دقیق علمی حقائق کو بیان کیا ہے ہم ان میں سے چند کو مختصر طور پر معمولی تصرف کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

توضیح

مولف کتاب نے آئندہ مذکورہ مضامین اور فصل ثامن میں قرآن کے بعض علمی معجزات کی یہ تمہید اور دیباچہ بیان کیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس سے پہلے بطور اصول اور اساس کے علامہ سید ابوالحسن علی ندوی کے ایک مضمون اور علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کی ایک مختصر عبارت پیش کر دی جائے کہ جس کی روشنی میں ان آئندہ مذکورہ علمی معجزات کو شرح صدر کے ساتھ سمجھنا آسان ہوگا۔ اس اصولی بات کے بعد ہم فقط آخر تک اس فصل کا ترجمہ کرنے پر ہی اکتفاء کریں گے۔ (نسیم)

علم وتحقیق جدید کی تصدیق

علامہ علی میاں فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں جدید علمی (سائنٹفک) حقائق کو تلاش کرنے اور ایک طرف اس کے بعض اشارات اور اجمالی بیانات اور دوسری طرف جدید تحقیقات واکتشافات میں تطبیق (جس کی سب سے بڑے پیمانہ پر کوشش اس صدی میں علامہ طنطاوی مصری جوہری نے اپنی مشہور تفسیر "جواہر القرآن" میں کی ہے) بڑا نازک اور کسی حد تک پر خطر کام ہے اس لئے کہ اس کا قوی امکان ہے (اور علم وتحقیق کی تاریخ میں اس کا کئی بار تجربہ ہو چکا ہے) کہ علم وتحقیق کے یہ نتائج کہ جو اس وقت بالکل بدیہی اور ثابت شدہ حقائق سمجھے جا رہے ہیں، بالکل بدل جائیں یا ان کا ثبوت وقطعیت مشکوک ومجروح ہو جائے۔ نیز اس علمی کاوش میں (جس کی نیک نیتی اور کسی قدر افادیت میں شک نہیں کیا جا سکتا) قرآن مجید کے اصل موضوع ومقصد سے دوری اور جدید علم وتحقیق سے مرعوبیت کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے۔ فلسفہ قدیم اور مشہور متعارف تاریخی روایات کے سلسلہ میں بعض قدیم مفسرین سے بھی یہ لغزش ہوئی ہے لیکن چونکہ اس کا حصہ قرآن عظیم کے تفاسیر کے عظیم ومؤثر ذخیرہ میں بہت قلیل رہا ہے اور وہ مسلمانوں کے علمی حلقہ میں زیادہ شہرت اور وقعت نہیں حاصل کر سکا ہے اس لئے قرآن مجید کو کسی دور میں بھی اس ابتلاء کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہے جو عہد قدیم

● اکتشافات جدیدہ اور یورپ کی حاضر سائنسی اور عقلی ترقی پر پورا حاصل بصیرت حاصل کرنے کے لئے ان دو کتابوں کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔
(۱) کتاب "العلم والعلماء" (حضرت مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی)
کتاب ہذا کا مقدمہ
(۲) آلات جدیدہ اور ان کے شرعی احکام (حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

کے مجموعوں (بائبل) کو ان رائج الوقت طبیعیاتی، فلکی اور جغرافیائی تشریحات و اضافات کی شمولیت سے پیش کیا اور جس کا نام قرون وسطیٰ کی مسیحی دنیا میں (Chlrlslian To Pography) "مسیحی جغرافیہ مقدس" پڑ گیا تھا۔

لیکن ایک سلیم الطبع اور منصف مزاج طالب علم (جو بیک وقت جمود اور علم جدید کی مرعوبیت سے پاک ہے) مطالعہ قرآنی کے وقت یہ حقیقت معلوم کر کے ششدر و حیران رہ جاتا ہے کہ اگرچہ یہ کتاب ایک امی پر آج سے ۱۴۰۰ سو برس پہلے عہد اور علمی دنیا سے منقطع ماحول میں نازل ہوئی تھی۔ اور اس میں بڑی تعداد میں ان حقائق و اشیاء کا ذکر آیا ہے جن کا تعلق تاریخ، جغرافیہ، طبیعیات، فلکیات، اجرام سماوی، علم الحیوانات، طب، انسان کی خلقت اور اس کے جسم کی تقویم و ترکیب اور ایسے بہت سے علوم سے بہت گہرا ہے، جن کے بارے میں ان پچھلی صدیوں میں حقائق و معلومات کا ایک نیا عالم منکشف ہو گیا ہے اور علم انسانی کے زمین و آسمان بدل گئے ہیں۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے جس کو علم جدید نے خلاف واقعہ ثابت کر دیا ہو۔ بلکہ اس سلسلہ میں بہت سے ایسے حقائق و اشارات آ گئے ہیں جن کی علم جدید نے ابھی حال میں نقاب کشائی کی ہے اور اس کو ان تک ابھی حال ہی میں رسائی حاصل ہوئی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل ایک کتاب نہیں بلکہ کتابوں کے ایک سلسلہ کی طالب ہے۔ ہم یہاں پر ایک فرانسیسی فاضل و محقق کی صرف ایک شہادت پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حال میں مشہور فرنچ فاضل موریس بوکائی (Maurice Bucailee) کی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" (The Bibl, The Quran and Science) اور اس کا عربی ترجمہ "دراسات الکتب المقدسة فی ضوء المعارف الحدیثة" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

محقق موصوف اس کتاب میں لکھتے ہیں:

"ان علمی پہلوؤں نے جو قرآن کے ساتھ مخصوص ہیں ابتداء ہی میں مجھے ششدر و حیران بنا دیا۔ میرے ذہن میں کبھی بھی یہ بات نہیں تھی کہ ایک ایسی کتاب میں جس پر تیرہ سو برس سے زیادہ مدت گزر چکی ہے اتنی بڑی تعداد میں مختلف موضوعات سے تعلق رکھنے والے دعوے اور اطلاعات ہوں گے جن میں شدید تنوع پایا جاتا ہے اور جدید علمی تحقیقات سے پورے طور پر مطابق پائے جائیں گے۔" ❶

مصنف موصوف نے اس سلسلہ میں آسمانوں و زمین کی پیدائش، اور کائنات کے وجود، اجرام فلکی کی ماہیت، سماوی فلکی دنیا کے ارتقاء، فضائے آسمانی، پانی اور سمندروں کے حیات انسانی میں بنیادی کردار ادا کرنے، سطح زمین اور پہاڑوں، نباتات اور حیوانات کی دنیا، زندگی کے مبدء و آغاز، انسانی توالد و تناسل، تربیت جنین، بعض اہم تاریخی واقعات (طوفان نوح، مصر میں بنی اسرائیل کا زمانہ قیام، مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خروج، حضرت موسیٰ کے زمانہ کے فرعون، اس کی کیفیت موت وغیرہ) پر علیحدہ علیحدہ بحث ❷ اور طبیعیات، فلکیات، علم نباتات، طب اور تاریخ کی جدید تحقیقات کی روشنی میں قرآن مجید اور بائبل کی تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ:

---

❶ "دراسات الکتب المقدسة فی ضوء المعارف الحدیثة" (دار المعارف القاہرہ ص ۱۴۲)

❷ ان مفصل و مستند مباحث کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ہذا کے صفحات از ۱۵۰-۲۶۱۔

"توریت وانجیل کی ان تصریحات کے مقابلہ میں قرآن مجید کی تصریحات علم وتحقیق کے جدید ترین نتائج سے مطابقت میں بالکل منفرد اور ممتاز ہیں۔" ❶

وہ اپنی فاضلانہ کتاب کو ان سطروں پر ختم کرتا ہے:

"انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ کثیر التعداد بیانات ودعوے جو خالص علمی انداز کے ہیں کسی انسان کی تصنیف ہو سکتی ہے علوم ومعارف کی اس سطح کو سامنے رکھتے ہوئے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں پائی جاتی تھی۔ اس لئے یہ نتیجہ نکالنا ہر طرح قرین انصاف وعقل ہوگا کہ یہ قرآن وحی خداوندی پر مبنی ہے اور اس کو اس لحاظ سے خصوصی مقام دیا جانا چاہیے کہ اس کی صحت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے اور اس حیثیت سے بھی کہ وہ ایسے علمی نتائج اور مضامین پر مشتمل ہے جن کا عصر حاضر میں پورے طور پر مطالعہ ہو اور ان کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے پھر ان کی صحت ثابت ہوئی۔" ❷

اسی طرح قرآن مجید پر انسانوں کے وقتی معاشی اجتماعی اور سیاسی رجحانات کا کوئی اثر نہیں اس کا ہدایت نامہ ان مسائل میں بھی ابدی اور دائمی ہے (مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۶۰ ملخصا)

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم یوں فرماتے ہیں:

قرآن کریم کے انکشافات

"پیشگی خبروں کے علاوہ قرآن کریم نے بہت سے ایسے علمی اور تاریخی حقائق کی نشاندہی فرمائی ہے جو اس زمانہ میں نہ صرف یہ کہ نا معلوم تھے بلکہ اس وقت ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قرآن کریم کی اس قسم کی آیات کو جمع کر کے اگر ان کی مفصل تفسیر بیان کی جائے تو بلاشبہ ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے یہاں ان سب آیات کا استیعاب تو ممکن نہیں البتہ چند مختصر مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ جس وقت فرعون دریا میں غرق ہونے لگا تو اس نے جان بچانے کے لئے زبانی طور پر ایمان لانے کا اقرار کیا جس کے جواب میں باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً﴾

(یونس: ۹۱ - ۹۲)

"اب (ایمان لاتا ہے)؟ حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور فساد مچانے والوں میں تھا پس آج ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے تا کہ تو اپنے بعد والوں کے لئے عبرت بن جائے۔"

---

❶ ان مفصل ومستقل مباحث کے لئے ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۴۶۔

❷ "دراسۃ الکتب المقدسۃ فی ضوء المعارف الحدیثۃ"

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت اور اس کے بعد بھی صدیوں تک کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ فرعون کی لاش اب تک صحیح سلامت موجود ہے۔ لیکن اب سے بچھ عرصہ پہلے یہ لاش دریافت ہوئی اور آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

(۲) قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

"ہم نے ایک چیز کے دو جوڑے پیدا کئے ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے اس وقت عالم تصور یہ تھا کہ نر اور مادہ کے جوڑے صرف انسانوں یا جانوروں میں ہوتے ہیں۔ پھر چند نباتات میں لیکن سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ پرانی حقیقت واضح ہوتی جارہی کہ نر اور مادہ ہر چیز میں موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کہیں ان جوڑوں کا نام نر اور مادہ رکھ لیا جائے۔ کہیں مثبت (Positive) اور منفی (Negative) اور کہیں الیکٹرون اور پروٹان اور کہیں نیوٹرون اور پوزیٹرون۔ بلکہ ایک آیت میں قرآن کریم نے صراحتاً یہ بھی واضح فرمادیا بہت چیزوں میں جوڑوں کا پایا جانا ابھی لوگوں کو معلوم نہیں۔

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ.

"پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑوں کو پیدا کیا۔ نباتات زمین کے قبیل سے بھی اور ان آدمیوں سے اور ان چیزوں میں سے جنہیں یہ لوگ نہیں جانتے۔" (علوم القرآن صفحہ ۲۷۵-۲۷۶)

اب اس کے بعد مولف کتاب کی فصل ثامن کا مسلسل ترجمہ کرتے ہیں کہ اس کی تمام تفصیل کی بنیاد یہی ہے کہ حواریان دو اکابر کے علوم سے استفادہ کر کے بیان کردی گئی ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆

المتأخرون ما لم يفهمه المتقدمون. والله تعالى يقول: ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ فلعل هذه من الآيات التي أطلعهم الله عليها في القرن العشرين.

ثانيا: نشأة الكون:

يقول العالم الفلكي (جينز): (إن مادة الكون بدأت غازا منتشرا خلال الفضاء بانتظام، وإن السدائم (المجموعات الفلكية) خلقت من تكاثف هذا الغاز)

ويقول الدكتور (جاموف): (إن الكون في بدء نشأته كان مملوءا بغاز موزع توزيعا منتظما ومنه حدثت عمليات)

هذه النظرية يجد لها في القرآن الكريم ما يؤيدها - ولو لا أن القرآن أخبر عن ذلك لا ستبعدنا هذه النظرية - يقول تعالى: ﴿ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ﴾ (حم السجدة: ١١) فالقرآن صور مصدر خلق هذا الكون (بالدخان) وهو الشيء الذي يفهمه العرب من الأشياء الملموسة. أيكون في مقدور أمي - منذ أربعة عشر قرنا - أن يدرك هذا في وقت كان الناس لا يعرفون شيئا عن هذا الكون وخفاياه؟!

ثالثا: تقسيم الذرة:

ظل الاعتقاد السائد حتى القرن التاسع عشر أن الذرة هي أصغر جزء يمكن أن يوجد في عنصر من العناصر - وأنها غير قابلة للتجزئة لأنها الجزء الذي لا يتجزأ، وقد مضت قرون على هذا الاعتقاد. ومنذ عشرات السنين الماضية حول العلماء اهتمامهم إلى مشكلة (الذرة) فأمكنهم تجزئتها وتقسيمها، ولقد وجدوا أنها تحتوي على الدقائق الآتية: (١) البروتون. (٢) النيترون (٣) الالكترون، وبواسطة هذه التجزئة اخترعوا القنبلة الذرية، والقنبلة الهيدروجينية، ونعوذ بالله من قيام الساعة ومن شر ابليس اللعين. لنستمع إلى قوله تعالى عند الإخبار عن الذرة ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (يونس: ٦١)

فكلمة (أصغر) من الذرة في الآية القرآنية تصريح جلي بإمكان تجزئتها، وفي قوله (ولا في السماء) بيان بأن خواص الذرات في الأرض هي نفس خواص الذرات الموجودة في الشمس والنجوم والكواكب. فهل درس محمد خواص الذرة وأمكنه تجزئتها والوقوف على

خواصها فی الارض والسماء؟ إنها لدلیل قوی علی ان القرآن وحی إلهی.

لغات: النظریات العلمیة الحدیثة: جدید علمی نظریات۔ مجموعۃ الشمسیة: نظام شمسی۔ براکین: برکان کی جمع آتش فشاں پہاڑ۔ مواد ملتھبۃ: سلگتا ہوا مواد، بے لاوہ۔ حمم: گرم غاز، گیس۔ سدائم: سدیم کی جمع، اجرام سماوی کے ٹکڑے۔ ضخم: بڑا۔ یمتص: چوسنا، جذب کرنا۔ تکاثف: گاڑھا ہونا، گھنا ہونا۔ توزیع: تقسیم کرنا۔ استبعد: دور کا سمجھنا، ناممکن سمجھنا۔ سائد: زبردست۔ القبیلۃ القریبۃ: اقرب النجم۔ القرۃ: ... القبیلۃ البعیدۃ۔ جنبۃ: ... نجم: ستارہ۔ کوکب: سیارہ۔

ترجمہ: نویں فصل

قرآن کے علمی معجزات

(۱) وحدت کون (وحدت کائنات کا بیان)

علامہ عفیف طبارہ فرماتے ہیں:

"جدید علمی نظریات میں سے سب سے ظاہر (یعنی جدید ترین علمی) نظریہ یہ کہتا ہے کہ "زمین (اس) مجموعی (نظام) شمسی (یا خود سورج) کا ایک حصہ تھی پھر وہ سورج سے جدا ہوئی اور ٹھنڈی ہوگئی اور انسانوں کے رہنے کے قابل ہوگئی۔ اور (سائنسدان) اس نظریہ کی صداقت پر زمین کی تہہ میں موجود آتش فشاں (کے جوار بھاٹوں) اور آتش گیر (بھڑکتے ہوئے) مادوں کی موجودگی اور زمین کے وقتاً فوقتاً (ان آتش گیر) سلگتے آتش فشاں لاوے کے اگلنے کی دلیل پیش کرتے ہیں۔"

اور یہ نظریہ اس بات کے موافق ہے کہ جس کی طرف قرآن کریم نے اس ارشاد باری تعالیٰ جل شانہ میں ذکر کیا ہے:

﴿اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰہُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۳۰)

"اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے❶ پھر ہم نے ان کو کھول دیا❷ اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک شے جس میں جان ہے پھر کیا یقین نہیں کرتے۔" (تفسیر عثمانی)

یہ قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ دور جدید (سائنسی) علم اس معجزہ کی تائید کرتا ہے جس نے یہ بات طے کی ہے کہ یہ کائنات (اپنی ابتداء میں) ایک (ہی) شے تھی جو جس سے مل ہوئی تھی۔ پھر یہ کائنات کی ٹکڑوں (اور اجرام سماوی) میں

❶ رتق کا معنی ملانا اور باہم پیوستہ ہونا ہے۔

❷ فتق کا معنی دو چیزوں کو جدا کرنا ہے۔ (از مؤلف کتاب)

تقسیم ہوئی اور ہمارا یہ (نظام) عالم شمسی ان تقسیموں کا نتیجہ ہے۔

اور اس آیت کا دوسرا حصہ ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ یہ اس علمی حقیقت کی تقریر سے زیادہ بلیغ ہے کہ جس کے راز کو سائنسدانوں نے جانا ہے چنانچہ کیمیائی عوامل کا ایک بڑا حصہ پانی کا محتاج ہوتا ہے اور پانی پوری کائنات اور نباتات کی حیات کے دوام کا اساسی (اور بنیادی) عنصر ہے۔ اور پانی کے دیگر خواص بھی ہیں کہ جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ خالق کائنات نے پانی کو (ایسے اجزاء پر بھی) بنایا ہے کہ جو مخلوقات کے لئے مفید ہیں اور جس وقت پانی کا درجہ حرارت کم (یعنی کرا ہوا) ہوتا ہے تو یہ آکسیجن کی بہت بڑی مقدار اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور جس وقت یہ جم جاتا ہے تو اس میں سے حرارت کی ایک بڑی مقدار (نکل کر) پھیلتی ہے کہ جو سمندروں میں زندگی گزارنے والی مخلوقات جیسے مچھلیوں وغیرہ کی زندگی میں مدد دیتی ہے۔ قرآن کی حکمت کس قدر عجیب (اور انوکھی) ہے کہ جو واضح الفاظ کے ساتھ زندگی کے راز کو بیان کرتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا "آسمان منہ بند تھا (یعنی) بارش نہیں برساتا تھا اور زمین (بھی) منہ بند تھی کہ (کچھ) اگاتی نہیں تھی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں مخلوقات پیدا کیں تو آسمان کو بارش کے ذریعہ کھولا اور زمین کو نباتات کے ذریعہ۔

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

میں کہتا ہوں کہ یہ بڑی اچھی اور عمدہ تفسیر ہے اور یہ باب استعارہ میں سے ہے اسی مفہوم کی طرف متقدمین مفسرین گئے ہیں۔ لیکن یہ بات ممنوع نہیں ہے کہ قرآن میں بعض وہ شاندار علمی باتیں ہوں کہ جن کا جدید (سائنسی) علوم نے انکشاف کیا ہے۔ پس قرآن کئی وجوہ (معانی ومطالب) کا محتمل ہے اور قرآن کے اسرار (ورموز) کے سمجھنے میں یہاں کوئی (زور) زبردستی نہیں ہے۔ بہت دفعہ متاخرین نے وہ بات سمجھی ہے کہ جس کو متقدمین نہ سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (حم السجدۃ: ۵۳)

"اب ہم دکھلائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے۔" (تفسیر عثمانی)

شاید یہ بھی انہی نشانیوں میں سے ایک ہو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان (جدید علوم والوں) کو بیسویں صدی میں بتایا (اور سمجھایا) ہو۔

(۲) تخلیق کائنات

استاد طبارہ فرماتے ہیں:

"علم ہئیت کا عالم جینز کہتا ہے۔ "کائنات کا مادہ ایک منتشر گیس کی شکل میں فضا میں ایک منتشر شکل میں پھیلنا شروع ہوا اور یہ اجرام سماوی (یعنی تمام فلکی اجسام) اس گیس کے ٹکڑے (سیال مادہ کی شکل میں تبدیل) ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔"

ڈاکٹر یو مو کہتا ہے:

"یہ کائنات اپنی ابتدائے آفرینش میں گیس سے بھری ہوئی تھی (اور) ایک ترتیب سے پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس سے تمام نظام (اور تمام اقسام کی کائناتی وجودی شکلیں) پیدا ہوئیں۔"

ہم قرآن میں وہ دعوت پاتے ہیں کہ جو اس نظریہ کی تائید کرتی ہے اگر قرآن نے اس کی خبر نہ دی ہوتی تو ہم اس نظریہ کو بہت مستبعد (دور از کار ناممکن الوجود نظریہ) سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾ (حم السجدۃ: ۱۱)

"پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا پھر کہا اس کو اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے یا زور سے وہ بولے ہم آئے ہیں خوشی سے۔" (تفسیر عثمانی)

پس قرآن نے اس کائنات کی ابتدائے پیدائش کی دھوئیں کے ساتھ تصویر پیش کی ہے اور یہ واضح ہے کہ جس کو رب پیدا کرنے والا ہے وہ اس سے (یعنی گیس اشیاء میں سے) سمجھتے تھے۔ کوئی ایسی (آیت سے) چودہ صدیاں پہلے یہ قدرت تھی کہ ان باتوں کا ایسے وقت میں ادراک کر لیتا کہ جب لوگ اس کائنات اور اس کے مخفی رازوں کو نہیں جانتے تھے۔

(۳) ایٹم کی تقسیم

انیسویں صدی (عیسوی) تک یہی زبردست اعتقاد رہا کہ ایٹم (ہی) وہ سب سے چھوٹا جز ہے کہ جس کا کسی عنصر میں پایا جانا ممکن ہے اور یہ کہ وہ ناقابل تجزی (اور ناقابل تقسیم) ہے کیونکہ یہ وہ جز ہے کہ جو تقسیم نہیں ہوتا۔ تحقیق اس نظریہ (و اعتقاد) پر صدیاں بیت گئیں اور گزشتہ دسیوں سالوں سے علماء نے اپنی دلچسپی (اور توجہ) کو ایٹم کے (اس) پیچیدہ مسئلہ کی طرف پھیرا اور انہیں ایٹم کی تقسیم و تجزیہ کرنا ممکن ہوا۔ انہیں نے پایا (اور انہیں معلوم ہوا) کہ ایٹم ان دقائق (اور بہت باریک ذرات) پر مشتمل ہے (وہ یہ ہیں)

(۱) پروٹان (Proton) (۲) نیوٹران (Newtron) (۳) اور الیکٹرون (Electron)

اسی (تقسیم و) تجزیہ (کی بنا پر اور) اس کے واسطے سے انہوں نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ایجاد کیا۔ اور ہم قیامت کے ترجمہ نے اور انجینئروں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔

ذرا تو دو روئی خبر دیتے ہوئے اس ارشاد خداوندی کو کان لگا کر سن!

يحاول عمل المستحيل، وقد جاء هذا العصر فأظهر معجزة القرآن، وسجل اتفاقاً رائعاً للآية القرآنية مع الواقع العلمي فكان تأييداً لصدق نبوة محمد ﷺ فلله ما أروع هذا القرآن وما أسماه؟!

خامساً: الزوجية منبثة في كل شيء:

كان الناس يعتقدون بأن الزوجية (الذكر والأنثى) منبثة بين النوعين (الإنسان والحيوان) فقط، فجاء العلم الحديث فأثبت أنها الزوجية توجد في النبات كذلك وفي الجماد، وفي كل ذرة من ذرات الكون والوجود، حتى الكهرباء فيها (الموجب) وفيها (السالب) فله فيها شحنة كهربائية موجبة، وذلك فيها شحنة كهربائية سالبة، وحتى الذرة فيها (البروتون) و (النيترون) وكل منهما يشبه الذكر والأنثى وهذا الاكتشاف سبق إليه القرآن العظيم في عديد من الآيات الكريمة استمع إلى هذه الروائع البينات

(الف) ﴿وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ فالعموم هنا واضح (ومن كل شيء)

(ب) ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ﴾ (الاشارة هنا للنبات)

(ج) ﴿سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ﴾

فهذه الآية الكريمة عممت الزوجية في النبات والإنسان وفي كل شيء مما نعلمه أو لا نعلمه فسبحان الإله القدير العليم، الذي أحاط علمه بكل الأكوان وأحصى كل شيء عدداً.....!

سادساً: أغشية الجنين:

ثبت علمياً أن الجنين في بطن أمه محاط بثلاثة أغشية، وهذه الأغشية لا تظهر إلا بالتشريح الدقيق، وتظهر بالعين المجردة كأنها غشاء واحد، وهذه الأغشية هي التي تسمى (الغشاء المنباري) و (الكوريون) و (اللفائفي) هذا ما أثبته الطب الحديث، وقد جاء القرآن الكريم مؤيداً لهذه الحقيقة العلمية، وذلك في سورة الزمر في قوله جل وعلا: ﴿يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾ ففي هذه الآية معجزة علمية للقرآن، فقد أخبر أن الجنين له ثلاثة أغشية أسماها (ظلمات) لأن الغشاء حاجز وحجاب يحجز عنه النور والضياء، وهي في العلم الحديث ثلاثة أغشية.

سابعًا: التلقيح بواسطة الرياح:

اثبت العلم الحديث أن الهواء ينقل الأعضاء المذكرة إلى المؤنثة في النخيل والتين وغيرها من الأشجار المثمرة. فيكون التلقيح بواسطة الرياح والهواء، وهذه الناحية العلمية تحدث عنها القرآن الكريم في قوله جل شأنه: ﴿وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ﴾ وهذا سبق للقرآن في الحقائق العلمية الثابتة مما يدل على صدق النبوة.

ثامنًا: الحيوان المنوي:

اكتشف الطب الحديث أن هذا السائل من مني الإنسان يحوي حيوانات صغيرة تسمى (الحيوانات المنوية) وهي لا ترى بالعين المجردة إنما ترى (بالمكروسكوب) وكل حيوان منها له رأس ورقبة وذيل يشبه دودة العلق في شكلها ورسمها، وأن هذا الحيوان يختلط بالبويضة الأنثوية فيلقحها، فإذا ما تم اللقاح انطبق عنق الرحم فلم يدخل شيء من بعده الى الرحم، وأما بقية الحيوانات فتموت، وهذه الناحية العلمية وهي أن الحيوان المنوي يشبه العلق في الشكل والرسم فقد أثبتها القرآن، استمع إلى قوله جل وعلا: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝﴾

فهذه الآية معجزة بينة من معجزات القرآن لم يظهر وقت نزولها ولا بعده بمئات السنين إلى أن اكتشف المجهر المكبر (المكروسكوب) وعرف كيف يتكون الإنسان بقدرة الله.

تاسعًا: اختلاف بصمات الإنسان:

في القرن الماضي سنة ١٨٩٢م استعملت في انكلترا رسميا طريقة للتعرف على الشخص بواسطة بصمات الأصابع، وأصبحت هذه الطريقة متبعة في جميع البلاد؛ ذلك لأن بشرة الأصابع مغطاة بخطوط دقيقة وعلى عدة أنواع (أقواس، عرى، دوامات) وهذه الخطوط لا تتغير مدى الحياة وجميع أعضاء الجسم تتشابه أحيانا ولكن الأصابع لها مميزات خاصة إذ انها لا تتشابه ولا تتقارب وهنا المعجزة الإلهية، فلماذا اختار الله سبحانه بنان الإنسان في إقامة الدليل على البعث. ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ۝ بَلَى قَادِرِينَ عَلَى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ﴾

عاشرًا: اكتشاف رياضي خلاق: [illegible] الاوكسجين الصناعي [illegible] الطيار: [illegible]

آکسیجن۔ فقدم: قلت۔ اختراع: ایجاد۔ صعود: اوپر چڑھنا۔ وجیب: جڑا ہوا ہونا۔ دو حصوں کا دو نا۔ شحنة: بجلی۔ بار الموجب: مثبت (Positive)۔ السالب: منفی (Negative)۔ الغشیة: غشاء کی جمع، نرم باریک جھلی کہ جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے۔ تنفیخ: درختوں کی پیوندکاری یا آدمی کی حمل کاری۔ الحیوان المنوی: مرد کا نطفہ۔ Mlae semen male sperm مجہر: خوردبین۔ Microscope انکلترا: England برطانیہ۔ بصمات الاصابع: انگلیوں کے نشانات Finger Prints۔ اقواس: قوس کی جمع کمان۔ عراوی: عروہ کی جمع گول کڑا۔ دوامات دوامة کی جمع گول لٹو۔ بنان: انگلیوں کے پورے

ترجمہ: (۴) آکسیجن کی کمی

استاذ طبارہ فرماتے ہیں

جہازوں کی ایجاد کے بعد سائنسدانوں پر (یہ) ایک نئی طبعی بات ظاہر ہوئی کہ فضا (خلا) کے بالائی (اور اوپر کے) طبقات میں آکسیجن کی کمی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب جب بھی انسان نے (آسمانی فضاؤں میں) پرواز کی اور آسمانی فضا میں بلندی پر گیا تب تب اس نے اس بڑی بات کو محسوس کیا اور وہاں سینہ کی تنگی اور سانس لینے کی دقت کو محسوس کیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ گلا گھٹنا محسوس کرتا۔ اسی لئے پائلٹ (اور جہاز کے کیپٹن) سواریوں کو یہ تعلیم (اور ہدایات) دیتے ہیں کہ وہ مصنوعی آکسیجن کا استعمال کریں جب جہاز انہیں ۳۵ ہزار فٹ سے زائد بلندیوں پر لے جائے۔ یہ وہ بڑی (اور ظاہر) علمی (حقیقت) ہے کہ جس کی طرف قرآن کریم نے (آج سے) چودہ سو سال پہلے (ان) جہازوں کی ایجاد سے پہلے (ہی) اشارہ کر دیا تھا۔

(ذرا) تو اس رب تعالیٰ کا فرمان (کان لگا کر) سن!

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ (الانعام: ۱۲۵)

"سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کے سینے کو واسطے قبول کرنے اسلام کے اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے کر دیتا ہے اس کے سینے کو تنگ بے نہایت ❶ تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔" (تفسیر عثمانی)

تحقیق متقدمین مفسرین اس آیت کی تفسیر ان معانی (ومطالب) کے مطابق کرتے تھے کہ جو ان کے زمانہ کے موافق (اور اس دور میں متعارف ومشہور) ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ "كانما يصعد في السماء" (کی تفسیر) میں یہ کہا کرتے تھے: "یعنی جیسے وہ شخص کہ جو آسمان پر چڑھنے کی کوشش کرے جبکہ اس میں اس کی استطاعت نہیں ہے یا اس شخص کی طرح کہ جو ایک ناممکن کام کرنے کی کوشش کرے۔" پھر یہ (جدید) دور آیا۔ اور اس نے قرآن کا (یہ) معجزہ ظاہر کیا۔ (یعنی قرآن کا یہ معجزہ جواب

❶ ترجمہ کا مطلب معروف کتاب نبوت محمد سے ترجمہ ہے، دیکھئے حاشیہ کتاب ہذا صفحہ ۱۰۳ (ترجمہ)

تک لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا، کھل کر سامنے آیا تو کہ اس مجموعی ساخت، پرداخت میں اس دور کا کوئی عمل دخل ہے (نسیم) اور اس نے بھی تحقیق کے ساتھ اس قرآنی آیت کے ساتھ نہایت عمدہ (اور شاندار) اتفاق (اور موافقت) بیان کی۔
یس یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے قرآن کا نہایت شان و شوکت والا ہونا اور اس کا بلند مرتبہ ہونا۔

(۵) ہر شئے میں جوڑا جوڑا ہونا چھپا ہوا ہے

الاستاذ طبارہ فرماتے ہیں:

"(پہلے) لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے (اور سمجھتے تھے کہ) زوجیت ہونا (یعنی مذکر اور مؤنث ہونا) یہ فقط دو نوعوں (یعنی) انسان اور حیوان میں شائع (اور پھیلی ہوئی) ہے پھر جدید (سائنسی) علم (کا دور) آیا جس نے یہ ثابت کیا کہ زوجیت (یعنی مذکر مؤنث ہونا) یہ نباتات میں (بھی) پائی جاتی ہے ● اسی طرح کائنات اور (اشیاء) موجودہ کے ہر ہر ذرہ اور عناصر میں (بھی) یہاں تک کہ بجلی کرنٹ میں بھی مثبت (Positive) اور منفی (Negative) ہونا (پایا جاتا ہے) اور (یوں کہا جاتا ہے)" اس میں مثبت کرنٹ والی بجلی ہے اور اس میں منفی کرنٹ والی بجلی ہے (یا یہ Positive بجلی ہے اور یہ Negative بجلی ہے) یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ مثبت تار ہے اور وہ منفی تار ہے۔ (نسیم احمد) سائنس میں بھی یہ دونوں اور غیر ان کی زوجیت ہے ان میں سے ہر ایک مذکر اور مؤنث کے مشابہ ہے۔ (یعنی جوڑا جوڑا ہیں) اور جس دریافت کی طرف قرآن کریم نے متعدد آیات میں سبقت کی ہے (یعنی اس دریافت کو سب سے پہلے قرآن کریم نے متعدد آیات میں بیان کیا ہے)"

تو (ذرا ان) شاندار دلائل کو (کان لگا کر) سن (کہ جو قرآن نے بیان کئے ہیں۔

(۱) ﴿وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (الذریات: ۴۹)

"اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تا کہ تم دھیان کرو۔" (تفسیر عثمانی)

اس مقام پر "ومن کل شیء" سے (ہر ایک شئی میں جوڑا جوڑا ہونے کا) عموم واضح ہے۔

(۲) ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ﴾ (الشعراء: ۷)

"کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اگائیں ہم نے اس میں ہر ایک قسم کی خاص چیزیں۔" (تفسیر عثمانی)

یہاں نباتات کی طرف اشارہ ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ﴾ (یس: ۳۶)

● اس کے لئے دیکھئے F.Sc اور B.Sc کی بیالوجی، زوالوجی اور باٹنی کی پنجاب بورڈ کی نصابی کتب۔ (نسیم)

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے۔" (تفسیر عثمانی)

پس یہ آیت قرآن کے معجزات میں سے ایک بلیغ معجزہ ہے جو نزول قرآن کے وقت اور اس کے بعد کئی صدیوں تک ظاہر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ خُردبین اسکوپ ایجاد ہوئی۔ اور (پھر) یہ ہو گیا کہ انسان کیسے اللہ کی قدرت سے تخلیق پاتا ہے۔

(۹) انسان (کی انگلیوں) کے نشانات کا اختلاف

گزشتہ صدی ۱۸۸۴ء میں ملک (انگلستان) میں سرکاری طور پر انگلیوں کے نشانات (یعنی فنگر پرنٹس) کے ذریعے آدمیوں کی پہچان کا ایک طریقہ استعمال کیا گیا پھر یہ طریقہ تمام ملکوں میں استعمال کیا جانے لگا وہ اس لئے کہ (انسانی) انگلی کی کھال باریک لکیروں (اور نشانات) سے کھینچی ہوتی ہے۔ اور وہ لکیریں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔

(قوس نما) کڑوں اور حلقوں (نما) اور پانی کی نہروں (نما) اور یہ انگلیوں کی لکیریں (اور نشانات) زندگی بھر نہیں (مٹتے اور نہ ہی) بدلتے ہیں اور باقی تمام انسانی اعضاء (باہم) یکساں (اور ہم شکل) ہو جاتے ہیں۔ لیکن انگلیوں کی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں کیونکہ وہ نہ ہی باہم یکساں (اور) ہم شکل ہوتی ہیں اور نہ ہی قریب قریب (ایک دوسرے کے مشابہ) ہوتی ہیں۔ پس یہ ایک معجزہ الہیہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد جی اٹھنے پر دلیل قائم کرنے کے لئے انسانی انگلیوں کے پوروں کو (دلیل کے طور پر) اختیار کیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ﴾ (القیامۃ: ۳-۴)

"کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں کیوں نہیں ہم ٹھیک کر سکتے ہیں اس کی پوریاں۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

مناسب ہے کہ "ختام المسک" کے طور پر علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کا ایک مضمون مختصر ذکر کر دیا جائے۔

قرآن کریم کے موضوع کو غلط سمجھنا

(علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس عنوان کے تحت ارشاد فرماتے ہیں)

"بعض حضرات اس جستجو میں رہتے ہیں کہ قرآن کریم سے کائنات کے تمام سائنسی اور طبی مسائل اور حقائق مستنبط کریں۔ اور سائنس کے مسلمات کو قرآن سے ثابت کیا جائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر قرآن کریم سے یہ مسائل ثابت نہ ہوئے تو (معاذ اللہ) یہ قرآن کریم کا نقص ہوگا۔ چنانچہ وہ پورے خلوص کے ساتھ قرآن کریم سے سائنسی مسلمات ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اور بعض اوقات اس کوشش میں وہ قرآن کریم کے الفاظ کو غلط معنی پہنا دیتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا اصل موضوع سائنس نہیں ہے اگر اس میں کہیں کائنات حقائق کا ذکر

ہے تو ضمنی طور پر آیا ہے۔ لہٰذا اگر اس میں کوئی سائنٹیفک حقیقت واضح طور پر مل جائے تو اس پر بلاشبہ ایمان رکھنا چاہیے لیکن سائنس کا کوئی مسئلہ پہلے سے ذہن میں رکھ کر قرآن کریم سے اس کو زبردستی نکالنے کی کوشش کرنا ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص طب کی کتاب میں قانون کے مسائل تلاش کرنے لگے۔

قرآن کریم نے اپنا موضوع اور مقصد نزول مبہم نہیں چھوڑا بلکہ بیسیوں آیات میں واضح کر دیا ہے کہ اسے کیوں نازل کیا گیا ہے اس کے بعد علامہ موصوف نے نہایت تفصیل سے قرآنی آیات کو اس دعویٰ کی دلیل میں پیش کر لے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

یہ چند مثالیں ہیں اگر صرف انہی پر غور کر لیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم کا اصل مقصد انسان کو آخرت کی تیاری پر آمادہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب و تعلیم دینا ہے اور باقی تاریخی واقعات اور آفاق و کائناتی حقائق اس بنیادی موضوع کی تائید و تقویت کے لئے ہیں۔ لہٰذا اگر اس میں سائنس کا کوئی مشہور مسئلہ نہ ہو تو نہ یہ عیب کی بات ہے اور نہ تعجب کی کیونکہ یہ قرآن کا موضوع ہی نہیں۔ بعض لوگ غیر مسلموں کے اعتراضات سے متاثر ہو کر اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ قرآن کریم سے سائنس وغیرہ کا کوئی نہ کوئی مسئلہ کسی نہ کسی طرح ثابت کیا جائے۔ یہ در حقیقت قرآن کی کوئی قابل قدر خدمت نہیں ہے کہ قرآنی الفاظ کو زبردستی توڑ مروڑ کر اس سے سائنس کے مسائل نکالے جائیں۔ صحیح یہ ہے کہ قرآن کریم نہ سائنس یا انجینئرنگ کی کتاب ہے۔ اور نہ مادی ترقی حاصل کرنے کے طریقے کا موضوع ہیں۔"

ہماری اس گزارش کا منشاء ہرگز نہیں ہے کہ قرآن کریم سے سائنس کا کوئی مسئلہ اخذ کرنا علی الاطلاق جرم ہے۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ قرآن کریم میں ضمنی طور پر بہت سے سائنسی حقائق کا ذکر آیا ہے چنانچہ جہاں کسی آیت سے کوئی واضح سائنٹیفک بات معلوم ہو رہی ہو اسے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس معاملہ میں مندرجہ ذیل غلطیوں سے پرہیز کیا جائے۔

(۱) جو مسائل سائنس کے قرآن میں ضمناً مذکور ہیں ان کی بنیاد پر قرآن کو سائنس کی کتاب باور کرنا غلط ہے۔

(۲) کسی جگہ کوئی سائنس کا مسئلہ نامحتمل ہو وہاں محض زور زبردستی سے الفاظ کو توڑ مروڑ کر سائنس کی کسی دریافت پر چسپاں کرنا درست نہیں۔

یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ قرآن سے سائنٹیفک مسائل کا استنباط بسا اوقات خلوص پر مبنی ہوتا ہے۔ ان کا منشا غیر مسلموں کو یہ بتانا ہوتا ہے کہ دیکھو جو بات تم نے صدیوں کے بعد معلوم کی ہے وہ قرآن نے پہلے ہی بتا دی ہے لیکن اگر یہ استنباط اصول تفسیر کو نظر انداز کر کے کیا گیا ہے تو یہ قرآن کے ساتھ نادان دوستی کا ثبوت ہوگا۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ ❶ (علوم القرآن صفحہ ۳۸۱-۳۹۵ ملخصاً بتصرف)

---

❶ اس کے لئے دیکھیں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتاب "انتباہات المفیدہ" اور اس کی حل الاشتباہ جلد چہارم جلد صفحہ ۳۴ تا ۳۶ مطبوعہ ملی۔

(٧) الوفاء بالوعد:

ومن وجوه الإعجاز في القرآن الكريم (الوفاء بالوعد) في كل ما أخبر عنه، و في كل ما وعد الله سبحانه عباده به، وهذا الوعد ينقسم إلى قسمين:

(الف) وعد مطلق

(ب) وعد مقيد.

فالوعد المطلق: كوعده بنصر رسوله، وإخراج الذين أخرجوه من وطنه، ونصر المؤمنين على الكافرين، وقد تحقق ذلك كله إن شئت قوله جل وعلا:
﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ٥ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ٥ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ٥﴾ (الفتح: ١ - ٣) وقد تحقق هذا النصر بفتح مكة، وبدخول الناس في الإسلام أفواجا أفواجا، وبذلك تمت النعمة على سيد الأنام محمد ﷺ وأقر الله عينه بنصره على أعدائه ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ٥ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ٥ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ٥﴾ (النصر: ١ - ٣)
وصدق الله وعده بنصرته لأنبيائه وأوليائه ﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ (المؤمن: ٥١)

ومن الوعد المطلق قوله جل ثناؤه: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ٥﴾ وقد تحقق نصر المؤمنين في مواطن عديدة (في بدر، وأحد) وغيرهما من المعارك العظيمة التي شهدها تاريخ الإسلام، اقرأ قوله تعالى ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ وقوله جل وعلا: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ﴾ تحسونهم: أي تقتلونهم قتلاً ذريعا.

ومن الوعد المطلق قوله سبحانه ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ (النور: ٥٥) الآية.

وقد تحقق الوعد فانتصر المؤمنون حتى فتحوا مشارق الأرض ومغاربها، وسارت جيوشهم حتى بلغت أقاصي المعمورة، وقد كان (أبوبكر) إذا أرسل جيوشه للغزو عرفهم ما وعدهم الله ليثقوا بالنصر ويستيقنوا بالظفر. ومن الوعد المطلق قوله سبحانه: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ٥﴾ (الفتح: ٢٨)

أما الوعد المقيد فهو ما كان فيه شرط، كشرط التقوى، وشرط الصبر، وشرط نصرة دين

الله وما شابه ذلك. قال تعالى: ﴿إن تنصروا الله ينصركم ويثبت أقدامكم﴾ وقال تعالى: ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب﴾ وقال تعالى: ﴿ومن يتق الله يجعل له من أمره يسرا﴾ وقد وعد الله المؤمنين بالنصر بشرط الصبر كما قال تعالى:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ﴾ (الانفال: ٦٥)

ترجمہ:

اعجاز قرآن کی ساتویں وجہ (الٰہی) وعد(وں) کا پورا ہونا

مؤلف کتاب یہاں سے پھر اعجاز قرآن کی وجوہ کے موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے اعجاز قرآن کی ساتویں وجہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں سے ایک (یہ ہے کہ قرآن نے) جس وعدہ کی خبر دی ہے یہ "وعدہ کا ایفاء" ہے اور یہ اس بات کا پورا کرنا ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے۔"

یہ وعدہ دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے

(۱) مطلق وعدہ (۲) مقید وعدہ

(۱) مطلق وعدہ

جیسے اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کی مدد کا وعدہ اور ان لوگوں کے نکالے جانے کا وعدہ کہ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے وطن (مبارک) سے نکالا اور مومنوں کی کفار کے مقابلے میں مدد کا وعدہ تحقیق یہ سب کے سب کے وعدے پورے ہوئے۔

اگر تو چاہے تو اس ارشاد خداوندی کو پڑھ۔ ❶

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝﴾ (الفتح: ۱-۳)

"ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد۔" (تفسیر عثمانی)

---

❶ غالباً یہاں متن کتاب میں کاتب یا مولف سے سہو ہوا ہے کیونکہ عبارت "ان شئت فاقرأ" ہے [illegible] اگر یہ عبارت یوں ہوتی "ان شئت فتعرف قول جل وعلا" یا اس جیسا کوئی حرف الحق یا فعل ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔ جیسا کہ خود مولف موصوف نے ص ۱۳۶ پر یہی عبارت لائے ہیں "اقرأ قوله تعالیٰ"
اہل علم حضرات بھی اس [illegible] کی اس رائے سے اتفاق کریں۔ (مترجم)

تحقیق یہ نصرت فتح مکہ اور لوگوں کے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے سے پوری ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کی مدد کر کے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔ (ارشاد باری تعالیٰ)

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○﴾ (النصر: ۱ - ۳)

"جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فیصلہ تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے دین میں غول کے غول تو پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں اور گناہ بخشوا اس سے بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی نصرت کا وعدہ سچ کر دکھایا (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿إِنَّا لَنَنصُرُ .... يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ (غافر: ۵۱)

"ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگانی میں اور جب کھڑے ہوں گے گواہ۔" (تفسیر عثمانی)

اور مطلق وعدہ کے متعلق اللہ جل شانہ کا یہ قول (بھی) ہے۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ○﴾ (الروم: ۴۷)

"اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی۔" (تفسیر عثمانی)

اور ایمان والوں کی مدد کئی جگہوں (مثلاً) بدر اور احد اور دوسرے بڑے بڑے عظیم الشان (جنگی) معرکوں میں ظاہر ہوئی جس کی تاریخ اسلام گواہی دیتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول (پڑھو)

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران: ۱۲۳)

"اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے۔ سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم احسان مانو۔" (تفسیر عثمانی)

اور اس ارشاد خداوندی (کو بھی پڑھو)

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ ---------- بِإِذْنِهِ﴾ (آل عمران: ۱۵۲)

"اور اللہ تو سچا کر چکا اپنا وعدہ تم سے جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے۔" (تفسیر عثمانی)

مولف کتاب "تحسونهم" کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (یعنی تم ان کو بے تحاشا قتل کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول (بھی) مطلق وعدہ میں سے ہے۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾

"وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان کے اگلوں کو۔" (تفسیر عثمانی)

بے شک یہ وعدہ پورا ہوا مسلمان نصرت یافتہ ہوئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مشرق و مغرب کو فتح کر لیا۔ ان کے لشکر چلے یہاں تک کہ وہ دور دراز کی آبادیوں تک پہنچے اور (حضرت) ابوبکر (صدیق ؓ) جب کسی غزوہ کے لئے اپنے لشکر روانہ فرمایا کرتے تھے تو انہیں بتلاتے کہ اللہ نے ان سے کیا وعدہ کر رکھا ہے تا کہ وہ صبر کے ساتھ تقویٰ اختیار کریں۔ (اور جمے رہیں) اور انہیں (اپنی) کامیابی کا یقین ہو جائے۔

﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ (الغافر: ٥١)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد (بھی) وعدہ مطلق ہی سے ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾

(الفتح: ٢٨)

"وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر اور سچے دین پر تا کہ اوپر رکھے اس کو ہر دین سے اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا۔" (تفسیر عثمانی)

مقید وعدہ

یہ وہ وعدہ ہے کہ جس میں کوئی شرط تھی۔ جیسے تقویٰ صبر اور اللہ کے دین کی نصرت کرنے کی شرط اور اس جیسی اور شرطیں وغیرہ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿إِن تَنصُرُوا اللَّهَ ------- أَقْدَامَكُمْ﴾ (محمد: ٧)

"اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جما دے گا تمہارے پاؤں۔" (تفسیر عثمانی)

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: ٢-٣)

"اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے گا اس کا گزارہ (چھٹکارہ) اور روزی دے اس کو جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہو۔" (تفسیر عثمانی)

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾ (الطلاق: ٤)

"اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے کر دے وہ اس کے کام میں آسانی۔" (تفسیر عثمانی)

اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے صبر (اور لڑائی میں جم جانے) کی شرط کے ساتھ ایمان والوں کی نصرت (و مدد) کا وعدہ فرمایا جیسے

کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝﴾ (الانفال: ٦٥)

"اے نبی! شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا، اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سو شخص تو غالب ہوں ہزار کافروں پر اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

درحقیقت یہ بھی قرآنی پیشین گوئیوں کی ہی ایک قسم ہے کہ جو وعدہ کی صورت میں تھیں۔ علماء کرام نے قرآنی وعدوں کو جمع فرمایا ہے اس کے لئے دیکھیں۔ (بائبل سے قرآن تک جلد۲ صفحہ ۳۳۰ تا ۳۴۸)

(٨) العلوم والمعارف:

ومن وجوه إعجاز القرآن هذه العلوم والمعارف التي زخر بها القرآن الكريم، والتي بلغت من ناصعة البرهان وقوة الحجة مبلغا يستحيل على محمد — وهو رجل أمي نشأ بين الأميين — أن يأتي بها من عند نفسه، بل يستحيل على أهل الأرض جميعا من أدباء وعلماء، وفلاسفة وحكماء، ومن مشرعين وعباقرة أن يأتوا بمثل هذه العلوم والمعارف، وفي هذا الوجه من وجوه إعجاز القرآن حجة دامغة، وبرهان ساطع، يقصم ظهر كل أفاك معاند، يزعم أن ما جاء به محمد إن هو إلا (تعاليم الكتب السابقة) استمدها محمد من بعض أهل الكتاب في عصره ثم نسبها إلى ربه ليستمد من هذه النسبة قدسيتها ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ ونحن نقول لهؤلاء العمي: كيف يكون القرآن نسخة عن الكتب السابقة، وقد جاء منكرا على أهلها، مخالفا لأكثرها، بل جاء مفندا وهادما لأصول أفكارها وعقائدها بسبب ما دخل فيها من تحريف وتبديل؟! كيف يمكن أن تتفق عقيدة (التوحيد) مع عقيدة (التثليث) وبينهما كما بين السماء والأرض؟! ألم يسمعوا الحكم القاطع الجازم فيهم بأنهم كفرة فجرة يعبدون أحبارهم ورهبانهم من دون الله؟ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (التوبة: ٣٠، ٣١)

جاء القرآن بالعلوم المتنوعة، والمعارف المتعددة في العقائد والعبادات والتشريع

﴿كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا﴾ (الکہف ۵)

"کیا بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

ہم ان اندھوں سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن گزشتہ (آسمانی) کتابوں سے کیسے ماخوذ ہو سکتا ہے جبکہ وہ خود ہی کتاب کا منکر بن کر آیا ہے اور ان اکثر کتابوں کے مخالف (بھی) ہے۔ بلکہ قرآن تو ان کتابوں کے عقائد و افکار کو ان میں داخل ہو جانے والی تحریف و تبدیلی کی وجہ سے باطل قرار دینے والا (اور ان تحریف شدہ عقائد کو رد) کرنے والا (اور تنقید کرنے والا) بن کر آیا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عقیدہ توحید عقیدہ تثلیث کے موافق (و مطابق) ہو۔ جبکہ ان کے درمیان (اتنی دوری ہے کہ) جتنی زمین و آسمان میں ہے؟

کیا یہ (اہل کتاب قرآن سے اس) کلمے اور پختہ علم کو اپنے بارے میں نہیں جانتے کہ یہ لوگ کافر اور نافرمان ہیں اپنے علماء اور درویشوں (پیشواؤں) کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں؟ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله ذلك قولهم بأفواههم يضاهئون قول الذين كفروا من قبل قاتلهم الله أنى يؤفكون ○ اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله والمسيح ابن مريم وما أمروا إلا ليعبدوا إلها واحدا لا إله إلا هو سبحانه عما يشركون﴾ (التوبة: ۳۰-۳۱)

"اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے۔ ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات کی ہلاک کرے ان کو اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔ ٹھہرا لیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی۔ اور ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک معبود کی۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔ وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے۔" (تفسیر عثمانی)

قرآن کریم متعدد عبادات اور تشریع و تنظیم میں اور اخلاق و معاملات میں اور تربیت و تعلیم کے اور سیاست و اقتصاد کے اور فلسفہ و اجتماع کے متعدد میدانوں میں کئی قسم کے علوم اور متعدد معارف لے کر آیا۔ اور اسی طرح قصص اور (غیب کی) خبروں میں مناظرہ و جدل کے اصولوں میں (بھی کئی طرح کے علوم و معارف اور حقائق لے کر آیا) بے شک یہ قرآن کی سب سے بڑی (اور وسیع) علمی اعجاز ہے۔ تو ایک امی شخص کے لئے یہ کیسے ممکن ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو اور نہ ہی اس نے کسی علم و تہذیب (کے چرچوں والے) یا کسی تہذیب و تمدن والے شہر میں پرورش پائی ہو کہ وہ قرآن میں موجود ان علوم و معارف کی تحقیق و تمکین اور دلائل و براہین کی تائید کے ساتھ مشتمل لائے (اور وہ بھی) اس بات کے بعد اس نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ (جو کہ چالیس سال ہے) گزار دیا ہو (اور) وہ ان (علوم و معارف میں) سے کچھ بھی نہ جانتا ہو۔ اور نہ کبھی ان کا کوئی قاعدہ و اصل (بیان کی ہو) اور نہ ہی ان (علوم و معارف) کی فروعات میں سے کسی فرع کا حکم بیان کیا ہو۔ مگر یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہو؟

علامہ سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

"قرآن کا (ایک معجزہ اس کے وہ بے پایاں علوم ومعارف اور حقائق واسرار ہیں۔ جو اس کتاب میں چھپے ہوئے ہیں۔ اور جن میں سے ہر ایک ایک مستقل معجزہ ہے انسان کا علم جتنا ترقی کرے گا۔ اور اس کی آنکھوں سے جتنے پردے اٹھتے جائیں گے قرآن کا جمال اس کو بے نقاب نظر آئے گا"۔

درحقیقت انسانی فہم کا ظرف تنگ ہے اور قرآن کی وسعتوں کا متحمل نہیں اس لئے جو کچھ حصہ میں آئے غنیمت ہے۔

ان معجزات میں اعجاز کے کئی پہلو ہیں۔ ایک پہلو قرآنی حقائق کی ابدیت اور قطعیت ہے یہ ابدیت اور قطعیت حقیقت میں علم الہٰی اور کتب الٰہیہ کا خاصہ ہے۔ تغیر اور اشتباہ انسانی علم اور انسانی معلومات کے لوازم میں سے چونکہ قرآن پورے طور پر محفوظ ہے اس لئے اس کے حقائق کی ابدیت اور قطعیت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ (مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی صفحہ ۵۰-۵۳ ملخصاً)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل کتاب

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں: "بعض یورپی مصنفین کا کہنا ہے کہ آپؐ نے پچھلی امتوں کے واقعات (معاذ اللہ) یہود ونصاریٰ سے سنے تھے۔ اور اس سلسلے میں خاص طور پر بحیرہ راہب اور نسطورا راہب کے نام لئے جاتے ہیں۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ان سے آپ ﷺ کی ملاقات کا قصہ مذکور ہے اور بعض مغربی مصنفین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ راہب آریوسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ جو توحید کا قائل تھا۔ انہی راہبوں سے آپؐ نے (معاذ اللہ) توحید کا تصور اخذ کیا۔ اور ان سے پچھلی کتابوں کا علم حاصل کیا اور انہی سے پچھلی امتوں کے واقعات سیکھے۔

لیکن اگر انصاف و دیانت دنیا سے بالکل اٹھ ہی نہ گئی ہو تو ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی یہ باور نہیں کرسکتا کہ سفر شام کے دوران اس مختصر سی ملاقات میں ان راہبوں نے اپنے سینے کی تمام معلومات آپؐ کے سامنے انڈیل دی ہوگی۔ اور آپؐ نے ان کو راتوں رات جذب کر کے ایک انقلاب آفریں دین کی بنیاد ڈال دی ہوگی۔ یہ دعویٰ کئی لحاظ سے بے بنیاد اور بلا دلیل ہے۔

(۱) کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کہ ان راہبوں کا تعلق آریوسی فرقہ سے تھا جبکہ اس فرقہ کو تو چوتھی صدی عیسوی میں ہی بدعتی اور ملحد (Heretic) قرار دے کر ان کا نام لینا بھی قابل تعزیر جرم بنا دیا گیا تھا۔

(۲) دوسرے جن روایات میں ان راہبوں سے ملاقات کا ذکر ہے ان میں یہ تصریح ہے کہ یہ ملاقات نہایت مختصر سرسری اور ضمنی تھی کہ جس میں تعلیم وتعلم کی گنجائش ممکن نہ تھی۔ تعجب ان لوگوں پر ہے کہ جو ان منکر خبر باتوں پر تو ایمان لاتے ہیں مگر آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کو نہیں مانتے۔ اگر بحیرہ راہب سے ملاقات کی روایات کو مفصل پڑھا جائے تو خوردبین لگا کر بھی اس بات کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ آپؐ نے اس راہب سے کچھ واقعات سیکھے ہوں گے۔

(۴) پھر یہ کہ یہ ملاقات مختصر تھی اور آپ ﷺ کی عمر مبارک بھی اس وقت بارہ تیرہ سال تھی۔ کیا یہ بات کوئی بھی عاقل آدمی تسلیم کر سکتا ہے کہ اس کم سنی میں چند گھنٹوں کی ملاقات میں بحیرا راہب کا ایسا گہرا علم آپ کو عطا کر دیا گیا ہو کہ آپ اہل کتاب کو چیلنج کر کے ان کی کتابوں میں تحریف ثابت کریں اور ان کی غلطیاں واضح کریں؟

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ ایسا بے بنیاد اعتراض ہے کہ جس کو آپ کے کٹر مخالف نے بھی اپنی زبان سے نکالنا پسند نہ کیا۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۸ ملخصاً)

العقيدة الإسلامية:

جاء القرآن بعقيدة سمحة صافية بيضاء نقية في ذات الله تبارك و تعالى و في حق رسله الكرام، فالله رب العالمين واحد أحد فرد صمد ليس له والد ولا ولد له جميع صفات الكمال و منزه عن جميع صفات النقص (لا ذاته تشبه الذوات ولا حكت صفاته الصفات) ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ وهو جل وعلا قيوم لا تأخذه سنة ولا نوم ولا يشغله شأن عن شأن ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ﴾ هو الخالق المنفرد بالخلق والايجاد، وبيده ناصية العباد يضل من يشاء ويهدي من يشاء وهو على كل شيء قدير، الكل خلقه والجميع عبيده ﴿إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا﴾ اقرأ إن شئت هذه الآيات الرائعة في صفات الله عز وجل:

(۱) ﴿إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ﴾ (الصافات: ۴-۵)

(۲) ﴿إِنَّمَا إِلَٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (طه: ۹۸)

(۳) ﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ۖ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا﴾ (الاسراء: ۱۱۰-۱۱۱)

(۴) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ﴾ (الفاطر: ۱۵-۱۷)

وضل اليهود بعد موسى فعبدوا عجلا، وزعموا أن لله ابنا هو العزير وشبهوا الله بالإنسان فزعموا انه تعب من خلق السموات والأرض فاستراح يوم السبت واستلقى على قفاه، وركبوا رؤوسهم فقالوا إنه - جل وعلا - ظهر في صورة إنسان وصارع اسرائيل فلم يستطع ان يغلبه

ولم يتخلص منه الرب حتى باركه وذريته فأطلقه عند ذلك يعقوب، وادعوا أنهم الشعب المختار من بين الشعوب، وأنهم أبناء الله وأحباؤه، وأن الدار الآخرة خالصة لهم من دون الناس، وأن النار لن تمسهم إلا أياما معدودة، هي مدة عبادتهم العجل أربعين يوما، كما افتروا على السيد المسيح (عيسى) فزعموا أنه ابن زنى، وأن أمه زانية، وأنهم صلبوه ليطهروا بني إسرائيل من هذه الجريمة الشنيعة. كل هذا وأمثاله كثير من أباطيل وأضاليل اليهود، جاء القرآن هادما لها، وحربا عليها، فكيف يزعمون أن القرآن نسخة عن التوراة؟

العقيدة النصرانية:

وضل النصارى فزعموا أن لله ولدا، وذهبوا إلى عقيدة معقدة من الإيمان بالتثليث (الآب، والابن، وروح القدس) ويسمونها بالأقانيم، فعيسى هو (الأقنوم) الثاني من الثالوث الإلهي الذي هو عين الأول والثالث، وكل منهما عين الآخر، الثلاثة واحد، والواحد ثلاثة، وخلعوا على رجال كهنوتهم ما هو حق لله وحده من التشريع والتحليل والتحريم، وزعموا أن (ابن الإله) صلب ليخلص الإنسان من خطيئته ويطهره من أوزاره، والأعجب من هذا أن كثيرين منهم يعتقدون بأن (عيسى بن مريم) هو الله نزل إلى الأرض بصورة بشر، إلى غير ذلك من الأباطيل والمخازي التي نسبوها إلى الله تعالى. ﴿تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا﴾

فانظر مدى البون الشاسع بين الحق الذي جاء به القرآن، وبين الباطل الذي جاء به هؤلاء وهؤلاء على أن القرآن الكريم لم يكتف بسرد هذه الأباطيل والإخبار بها عن تحريف أهل الكتاب، بل رد على أولئك ببراهينه الساطعة، وأدلته القاطعة، استمع إليه وهو يقول عن أهل الكتاب (النصارى)

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ۝﴾ (النساء: ١٧١ - ١٧٢)

واستمع إليه وهو يتكلم عن أهل الكتاب (اليهود) فيقول: ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا

لا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ○ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ○ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○﴾

(النساء: ۱۵۵ - ۱۵۸)

ولقد صرح القرآن بالتحريف الذي وقع عند أهل الكتاب في (التوراة والانجيل) و بين ان مهمة الرسول إنما هي في تصحيح ما ارتكبه أهل الكتاب من الكذب والبهتان وفي كشف ما اخفوه من آيات الله في التوراة والانجيل

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ○ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ○﴾ (المائدة: ۱۵ - ۱۶)

فهل بعد هذا البرهان من حجة أوضح على صدق سيد المرسلين (يرحم الله (البوصيري) حيث يقول

كفاك بالعلم في الأمي معجزة في الجاهلية و التأديب في اليتم

لغوت تشنیع: قابل نفرت بعیا تیں۔ برا کہنا، تقبیح۔ اقانیم: اقنوم کی جمع، شخص، عیسائیوں کے نزدیک تین اقانیم ہیں، اب (باپ) ابن (بیٹا) روح القدس (فرشتہ)۔ کہنوت: مذہبی پیشوائی۔ مذہبی منصب تشریع کا منصب۔ خلع: منع کیا۔ زری: معایب، رسوائیاں۔

ترجمہ:

اسلام کا عقیدہ (توحید)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات (بابرکات) اور اس کے انبیاء کرام (علیہم السلام) کے بارے میں ایک فراخ، صاف، روشن اور خالص عقیدہ لے کر آیا ہے۔ چنانچہ (قرآن کریم کے عقیدہ توحید کے مطابق) اللہ رب العالمین اکیلا، یکتا، تنہا (اور) بے نیاز ہے اس کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا۔ تمام صفات کمالیہ اس کے لئے ثابت ہیں، اور وہ عیب کی تمام صفات سے پاک (اور بری) ہے نہ اس کی ذات (دوسری) ذاتوں کے مشابہ ہے اور نہ (ہی) اس کی صفات (کسی کے) صفات کے مشابہ ہیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ○﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

اقانیم رکھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ تین خداؤں ❶ کے مجموعہ میں سے دوسرا ہے جو اول اور ثالث کا عین ہے اور ان تینوں میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہے۔ (لہٰذا) تین ایک ہیں اور ایک تین ہے اور انہوں نے اپنی مذہبی علماء (پوپ اور پادریوں) کو تشریع اور تحلیل و تحریم کا وہ منصب عطا کیا کہ جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اور یہ عقیدہ تراشا کہ اللہ کا بیٹا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ) سولی چڑھ گئے تاکہ وہ انسانوں کو ان کے گناہوں (کی سزا) سے چھٹکارا دیں اور انہیں ان کے گناہوں سے پاک کریں۔ اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے آخروں نے یہ عقیدہ بنالیا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) ہی اللہ ہیں کہ جو زمین پر انسانی صورت میں اتر آئے۔ اور ان کے دوسرے کئی باطل (اور گمراہ کن اور) رسوا کن نظریات ہیں کہ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

❷ ﴿تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ (الاسراء: ۴۳)

"وہ پاک ہے اور برتر شان کی باتوں سے بے نہایت۔" (تفسیر عثمانی)

ذرا تو اس حق کہ جس کو قرآن لے کر آیا ہے اور اس باطل کہ جس کو یہ یہود و نصاریٰ لے کر آئے ہیں کے درمیان زمین و آسمان کے فرق (اور ان کے درمیان انتہائی دوری) کو دیکھو مزید یہ کہ قرآن کریم نے (فقط) ان گمراہ کن نظریات کے لانے اور ان کے بارے میں اہل کتاب کی تحریف کی خبر دینے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان کا روشن دلائل اور ناقابل تردید دلیلوں سے رد بھی کیا تو (ذرا) قرآن کریم کو کان لگا کر سن وہ اہل کتاب نصاریٰ کے بارے میں (کیا) کہہ رہا ہے...... (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۞ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۞﴾ (النساء: ۱۷۱-۱۷۲)

"اے کتاب والو! مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات بے شک مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا وہ رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام ہے جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑ دو بہتر ہوگا تمہارے واسطے بے شک اللہ معبود ہے

---

❶ ثالوث: یہ نصاریٰ کے نزدیک تین خداؤں کے مجموعہ کا نام ہے اور نصاریٰ کے نزدیک اقانیم ثلاثہ کا ایک مرتبہ ہے۔ (دیکھئے القاموس الوسیط صفحہ ۲۲۰ یا ۱/ ۲۰۱)

❷ قرآن میں یہ آیت اس طرح ہے سبحنه و تعلى عما يقولون علوا كبيرا (نعیم)

کیا اس کے لائق نہیں ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز۔ مسیح کو اس سے ہرگز عار نہیں ہے کہ ہو وہ بندہ اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں اور جس کو عار آوے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا اپنے پاس ان سب کو اکٹھا۔" (تفسیر عثمانی)

اور یہی قرآن کریم وہ اہل کتاب (یہود) کے بارے میں (کیا کہہ رہا ہے۔)

قرآن کہتا ہے:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ○ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ○ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○﴾ (النساء: ۱۵۵-۱۵۸)

"ان کو جو سزا ملی سو ان کی عہد شکنی پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے سو یہ نہیں بلکہ اللہ نے مہر کر دی ان کے دل پر کفر کے سبب سو ایمان نہیں لاتے مگر کم اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا۔ اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا ولیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے۔ اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں۔ تو وہ لوگ اس جگہ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ نہیں ان کو اس کی خبر صرف اٹکل پر چل رہے ہیں۔ اور اس کو قتل نہیں کیا بے شک بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا۔" (تفسیر عثمانی)

بے شک قرآن نے واشگاف لفظوں میں وہ تحریف بتلائی کہ جو توریت اور انجیل میں اہل کتاب کے ہاں ہوئی۔ اور اس بات کو بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ اس جھوٹ اور بہتان کی تصحیح (اور تنقیح) ہے کہ جس کا اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے ارتکاب کیا اور توریت اور انجیل کے ان مقامات الٰہیہ کو کھول کر بیان کرتا ہے کہ جن کو یہود و نصاریٰ نے (اپنی قوموں سے) چھپایا۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ○ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ○﴾ (المائدہ: ۱۵-۱۶)

"اے کتاب والو! تحقیق تمہارے پاس آیا ہے رسول ہمارا ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت چیزوں سے۔ بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور

کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا سلامتی کی راہیں۔ اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور ان کو چلاتا ہے سیدھی راہ۔" (تفسیر عثمانی)

کیا اس دلیل کے بعد سید المرسلین (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت) کی صداقت پر کوئی اس سے (بھی) زیادہ واضح (اور روشن) دلیل ہے؟

اللہ رحم فرمائے۔ بوصیری پر کہ اس نے (کیا ہی خوب) کہا ہے:

كفاك بالعلم في الأمي معجزة ۔۔۔ في الجاهلية والتأديب في اليتم

"تیرے لئے یہی معجزہ کافی ہے کہ (دور) جاہلیت میں ایک امی میں علم کا ہونا اور (ایک یتیم میں یتیمی میں (اخلاق و آداب تہذیب و) تادیب کا ہونا۔"

توضیح

"عیسائیت اور یہودیت" مؤلف کتاب نے ایک نہایت طویل موضوع کو چھیڑا ہے اور اس کو بہت ہی مختصر بیان کر کے ساتھ ہی اس موضوع کو ختم بھی کر دیا ہے۔ بندہ کی علمی بساط اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اس پر کچھ لکھ سکے البتہ طالبان علوم قرآن اگر مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کریں تو ان کے لئے نہایت مفید ہوگا کہ ان کتابوں میں ان دونوں باطل مذاہب پر بھرپور روشنی اور ان کی اباطیل واکاذیب کی پوری پوری نقاب کشائی کی ہے۔

(۱) بائبل سے قرآن تک ۳ جلد کامل (مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ)

(۲) عیسائیت کیا ہے؟ (مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم)

(۳) تحریف بائبل بزبان بائبل (مولانا عبد اللطیف مسعودؒ صاحب ڈسکہ)

(۴) مقدمہ تفسیر فتح المنان (المعروف تفسیر حقانی) مولانا عبد الحق حقانیؒ صاحب

(۵) فری میسنری ایک خفیہ یہودی تنظیم (جناب بشیر الدین صاحب اسلام آباد)

(۶) یہودیت اور اس کا تعارف (جناب یوسف صاحب)

وفاؤه بحاجات البشر:

وهذا الوجه من وجوه الإعجاز ظاهر جلي، يدركه كل متأمل في شريعة الإسلام، فقد جاء القرآن الكريم بهدايات تامة كاملة شاملة واسعة تفي بحاجات البشر في كل زمان و مكان و يتجلى ذلك إذا استعرضت المقاصد النبيلة التي رمى إليها القرآن في هدايته و إرشاده وهي بإيجاز: (۱) إصلاح الأفراد (۲) إصلاح المجتمعات (۳) إصلاح العقائد (۴) إصلاح العبادات (۵) إصلاح الأخلاق (۶) إصلاح الحكم والسياسة (۷) إصلاح الشؤون المالية (۸) إصلاح

الشؤون الحربية (٩) اصلاح الثقافة العلمية (١٠) تحرير العقول والأفكار من الخرافات. ولقد احسن من قال:

شريعة الله للإنسان تبيان — وكل شئ سوى القرآن خسران

(١٠) تأثير القرآن في القلوب:

ومن وجوه إعجاز القرآن ذلك التأثير البالغ الذي أحدثه في قلوب أتباعه وأعدائه، حتى لقد بلغ من شدة التأثير ان المشركين أنفسهم كانوا يخرجون في جنح الليل يستمعون إلى تلاوة القرآن من المسلمين، وحتى تواصوا فيما بينهم الا يستمعوا الى القرآن، وان يرفعوا أصواتهم بالضجيج حينما يتلوه محمد لئلا يؤمن به الناس.

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (فصلت: ٢٦)

ولقد بلغ من تأثير القرآن في القلوب ان يهدي الى ظلاله أشد الناس عداوة له وأعظمهم عنادا، فيسلم كثير من هولاء الزعماء، وعلى رأسهم (عمر بن الخطاب) و (سعد بن معاذ) و (أسيد بن حضير) وغيرهم من السادة والرؤساء، هذا هو عمر بن الخطاب الذي يبلغ من شدة قسوته على المسلمين أن يقول فيه احدهم (والله لن يسلم حتى يسلم حمار الخطاب) والذي يبلغ من شدة عداته ان يتقلد سيفه بالظهيرة ثم يخرج ليفتش عن محمد ﷺ ليقتله ثم لا يأتي المساء إلا وقد رجع معتنقا للإسلام بسبب بضع آيات سمعها في بيت اخته من (سعيد بن زيد) والقصة مشهورة وتأمل كيف أسلم (سعد بن معاذ) سيد قبيلة (الخزرج) هو وابن أخيه (اسيد بن حضير) تروى كتب السيرة ان رسول الله ﷺ حين كان في مكة جاءه وفد المدينة الذين بايعوه بيعة العقبة فأرسل معهم صحابيين جليلين يعلمانهم الإسلام والقرآن وهما (مصعب بن عمير) و (عبدالله بن أم مكتوم)، فلما وصلا المدينة أخذا يعلمان الناس القرآن، فبلغ ذلك (سعد بن معاذ) سيد القبيلة فقال لابن اخيه (أسيد بن حضير) ألا تذهب إلى هذين الرجلين اللذين جاءا يسفهان ضعفاءنا فتنهاهما وتزجرهما عن هذا الفعل؟ فسار إليهما (أسيد) فلما انتهى إليهما قال لهما: ما جاء بكما جئتما تسفهان ضعفاءنا؟ ثم توعدهما وهددهما فقال: اعتزلا إن كانت لكما في انفسكما حاجة؟ فقال له (مصعب) رضي الله عنه: أو تجلس فتسمع؟ فإن رضيت أمرا قبلته وإن كرهته كففنا عنك ما تكره فجلس أسيد وجعل مصعب يقرأ وهو يسمع، فما انتهى من مجلسه حتى أسلم، ثم كر راجعا إلى سعد فقال له: والله ما رأيت بالرجلين

بأس" واختفى أمامه إسلامه" فغضب (سعد) وقام بنفسه ثائرا مهتاجا" فقال لهما: ما جاء بكما اجتمعا تسفهان ضعفاءنا؟ اعتزلانا" فقال له مصعب: أو تجلس فتسمع فإن رضيت أمرا قبلته منا وإن كرهته كففنا عنك ما تكره" فقال أنصفتما" فجعل مصعب يتلو القرآن عليه وسعد يستمع" يقول (مصعب) والله لقد كان وجه سعد يشرق بالإيمان وهو يستمع القرآن لما انتهى مصعب من القراءة حتى أعلن سيد الأوس إيمانه" ثم كر راجعا فجمع قبيلته وقال لهم: كيف تعدونني فيكم؟ قالوا: سيدنا وابن سيدنا" فقال لهم سعد: كلام رجالكم ونساءكم علي حرام حتى تسلموا بمحمد" فدخلوا جميعا في الإسلام..... رضي الله عن سعد وأرضاه!!

هكذا كان تأثير القرآن في قلوب الأولياء والأعداء" ولا تنس قصة (الوليد بن المغيرة) و (عتبة بن ربيعة) وغيرهما ممن تأثروا بالقرآن" ولولا حب الزعامة ولولا حب الجاه والسلطان لدخلوا جميعا في دين الله" ولكن الهداية بيد الله ﴿يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهۡدِي مَن يَشَآءُ﴾ ﴿وَهُوَ أَعۡلَمُ بِٱلۡمُهۡتَدِينَ﴾

ذكر صاحب تفسير المنار أن فيلسوفا من فلاسفة فرنسا ألف كتابا رد فيه ما زعمه دعاة النصرانية من أن محمدا ﷺ لم يأت بمثل آيات (موسى وعيسى) عليهما السلام" ولم يكن له من الآيات الخوارق ما كان لمن قبله فقال ذلك الفيلسوف: إن محمدا كان يقرأ القرآن خاشعا مولها متألها" صادعا ومتضرعا فيفعل في جذب القلوب إلى الإيمان به فوق ما كانت تفعله جميع آيات الأنبياء السابقين انظر تفسير المنار.

وذكر الرافعي" كلمة قيمة في كتابه (إعجاز القرآن) هذه الكلمة نقلها عن الأمير شكيب أرسلان: أن (لوثير) و (كلفين) المصلحين المعروفين في التاريخ المسيحي" ذكرا مرة أمام (فولتير) فيلسوف فرنسا فقال: إنهما لا يليقان حذائين لنعال محمد ﷺ.

(ا) سلامته من التناقض:

وأخيرا فإن من وجوه الإعجاز في القرآن الكريم سلامته من التناقض والتعارض خلافا لجميع كلام البشر وصدق الله حيث يقول ﴿وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِندِ غَيۡرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ ٱخۡتِلَٰفٗا كَثِيرٗا﴾ هذه بعض وجوه الإعجاز في القرآن وهناك وجوه أخرى ضربنا عنها صفحا خشية التطويل" ولا يزال الزمن يكشف عن أسرار إعجاز القرآن" فكلما تقدم الزمن تجلت نواح من نواحي إعجازه" وقام البرهان القاطع أنه تنزيل الحكيم الحميد" ومع ذلك فإن هذه الأسرار التي

ذکرھا العلماء إن ھی إلا قطرۃ من بحر علوم القرآن، و مھما اتسع القول و عظم البیان، فإن کلام الله تعالیٰ لا یحیط بہ أحد، کما لا یحیط أحد بعظمۃ ذاتہ، و جلیل صفاتہ

ترجمہ:

قرآن کریم کا نواں اعجاز ”حاجات بشریہ کو پورا کرنا“

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

”وجوہ اعجاز میں سے (قرآن کی) یہ وجہ اعجاز (بالکل) ظاہر (اور) واضح، روشن) ہے۔

جس کو ہر غور کرنے والا (قرآن کی پیش کردہ) شریعت اسلام میں پا سکتا ہے۔ تحقیق کہ قرآن کریم ایسی ہدایات کو لایا ہے کہ جو کامل و مکمل اور (جملہ ضروریات کی) شامل اور وسیع ہیں جو ہر زمانے اور ہر جگہ میں بشری حاجات کو پورا کرتی ہیں۔ اور یہ بات روشن ہو کر سامنے آئے گی کہ جب تو ان شاندار مقاصد میں بحث کرے گا جن کو قرآن نے اپنی ہدایت و ارشاد میں موضوع مقصود بنایا ہے۔

ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

(۱) فرد کی اصلاح (۲) معاشرہ کی اصلاح (۳) عقائد کی اصلاح (۴) عبادات کی اصلاح (۵) اخلاق کی اصلاح (۶) حکومت و سیاست کی اصلاح (۷) مالی معاملات کی اصلاح (۸) جنگی معاملات کی اصلاح (۹) علمی ثقافت (علمی تعلیم و تربیت) کی اصلاح (۱۰) عقلوں اور افکار کو (طرح طرح کی) خرافات سے آزاد کرنا۔ (وغیرہ وغیرہ) اور کسی نے کیا (ہی) خوب کہا ہے ؎

شریعۃ اللہ للإنسان تبیان ... وکل شیء سوی القرآن خسران ●

”اللہ کی شریعت انسان کے لئے (ایک واضح اور) روشن (راستہ) ہے اور قرآن کے سوا ہر چیز (میں) خسارہ (ہی خسارہ) ہے۔“

توضیح

علامہ عبدالحق حقانیؒ اس موضوع پر اپنے خاص انداز میں اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

”قرآن مجید میں بے شمار وہ علوم ہیں کہ جن کی طرف بندوں کو سخت حاجت ہے کہ جن کے بغیر نصاب رسالت تمام ہو ہی نہیں سکتا۔ ان میں سے یہ پانچ علم کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) علم المخاصمہ

یعنی گمراہوں کے عقائد باطلہ کا رد۔

● یہ شعر ”الحافظ ولید اعظمی“ کے قصیدہ سے لیا گیا ہے۔

(۲) علم التذکیر بآلاء اللہ

یعنی آسمانوں اور زمینوں اور جملہ مخلوقات کی پیدائش کا بیان زمین و آسمان اور رات دن میں جو کچھ عجیب مخلوقات ہیں کہ جو اس کی ذات و صفات کے ثبوت کے لئے آیات بینات اور علامات ہیں ان کا ذکر ان چیزوں کا بیان کہ جو خدا تعالیٰ نے بندوں کو الہام کی ہیں جو ان کی دنیا و آخرت میں کارآمد اور مناسب ہیں۔ تدبیر منزل و سیاست مدن و تہذیب اخلاق کو بھی نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔

(۳) علم التذکیر بایام اللہ

یعنی ان واقعات اور حوادث کا بیان کرنا کہ جن میں خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور نیک بندوں کی خوبیاں اور ان پر انعام الٰہی مذکور ہوں اور نافرمان اور سرکشوں کے ساتھ جو کچھ دنیا میں پیش آیا اور جو کچھ آخرت میں پیش آئے گا اس کا بیان ہو۔ اس سے بھی انسان کو ایک عبرت اور نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

(۴) علم التذکیر بالموت وما بعدہ

یعنی انسان کے فنا ہونے کی کیفیت اور فنا ہونے کے بعد جو کچھ اس کے اوپر گزرے گا۔ اس کا بیان۔ اسی طرح اس عالم کی فنا اور علامات قیامت کا ذکر کہ جن میں نزول مسیح و دابۃ الارض کا نکلنا یاجوج ماجوج کا زمین پر زور پکڑنا نفخ صور اور اس عالم کی بیخ و بنیاد کا گرایا جانا۔ وغیرہ وغیرہ کہ ان کو قرآن نے نئے نئے اسلوب سے مختلف سورتوں میں ذکر کیا کہ جس کو سن کر انسان کے دل پر عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے اور خدا کی محبت ظہور کرتی ہے اور دنیا و مافیہا نظروں میں سرد اور گرد معلوم ہوتی ہے یہ بھی قرآن مجید کا خاص معجزہ ہے کہ ان مضامین کو گزشتہ کتابوں میں ناقص بیان کیا گیا ہے اور قرآن میں نہایت عمدہ طور پر بیان ہے۔

(۵) علم الاحکام

یعنی بندوں کے لئے دنیا و آخرت میں جو امور ضروری ہیں اور نافع ہیں ان کو فرض واجب اور مستحب بنایا اور جو چیزیں مضر ہیں ان کے ضرر کے لحاظ سے (انہیں) حرام مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی قرار دیا۔ جو چیزیں اشد ضروری ہیں ان کو فرض اس سے کم کو واجب اور اس سے کم کو مستحب بنایا۔ اسی طرح جس کا سخت ضرر انسان کے دنیاوی معاملات پر یا روح پر پہنچتا ہے تو اس کو حرام پھر اس سے کم کو مکروہ تحریمی اور اس سے کم کو مکروہ تنزیہی اور جو مساوی الطرفین ہو نہ مضر ہو نہ نافع اس کو مباح بنایا۔ پس ان مجموعہ احکام کا نام شریعت ہے جس کو ہادی لوگ شریعت اخلاق اور باطنی احکام اور اصل شریعت کہتے ہیں۔ پر ان احکام کی دو قسمیں ہیں۔ بعض کا تعلق اعضاء سے ہے اور بعض کا دل سے ان کو نظری کہتے ہیں۔ کہ جن کی تفصیل علم العقائد میں ہے اور اول الذکر کو عملی کہتے ہیں۔ احکام عملیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہے جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ اور جہاد اور کلمہ شہادت وغیرہ اور دوسری قسم کا تعلق بندوں سے ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) تحسین احوال و اخلاق کو "تہذیب الاخلاق" کہتے ہیں۔ جیسے چوری نہ کرنا جھوٹ نہ بولنا کسی کو نہ ستانا۔ وغیرہ

(ب) اور اگر ان احکام کا تعلق ایک گھر کی معاشرت و انتظام سے ہے تو اس کو "تدبیر منزل" کہتے ہیں۔ جیسے باپ بیٹے سے کس طرح برتاؤ کرے خاوند بیوی سے کیا معاملہ کرے وغیرہ۔

(ج) اور اگر ان احکام کا تعلق ملک سے مدنیت ہو تو اس کو سیاست ملک کہتے ہیں۔ جیسے چوروں اور قزاقوں اور امن و امان میں خلل انداز ہونے والوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ یہی حکمت عملی و حکمت نظری تمام و کمال قرآن میں مذکور ہے۔ طہارت ظاہریہ و باطنیہ حدود و قصاص میراث و طلاق کی بہت کوئی بات قرآن نے نہیں چھوڑی اور اسی طرح جو چیزیں ناپاک اور نجس طبعی تھیں ان کی حرمت اور جو چیزیں پاک اور ستھری تھیں ان کی حلت بیان کر دی۔ (تفسیر حقانی جلد اول مقدمہ صفحہ ۲۲۳ ج ص ۱۳۹ ملخصاً بتصرف)

لغات: الصحیح: نص قیاس۔ بھی: بنا ہوا۔ معیق: گلے لگانے والا۔ یعتش: تلاش کرنا۔ مولفہ: فریفتہ محبت میں گرفتار۔ ثقلاء: اور قزا مرتبہ۔ صادع: بلند آواز سے پڑھنے والا، کہنے والا۔

ترجمہ: قرآن کریم کا دسواں اعجاز قرآن کی دلوں میں تاثیر

مؤلف کتاب فرماتے ہیں:

"قرآن کی وجوہ اعجاز میں سے ایک وہ عجیب تاثیر ہے کہ جو قرآن نے اپنوں اور پرائیوں (دوستوں اور دشمنوں) فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں سب کے دلوں میں پیدا کی۔ یہاں تک کہ قرآن کی شدت تاثیر یہاں تک پہنچی کہ خود مشرکین رات کے اندھیروں میں (گھروں سے چھپ چھپ کر) نکلتے (اور) مسلمانوں کی تلاوت قرآن کو سنتے۔ اور یہاں تک کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کرتے تھے۔ یہ قرآن نہ سنو اور جس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن پڑھ رہے ہوں اس وقت شور مچاؤ اور اپنی آوازوں کو بلند کر دو تاکہ (کہیں) لوگ ایمان نہ لے آئیں۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (فصلت: ۲۶)

"اور کہنے لگے منکر مت سنو اس قرآن کو اور بک بک کرو اس کے پڑھنے میں شاید تم غالب ہو"
(تفسیر عثمانی)

تحقیق: قرآن کریم کی تاثیر دلوں میں یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں میں اس کے سخت ترین دشمن اور ان کے سب سے بڑے معاند اس کے سامنے جھکے ہوئے آگئے۔ ان سرداروں میں سے بہت سارے ایمان لے آئے۔ ان میں سرفہرست (جن کا نام آتا ہے وہ یہ ہیں) حضرت عمر بن خطاب، حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم جو (عرب کے) قائدین اور (ان کے) سرداروں میں سے تھے۔ یہ عمر بن خطابؓ ہیں جو مسلمانوں پر سختی کی شدت میں یہاں تک پہنچ گئے کہ ان

کے بارے میں وہ لوگ کہتے تھے "خدا کی قسم عمر ہرگز نہ ایمان لائیں گے حتیٰ کہ ان کا گدھا ایمان لے آئے (یعنی وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے) یہ وہ عمر بن خطابؓ ہیں جو اپنی عداوت کی شدت میں یہاں تک پہنچ گئے کہ وہ ہر روز اپنی تلوار لٹکاتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے نکلتے ہیں تاکہ انہیں قتل کر دیں۔ پھر (یہ کیا ماجرا ہوا کہ) ابھی شام نہیں پڑتی کہ وہ اپنی بہن کے گھر سے حضرت سعید بن زیدؓ سے چند آیات قرآنیہ سننے کی وجہ سے (مذہب) اسلام کو اختیار کرتے ہوئے لوٹ رہے ہیں۔ اور (ان کے اسلام لانے کا) قصہ مشہور ہے۔ اور تو (ذرا) سوچ کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور ان کا بھتیجا حضرت اسید بن حضیر کیسے اسلام لائے۔ کتب سیرت میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو ان کے مدینے کے ان لوگوں کا وفد آیا جنہوں نے بیعت عقبہ کی تھی۔ پھر آپ نے ان کے ساتھ دو جلیل القدر (صحابہ) بھیجے جو انہیں اسلام اور قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ حضرت مصعب بن عمیرؓ اور عبداللہ ابن ام مکتومؓ ہیں۔ جب یہ دونوں حضرات مدینہ پہنچے تو انہوں نے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینی شروع کی۔ یہ بات قبیلے کے سردار حضرت سعد بن معاذ تک پہنچ گئی۔ تو اس پر انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت اسید بن حضیرؓ سے کہا کہ اگر تو ان دونوں شخصوں کی طرف چلا جاتا کہ جو ہمارے کمزور لوگوں کو غلط کہہ رہے ہیں تو ان کو روک آتا اور انہیں اس فضول کام پر ڈانٹ دیتا۔ (اور انہیں دھمکا آتا) چنانچہ حضرت اسیدؓ ان کے پاس گئے جب وہ ان دونوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان دونوں حضرات سے کہا "تم کس کام آئے ہو؟ تم ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنانے آئے ہو؟ پھر انہوں نے ان کو ڈرایا اور دھمکایا اور کہا: "اگر تمہیں اپنی جان کا کام ہو تو ہم سے الگ ہو جاؤ؟" تو اس پر حضرت مصعبؓ نے ان سے فرمایا: "کیا آپ ہمارے پاس بیٹھتے نہیں کہ (ہماری بات اور قرآن کی تعلیم کو ذرا) سن لیں؟ پس اگر آپ کو یہ بات پسند آئے تو اس کو قبول کر لیں اور اگر آپ کو یہ بات ناپسند ہو تو ہم آپ سے اس ناگواری کو دور کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت اسیدؓ بیٹھ گئے اور حضرت مصعبؓ نے قرآن پڑھنا شروع کیا اور وہ (توجہ سے) سنتے رہے۔ پس وہ اپنی مجلس پوری نہیں کر چکے تھے کہ اسلام لے آئے۔ پھر وہ حضرت سعد بن معاذؓ کی طرف (اپنی قوم میں) لوٹ آئے اور ان سے کہا "خدا کی قسم میں نے ان دونوں شخصوں میں کوئی بری بات نہیں دیکھی۔ اور ان کے سامنے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔ تو اس پر حضرت سعدؓ ناراض ہو گئے اور غصے سے بھڑکتے ہوئے مشتعل ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ (اور ان کے پاس گئے) اور ان سے کہا "تم دونوں کس کام آئے ہو؟ کیا تم ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنانے آئے ہو۔ تم دونوں ہم سے دور ہو جاؤ۔ تو اس پر حضرت مصعبؓ نے ان سے کہا "کیا آپ ہمارے پاس نہیں بیٹھتے کہ (ہماری دعوت اور قرآن کی تعلیم کو ذرا) سن لیں؟ پس اگر آپ کو یہ بات پسند آئی تو اس کو ہم سے قبول کر لیں اور اگر آپ کو ناپسند ہو تو ہم آپ سے اس ناگوار بات کو دور کر دیں گے۔

تو اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا "تم دونوں نے انصاف کی بات کی۔ پس حضرت مصعبؓ نے ان پر قرآن پڑھنا شروع کیا اور سعدؓ سنتے رہے۔ حضرت مصعبؓ فرماتے ہیں: "خدا کی قسم! سعد کا چہرہ ایمان (کی روشنی) سے چمکنے لگا جب وہ قرآن سن رہے تھے۔ اور حضرت مصعبؓ نے ابھی تلاوت ختم نہیں کی تھی کہ اس (قبیلے) کے سردار نے اپنے ایمان کا (ببانگ دہل) اعلان کر دیا۔ پھر وہ اپنی قوم میں لوٹ آئے اور (آکر) اپنے قبیلے کو جمع کیا اور ان سے پوچھا تم مجھے اپنے درمیان کیسا سمجھتے

ہوگا وہ کہنے لگے: "(تم) ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے (ہو)۔" تو اس پر حضرت سعدؓ نے انہیں کہا: "تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں کو بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہ لاؤ۔ چنانچہ وہ سب کے سب اسلام میں داخل ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سعدؓ سے راضی ہوا اور انہیں راضی کرے۔!!! ❶

دوستوں اور دشمنوں کے دلوں میں اس قرآن کریم کی بڑی تاثیر تھی۔ اور ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کہ جو قرآن سے متاثر ہوئے (اگرچہ ایمان نہ لائے) تو ان لوگوں کے قصے مشہور ہیں۔ اور اگر سرداری کی محبت اور حب جاہ اور حکومت کی محبت نہ ہوتی تو یہ سب لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو جاتے۔ مگر (بات یہ ہے کہ) ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (النحل۔ ۹۳)

"راہ بھلاتا ہے جس کو چاہے اور سمجھاتا ہے جس کو چاہے۔" (تفسیر عثمانی)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (النحل: ۱۲۵)

"اور وہی خوب جانتا ہے ان کو جو راہ پر ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) صاحب تفسیر منار نے ذکر کیا ہے:

"فرانسیسی فلسفیوں میں سے ایک فلسفی نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے عیسائی پادریوں کے اس (جھوٹے) گمان کا رد کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) جیسی آیات لے کر نہیں آئے۔ اور آپؐ کو اپنے سے پہلے انبیاء کی طرح خارق عادت نشانیاں (اور معجزہ) عطا نہیں ہوئے۔ وہ فلسفی کہتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کو خشوع، گرویدگی (دلربائی)، بلند آواز اور تضرع (وزاری) سے پڑھتے تھے۔ اور آپؐ لوگوں کے دلوں کو قرآن پر ایمان لانے کے لئے کھینچنے میں تمام گزشتہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ کیا اس سے زیادہ کرتے تھے۔" (اس کے لئے دیکھئے تفسیر منار)

علامہ رافعی نے اپنی کتاب "اعجاز القرآن" میں ایک عجیب بات ذکر کی ہے۔ اور انہوں نے یہ بات (علامہ) امیر شکیب ارسلان سے نقل کی ہے (وہ بات یہ ہے)

"مارگولیوث" اور "نکلسن" کہ جو عربی تاریخ کے مشہور مستشرقین ہیں ان کا ایک دفعہ "فولتیر" فرانسیسی فلسفی کے سامنے ذکر کیا گیا تو اس نے کہا: "یہ دونوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جوتیوں کے (بھی) لائق نہیں ہیں۔"

---

❶ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے یہ واقعہ حیات صحابہ جلد ۱ میں ذکر کیا ہے۔ (مترجم)

توضیح

اس عنوان کے تحت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی لکھتے ہیں:

"قرآن میں وہ خشیت اور ہیبت ہے کہ جو اس کے سننے والوں کے دلوں پر طاری ہوتی ہے اور یہ کیفیت ان لوگوں پر بھی طاری ہوتی ہے کہ جو اس کے معانی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ پہلی مرتبہ قرآن سننے کے بعد ایمان لے آئے ہیں۔ اور بعض لوگ اگرچہ اس وقت مشرف با اسلام نہ ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد اس کی کشش نے اسلام کا طوق اطاعت ان کی گردنوں میں ڈال ہی دیا۔"

اس بارے شاہ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر طیارؓ کا قرآن سنانا اور اس کا سن کر شدید متاثر ہو کر ایمان لے آنا مشہور قصہ ہے۔

قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی تفسیر میں علامہ علی القوشجی کے ایک یہودی عالم کے ساتھ ایک ماہ تک برابر مناظرہ کا ذکر کیا ہے مگر اس یہودی نے ان کی کوئی دلیل تسلیم نہ کی۔ اتفاق سے ایک روز وہ علی الصباح قاضی صاحب کے گھر آیا اور اس وقت قاضی صاحب قرآن کی تلاوت کررہے تھے اگرچہ قاضی صاحب کی آواز بڑی بھونڈی اور کریہہ تھی مگر اس کو سن کر وہ یہودی اس قدر متاثر ہوا کہ ایمان لے آیا۔ علامہ نے اس سے ایمان لانے کا سبب دریافت کیا تو کہا "میں نے پوری زندگی میں آپ سے زیادہ مکروہ اور بھونڈی آواز کسی کی نہیں سنی۔ اس کے باوجود دروازے پر پہنچتے ہی میرے کانوں میں قرآن کے الفاظ پڑے میرے قلب کو اس نے شدت تاثیر سے (متاثر کرلیا۔ اور) مسخر کرلیا۔ مجھ کو اس کے وحی ہونے کا یقین ہو گیا۔

آخر میں مولانا مرحوم لکھتے ہیں "ان واقعات سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم معجزہ ہے کیوں نہ ہو کہ جب اس کے الفاظ فصیح ہیں اس کی ترتیب و تالیف عمدہ ہے اور اس کے مضامین پاکیزہ ہیں۔ (بائبل سے قرآن تک جلد ۲ صفحہ ۳۲۵-۳۲۷ ملخصا)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"قرآن نے اس قوم پر کیا اثر ڈالا جس نے اسے تر و تازہ بتازہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا تھا۔ اس سوال کا جواب تاریخ ان درخشاں واقعات میں سے ہے جس کا اعتراف دوست دشمن ہر ایک کو کرنا پڑا ہے دنیا نے جب سے جنم لیا آسمان نے جب سے سایہ ڈالا زمین نے جب سے اپنی پشت پر اولاد آدم کو اٹھایا۔ کبھی ایسا عظیم، ایسا سریع، ایسا عجیب، محیر العقول انقلاب چشم فلک نے نہیں دیکھا ہوگا۔ جیسا بے نظیر انقلاب عرب کی مدت میں بلاد عرب اور سارے ربع مسکون کی روحانی حالت میں بالواسطہ اس بے مثال خدا کے اتارے ہوئے بے مثال قرآن کی بے مثال تعلیم سے برپا ہوا اور رونما ہوا۔

صاحب آیات بینات لکھتا ہے "قرآن حکیم ایک ایسے زمانے میں اترا جب کہ دنیا ایک عجیب بھٹکنے کی حالت میں تھی۔ اور آپ ایک ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں روحانی تعلیم کا کوئی سامان نہ تھا اور ایسی قوم کی تعلیم آپ کے ذمہ کی گئی کہ جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط راہوں اور وحشیانہ افعال اور بد خلاقی اور فسق اور جنگ جوئی کے کسی

قسم کی خرافات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مگر آپ کے اعجازی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایک عجیب اور غریب تاثیر کی کہ ان سے ان کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں۔ اور بھولوں کے بھٹکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے اور مدتوں کے سوئے ہوئے غفلت کی نیند سے چونک پڑے۔ جو مشرک تھے وہ موحد ہو گئے جو کافر تھے وہ ایمان لے آئے۔ جو بت پرست تھے وہ بت شکن بن گئے۔ جو گمراہ تھے وہ خدا کی راہ دکھانے لگے۔ جاہلانہ عصبیت اور وحشیانہ حمیت کا ان میں نام تک نہ رہا۔ خاندانی جھگڑے اور پشتینی عداوتیں جاتی رہیں۔ دماغ نخوت و غرور سے خالی ہو گئے۔ اور ان کے دل صبر و توکل، علم و بردباری، زہد و پرہیزگاری جیسے اخلاق و صفات سے بھر گئے۔ آپ کی تعلیم و تربیت نے ایک ایسا گروہ خدا پرست پاک طینت راست باز نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا جن کی کوششوں سے شرک و بت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ عرب میں گونج رہی تھی وہ بند ہو گئی۔ اور اس کے بجائے خدائے یکتا و بے چون اور بے شبہ و بے نمون کی منادی پھر گئی۔ مدتوں نے علوم کا رستہ لیا۔ بت خانے مسجد بن گئے۔ آتش کدے ٹھنڈے پڑ گئے۔ تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا اور اوہام پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا۔

کیا اس سے اس امر کا مشاہدہ اور روشن ثبوت نہیں ملتا کہ آپ حقیقت میں سچے رسول اور خدا کی طرف سے مؤید تھے۔ (اور یہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے)۔ (اعجاز القرآن ص ۷۷۔۸۷ ملخصاً)

ترجمہ: قرآن کی گیارہویں وجہ اعجاز (مضامین قرآن کا) تناقض سے سلامت رہنا

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

اور آخر میں (ہم یہ کہتے ہیں کہ) قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں سے ایک اس کا تناقض اور تعارض سے سلامت رہنا ہے بخلاف تمام انسانی کلاموں کے۔ اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتے ہیں (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۸۲)

''اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔'' (تفسیر عثمانی)

یہ قرآن پاک کی بعض وجوہ اعجاز ہیں اس کے علاوہ اور بھی وجوہ اعجاز ہیں مگر ہم نے طوالت کے خوف سے منہ پھیر لیا۔ اور وجوہ قرآن کے اعجاز کے اسرار سے پردے اٹھاتا ہی رہے گا۔ پس جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے (اور آگے بڑھتا جائے گا) اس کے اعجاز کے پہلوؤں میں سے (طرح طرح کے) پہلو روشن (اور ظاہر) ہوتے رہیں گے۔ اور قرآن کے (اللہ کریم) حمیدہ صفات (والے) حکمت والے اللہ کا نازل کردہ (کلام) ہونے پر قطعی دلیل قائم ہوتی رہے گی۔

اور اس کے ساتھ ہی یہ بات (بھی) ہے کہ (قرآن کریم کے) اسرار (اور رموز) کہ جن کو علماء نے بیان کیا ہے یہ کچھ نہیں ہیں مگر علوم قرآنی کے سمندر کا ایک قطرہ۔ اور جب جب بھی بات کھلتی جائے گی اور بیان بڑھتا جائے گا تو کلام اللہ تعالیٰ کا کوئی (بھی) احاطہ نہ کر سکے گا۔ جس طرح کہ کوئی اس کی ذات کی عظمت اور اس کی صفات کی جلالت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

الإسلام، ولما آذوه وأصحابه، ولما عذبوا المسلمين وشردوهم، ولما قاطعوا الرسول وعشيرته وحاصروهم في الشعب حتى أكلوا ورق الشجر، ولما فاوضوه وساوموه على أن يترك الدعوة ثم اضطروه إلى الهجرة هو وأصحابه الكرام، إلى غير ما هنالك من دوافع وبواعث جعلتهم يسلكون كل سبيل للقضاء على الإسلام.

رابعاً: لو كان هناك عارض مفاجئ عطل مواهبهم البيانية لأعلنوا ذلك في الناس ليلتمسوا العذر لأنفسهم، وبالتالي ليقللوا من شأن القرآن، ولكانوا بعد نزول القرآن أقل فصاحة وبلاغة منهم قبل نزوله، وهذا باطل واضح البطلان.

خامساً: لو كان هذا العارض المفاجئ صحيحاً لأمكننا نحن الآن وأمكن المشتغلين بالأدب العربي في كل عصر أن يعارضوا القرآن، وأن يثبتوا الكذب في دعوى إعجازه، وكل هذه الأشياء باطلة فهل يرضى عاقل لنفسه أن يقول بعد ذلك كله: إن العرب كانوا مصروفين عن معارضة القرآن ونبي القرآن، وأنهم كانوا منجذبين إلى العجز والكسل زاهدين في النزول لذلك الميدان؟ وهل يصح لإنسان يحترم نفسه وعقله أن يصدق بمثل هذا الافتراء القول بتعطل المواهب والقوى، بعد أن يستمع إلى شهادة ألد الأعداء من صناديد قريش وهو (الوليد بن المغيرة) حين قال كلمته المشهورة: (والله لقد سمعت آنفاً كلاماً ليس من كلام بشر ليس بشعر ولا نثر ولا كهانة، والله إن له لحلاوة، وإن عليه لطلاوة، وإن أعلاه لمثمر، وإن أسفله لمغدق، وإنه ليعلو وما يعلى) والفضل ما شهدت به الأعداء.

وأختم هذه الكلمة بما ذكره العلامة القرطبي في تفسيره (الجامع لأحكام القرآن) حيث قال: (فهذه عشرة وجوه ذكرها علماؤنا رحمهم الله في إعجاز القرآن، وهناك قول آخر ذكره النظام: أن وجه الإعجاز هو المنع من معارضته، والصرفة عند التحدي بمثله، وأن المنع والصرفة هو المعجزة دون ذات القرآن، وذلك أن الله تعالى صرف هممهم عن معارضته مع تحديهم بأن يأتوا بسورة من مثله، وهذه فاسد، لأن إجماع الأمة أن القرآن هو المعجز، فلو قلنا إن المنع والصرفة هو المعجز لخرج القرآن أن يكون معجزاً) انتهى ... والصحيح أن الإتيان بمثل القرآن لم يكن قط في قدرة أحد من المخلوقين، ويظهر لك قصور البشر في عجزهم عن الإتيان بمثل سورة من أقصر سور القرآن مع التحدي اللاذع.

ترجمہ:

"صرفہ" کے قول کے اعتراض کا جواب

(مولف کتاب وجوہ اعجاز کے بیان کے بعد اب قرآن پر کئے جانے والے فرقہ معتزلہ کے مشہور اعتراض کا تفصیلی جواب دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں)

"جب ہم قرآن کریم کی وجوہ اعجاز (کے بیان سے فارغ ہو گئے اور ان) کو پورا کر چکے تو ہم نے اپنے اوپر یہ لازم جانا کہ اس شبہ کا جواب دیں (اور اس کا دلائل و براہین کے ساتھ رد کریں کہ) جس طرف بعض معتزلہ اور بعض شیعہ گئے ہیں اور وہ "صرفہ کا قول" کرنے کا اعتراض (اور شبہ) ہے اس اعتراض کا خلاصہ یہ ہے "اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس وقت (کہ جب قرآن نازل ہوا) قرآن کے معارضہ سے پھیر دیا کہ وہ اپنی (فصاحت و) بلاغت میں اس درجہ سے آگے نہ بڑھ سکے کہ جس سے وہ عاجز ہوں اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے عزم (و ارادہ) کو قرآن کے معارضہ سے نہ پھیرا ہوتا تو وہ لوگ اس کی مثل لا سکتے تھے۔ الخ" پس آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس قول والے اس طرف گئے ہیں کہ یہ قرآن معجز (یعنی معجزہ) نہیں ہے اور بے شک اس کا (ان کے زعم باطل میں) اعجاز دو سبب سے تھا۔

(۱) وہ صارف الہٰی کہ جس نے ان کو قرآن کے معارضہ سے بے رغبت کر دیا چنانچہ وہ (اس سے) سست پڑ گئے اور (اس کے معارضہ سے) بیٹھ رہے۔

(۲) وہ اچانک آ جانے والا عارضہ کہ جس نے بیانی صلاحیتوں اور بلاغت کی قدرتوں کو معطل (اور بیکار) کر (کے رکھ) دیا۔

اور یہ قول اپنے دونوں پہلوؤں (اور شقوں) میں باطل ہے نہ ہی یہ بات بحث (و تحقیق) کے آگے ثابت ہے (اور نہ بحث کے وقت یہ باطل قول ٹھہر سکتا ہے) اور نہ ہی واقعہ کے مطابق ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں۔ (جو مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) اگر یہ قول صحیح ہوتا تو یہ اعجاز "صرفہ" (یعنی کافروں کو قرآن کے معارضہ سے پھیر دینے) میں ہوتا نہ کہ خود قرآن میں اور یہ قول بالاجماع باطل ہے۔

(۲) اور اگر صرفہ کا قول صحیح ہوتا تو یہ تعجیز ہوتا نہ کہ اعجاز (یعنی قرآن نے لوگوں کو عاجز بنایا نہ کہ وہ عاجز تھے اور یہ قرآن معجزہ نہ ہوگا) (تسیم) کیونکہ اب یہ بات اس مثال کے مشابہ ہوتی کہ (پہلے) ہم ایک آدمی کی زبان کاٹ دیں پھر اس کو بولنے کا (حکم دیں اور اس کا) مکلف بنائیں۔ لیکن یہ معجزے کے باب میں سے نہ ہوگا بلکہ یہ تعجیز (یعنی عاجز بنا دینے) کے باب میں سے ہوتا۔

(ایسی بات کو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے)

ألقاه في اليم مكتوفا وقال له   إياك إياك أن تبتل بالماء

هل حاول احد معارضة القرآن؟

أجمع رواة التاريخ والآثار على ان اساطين البلغاء وفحول الشعراء من مشركي العرب لم تحدثهم أنفسهم بمعارضة القرآن ولم ينقل عن احد منهم أنه حاول ان يأتي بمعارضة للقرآن، مع شدة حرصهم على صد الناس عن الإسلام والتكذيب برسالة محمد عليه الصلاة والسلام. ولكن نقل عن بعض السفهاء الحمقى انهم حاولوا معارضة القرآن، فكان ما اتوا به لا يخرج عن أن يكون محاولات مضحكة أخجلتهم امام البشر، وجعلتهم اضحوكة لدى العقلاء، فباءوا بغضب من الله وسخط من الناس، وكان مصرعهم هذا كسبا جديدا للحق وبرهانا ناصعا على أن القرآن كلام الله الذي لا يستطيع معارضته إنسان فمن أولئك:

(الف) مسيلمة الكذاب الذي ادعى النبوة وزعم انه شريك رسول الله في شأن النبوة وقد كتب إليه في السنة العاشرة للهجرة يقول: (اما بعد فإني قد شوركت في الأرض معك وإن لنا نصف الأرض، ولقريش نصفها، لكن قريشا قوم يعتدون ...!).

وقد زعم (مسيلمة) أن له قرآنا نزل عليه من السماء، ويأتيه به ملك يسمى (رحمن) وها نحن ننقل طائفة من أقواله وهذيانه، ليظهر كذب هذا الاحمق الدجال، ويصبح امره مكشوفا ذلك الوصف انه كذاب.

قال أخزاه الله معارضا سورة العاديات:

(والطاحنات طحنا، والعاجنات عجنا، والخابزات خبزا، والثاردات ثردا، واللاقمات لقما، إهالة وسمنا، لقد فضلتم على أهل الوبر، وما سبقكم أهل المدر، ريفكم فامنعوه، والمعتر فآووه، والباغي فناوئوه) وقال: (والشاء وألوانها، وأعجبها السود وألبانها، والشاة السوداء واللبن الابيض انه لعجب محض، وقد حرم المذق فما لكم لا تمجعون؟)

ومن قرآنه المفترى: (الفيل ما الفيل، وما ادراك ما الفيل، له ذنب وبيل، وخرطوم طويل ...) الخ. وقوله (يا ضفدع بنت ضفدعين، نقي ما تنقين، نصفك في الماء ونصفك في الطين، لا الماء تكدرين، ولا الشارب تمنعين)

وقد زعم انه عارض سورة الكوثر فخرج إلى الناس بهذا الهذيان.

(إنا أعطيناك الجماهر، فصل لربك وجاهر، إن شانئك هو الكافر)

وكل كلامه على هذا النمط واه سخيف لا ينهض ولا يتماسك، وأنت خبير بأن مثل ذلك الإسفاف ليس من المعارضة في قليل ولا كثير، يقول (الرافعي) رحمه الله: إن

وملوك العجم، وكان يجلس إلى قريش فيحدثهم بهذه الأساطير ثم يقول لهم: هذا خير مما أنزل على محمد.

(ه) ويروى أن (أبا العلاء المعري) و (المتنبي) و (ابن المقفع) حاولوا معارضة القرآن ولكنهم ما كادوا يبدؤون هذه المحاولة حتى خجلوا واستحيوا فكسروا الأقلام ومزقوا الصحف، وقد ذكرنا فيما مضى محاولة (ابن المقفع) وأنه بعد أن عزم على المعارضة وبدأ بها فعلاً سمع صبياً يقرأ قوله تعالى:

﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (هود: ٤٤)

فمزق ما جمع واستحيا من إظهاره أمام الناس بعد أن قال قولته المشهورة: هذا والله ما يستطيع البشر أن يأتوا بمثله. وهذه القصة عن (ابن المقفع) يذكرها (الرافعي) عليه رحمة الله ثم يعقب عليها بقوله:

((إن ابن المقفع من أبصر الناس باستحالة المعارضة، لا لشيء من الأشياء إلا لأنه من أبلغ الناس، وإذا قيل لك إن فلاناً يزعم إمكان المعارضة ويحتج لذلك وينازع فيه، فاعلم أن فلاناً في الصناعة أحد رجلين اثنين: إما جاهل يصدق في نفسه، وإما عالم يكذب على الناس، ولن يكون ثالث ثلاثة)) فالرافعي ينكر صحة هذه الرواية عن (ابن المقفع) كما ينكرها على (المعري) فكلاهما في نظره باطل وافتراء عليهما.

(و) وتحدثنا الأيام القريبة أن زعماء (البهائية والقاديانية) وضعوا كتباً يزعمون أنهم يعارضون بها القرآن ثم خافوا أو خجلوا أن يظهروها أمام الناس فدفنوها على أمل أن يأتي الوقت المناسب فيخرجوها بعد أن يكثر الجهل ويطمس العقل.

ترجمہ: کیا کسی نے معارضہ قرآن کی کوشش کی؟

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

"تاریخ و آثار کے راویوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ مشرکین عرب کے جلیل القدر اکابر شعراء اور فصاحت و بلاغت کی نادرِ روزگار شخصیات کے دلوں میں معارضہ قرآن کا خیال تک نہ آیا۔ اور ان میں سے کسی شخص کے بارے میں یہ بات منقول نہیں ہے کہ اس نے معارضہ قرآن کی کوشش کی ہو باوجودیکہ وہ لوگ اسلام سے بیر رکھنے والے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکذیب پر بضد تھے۔ (ہاں) چند کم عقل احمق (بچکانہ قسم کے) بیوقوف لوگوں کے بارے میں یہ بات منقول ہے کہ انہوں نے معارضہ قرآن کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ بھی

"مسیلمہ نے صنعتِ بیان کے پہلو سے قرآن کے معارضہ کا ارادہ نہ کیا (بلکہ) تحقیق اس نے اس بات کا ارادہ کیا کہ وہ ایک ایسے دوسرے پہلو سے اپنی قوم کو (اپنے دام فریب میں پھنسائے اور انہیں) بہکائے جس کو اس نے اپنے لئے آسان اور لوگوں کے دلوں پر تاثیر کے زیادہ قریب گردانا۔ وہ یہ کہ اس نے دیکھا کہ عرب زمانۂ جاہلیت میں کاہنوں کی (جن کی) تعظیم کیا کرتے تھے اور کاہنوں کا عام طرزِ بیان سجع یا گندہ نثر ❶ مقفی ہوتے تھے کہ جس کو لوگ جنوں کا کلام سمجھتے تھے۔ جیسا کہ کاہنوں کا یہ قول:

يا جليح، أمر نجيح، رجل فصيح، يقول لا إله إلا الله

"اے جلیح! (ایک) کامیاب معاملہ، ایک فصیح و بلیغ شخص کہتا ہے: "لا الہ الا اللہ"۔"

چنانچہ اس نے مسجع کلام کا شروع کیا تاکہ (لوگوں کو) شبہ (اور دھوکہ) میں ڈال دے کہ اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ اپنے اس حیلہ میں کامیاب (بھی) نہ ہوا کیونکہ اس کے پیروکار اس کے جھوٹ اور حماقت (وسفاہت) کو سمجھتے تھے۔ اور وہ (اس کے بارے میں یہ) کہتے تھے کہ "یہ اپنے کہانت کے کام میں مشغول ہونے میں (اتنا) ماہر نہیں اور اپنے دعویٰ نبوت میں سچا (بھی) نہیں۔ اور بے شک اس کے پیروکار ان کے ایک کہنے والے کے اس قول پر جمع ہوئے تھے۔" کہ ربیعہ (قبیلہ) کا جھوٹا ہمیں مضر (قبیلہ) کے سچے سے زیادہ پسند ہے۔"

توضیح

مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری مسیلمہ کے احوال اور اس کی جھوٹی وحی اور خود اس کے ماننے والوں کی اس کے بارے میں رائے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تقدس کے دعویدار اور خانہ ساز نبی اپنے خود ساختہ مذہب میں کلام الٰہی کو نفس و شیطان کا بازیچہ لہو و لعب بنانا چاہتے ہیں۔ اور کلام خداوندی جو دنیا میں قیام صداقت کے لئے نازل ہوا تھا اس کے نام سے مکر و فریب کا کاروبار جاری کرتے ہوئے ذرا بھی خدا سے نہیں شرماتے۔ مسیلمہ نے قرآن کے مقابلے میں بعض مسجع عبارتیں لکھ کر ان کو کلام الٰہی کی حیثیت سے پیش کیا۔ مگر اہل علم اور ارباب بصیرت کے نزدیک سامانِ خندہ زنی کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں چہ جائیکہ ایسے کلام خرافات التیام کو (معاذ اللہ) کلام الٰہی کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ مسیلمہ کا "کلام الٰہی" ایسا مضحکہ خیز ہے کہ ارباب ذوق سلیم کی مجلسیں مارے ہنسی کے لوٹ جاتی ہیں۔"

اس کے بعد مولانا مرحوم مسیلمہ کی وحی کے چند نمونے پیش کر کے آخر میں فرماتے ہیں علامہ خیر الدین آفندی آلوسی سابق وزیر طولس نے اپنی کتاب "الجواب الفسیح" میں عبد المسیح نصرانی کا قول نقل کیا ہے کہ:

---

❶ جملہ سجع یہ لفظ سجع کا ترجمہ کیا ہے۔ سجع لغت میں کہا جاتا ہے ایسا کلام کہ جس میں وزن شعر نہ ہو۔ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ کلام منثور ہے جس کے جملوں کے آخر میں حرکات و سکون میں یکسانیت ملحوظ ہو۔ (القاموس الوحید صفحہ ۷۶۷ کالم نمبر ۳)

﴿فَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (ھود: ۴۴)

"اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہو قوم ظالم۔" (تفسیر حقانی)

تو اس نے (لکھ کر) جو جمع کر رکھا تھا اس کو پھاڑ ڈالا۔ اور وہ اپنے اس مشہور مقولہ کے کہنے کے بعد لوگوں کے سامنے اس کے اظہار سے شرمانے لگا (اس کا مشہور قول یہ ہے) خدا کی قسم! یہ کسی بشر کو اس کی مثل لانے کی سکت نہیں۔

علامہ رافعی ابن المقفع کے اس قصہ کو ذکر کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں:

"ابن المقفع لوگوں میں سب سے زیادہ معارضہ قرآن کے نا ممکن ہونے کو جانتا تھا۔ کیونکہ (اور) وجہ سے نہیں۔ مگر یہ کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ (فصیح اور) بلیغ تھا۔"

(آگے علامہ رافعی فرماتے ہیں)

"جب تجھے یہ کہا جائے کہ فلاں: قرآن کے معارضہ کو ممکن سمجھتا ہے اور اس پر دلیل قائم کرتا ہے اور اس میں جھگڑا کرتا ہے تو تو جان لے کہ وہ (یعنی اس جھوٹی) کاریگری میں دو آدمیوں میں سے ایک ہے۔ یا تو وہ جاہل ہے کہ اپنے تئیں (اپنے کو) سچا سمجھتا ہے اور یا عالم ہے کہ لوگوں کو جھوٹ بولتا ہے۔ اور تین میں سے تیسرا نہ ہوگا۔ ❶ (یعنی اس میں تیسری بات کا امکان نہیں۔" سمیع")

چنانچہ علامہ رافعی "ابن المقفع سے منقول اس روایت کو نہیں مانتے جس طرح وہ معری کے بارے میں بھی (اس بات کو) نہیں مانتے (کہ انہوں نے معارضہ قرآن کی کوشش کی تھی) چنانچہ یہ دونوں کی دونوں روایتیں ان کی نظر میں غلط ہیں۔ اور یہ ان دونوں حضرات پر جھوٹا الزام ہیں (کہ انہوں نے معارضہ قرآن کی کوشش کی تھی)

(و) ہمارے قریب زمانے میں ہی یہ بات پیش آئی ہے کہ بہائیوں اور قادیانیوں کے بڑوں (اور پیشواؤں) نے چند کتابیں لکھ ماری ہیں۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کتابوں سے وہ قرآن کا معارضہ کریں گے پھر وہ ڈر جاتے ہیں یا شرمندہ ہوتے ہیں کہ ان کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں پس انہوں نے ان کتابوں کو اس امید پر چھپا رکھا ہے کہ کوئی مناسب وقت آئے گا۔ تو وہ ان کتابوں کو (لوگوں میں) باہر نکالیں گے بعد اس کے کہ جہالت عام ہو چکی ہوگی اور عقل (عامۃ الناس کی) بہک چکی ہوگی۔

توضیح

ہمارے دیار ہندوستان میں انگریزی حکومت کی حفاظت کی چھاؤں اور ان کی تلوار کے سایہ میں قادیانیت کی خانہ ساز نبوت پروان چڑھی اکابر علماء دیوبند نے اس فتنہ کی خطرناکی کو قبل از وقت ہی بھانپ لیا اور اس فتنہ کی بیخ کنی کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اور ان کے دام ہمرنگ زمین کو آشکارا کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحتیں اس عظیم مقصد میں جھونک دیں۔ اور

❶ اس کے لئے دیکھیں علامہ رافعی کی اعجاز القرآن۔

علم کا ایک نیا خزانہ تیار کر کے امت کو دے دیا۔ اکابر علماء دیوبند میں سے شاید کوئی ایک ہو کہ جس نے اس فتنہ کی شرارت اور شناعت کو واضح نہ کیا ہو۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب کے عنوانات اتنے متنوع ہیں کہ ان کی فہرست بھی کئی کتب میں جا کر تیار ہو۔

بندہ کی طالبان علوم قرآن سے گزارش ہے کہ وہ قادیانیت کا ہر رخ پر اندازہ وہ ہر طرح سے مطالعہ کریں۔ اس بارے میں مجلس ختم نبوت ملتان و کراچی و چنیوٹ کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ اور مولانا عزیز الرحمن جالندھری صاحب اور مولانا اللہ وسایا صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ جنہوں نے اکابر کی تمام تحریروں کو مجموعہ کی صورت میں امت کی راہنمائی کو شائع کی ہیں۔ البتہ خاص ان کتب کا مطالعہ طالبان علوم قرآن ضرور رکھیں۔

(۱) تحفہ قادیانیت	۵ جلد	مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ
(۲) احتساب قادیانیت	۱۱ جلد	
(۳) رئیس قادیان		مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری
(۴) ختم نبوت	۳ جلد	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
(۵) ثبوت حاضر ہیں	۲ جلد	پروفیسر محمد الیاس برنی
(۶) قادیانیت کا سیاسی تجزیہ	۲ جلد	صاحبزادہ طارق محمود
(۷) "قادیانیت ہماری نظر میں"		تحسین خالد صاحب
(۸) ربوہ سے تل ابیب تک		ابو مدثر
(۹) تحریک ختم نبوت		شورش کاشمیری
(۱۰) شہر سدوم		حافظ شفیق مرزا

تلک عشرۃ کاملۃ۔ ان کتب کے انتخاب میں بندہ نے جو خصوصیات کی رعایت رکھی ہے ان کی افادیت انشاء اللہ مطالعہ کے بعد معلوم ہوگی۔ (نسیم)

شبهات حول إعجاز القرآن والرد عليها:

الشبهة الأولى: يقول أعداء الإسلام في معرض الطعن في القرآن وفي نبي القرآن: إن محمدا ﷺ قد تلقى هذا القرآن من (بحيرا الراهب) ونسبه إلى الله عز وجل ليوهم البشر قدسيته، والجواب: أن هذه فرية ما فيها مرية، وهؤلاء الخبثاء من الصليبيين وأعوانهم من الملاحدة إنما يروجون مثل هذه الأباطيل ليشوشوا على المثقفين من أبناء المسلمين دينهم ويفسدوا عليهم عقائدهم بأمثال هذه الشبهات والافتراءات، وهذه الشبهة باطلة لعدة أمور:

ثم يعلم الرسول لغة الضاد؟ وهل من المعقول أن يكون هذا الرومي الأعجمي مصدرا لهذا القرآن الذي هو أبلغ نصوص العربية بل هو معجزة من المعجزات و مفخرة العرب واللغة العربية؟ ولهذا كان رد القرآن مفحما وقاطعا ﴿لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ٥﴾ (النحل: ١٠٣)

الشبهة الثالثة: إن محمدا عبقرية فذة وهذه العبقرية الخارقة لماذا لا يمكن أن تكون هي منبع هذه الأخبار، وأن يكون هذا القرآن من تأليف محمد و ترتيبه لأنه ذو شخصية رائعة؟

والجواب: إن هذا الكلام إنما يصدر عن جاهل لا يعرف شيئا عن حياة النبي ﷺ ولا عن تاريخ عشيرته وقومه، فالرسول ﷺ عاش أربعين سنة بين قومه وهو يشار إليه بالبنان، في صدقه و أمانته ونبله وفضله، حتى كان المشركون يلقبونه بـ (الصادق الأمين) فهل يعقل بعد هذه الحياة الشريفة الطاهرة أن يأتي بأعظم بهتان فيزعم أن هذا القرآن من عند الله، وأنه رسول الله؟ وبداية الإنسان تدل على نهايته فكيف يتفق هذا مع تاريخ الرسول الشريف الطاهر، وحياته الفاضلة العطرة، وحين سأل (هرقل) ملك الروم أبا سفيان عن رسول الله، هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال؟ أجابه أبو سفيان بقوله: لا، بل هو عندنا الصادق الأمين، فقال له هرقل: لم يكن ليدع الكذب على الناس ويكذب على الله. ومن ناحية ثانية فقد ثبت في التاريخ ثبوتا قاطعًا أن محمدا ﷺ كان أميا لا يعرف القراءة والكتابة، وقد أكد هذا القرآن بقوله عز من قائل. ﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ٥﴾ فمن أين لرسول الله معرفة أخبار الأولين من الأنبياء والمرسلين؟ ومن أين له معرفة دقائق التاريخ وأحوال الأمم الغابرة وأنباء من سبق من البشر على وجه الدقة والتفصيل، وهو بعد لم يقرأ كتابا ولم يدرس علما، ولم يتلق هذه الأنباء عن أحد من علماء أهل الكتاب؟

ثم مهما كانت عبقرية الإنسان فذة، و نبوغه عظيما، وذكاؤه وافرا فمن أين له معرفة أمور الغيب، وأحوال المستقبل، وهل يمكن لبشر مهما سما أن يخبر عن الغيب بحيث لا يشذ عن أخباره واحـــدة من هذه المغيبات إلا أن يكون رسولا صادقا يوحى إليه من عند الله؟ إن العقل ليجزم بأن هذا ليس في طوق البشر، ومهما بلغت العبقرية من النبوغ والذكاء، ومهما كانت الشخصية قوية و مثالية، فلن تستطيع أن تخرق أستار الغيب أو تخبر بما ليس في مقدورها وصدق الله ﴿كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِن لَّدُنَّا ذِكْرًا ٥﴾

الشبهة الرابعة: يقولون: إن عجز البشر عن الإتيان بمثل هذا القرآن لا يدل على أنه كلام

ذلك" وما هذا إلا كمثل عجزهم عن الإتيان بمثل الكلام النبوي؛ فهل يكون كلام الرسول من عند الله" أو يقال إنه كلام الله؟

والجواب: أن الحديث النبوي إن عجز عامة الناس عن الإتيان بمثله فلن يعجز أحد الخاصة عن الإتيان بمثل بعضه، ولو بمقدار حديث واحد أو سطر واحد من كلامه، وكلام الرسول ﷺ وإن كان في الذروة العليا من الفصاحة والبلاغة إلا أنه لا يخرج عن كونه كلام بشر، وقد يشبه كلام البشر بعضهم مع بعض حتى نجد تشابها بين كلام النبوة وكلام بعض الخواص من الصحابة، ونسمع الحديث فيشتبه علينا أمره أهو مرفوع ينتهي إلى النبي ﷺ أم هو موقوف عند الصحابي أي من كلامه؟ أم مقطوع عند التابعي؟ ولا نستطيع أن نميز حتى يرشدنا السند إلى عين قائله. ومن أوتي حاسة بيانية يدرك هذا الشبه كثيرا، وقد يلتبس علينا الأمر حين نسمع كلاما وإنما يليق لأحد الفصحاء فنظنه من كلام الرسول ﷺ، إذ قد يكون هناك بعض الشبه بين كلام أفصح من نطق بالضاد وبين كلام بعض البلغاء، واستمع مثلا إلى هذه الجملة الرائعة "المعدة بيت الداء، والحمية رأس كل دواء، وعودوا كل جسم ما اعتاد" فإن الإنسان إذا سمع هذه لم يستبعد أن تكون حديثا لحسنها وصحتها وأسلوبها الأخاذ، وربما جزم بأنها حديث شريف مع أنها ليست بحديث إنما هي من كلام طبيب العرب المشهور (ابن كلدة)، وأما القرآن فذاك له شأن آخر لا يلتبس مع غيره من الكلام، ولن تستطيع أن تجد له شبيها أو ندا، لأن الذي صنعه على عينه لن تستطيع أن تجد له شبيها أو ندا، فكيف يقاس القرآن الكريم بالحديث الشريف في هذا المقام؟

ثانيا: ومن ناحية ثانية لو كان هذا القرآن من تأليف محمد ﷺ لكان ينبغي أن يكون الأسلوب في القرآن والسنة واحدا ضرورة أنهما صدرا عن شخص واحد استعداده واحد ومزاجه واحد، مع أننا نجد الفرق بينهما واضحا، والبون شاسعا، فأسلوب القرآن ضرب وحده، تظهر عليه سمات الألوهية والربوبية التي تجل عن المشابهة والمماثلة، وأسلوب الحديث الشريف ضرب آخر لا يجل عن المشابهة والمماثلة، بل هو محلق في جو البيان بقدر الأساليب البشرية الرفيعة ولا يستطيع بحال أن يصعد إلى سماء إعجاز القرآن، وهذا يدركه كل إنسان إذا ما قارن بين الأسلوبين بأبسط نظرة، وصدق الله حيث يقول:

﴿وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (لقمان: ٢٧) ﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا

تاریخ سے ناواقف ہوں تو (یہی) رسول اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے درمیان ۴۰ سال زندگی گزارتے رہے اور آپ ﷺ کی صداقت، امانت، رشد و ہدایت کے بارے میں انگلیوں سے شمار کئے جاتے تھے۔ (یعنی شہادت دی جاتی تھی) یہاں تک کہ مشرکین نے آپ کا لقب "الصادق الامین" رکھ دیا تھا۔ تو اس شرافت والی پاکیزہ زندگی کے بعد یہ بات عقل میں نہیں آتی ہے کہ آپ (ایک دم) ایک تہمت بہتان (اور جھوٹ گھڑ) لائیں۔ جبکہ آپ ﷺ کو یہ یقین تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں؟ (یہی قاعدہ ہے کہ) آدمی کی ابتداء اس کی انتہا پر دلالت کرتی ہے۔ تو یہ بات رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریف (اور) پاک تاریخ اور آپ ﷺ کی بزرگی اور (پاکیزہ) ... زندگی اس (الزام) کے کیسے مطابق ہو سکتی ہے۔

اور جب روم کے بادشاہ ہرقل نے ابوسفیانؓ سے (کہ اس وقت وہ اسلام نہ لائے تھے) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں یہ پوچھا "کیا تم ان پر ان کے ان باتوں کے کہنے سے پہلے جھوٹ کی تہمت دھرتے تھے؟"

تو ابوسفیانؓ نے اپنے اس قول سے جواب دیا کہ نہیں (ایسا نہیں) بلکہ وہ ہمارے ہاں صادق الامین (مشہور) ہیں (کہ اس کی عرب کا بچہ بچہ گواہی دیتا ہے) تو اس پر ہرقل نے ابوسفیانؓ سے کہا "یہ نہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو جھوٹ سے چھوڑ دے اور اللہ پر جھوٹ باندھے (یعنی لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولے مگر اللہ پر جھوٹی بات لگائے یہ نہیں ہو سکتا)

اور ایک دوسرے پہلو سے یہ بات ایک ناقابل تردید ثبوت کے ساتھ ثابت ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ اور قرآن نے یہ بات ہی ارشاد خداوندی عزوجل سے پکی کر دی ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ (العنکبوت: ۴۸)

"اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے۔"
(تفسیر عثمانی)

تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے انبیاء و مرسلین کی خبریں کہاں سے مل گئیں؟

اور آپ ﷺ کو تاریخ کے حقائق اور گزشتہ امتوں کے احوال اور پہلی الہامی کتابوں کی خبروں کی اتنی باریکی اور تفصیل کے ساتھ معرفت کہاں سے حاصل ہوئی؟ اور آپ نے بعد میں (بھی) کوئی کتاب نہیں پڑھی اور کسی علم کا سبق نہیں پڑھا اور اہل کتاب کے کسی عالم سے ان خبروں کو حاصل (بھی) نہیں کیا؟

پھر کیا جب ایک آدمی کی خداداد صلاحیتیں بے مثال ہوں گی اور اس کے علم و فن کی مہارت عظیم ہوگی اور اس کی عقل کامل ہوگی تو اس کو غیب کی باتوں اور آئندہ کے حالات کی خبر کہاں سے ہوگی؟ اور کیا کسی انسان کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ جب اس کو یہ اشتیاق ہو کہ وہ غیب کی خبریں دے اس طور پر کہ وہ اپنی خبروں میں غیب کی خبروں میں سے کسی ایک میں بھی (غلط نہ ہو اور ٹھیک) نہ ہو مگر یہ کہ وہ سچا رسول ہو جس کی طرف اللہ کی وحی آتی ہو؟ بے شک عقل اس بات کا یقین کرتی ہے کہ یہ کسی انسان کی قدرت میں نہیں ہے اور جب بھی تجربہ کار (و خداداد صلاحیت) علم و فن میں اور عقل و فہم میں چوٹی کا ماہر ہو جائے گی۔ اور اس

کی شخصیت قوی اور مثالی ہو جائے گی تو وہ غیب کے پردوں کو ہرگز نہیں پھاڑ سکے گا اور ان باتوں کی خبر نہ دے سکے گا جس کی اسے قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝﴾ (طٰہٰ: ۹۹)

"یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو اپنے احوال جو پہلے گزر چکے۔ اور ہم نے دی تجھ کو اپنے پاس سے پڑھنے کی کتاب۔" (تفسیر عثمانی)

توضیح

حقانیت قرآن اور مغرب کے غیر مسلم مصنفین

حضرت علامہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس عنوان کے تحت اس موضوع پر طویل روشنی ڈالتے ہیں ہم یہاں اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

"ایک زمانہ تھا جب مغربی مصنفین عیسائیت کے تعصب میں مبتلا ہو کر کھلم کھلا یوں کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی تصنیف ہے اور (معاذ اللہ) آپ ﷺ کا دعوائے نبوت خود ساختہ تھا۔ لیکن اب خود مغرب کے غیر مسلم مصنفین کا یہ کہنا ہے کہ پچھلے اہل مغرب کا نظریہ محض ایک معاندانہ نظریہ تھا۔ جس کی پشت پر کوئی دلیل نہ تھی اور آپ ﷺ کی پوری زندگی اس بات کی تکذیب کرتی ہے۔"

عہد حاضر کے مشہور مستشرق پروفیسر منٹگمری واٹ لکھتے ہیں:

"قرون وسطیٰ کے یورپ میں یہ تقریباً عام رہا گیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک (معاذ اللہ) جھوٹے پیغمبر تھے جو (معاذ اللہ) شعوری طور سے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے لیکن قرون وسطیٰ کے یہ تصورات جو در اصل جنگی پروپیگنڈے کی حیثیت رکھتے تھے اب آہستہ آہستہ یورپ اور عیسائی دنیا کے ذہنوں سے اتر رہے ہیں۔" ❶

پروفیسر واٹ نے بالکل ٹھیک کہا کہ آپ کی تکذیب کسی علمی دلیل پر مبنی نہ تھی بلکہ یہ اس پروپیگنڈے کا ایک جز تھا جو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے ضروری سمجھا جا رہا تھا۔ انہوں نے نہ صرف تفصیل کے ساتھ ان قدیم اہل یورپ کی تردید کی ہے جو آپ پر معاذ اللہ جھوٹے دعوے یا جنون یا کسی بیماری کا الزام عائد کرتے تھے اور بتایا کہ عہد حاضر کے مذہبی اسکالر روشن دلائل کی وجہ سے ان الزامات کو تسلیم نہیں کرتے۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں:

"لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں قرون وسطیٰ کے اس تصور کو تو اب خارج از بحث قرار دے دینا چاہیے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک ایسا انسان سمجھنا چاہیے جو پورے خلوص اور نیک نیتی سے وہ پیغامات سناتے تھے

❶ Watt: Bell's Introduction to Quran Ch.2, P.17

جن کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ان کے پاس خدا کی طرف سے آ رہے ہیں۔" ❶

اس اعتراف کے بعد انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ صاف الفاظ میں سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کر لیا جاتا۔ لیکن صدیوں سے ذہنوں پر چھے ہوئے تصورات آسانی سے نہیں مٹتے۔ چنانچہ پروفیسر واٹ صاحب کو گزشتہ مصنفین کے غلط ہونے کا تو اقرار ہے لیکن دوسری طرف اپنے مذہب کو چھوڑ کر علی الاعلان انہیں اسلام قبول کر لینا دشوار ہے۔

(علوم القرآن صفحہ ۲۷۷-۲۷۸ ملخصاً)

ترجمہ: چوتھا اعتراض:

وہ یہ کہ ملحدین کہتے ہیں کہ آدمی کا اس قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہونا اسکے کلام اللہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ یہ نہیں مگر (اسی طرح) کہ جیسے لوگ کلام نبوی کی مثل لانے سے قاصر ہیں۔ تو کیا (اب اس وجہ سے) کلام الرسول بھی اللہ کی طرف سے ہوگا؟ یا یہ کہا جائے کہ یہ کلام اللہ ہے؟

جواب

اس اعتراض کا یہ ہے کہ اگرچہ بعض عام لوگ حدیث نبوی کی مثل لانے سے عاجز ہیں مگر بعض خواص اس کے بعض کی مثل لانے سے ہرگز عاجز نہیں ہیں۔

اگرچہ وہ مثل کلام الرسول کی ایک حدیث یا ایک سطر کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ اور کلام الرسول۔

اگرچہ فصاحت و بلاغت کی بلند چوٹیوں پر ہے مگر یہ کہ یہ کلام بشر ہونے سے نہیں نکلا (کہ وہ کلام معجز بن جائے) اور کبھی ایک انسان کا کلام دوسرے کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم کلام نبوت اور بعض خواص صحابہ کرام کے کلام میں مشابہت پاتے ہیں۔ (چنانچہ) ہم ایک حدیث سنتے ہیں اور ہم پر یہ بات مشتبہ ہو جاتی ہے کہ آیا یہ حدیث مرفوع ہے کہ (جس کی سند) نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے یا یہ صحابی تک موقوف ہے یعنی اس کا کلام ہے یا یہ کہ وہ تابعی تک مقطوع ❷ ہے۔ اور ہم (اس کلام میں) تمیز نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اس کے قائل تک ہماری راہنمائی (اس حدیث کی) سند کرتی ہے۔ اور جس کو (قوت) بیان کی حس دی گئی ہے اسے یہ شبہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اور کبھی ہم پر بات مشتبہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ہم ایک شاندار (اور عمدہ فصیح و بلیغ) کلام سنتے ہیں۔ اور اس کو کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ بیٹھتے ہیں۔ تو پھر (اس مقام پر) کبھی کبھی سب سے فصیح (و بلیغ) عربی بولنے والے کے کلام (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام) اور بعض زبان و بیان کے ماہرین کے بیان کے درمیان شبہ ہو جاتا ہے مثلاً تو اس شاندار جملہ کو غور سے سن۔

المعدة بيت الداء والحمية رأس كل دواء وعودوا كل جسم ما اعتاد.

---

❶ Watt: Bell's Introduction to Quran Ch.2, P.18

❷ اصطلاحات علم حدیث کے لئے دیکھیں مولانا محمد حنیف گنگوہی کا بہت مفید رسالہ "ظفر المحصلین" (مترجم)

"معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سب دواؤں کی جڑ ہے اور ہر جسم کو اس کا عادی بناؤ جس کا وہ عادی ہو۔"

بے شک انسان جب اس جملہ کو سنتا ہے تو وہ اس لفظی حسن اور اس کے عمدہ اسلوب کی وجہ سے اس کے حدیث ہونے کو بعید نہیں سمجھتا اور کبھی وہ اس کو حدیث شریف (بھی) گمان کر لیتا ہے باوجود یکہ وہ حدیث نہیں ہے بے شک یہ تو عرب کے مشہور طبیب الحارث بن کلدہ کا کلام ہے۔

البتہ قرآن تو اس کی ایک امتیازی شان ہے یہ کسی دوسرے کے کلام سے ملتا نہیں ہے تو ہرگز اس کی مثل اور نظیر نہیں تلاش کر سکتا کیونکہ وہ ذات کہ جس نے اس کلام کو اپنی بلاغت میں بنایا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) تو اس کی مثل اور نظیر کوئی نہیں کر سکتا۔

تو اس مقام پر حدیث شریف کو قرآن کریم پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے!؟

(۲) (اس اعتراض کا جواب) ایک دوسرے پہلو سے (یہ ہے کہ) اگر یہ قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف ہوتا تو چاہیے تھا کہ قرآن اور حدیث کا ایک ہی اسلوب ہوتا اس بات کے ضروری ہونے کی وجہ سے کہ یہ دونوں (قرآن و حدیث) ایک ہی ذات سے صادر ہوئے ہیں جس کی استعداد اور مزاج (اور انداز گفتگو) ایک ہی ہے۔ اس کے باوجود ہم قرآن اور حدیث میں واضح فرق اور دونوں کا فاصلہ دیکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کا اسلوب ایک واضح مثال ہے کہ جس پر الوہیت اور ربوبیت کے واضح نشانات ظاہر ہوتے ہیں کہ جو مشابہت اور مماثلت سے بالا ہیں اور حدیث شریف کا اسلوب ایک دوسرا (طرز اور) نمونہ ہے کہ جو مشابہت اور مماثلت سے دور نہیں۔ بلکہ وہ فصاحت و بیان میں بلند بشری اسالیب کے اعلیٰ معیار پر ہے وہ کسی حال میں بھی اس کی استطاعت نہیں رکھتی کہ وہ اپنے قرآن کے آسمان پر چڑھ جائے۔ اس کو ہر وہ انسان پا سکتا ہے کہ جو ان دونوں اسلوب کے درمیان کشادہ فرق سے موازنہ کرے۔

اور اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ ان کا یہ فرمان ہے

﴿وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (لقمان: ۲۷)

"اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور سمندر ہو اس کی سیاہی اس کے پیچھے ہوں سات سمندر نہ تمام ہوں باتیں اللہ کی۔ بے شک اللہ زبردست ہے حکمتوں والا۔" (تفسیر عثمانی)

اور اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں:

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (الاسراء: ۸۸)

"تو کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی۔" (تفسیر عثمانی)

القسم الثاني

التفسير بالدراية (الرأي)

بعد أن تحدثنا عن التفسير بالرواية، ننتقل الآن إلى الحديث عن التفسير بالدراية، وهذا النوع يسمى عند علماء التفسير (التفسير بالرأي) أو التفسير بالمعقول؛ لأن المفسر لكتاب الله تعالى يعتمد فيه على اجتهاده، لا على المأثور المنقول عن الصحابة أو التابعين، بل يكون فيه الاعتماد على اللغة العربية، وفهم أساليبها على طريقة العرب، ومعرفة طريقة التخاطب عندهم، وإدراك العلوم الضرورية التي ينبغي أن يكون ملماً بها كل من أراد تفسير القرآن، كالنحو والصرف، وعلوم البلاغة، وأصول الفقه، ومعرفة أسباب النزول، إلى غير ما هنالك من العلوم التي يحتاج إليها المفسر، كما سنبينه فيما بعد إن شاء الله تعالى.

معنى التفسير بالرأي:

المراد بالرأي هنا (الاجتهاد) المبني على أصول صحيحة، وقواعد سليمة متبعة، يجب أن يأخذ بها من أراد الخوض في تفسير الكتاب، أو التصدي لبيان معانيه، وليس المراد به مجرد (الرأي) أو مجرد (الهوى) أو تفسير القرآن بحسب ما يخطر للإنسان من خواطر، أو بحسب ما يشاء. فقد قال القرطبي: من قال في القرآن بما سنح في وهمه، أو خطر على باله من غير استدلال عليه بالأصول، فهو مخطئ، مذموم، وعليه يحمل الحديث الشريف ((من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار، ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار))

وقد قال ﷺ: ((من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ))

قال القرطبي رحمه الله في مقدمة تفسيره (الجامع لأحكام القرآن) ما نصه:

فسر حديث ابن عباس ((من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار)) تفسيرين:

أحدهما: من قال في مشكل القرآن بما لا يعرف من مذهب الصحابة والتابعين فهو متعرض لسخط الله.

ثانيهما: من قال في القرآن قولاً يعلم أن الحق غيره فليتبوأ مقعده من النار.

وقد رجح القرطبي القول الثاني فقال: وهو أثبت القولين، وأصحهما معنى. ثم قال: وأما حديث (جندب) فقد حمل بعض أهل العلم هذا الحديث على أن الرأي معنيٌّ به (الهوى)

والمراد من قال في القرآن قولاً يوافق هواه، لم يأخذه عن أئمة السلف فأصاب فقد أخطأ، لحكمه على القرآن بما لا يعرف أصله، ولا يقف على مذهب أهل الأثر والنقل فيه.

وقال ابن عطية: ومعنى هذا أن يسأل الرجل عن معنى في كتاب الله عز وجل فيتسور عليه (أي يهجم عليه) برأيه دون نظر فيما قال العلماء، واقتضته قوانين العلم كالنحو والأصول، وليس يدخل في هذا الحديث أن يفسر اللغويون لغته، والنحويون نحوه، والفقهاء معانيه وأحكامه، ويقول كل واحد باجتهاده المبني على قوانين علم ونظر فإن القائل على هذه الصفة ليس قائلاً بمجرد رأيه.

أنواع التفسير بالرأي:

وعلى هذا يمكن تقسيم التفسير بالرأي إلى قسمين:

(١) تفسير محمود

(٢) تفسير مذموم

فالتفسير المحمود:

ما كان موافقاً لغرض الشارع بعيداً عن الجهالة والضلالة، متمشياً مع قواعد اللغة العربية، معتمداً على أساليبها في فهم النصوص القرآنية الكريمة، فمن فسر القرآن برأيه (أي باجتهاده) ملتزماً الوقوف عند هذه الشروط، معتمداً عليها فيما يرى من معاني الكتاب العزيز، كان تفسيره جائزاً سائغاً، جديراً بأن يسمى (التفسير المحمود) أو التفسير المشروع.

وأما التفسير المذموم:

فهو أن يفسر القرآن بدون علم، أو يفسره حسب الهوى، مع الجهالة بقوانين اللغة أو الشريعة، أو يحمل كلام الله على مذهبه الفاسد، وبدعته الضالة، أو يخوض فيما استأثر الله بعلمه، ويجزم بأن المراد من كلام الله هو كذا وكذا، فهذا النوع من التفسير هو (التفسير المذموم) أو التفسير الباطل. وباختصار فإن التفسير المحمود: ما كان صاحبه عارفاً بقوانين اللغة، خبيراً بأساليبها، بصيراً بقانون الشريعة.

والتفسير الباطل المذموم ما كان منبعثاً عن الهوى، قائماً على الجهالة والضلالة. مثاله ما ورد عن بعض الجهلة من أدعياء العلم في قوله تعالى ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ أن المراد

بها أن الله تعالى ينادي الناس يوم القيامة بأسماء أمهاتهم سترا عليهم؛ فقد فسر هذا الجاهل (الإمام) بالأمهات وظن أن الإمام جمع أم، مع أن اللغة العربية تأبى هذا؛ لأن جمع الأم أمهات قال تعالى: ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾ ولا يكون جمع الأم إماما فإن ذلك فاسد لغة وشرعا والمراد بالإمام هنا (النبي) الذي اتبعته أمته أو كتاب الأعمال بدليل تتمة الآية: ﴿فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾

فإذا لم يفهم الإنسان قواعد اللغة ولا أصول العربية خبط خبط عشواء، وكان عليل الرأي سقيم الفهم، وكذلك من لم يفهم غرض الشارع وقع في الجهالة والضلالة كمن يأخذ بظاهر الآية الكريمة وهي قوله تعالى: ﴿وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا﴾ فيحكم على كل أعمى بالشقاوة والخسران ودخول جهنم مع أن المراد بالعمى ليس عمى البصر وإنما هو (عمى القلب) بدليل قوله تعالى: ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ وربما كان عمى البصر سببا لسعادة الإنسان كما جاء في الحديث القدسي: (من ابتليته بحبيبتيه (يعني عينيه) فصبر عوضته الجنة)

وسنذكر بعض النماذج عن التفسير الباطل المذموم عند الكلام على غرائب التفسير فارجع إليه هناك.

ترجمہ: دوسری قسم

تفسیر بالدرایہ یعنی تفسیر بالرائے

تفسیر بالروایہ پر گفتگو کرنے کے بعد ہم اب تفسیر بالدرایہ (یعنی تفسیر بالرائے) پر گفتگو کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ اور (تفسیر کی) اس قسم کا نام علماء تفسیر کے نزدیک "تفسیر بالرائے" یا "تفسیر بالمعقول" رکھا جاتا ہے کیونکہ (اس میں) کتاب اللہ کی تفسیر کرنے والا اپنے اجتہاد پر اعتماد کرتا ہے نہ کہ صحابہ و تابعین سے منقول اقوال پر بلکہ اس میں وہ لغت عربیہ اور عربی طریقہ پر لغت عربی کے اسلوب کے فہم اور عربوں کے نزدیک طریقہ تخاطب کی معرفت اور ان ضروری علوم کے اوزار پر اعتماد کرتا ہے جن کا ہر اس شخص کو واقف ہونا ضروری ہے جو قرآن کی تفسیر کا ارادہ کرے جیسے (علم) نحو، صرف اور علوم بلاغت اور اصول فقہ اور اسباب نزول کی معرفت اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے علوم کہ جن (کے جاننے) کا (ایک) مفسر محتاج ہوتا ہے جیسے کہ ہم ان (سب کی تفصیل) کو عنقریب آئندہ کلام میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تفسیر بالرائے کا معنی

رائے سے یہاں (ہماری) مراد وہ اجتہاد ہے جو اصول سیکھ اور قواعد سلیمہ متوارثہ (سو تو اتر کر جس کی پیروی کی جاتی ہو) پر مبنی ہو۔ اور جو آدمی بھی تفسیر کتاب میں پڑے اور اس کے معانی کے بیان کے درپے ہونا چاہتا ہے اس پر ان (اصول صحیح و قواعد سلیمہ متوارثہ) کو لینا (اور جاننا) واجب ہے اور ہماری مراد محض رائے یا محض ہوائے (نفس) یا قرآن کی تفسیر دل پر گزرنے والے خیالات کے مطابق کرنا یا من چاہی تفسیر کرنا نہیں ہے۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

"جس نے قرآن کے بارے میں وہ بات کہی جو اس کے خیال میں سوجھی یا دل میں آگئی اس پر اصول (قواعد صحیحہ) سے استدلال کے بغیر تو وہ خطا کار اور برا (شخص) ہے اور ایسے (ہی) شخص پر اس حدیث کو محمول کیا جائے گا۔"

من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.

"جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔"

اور دوسری حدیث:

ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار.

"اور جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔"

اور تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ.

"جس شخص نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا تو اگر صحیح بات بھی کہی تو اس نے غلطی کی۔"

علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" کے مقدمہ میں یہ کہا ہے: حدیث ابن عباسؓ ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار. کی دو تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) جس نے قرآن کے "مشکل" ❶ کے بارے میں وہ بات کہی کہ جو صحابہؓ اور تابعینؒ کے مذہب میں معروف (اور مشہور) نہ ہو تو ایسا شخص رب کی ناراضی کے درپے ہونے والا ہے۔

(۲) (دوسری تفسیر یہ ہے ان کی بات پر کہ) جس نے قرآن کے بارے میں ایسی بات کہی کہ وہ جانتا ہے کہ حق دوسری بات ہے (پھر بھی اس غلط کو کہا یعنی جانتے بوجھتے غلط بات کہی) تو ایسا شخص جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔"

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) تحقیق علامہ قرطبیؒ نے دوسرے قول کو ترجیح دی اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ "یہ دونوں میں زیادہ۔

---

❶ "مشکل" کی تعریف کے لئے دیکھیں "اصول شاشی" صفحہ 70 فقال "فهو ما ازداد خفاء على الخفي كأنه بعد ما خفي على السامع حقيقته دخل في اشكاله وامثاله حتى لا ينال المراد الا بالطلب ثم بالتأمل حتى يتميز عن امثاله" انتهى

مضبوط (واضح اور محقق) قول ہے۔ اور دونوں میں حق کے اعتبار سے زیادہ تنگی ہے۔ پھر یہ ارشاد فرمایا: "رائی حضرت جندبؓ (سے مروی) حدیث تو بعض اہل علم نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ "رائے" سے مراد "ھوای" (یعنی خواہش نفس) ہے (اب اس حدیث کا) مطلب یہ ہے کہ "جس نے قرآن کے بارے میں ایسا قول کیا کہ جو اس کی خواہش نفس کے مطابق ہو کہ جس کو اس نے آثار سلف (اور علماء متقدمین اور جمہور) سے نہ لیا ہو۔ تو اس نے اگر صحیح بھی کہا تو غلطی کی کیونکہ اس نے قرآن پر ایسا حکم لگایا کہ جس کی اصل کو وہ نہیں جانتا اور وہ اصحاب اثر (وروایت) کے مذہب کو اور اس قول کے بارے میں "منقول" کو نہیں جانتا۔

ابن عطیہ کہتے ہیں "اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص سے کتاب اللہ عزوجل کے کسی معنی کو دریافت کیا جائے اور وہ قرآن پر اپنی رائے سے بولنے لگ جائے (یعنی اپنی رائے سے کر قرآن پر چڑھ دوڑے) بغیر یہ دیکھے کہ مفسرین نے اس بارے میں کیا کہا ہے اور قوانین علم جیسے نحو اور "اصول" وغیرہ کو اس بارے میں کیا تقاضی ہے۔

اور اس حدیث میں یہ بات داخل نہیں ہے کہ اہل لغت اپنی لغت سے اور نحوی نحو سے اور فقہاء قرآن کے معانی اور اس کے احکام سے اس کی تفسیر کریں کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے اس اجتہاد کی بنا پر قول کر رہا ہے جو علم النظر کے قوانین پر مبنی ہے کیونکہ اس صفت کے ساتھ (قرآن کے بارے میں کوئی) قول کرنے والا محض اپنی رائے سے قول کرنے والا نہیں۔

تفسیر بالرائے کی اقسام

(مؤلف تہذیب فرماتے ہیں کہ)

"اس (مذکورہ تفصیل کی) بنا پر تفسیر بالرائے کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔"

(۱) تفسیر محمود (پسندیدہ تفسیر)

(۲) تفسیر مذموم (بری تفسیر)

تفسیر محمود

تفسیر محمود وہ تفسیر ہے کہ جو غرض شارع کے موافق، جہالت و ضلالت سے دور، قواعد لغت عربیہ کے ساتھ ساتھ چلنے والی اور قرآن کریم کی نصوص کے فہم میں لغت عربیہ کے اسالیب پر اعتماد کرنے والی ہو۔ پس جس شخص نے اپنی رائے (یعنی اپنے اجتہاد) سے ان شروط سے واقفیت کو لازم پکڑتے ہوئے اور کتاب عزیز کے بارے میں اپنی رائے میں ان شروط پر اعتماد کرتے ہوئے تفسیر کی تو وہ تفسیر جائز (پسندیدہ) خوشگوار (اور واجبی) ہے اور اس بات کے لائق ہے کہ اس کا نام تفسیر محمود یا تفسیر مشروع (شریعت کی مراد کے موافق تفسیر) رکھا جائے۔

بصیرت ہوتا ہے اور وہ یہ دیکھ رہے اور مریض کو دکھلاتا ہے اسی طرح جو شرع (شریف) کی غرض نہیں سمجھتا وہ جہالت و گمراہی میں جا پڑتا ہے اس شخص کی طرح جو آیت کریمہ کے ظاہر کو لے لیتا ہے۔ وہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا﴾ (الاسراء: ٧٢)

"اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہوا راہ سے۔" (تفسیر عثمانی)

یعنی یہ (ظاہر بین) ہر اندھے پر بدبختی اور خسارہ اور دخول جہنم کا حکم لگاتا ہے، باوجودیکہ اندھے پن سے (اس آیت میں) آنکھوں کا اندھا پن مراد نہیں ہے اور بے شک وہاں ارشاد باری کی دلیل سے دل کا اندھا پا مراد ہے۔

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج: ٤٦)

"سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہو جاتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

اور آنکھوں کا اندھا پن تو کبھی انسان کی سعادت کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے: من "ابتليته بحبيبته (يعني عينيه) فصبر عوضته الجنة"

(اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) جس سے میں اس کے دو محبوب کی آزمائش لے لوں پھر وہ صبر کرے تو اس کے بدلہ میں میں اس کو جنت دوں گا۔"

حدیث میں "حبیبتیہ" سے مراد دونوں آنکھیں ہیں (یعنی جس کی اللہ تعالیٰ اس دنیا میں دونوں آنکھیں چھین لے اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کا بدلہ اس کو جنت کی صورت میں ملے گا" مترجم")

اور ہم عنقریب غرائب تفسیر پر کلام کے وقت اس باطل اسلوب تفسیر کے چند (اور) نمونے پیش کریں گے۔ (اگر تو چاہے تو) وہاں مراجعت کر لے۔

توضیح

اس موضوع پر ہم چند علماء کرام کی تحریروں کے نمونے پیش کرتے ہیں

مولانا سعید احمد اکبر آبادی فرماتے ہیں:

تفسیر بالرائے پر وعید اور اس کا مطلب

(مولانا مرحوم تفسیر بالرائے کے متعلق ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کی روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں)

(ان روایات) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قرآن مجید کے معانی میں غور و خوض اور ان سے احکام و مسائل کا استنباط ہی سرے سے ممنوع ہے کیونکہ قرآن نے خود جگہ جگہ اپنی آیات میں غور و تدبر کی دعوت دی ہے اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو ان میں انہماک رکھتے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل جو لوگ قرآن مجید میں تدبر نہیں کرتے ان کی مذمت کی گئی ہے اس بنا پر جس

حدیث میں قرآن مجید کے بارے میں بغیر علم کے گفتگو کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اس کا مطلب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ فہم قرآن کا سلیقہ نہیں رکھتے یعنی اس کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے اور جو فہم قرآن کے باب میں مبادی اور اصول موضوعہ کا حکم رکھتی ہیں۔ وہ ان سے بے خبر ہیں ان لوگوں کو محض قیاس و تخمین سے قرآن مجید کے احکام و مسائل یا حقائق و معانی کے بارہ میں گفتگو سے اجتناب کرنا چاہیے۔

غور کیجئے دونوں روایتوں میں "بغیر علم" کے الفاظ ہیں۔ اس بنا پر اس روایت کا مطلب یہی ہوگا کہ جو لوگ نہ جاننے کے باوجود قرآن کے بارے میں آزادی کے ساتھ والہانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں وہ اللہ کی وعید (اس) کے مستحق ہیں۔ قرآن خدا کا کلام ہے اس بنا پر اس قدر شدید وعید کی گئی ہے۔ ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ بغیر علم کے ایک قرآن ہی کیا کسی مسئلہ پر بھی گفتگو کرنا شیوہ دانشمندی سے بعید ہے۔ ایک عام اور مشہور شعر ہے ؎

آں کس کہ نداند و نداند کہ نداند   در جہل مرکب ابدالدہر بماند

(فہم قرآن صفحہ ۲۶ تا ۲۸ ملخصاً)

علامہ غلام احمد حریری مرحوم رقمطراز ہیں۔

"لفظ "الرائے" کا اطلاق اجتہاد اور قیاس پر کیا جاتا ہے اس لئے قیاس کے قائلین کو اصحاب الرائے کہا جاتا ہے بنا بریں تفسیر بالرائے سے وہ تفسیر قرآن مراد ہے کہ جو اجتہاد کی مدد سے کی جائے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ عربوں کے اسلوب کلام عربی الفاظ اور ان کے وجوہ دلالات سے بخوبی واقف ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اشعار جاہلی، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ اور ان امور سے نا بلد نہ ہو جو مفسر کے لئے از بس ناگزیر ہیں۔" (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۴۳)

حضرت علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم اس موضوع پر ان الفاظ کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔

"علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ بعض غلو پسند لوگوں نے اس حدیث سے (کہ جس میں اپنی رائے سے قرآن کے بارے میں گفتگو کی ممانعت ہے) یہ مطلب لیا ہے کہ قرآن کریم کے بارے میں کوئی بات فکر اور رائے کی بنیاد پر کہنا (درست اور) جائز نہیں۔ یہاں تک کہ اجتہاد کے ذریعے قرآن کریم سے ایسے احکام بھی مستنبط نہیں کئے جا سکتے جو اصول شرعیہ کے مطابق ہوں لیکن یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ قرآن نے خود جا بجا غور و تدبر اور استنباط کو مستحسن قرار دیا ہے اور اگر فکر و تدبر پر بالکل پابندی لگا دی جائے تو قرآن و سنت سے شرعی احکام و قوانین مستنبط کرنے کا سرے سے دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ لہٰذا اس حدیث کا مطلب ہر قسم کی رائے پر پابندی لگانا نہیں ہے۔" ❶

چنانچہ اس بات پر جمہور علماء متفق ہیں کہ خود قرآن و سنت کے دوسرے دلائل کی روشنی میں اس حدیث کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ قرآن کریم کے معاملے میں غور و فکر اور عقل و رائے کو بالکل استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کا اصل منشا یہ ہے کہ قرآن کریم

❶ یہ مضمون علوم القرآن جلد ۱ صفحہ ۳۴۱ تا ۳۴۳ سے ماخوذ ہے۔

کی تفسیر سے متعلق جو اصول اجماعی طور پر مسلم اور طے شدہ ہیں ان کو نظر انداز کر کے جو تفسیر محض رائے کی بنیاد پر کی جائے گی وہ ناجائز ہوگی اور اگر اسی طرح تفسیر کے معاملہ میں دخل دے کر کوئی شخص اتفاقاً کسی صحیح نتیجے پر پہنچ بھی جائے تو وہ خطاکار ہے کیونکہ اس نے غلط راستہ اختیار کیا۔

اب اصول تفسیر کو نظر انداز کرنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً

(۱) بغیر اہلیت کے محض اپنی رائے کے بل بوتے پر قرآن کے بارے میں تفسیر پر گفتگو کرے۔

(۲) کسی آیت کے بارے میں منقول کسی صاف صریح حدیث یا کسی صحابی و تابعی کے قول کو چھوڑ کر اپنی رائے سے اس کا معنی بیان کرے۔

(۳) جن آیات کے بارے میں کوئی حدیث یا اثر و روایت منقول نہ ہو ان کے بارے میں لغت اور زبان و ادب کے اصولوں کو پامال کر کے کوئی تشریح کرے۔

(۴) قرآن و سنت سے براہ راست احکام و مسائل کے استنباط اور اجتہاد کی اہلیت کے بغیر اجتہاد و تشریح کرے۔

(۵) قرآن کریم کی متشابہ آیات (کہ جن کا مطلب و مراد فقط علم الٰہی میں ہے) ان کی جزم و وثوق کے ساتھ کوئی تفسیر بھی بیان کرے اور اسی کے صحیح ہونے پر مصر بھی ہو۔

(۶) اسلام کے مسلّم طے شدہ اجماعی اصول، قواعد و عقائد کو مجروح کر کے کوئی تفسیر بیان کرے۔

(۷) جہاں عقل و رائے کی گنجائش ہو وہاں بغیر کسی قطعی دلیل کے اپنی تفسیر کو قطعی اور دوسرے مجتہدین کی آراء کو باطل قرار دے۔

یہ سب وہ صورتیں ہیں کہ جن کی حدیث میں ممانعت ہے چنانچہ ایک دوسری حدیث میں یہ تمام مطالب ان مختصر جملوں میں سمٹ آئے ہیں۔

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار۔

"جو شخص قرآن کریم کے بارے میں بغیر علم کے کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔"

البتہ اگر اجماعی طور پر طے شدہ قواعد و ضوابط کے مطابق کوئی تفسیر کی جائے کہ جو قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

البتہ اس قسم کا اظہار رائے بھی قرآن و سنت کے وسیع و عمیق علم اور اسلامی علوم میں مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔

علماء نے اس بارے میں کچھ کارآمد اصول مقرر فرمائے ہیں۔ جو اصول فقہ اور اصول تفسیر میں مفصل بیان ہوئے ہیں۔ ان کا ایک نہایت مفید خلاصہ علامہ بدر الدین زرکشیؒ نے اپنی کتاب "البرہان فی علوم القرآن" کی نوع نمبر ۴۱ میں بالخصوص "اقسام تفسیر" کے زیر عنوان (صفحہ ۱۶۴-۱۷۰) بیان فرمایا ہے یہ پوری بحث نہایت قابل قدر ہے۔ (طالبان علوم قرآن وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں) (علوم القرآن صفحہ ۳۳۶-۳۳۹ ملخصاً و بتصرف)

آخر میں علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ کی ایک نہایت دلچسپ اور بیدار مغز تحریر پیش خدمت ہے:

"بعض روایات میں تفسیر بالرائے کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے جرأت بے جا قرار دیتے ہوئے دھمکی دی گئی ہے کہ اس جرم کا ارتکاب جہنم کو اپنا ٹھکانا (مقعد) بنا رہی ہے اس کا عام مطلب یہ پھیلا دیا گیا ہے کہ قرآنی آیات کا مطلب کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا جب تک اس مطلب کی تائید میں کسی روایت کی پشت پناہی حاصل نہ ہو۔ اسی وجہ سے تفسیر کی ان کتابوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے کہ جن میں ہر آیت کے تحت میں روایات کے درج کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے ابن جریر طبری کی تفسیر کا زیادہ تر اسی پر مدار ہے۔ اس نقطہ نظر سے سوچنے والوں نے امام فخر الدین رازی کے متعلق یہ لطیفہ مشہور کر رکھا ہے"

فیہ کل شیء الا التفسیر۔

"امام رازی کی تفسیر میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے۔"

بہرحال اس فقرہ سے اشارہ اسی طرف کیا گیا ہے کہ جتنی توجہ روایات کی طرف امام صاحب کو چاہیے تھی نہیں کی۔

اس کے مقابلے میں ایک طبقہ بے پرواؤں کا بھی ہے جو قرآنی آیات کی تشریح و توجیہ میں نہ اس ماحول ہی کو اپنے سامنے رکھنا چاہتا ہے جس میں قرآن نازل ہوا تھا۔ نہ جن بزرگوں کو اپنا مخاطب قرآن نے پہلی دفعہ بنایا تھا (یعنی صحابہ کرامؓ) قرآنی آیات سے متعلق ان کے تاثرات کی ہی پرواہ نہیں کرتا۔

حتیٰ کہ شوریدہ سری میں عقل باختوں کا یہ گروہ کبھی کبھی ترقی کر کے اس حد تک آ پہنچتا ہے کہ عربی لغت اور الفاظ کے لغوی معانی کی رعایت سے بھی اس راہ میں اگر ضرورت ہوئی تو آزاد ہو گیا۔

تاریخ کے ہر دور میں اس قسم کی ناہمواریوں کا مشاہدہ قرآنی آیات کی تشریح و توضیح میں کیا گیا ہے۔ "اتقان" میں سیوطی نے نقل کیا ہے کہ "لیطمئن قلبی" کے فقرہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایک دوست کی طرف اشارہ کیا جس کا نام قلبی تھا۔ (یہ قصہ آگے متن میں بھی آ رہا ہے۔ "تفہیم") مقصد یہ تھا کہ میں تو مرنے کے بعد جی اٹھنے پر مطمئن ہوں مگر میرا دوست قلبی وہ مطمئن نہیں اس لئے یہ تماشا دکھلایئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے۔

اسی طرح بعض کا یہ قول ہے کہ میتہ لحم خنزیر وغیرہ بعض مردوں اور عورتوں کے نام ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے ملنے جلنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان خرافات کا ذکر کہاں تک کیا جائے۔ بقول ابوالقاسم اصفہانی ان اقوال کا ذکر اس لئے کیا جانا چاہیے تاکہ

ان یعلم ان فیمن یدعی العلم حمقی۔

"معلوم ہو کہ علم کا دعویٰ کرنے والوں میں احمق بھی ہیں۔"

اور ان حماقتوں کا تعلق تو "قدیم علم" اور "دانش پارینہ" سے تھا۔ اس کے مقابلے میں "دانش نو" کی بوالعجبیوں کا جو طوفان عہد حاضر میں امنڈ آیا ہے اس کا اندازہ ہے اور نہ چھور!! بھلا اس دعویٰ کے ساتھ کہ قرآن میں نہ غلامی کا ذکر ہے نہ تعدد ازدواج

کے قانون کا نہ معجزوں کا نہ کراماتوں کا نہ فرشتوں کا نہ جنت و دوزخ کا نہ جنتوں کی نعمتوں کا نہ جہنم کے عذابوں کا" الغرض قرآن میں جو کچھ ہے وہی کچھ قرآن میں نہیں۔"

اس عجیب و غریب ادعا کے ساتھ قرآنی الفاظ کی تشریح و توضیح میں جن فلسفیانہ تاویلوں کے تماشے سامنے آسکتے ہیں یہ صرف احتمال ہی نہیں بلکہ کر کے دکھایا گیا۔ اور قرآن کے ساتھ ان بدبختانہ بازی گروں کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ عربی زبان کی ایک سطر بھی جو صحیح طرح پڑھ نہیں سکتے وہی قرآن کے اردو ترجموں کی مدد سے ان ہی ناقابل برداشت کوتاہیوں اور تحقیقوں کے بل بوتے پر گویا مجتہدوں کا یہ گروہ تیار ہو گیا ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ وہ ان ذہنی حرکات پر داد کا طالب بھی ہے۔ آج ان مجرمانہ جسارتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ جس مقصد اور جس مطلب کو بھی چاہا جاتا ہے اس کو قرآنی مطالب کے سر تھوپ دیا جاتا ہے۔

اب ایک طرف تو روایت کے بغیر تفسیر منع ہے دوسری طرف فقط روایت پر اعتماد ہے خواہ کس درجہ کی ہو۔ تیسری طرف آزادی کی آزادی ہے کہ جو وسوسہ اور وہم بھی جی میں آیا اس کو قرآن کی طرف منسوب کر دیا۔ بقول اکبر مرحوم کے

"مجھے تفسیر بھی آتی ہے اپنا مدعا کہیے"

حضرت علامہ انور شاہ صاحب اس کا مطلب یہ فرماتے ہیں کہ "مسلمانوں میں نسلاً بعد نسل خلفاً عن سلف جن حقائق سے اسلام دینی کی تقویم و تعبیر ہوئی ہے کہ جن کے بغیر اسلام کا تصور کوئی مسلمان نہیں کر سکتا یعنی ضروریات دین کہ جو اول تا آخر بغیر کسی اختلاف کے اسلام کی جانی پہچانی باتیں ہیں۔ ان سے ہٹ کر قرآنی آیات کی تشریح ایمان سوز جرأت ہے۔ تفسیر دانی کی اسی قسم کو شاہ صاحبؒ تفسیر بالرائے قرار دیتے ہیں۔

لیکن بغیر کسی روایت کی پشت پناہی کے قرآنی آیات کی تشریح کرنے والا اپنی من مانی تشریح کر رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس کی سختی سے تردید فرمایا کرتے تھے۔

اس کے بعد ایک طویل علمی بحث فرمانے کے بعد علامہ گیلانیؒ فرماتے ہیں۔

"مگر قرآنی آیات سے صحیح واقفیت کے لیے جن قدرتی اسباب و ذرائع کی ضرورت ہے جو ان سے تہی دامن ہوگا اس کے اگلوں اور پچھلوں کی تفسیر کی جرأت محض بے شرمی اور بے حیائی اور جہالت ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے ان پر افسوس صد افسوس ہے۔ یہی لوگ جہنم کے مستحق ہیں۔ (احاطہ دار العلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن صفحہ ۱۳۰-۱۲۸ ملخصاً بتصرف)

أمهات التفسير:

والأمور التي ينبغي استناد الرأي إليها في التفسير أمهاتها أربعة كما ذكرها (الزركشي) في كتابه البرهان ونقلها السيوطي عنه في كتابه الإتقان و نحن نلخصها بإيجاز:

الأول: النقل عن الرسول ﷺ مع التحرز عن الضعيف والموضوع.

الثاني: الأخذ بقول الصحابي في التفسير، فإنه في حكم المرفوع.

الثالث: الأخذ بمطلق اللغة فإن القرآن نزل بلسان عربي مبين، مع ترك ما لا تحتمله لغة العرب.

الرابع: الأخذ بما يوافق الكلام العربي، ويدل عليه قانون الشرع، وهذا هو الذي دعا به النبي عليه السلام لابن عباس في قوله: ((اللهم فقهه في الدين وعلمه التأويل)).

العلوم التي يحتاجها المفسر:

يحتاج المفسر لكتاب الله تعالى، إلى أنواع من العلوم والمعارف، يجب أن تتوفر فيه، حتى يكون أهلا للتفسير، وإلا كان داخلا في الوعيد السابق ((ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار)) وقد ذكر العلماء أنواع العلوم التي يجب توفرها في المفسر، وأوصلها السيوطي في كتابه (الاتقان) إلى خمسة عشر علما، ونحن نوجزها فيما يلي:

(۱) معرفة اللغة العربية وقواعدها (علم النحو، والصرف، وعلم الاشتقاق)

(۲) معرفة علوم البلاغة (علم المعاني، والبيان، والبديع)

(۳) معرفة أصول الفقه (من خاص، وعام، ومجمل، ومفصل... الخ)

(۴) معرفة أسباب النزول.

(۵) معرفة الناسخ والمنسوخ

(٦) معرفة علم القراءات.

(۷) علم الموهبة.

أما الأول:

وهو اللغة وما يتعلق بها من نحو، وصرف، واشتقاق، فإنه ضروري للمفسر، إذ كيف يمكن فهم الآية بدون معرفة المفردات والتراكيب وهل باستطاعة أحد أن يفسر قوله تعالى ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَآءُو فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ بدون أن يعرف المعنى اللغوي للإيلاء، والتربص،

قال الإمام مالك (لا أوتى برجل غير عالم بلغة العرب، يفسر كتاب الله، إلا جعلته نكالا.

وقال مجاهد:

لا يحل لأحد يؤمن بالله واليوم الآخر أن يتكلم في كتاب الله؛ إذا لم يكن عالماً بلغات العرب.

فإذا لم يتفق اللفظ مع المعنى اللغوي كان باطلاً؛ كتفسير بعض الروافض قوله تعالى: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ﴾ أنهما علي وفاطمة، وقوله ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ يعني الحسن والحسين.

وكتفسير (فرعون) بالقلب في قوله تعالى: ﴿اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى﴾ ويريد به قلب الإنسان النفسي، قال القرطبي: وهذا الجنس قد يستعمله بعض الوعاظ في المقاصد الصحيحة تحسيناً للكلام، وترغيباً للمستمع، وهو ممنوع؛ لأنه قياس في اللغة، وذلك غير جائز، وهو أحد وجهي المنع من التفسير بالرأي.

وعلم النحو ضروري للمفسر؛ لأن المعنى يتغير بتغير الحركات تغيراً كبيراً؛ فقوله تعالى: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ بنصب هاء الجلالة ورفع همزة العلماء، والمعنى صحيح؛ لأن معنى الآية: الذين يخشون الله من عباده العلماء دون غيرهم، فمن ازداد علماً بالله؛ ازداد منه خوفاً، ولو عكس فضم هاء الجلالة، ونصب همزة العلماء لفسد المعنى.

قصة لطيفة:

ذكر القرطبي في تفسيره هذه القصة في علم اللحن في القرآن، قال: (قدم أعرابي في زمان عمر بن الخطاب إلى المدينة المنورة فقال: من يقرئني مما أنزل على محمد ﷺ؟ قال: فأقرأه رجل سورة (براءة) فقرأ عليه الآية الكريمة ﴿أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ﴾ بالجر أي بجر اللام في (رسوله) بدل الضم فقال الأعرابي: أو قد بريء الله من رسوله؟ فإن يكن الله بريء من رسوله، فأنا أيضاً أبرأ من رسوله، فاستعظم الناس الأمر، وبلغ عمر مقالة الأعرابي؛ فدعاه فقال يا أعرابي؟ أتبرأ من رسول الله ﷺ؟

فقال يا أمير المؤمنين: إني قدمت المدينة، ولا علم لي بالقرآن، فسألت من يقرئني؟ فأقرأني هذا الرجل سورة (براءة) فقال: ﴿أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ﴾ فقلت: أو قد بريء الله من رسوله، إن يكن الله بريء من رسوله فأنا أبرأ منه، فقال عمر: ما هكذا الآية يا

أعرابي؟ فقال: فكيف هي يا أمير المؤمنين؟ قال: ﴿أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ﴾ فقال الأعرابي: وأنا والله أبرأ ممن بريء الله ورسوله منه، أبرأ من المشركين. فأمر عمر بن الخطاب رضي الله عنه ألا يقرئ الناس إلا عالم باللغة، وأمر أبا الأسود فوضع النحو.

ومعرفة علم الصرف والاشتقاق ضرورية أيضًا للمفسر حتى لا يخبط الإنسان خبط عشواء. قال الزمخشري: من بدع التفاسير قول من قال إن (الإمام) في قوله تعالى: ﴿يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ جمع أم، وأن الناس يدعون يوم القيامة بأمهاتهم دون آبائهم. قال: وهذا غلط فاحش أوجبه جهل القائل بالتصريف فإن (أم) لا تجمع على إمام.

(٢) وأما علوم (المعاني والبيان والبديع) فضرورية لمن أراد تفسير الكتاب العزيز؛ لأنه لا بد من مراعاة ما يقتضيه الإعجاز، وذلك لا يدرك إلا بهذه العلوم. فمثلًا قوله تعالى ﴿وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ أي أشربوا حب العجل فهو على حذف مضاف. ومثله ﴿واسأل القرية﴾ المراد أهل القرية، وقوله تعالى: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ ليس على الحقيقة وإنما هو استعارة فكما يستر اللباس العورة، ويزين الإنسان ويجمله، كذلك الرجل والمرأة كل منهما كاللباس لصاحبه يزينه ويكمله ويجمله، وهو من روائع النظم وبدائع الكلام، وإذا حمل الإنسان المعنى على ظاهره فسد المعنى، كما يذكر أن (الفرنسيين) أرادوا ترجمة القرآن إلى لغتهم فلما وصلوا إلى هذه الآية الكريمة ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ ترجموها بالظاهر ولم يدركوا السر الدقيق فيها، فكانت الترجمة كالتالي (هن بنطلونات لكم وأنتم بنطلونات لهن) لأن اللباس عندهم يسمى (البنطلون) وهكذا ساء فهمهم ولم يدركوا روعة تعبير القرآن. وقريب من هذا ما وقع لبعض الأعراب حين سمع قوله تعالى: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ أخذ عقالين أبيض وأسود وجعل يأكل وينظر إليهما حتى كادت الشمس أن تطلع فجاء إلى النبي ﷺ فأخبره بذلك فقال له: إنك لعريض القفا إنما ذلك بياض النهار وسواد الليل. وفي القرآن الكريم أمثلة كثيرة على الاستعارة والكناية والمجاز، ولا بد في فهمها من معرفة علم البيان والبديع مثل قوله تعالى عن سفينة نوح ﴿تجري بأعيننا﴾ أي بحفظنا ورعايتنا، وقوله ﴿قدم صدق﴾ و ﴿لسان صدق﴾ و ﴿جناح الذل﴾ كل ذلك وأشباهه يحتاج إلى فهم علوم البلاغة وأسرار البيان.

"اگر فہم قرآن میں سنت سے مدد نہ لی جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ ہم مقولات شرعیہ (یعنی وہ الفاظ کہ جو لغۃً کسی معنی میں استعمال ہوتے تھے لیکن شریعت نے ان کے معانی مخصوص اور متعین کر دیئے۔ جیسے صوم، صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ) کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ لغت کی روشنی میں بھی بعض آیات کے مفہوم کو صحیح طور پر متعین نہیں کر سکتے۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"دراصل دین الٰہی کا مکمل نقشہ قرآن وسنت کے امتزاج ہی سے سامنے آ سکتا ہے۔ قرآن بطریق متن اور سنت بطور تفسیر و تشریح ہے اور تشریع احکام کا حق دونوں ہیں۔" (اس کے لئے دیکھئے حدیث کے بارے میں مکمل بحث "فہم قرآن" صفحہ ۷۵ تا ۱۰۰)

لغت عرب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قرآن کو سمجھنے کے لئے عربیت شرط ہے کیونکہ قرآن عربی میں نازل ہوا۔ اور عربی سے مراد عربی زبان کی صرف اتنی استعداد نہیں ہے کہ کوئی شخص عربی سے اردو یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر سکے۔ صرف اتنی استعداد سے کوئی شخص قرآن کی اجمالی مراد تو سمجھ سکتا ہے لیکن جب تک اس کا ذوق عربیت پختہ نہ ہو۔ بقول امام شافعیؒ جب تک اس میں کسی عربی عبارت کو عربی کے انداز فہم و تعبیر کے مطابق ہی سمجھنے کی صلاحیت نہ ہوگی وہ قرآن مجید کے بلیغ اسلوب بیان اور اس کے مخصوص انداز تعبیر سے واقف نہ ہو سکے گا۔ اس بنا پر قرآنی مطالب و مفہوم کے بہت سے گوشے اور پہلو ایسے ہوں گے جو اس کے عقل و فہم کی گرفت میں نہ آ سکیں گے۔"

اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کوئی عربی کی ہی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر زبان کا یہی قاعدہ ہے کہ کسی زبان کے جاننے اور بولنے والے بھی یکساں نہیں ہوتے۔ وہی ایک سادہ سا جملہ اور فقرہ ہوتا ہے ایک عام اور بدذوق اردو داں اس کو سنتا ہے اس پر خاک اثر نہیں ہوتا لیکن ایک صاحب ذوق اس کو سنتا ہے تو بے اختیار ہو کر سر دھننے لگتا ہے اور اس جملہ میں اس کو حقائق و معانی کا ایک دفتر نظر آتا ہے۔

استاد مومن کا ایک شعر ہے ؎

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کتنے لوگوں نے پڑھا ہوگا لیکن مرزا غالب نے سنا تو کہنے لگے اے کاش! مومن یہ ایک شعر مجھے دے دیتے اور اس کے عوض میں میرا پورا دیوان مجھ سے لے لیتے۔" (فہم قرآن صفحہ ۲۹-۳۰ ملخصاً)

ترجمہ: وہ علوم جن کی مفسر کو احتیاج ہے

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"کتاب اللہ تعالیٰ کا مفسر علوم و معارف کی بہت سی انواع (واقسام کو جاننے) کا محتاج ہے اور لازم ہے کہ وہ علوم اس

میں درج عبارت تک ہوں۔ یہاں تک کہ وہ تفسیر کا اہل ہو جائے۔ ورنہ وہ گزشتہ وعید میں داخل ہوگا۔ (جو یہ ہے)"

من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار

علماء کرام نے علوم کی ان انواع کا ذکر کیا ہے کہ جن میں مفسر کو ماہر ہونا ضروری ہے۔ اور علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "الاتقان" میں ان (کی تعداد) کو پندرہ تک پہنچا دیا ہے۔ ❶

ہم ان کو مختصر طور پر ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) لغت عربیہ اور اس کے قواعد کو جاننا (یعنی علم نحو علم صرف اور علم اشتقاق وغیرہ کو جاننا)

(۲) علوم بلاغت کو جاننا (یعنی علم معانی و بیان و بدیع (کو جاننا)

(۳) اصول فقہ کو جاننا (جیسے خاص۔ عام مجمل مفصل وغیرہ وغیرہ)

(۴) اسباب نزول کو جاننا۔

(۵) ناسخ و منسوخ جاننا۔

(۶) علم قراءات کو جاننا

(۷) علم وہبی (یعنی علم لدنی ہونا)

توضیح

علامہ عبدالحق حقانیؒ اس بارے نہایت عمدہ روشنی ڈالتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں۔

علم تفسیر کے دو جز ہیں۔ (۱) تفسیر تحقیقی (۲) حل لغات و بیان محاورات و دفع اشکالات۔ پہلی قسم کی تفسیر کو تفسیر نقلی کہتے ہیں۔ یہ تمام سلف و قدماء کی طرف مستند ہے۔ اس کی شاخیں یہ ہیں۔

(۱) معرفت ناسخ و منسوخ

(۲) معرفت اسباب نزول

(۳) مقصد آیت کی معرفت

(۴) شرح مجمل قرآنی

آگے چل کر فرماتے ہیں

"علم تفسیر کے مبادی یعنی جو اس علم میں کار آمد ہیں (وہ یہ ہیں) صرف، نحو، لغت، معانی، بیان، فقہ، اصول و حدیث و

❶ علامہ سیوطیؒ نے انہیں پندرہ شمار کیا ہے اور اس ترتیب سے انہیں ذکر کیا ہے۔ (۱) لغت (۲) نحو (۳) صرف (۴) اشتقاق (۵) بیان (۶) معانی (۷) بدیع (۸) علم قراءات (۹) اصول دین (۱۰) اصول فقہ (۱۱) اسباب نزول (۱۲) علم ناسخ و منسوخ (۱۳) علم فقہ (۱۴) مجمل و مختصر آیات کو بیان کرنے والی احادیث (کو جاننا) (۱۵) علم وہبی (یہ مضمون الاتقان سے اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے)

ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک ہی معنی پاتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔ (فضائل قرآن صفحہ ۲۰)

علامہ عبدالحق حقانیؒ اس کی یوں وضاحت فرماتے ہیں:

"قرآن مجید میں جو الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے معانی میں کسی وجہ سے خفا ہو تو ان کے (لغت عرب کا تتبع کر کے یا سیاق وسباق پر نظر کر کے یا اس فن کے اس جملے کہ جس میں یہ واقع ہے مناسبت دیکھ کر) معانی بیان کر دے۔ اس مقام پر اختلاف فہم کی گنجائش ہے۔ کیونکہ زبان عرب میں ایک لفظ چند معانی کے لئے آتا ہے تو اس میں اول سیاق وسباق دیکھئے دوم وجوہ ترجیح میں سے قوی کو اختیار کرے (تفسیر حقانی جلد ا مقدمہ صفحہ ۱۶۰ مطلع امر چہارم)

علامہ جریری مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

"لغت سے معمولی آشنائی اس ضمن میں کافی نہیں۔ بلکہ خصوصی وسعت و مہارت ضروری ہے اس لئے کہ بعض اوقات ایک لفظ مشترک ہوتا ہے اور اس کے کئی معانی ہوتے ہیں۔ مفسر ایک معنی سے واقف ہوتا ہے اور دوسرے سے نہیں حالانکہ قرآن میں وہی معنی مراد ہوتا ہے جس سے مفسر آگاہ نہیں (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۰۳)

ترجمہ (مولف کتاب فرماتے ہیں)

"اور مفسر کے لئے علم نحو (کا جاننا بھی) ضروری ہے کیونکہ بسا اوقات فقط حرکات کے بدلنے سے (لفظ کے) معنی میں بہت بڑی تبدیلی آجاتی ہے۔"

جیسا کہ اس ارشاد خداوندی میں۔

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ۲۸)

"اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں سے جن کو سمجھ ہے" (تفسیر عثمانی)

(لفظ) اللہ "ھا" کے نصب کے ساتھ ہے (یعنی لفظی فتحہ کے ساتھ کہ جو مفعول ہونے کی علامت ہے) اور (لفظ) علماء ہمزہ کے رفع ساتھ ہے (یعنی لفظی ضمہ کے ساتھ کہ جو فاعل ہونے کی علامت ہے) اور (اس صورت میں آیت کا) معنی صحیح ہے کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے ڈرنے والے علماء ہیں نا کہ دوسرے۔ چنانچہ جو جتنا معرفت خداوندی میں بڑھتا جائے گا۔ وہ خوف خداوندی میں بھی ترقی کرتا جائے گا۔ اور اگر اس آیت کے اعراب اس کے الٹ کر دیئے جائیں (جیسے یوں کہ (لفظ) اللہ کی ہا پر ضمہ ڈال دیں اور (لفظ) علماء کی ہمزہ پر نصب تو معنی بگڑ جائے گا۔

ایک مزیدار قصہ

علامہ قرطبیؒ نے یہ قصہ اپنی تفسیر میں علم نحو ❶ کے بارے میں لکھا ہے (وہ قصہ یوں ہے) ایک بدوی حضرت عمر بن

❶ مراد علم عربی بولنا ہے۔ (مترجم)

خطابؓ کے زمانہ (خلافت) میں مدینہ منورہ آیا۔ اور کہنے لگا ”کون مجھے وہ پڑھا دے گا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا ہے؟“ راوی کہتے ہیں بس ایک آدمی نے اس کو سورۂ براءت پڑھ کر سنانا شروع کیا حتی کہ اس کی یہ آیت کریمہ

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ﴾ (التوبۃ: ۳)

”کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول۔“ (تفسیر عثمانی)

غلط ”رسولہ“ کے ”لام“ کے جر کے ساتھ بجائے اس کے ضمہ کے پڑھ کر سنائی۔ تو اس پر وہ اعرابی کہنے لگا ”کیا اللہ اپنے رسول سے الگ ہے؟ پس اگر اللہ اپنے رسول سے بری ہے تو میں بھی اس کے رسول سے الگ ہوتا ہوں۔“

پس لوگوں نے اس کو بہت بڑی بات سمجھا اور حضرت عمرؓ کو اعرابی کی یہ بات پہنچ گئی چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو بلوا بھیجا اور پوچھا ”کیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بری ہے؟“ تو اس پر وہ اعرابی کہنے لگا: ”اے امیر المؤمنین! میں مدینہ آیا مجھے قرآن کا کوئی علم نہ تھا۔ میں نے سوال کیا ”کوئی مجھے قرآن پڑھا دے گا؟“ پھر اس (فلاں فلاں) آدمی نے مجھے سورۂ براءت پڑھا دی اور کہا ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلِهٖ﴾ تو اس پر میں نے کہا ”کیا اللہ اپنے رسول سے بری ہے؟ اگر اللہ اپنے رسول سے بری ہے تو میں بھی اس سے بری ہوں۔“ تو اس پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا اے اعرابی یہ آیت یوں نہیں۔ اس نے پوچھا اے امیر المؤمنین! تو پھر کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا (یہ آیت یوں ہے)

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ﴾

تو اس پر وہ اعرابی کہنے لگا ”خدا کی قسم! میں بھی اس سے بری ہوں جس سے اللہ اور اس کا رسول بری ہیں“ (یعنی) مشرکین سے بری ہوں۔ پھر (بعد میں) حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم نہ دے مگر وہ جو لغت کو جانتا ہو۔ اور حضرت ابوالاسودؓ کو حکم دیا (کہ وہ علم) نحو (کے قوانین و اصول) وضع کریں چنانچہ انہوں نے (علم) نحو (باقاعدہ طور پر) جمع کیا۔ ❶

توضیح

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں

”دوسرے علم نحو کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ اعراب کے تغیر و تبدل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔“ (فضائل قرآن صفحہ ۲۰)

علامہ حریری مرحوم اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

”مفسر کے لئے علم نحو پر مہارت حاصل کرنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ اعرابی حالت کی تبدیلی سے معنی میں فرق آجاتا ہے مشہور نحوی عالم ابو عبیدہ حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر

---

❶ بحوالہ تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۲۴ پر درج ہے۔

کوئی شخص عربیت میں اس لئے مہارت حاصل کرنا چاہے تا کہ وہ اچھی طرح بول چال سکے اور قراءات کو درست کر سکے تو اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کہنے لگے۔ "عربیت سیکھنا چاہیے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی تلاوت کرتا ہے اور اس کو غلط معنی پہنا کر اپنی ہلاکت کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔" (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۴۳-۲۴۴)

ترجمہ: (مولف کتاب فرماتے ہیں)

اور مفسر کے لئے علم صرف اور (علم) اشتقاق (کا جاننا) بھی ضروری ہے یہاں تک کہ کوئی آدمی (اوٹ پٹانگ نہ ہانکنے لگے اور) بے سوچے سمجھے کوئی بات نہ کرے۔

(علامہ) زمخشری فرماتے ہیں:

"نہایت عجیب و غریب تفسیروں میں سے ایک اس شخص کا قول ہے کہ جس نے اس ارشاد خداوندی میں

﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾

لفظ "امام" کو "ام" کی جمع کہا۔ کہ لوگ قیامت کے دن اپنی ماؤں کے ناموں سے پکارے جائیں گے نا کہ اپنے باپوں کے نام سے۔

یہ بات بالکل غلط ہے یہ اور اس کے قائل کے علم صرف سے جاہل ہونے کو (واجب اور) ثابت کرتی ہے کیونکہ "لفظ" ام کی جمع "امام" نہیں لائی جاتی (بلکہ امہات آتی ہے)

توضیح

مولانا زکریا صاحب کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں:

"تیسرے صرف کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ بناء اور صیغوں کے اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔

ابن فارس فرماتے ہیں: "جس شخص سے علم صرف فوت ہو گیا اس سے بہت کچھ فوت ہو گیا۔" (فضائل قرآن صفحہ ۴۰)

علامہ حریری مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

"علم صرف ہی کی مدد سے کسی لفظ کے وزن اور صیغے کا پتہ چلتا ہے اس لئے اس علم کا سیکھنا بھی مفسر کے لئے ضروری ہے۔"

مشہور نحوی ابن فارس لکھتے ہیں:

"جو شخص علم صرف سے محروم رہا وہ علم کے ایک بڑے حصے سے نابلد رہا مثال کے طور پر "وجد" ایک مبہم کلمہ ہے جب اس کے مشتقات کو دیکھا جائے گا تو اس کا معنی و مفہوم کھل جائے گا۔"

اس کے بعد علامہ مرحوم "زمخشری کی مذکورہ مندرجہ در متن روایت کو پیش کر کے ان کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں:

"اس غلط ترجمانی کی وجہ علم صرف سے نا آشنائی ہے اس کے قائل کو یہ نہیں معلوم کہ ام کی جمع امام نہیں آتی۔"

ترجمہ: (۳) اور علوم معانی و بیان و بدیع تو جو شخص کتاب عزیز کی تفسیر کرنا چاہے اس کے لئے (ان کا جاننا) ضروری ہے۔

کیونکہ اس کو اعجاز (قرآن) کے مقتضی کی رعایت ضروری ہے اور اس کا علم فقط انہی علوم سے ہوتا ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ (البقرۃ: ۹۳)

"اور پلائی گئی ان کے دلوں میں محبت اس بچھڑے کی" (تفسیر عثمانی)

یعنی ان کو بچھڑے کی محبت پلائی گئی (تا کہ بچھڑا اپنایا گیا کہ) یہاں مضاف محذوف ہے (اور تقدیری عبارت "حب العجل" ہے)

اس طرح کی ایک مثال یہ ہے:

﴿وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ﴾ (یوسف: ۸۲)

"اور پوچھ لے اس بستی سے" (تفسیر عثمانی)

اور مراد اس سے اہل قریہ (یعنی بستی والے) ہیں (تا کہ بستی سے نہیں بلکہ بستی والوں سے سوال ہوتا ہے)

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ (البقرۃ: ۱۸۷)

"وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔" (تفسیر عثمانی)

کہ یہ (آیت اپنے) حقیقی معنی میں نہیں ہے اور بے شک یہ استعارہ ہے چنانچہ جس طرح لباس انسان کا ستر چھپاتا ہے وہ اس کو زینت بخشتا اور حسن و جمال عطا کرتا ہے اسی طرح خاوند اور بیوی دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے لباس کی طرح ہے کہ اس کو آراستہ کرتا ہے اور اس کے کردار (اخلاق) کی (تشکیل کی) تکمیل کرتا ہے اور اس کو (ظاہری و باطنی) حسن (و جمال) بخشتا ہے۔ یہ استعارہ نہایت عمدہ اور بدیع کلام میں سے ہے اور جب آدمی (اس آیت کے) معنی کو اس کے ظاہر پر محمول کرے گا تو (آیت کا) معنی فاسد ہو جائے گا۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ فرانسیسیوں نے قرآن کا ترجمہ اپنی زبان میں کرنا چاہا تھا جب وہ اس آیت کریمہ پر پہنچے۔

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾

تو انہوں نے اس آیت کا ترجمہ اس کے ظاہری معنی سے کیا اور وہ اس کے باریک (اور لطیف) راز کو نہ پا سکے جو اس میں ہے ان کا ترجمہ یہ تھا۔

"وہ تمہاری پینٹ (اور شرٹ) ہیں اور تم ان کی پینٹ (اور شرٹ) ہو۔"

کیونکہ ان کے ہاں لباس کا نام "بنطلون" (یعنی پینٹ شرٹ) ہے اور یوں ان کی سمجھ بگڑی (اور انہوں نے ٹھوکر کھائی) اور انہوں نے قرآن کی تفسیر کی عمدگی کو نہ پایا۔

اسی کے قریب قریب وہ واقعہ ہے کہ جو بعض اعرابیوں (یعنی دیہاتیوں) سے ہوا جب انہوں نے یہ ارشاد خداوندی سنا۔

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

"اور کھاؤ اور پیو جب تک صاف نظر آنے لگے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے۔" (تفسیر عثمانی)

کہ ایک آدمی نے دو دھاگے سیاہ اور سفید (رنگ کے) لئے اور انہیں دیکھ دیکھ کر کھاتا رہتا یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کے قریب ہو جاتا۔ پس وہ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سب کی خبر دی تو آپؐ نے اسے ارشاد فرمایا: "تو چوڑی گدی● والا ہے (یعنی موٹی عقل والا ہے)۔

بے شک یہ تو دن کی روشنی (اور سپیدی) اور رات کی سیاہی (اور تاریکی) ہیں۔" اور قرآن کریم میں استعارہ، کنایہ اور مجاز کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اور ان کو سمجھنے کے لئے علم بیان اور (علم) بدیع کی معرفت لازمی ہے۔

جیسے کشتی نوح کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا. (القمر: ۱۴)

"بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے۔" (تفسیر عثمانی)

اس سے مراد "ہماری حفاظت اور ہماری نگرانی میں (بہتی تھی) ہے اور ارشاد خداوندی:

قَدَمَ صِدْقٍ. (یونس: ۲)

"پایہ سچا" (تفسیر عثمانی)

اور

لِسَانَ صِدْقٍ. (مریم: ۵۰)

"سچا بول۔" (تفسیر عثمانی)

اور

جَنَاحَ الذُّلِّ. (الاسراء: ۲۴)

"کندھے عاجزی (کے)" (تفسیر عثمانی)

یہ سب اور اس جیسی سب کی سب آیتیں علوم بلاغت اور اسرار بیان کے فہم کی محتاج ہیں۔

توضیح

علم معانی بیان و بدیع

اس عنوان کے تحت علامہ حریری مرحوم ارشاد فرماتے ہیں:

● مؤلف کتاب فرماتے ہیں یہ بے وقوفی اور سوء فہم (یعنی نا سمجھی) کی طرف اشارہ ہے۔

''پھر یہ علم تین فنی معانی، بیان اور بدیع کا علم اجمالاً فہم ہوتا ہے۔ علم معانی کی مدد سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کلام کی مخصوص تراکیب سے کیا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ علم بیان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کون سی طرز کی ترکیب یا اپنا مفہوم ادا کرنے میں واضح ہے یا پوشیدہ۔ علم البدیع کی مدد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کلام کو حسین اور پرکشش کیسے بنایا جاتا ہے۔''

یہ تینوں علوم مفسر کے لئے لازمی ناگزیر ہیں۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۳۰۲)

حضرت مولانا زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں

''مفسر کے لئے علم معانی کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کی ترکیبیں معنی کے لحاظ سے معلوم ہوتی ہیں۔ پھر علم بیان کہ جس سے کلام کا ظہور و خفا، تشبیہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر علم بدیع کہ جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہ تینوں فن علم بلاغت کہلاتے ہیں۔ یہ مفسر کے اہم علوم میں سے ہیں اس لئے کلام پاک جو سراسر اعجاز ہے ان سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔'' (فضائل قرآن صفحہ ۱۱)

مناسب ہے کہ یہاں علم معانی، بیان اور بدیع کی تعریف درج کر دی جائے۔

علم معانی

یہ وہ علم ہے کہ جس کے ذریعے لفظ عربی کے ان احوال کو جانا جاتا ہے جن احوال کی وجہ سے لفظ مقتضیٰ حال کے مطابق ہوتا ہے۔ (تکمیل الامانی شرح اردو مختصر المعانی جلد ۱ صفحہ ۲)

علم البیان

هو علم يبحث فيه عن التشبيه والمجاز والكناية.

یہ وہ علم ہے کہ جس میں تشبیہ، مجاز اور کنایہ کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔'' (اردو بلاغت شرح دروس البلاغۃ صفحہ ۹۶)

علم البدیع

هو علم يعرف به وجوه تحسين الكلام المطابق لمقتضى الحال.

یہ وہ علم ہے کہ جس میں اس کلام کی وجوہ تحسین کو جانا جاتا ہے جو مقتضیٰ حال کے مطابق ہو۔ (اردو البلاغۃ مع شرح دروس البلاغۃ صفحہ ۱۲۸)

اور تشبیہ، کنایہ، مجاز اور دوسری اصطلاحات کے لئے دیکھیں۔

(۱) مختصر المعانی

(۲) دروس البلاغۃ مع شرح شموس البراعۃ
(۳) تکمیل الامانی شرح اردو مختصر المعانی
(۴) فیض سبحانی شرح اردو مختصر المعانی وغیرہ (نسیم)

وهكذا بقية العلوم من:

(أصول الفقه' وأسباب النزول' و معرفة الناسخ والمنسوخ' و علم القراءات) كل ذلك مما يحتاج إليه المفسر لكتاب الله تعالى' حتى لا يخطئ في الفهم' ولا تزل قدمه بسبب الجهل بهذه الأمور الضرورية

وأما علم الموهبة:

فيقصد منه العلم اللدني الرباني ﴿وَآتَيْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ الذي يورثه الله تعالى لمن عمل بما علم' و يفتح قلبه لفهم أسراره قال تعالى: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ﴾ فهو ثمرة التقوى والإخلاص' ولا ينال هذا العلم من كان في قلبه بدعة أو كبر' أو حب للدنيا' أو ميل إلى المعاصي قال الله تعالى:
﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ.....﴾ (الاعراف: ۱۴۶) الآية وما أجمل قول الشافعي رحمه الله:

شكوت إلى وكيع سوء حفظي — فأرشدني إلى ترك المعاصي
وأخبرني بأن العلم نور — ونور الله لا يهدى لعاصي

قال السيوطي:

ولعلك تستشكل علم الموهبة وتقول: هذا شئ ليس في قدرة الإنسان' وليس كما ظننت من الإشكال' والطريق في تحصيله' ارتكاب الأسباب الموجبة له من العمل والزهد. ثم قال: علوم القرآن وما يستنبط منه بحر لا ساحل له' فهذه العلوم التي ذكرناها هي كالآلة للمفسر' ولا يكون مفسراً إلا بتحصيلها' فمن فسر بدونها كان مفسراً بالرأي المنهي عنه.

وهذه الشروط التي ذكرها العلماء إنما هي لتحصيل أعلى مراتب التفسير وهناك معان عامة يفهمها الإنسان عند سماع اللفظ الكريم' فقد سهل الله القرآن ويسره' وأمر بالتدبر والتذكر لكتابه المجيد ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ وذلك أدنى مراتب التفسير والله الموفق

مراتب التفسير:

ولقد قسم المرحوم الشيخ محمد عبده التفسير إلى مرتبتين:

(١) مرتبة عليا.

(٢) ومرتبة دنيا

أما المرتبة الأولى (العليا) فهي لا تتم إلا بأمور:

أحدها: فهم حقائق الألفاظ المفردة التي أودعت في القرآن عن طريق استعمالات أهل اللغة.

ثانيها: معرفة الأساليب الرفيعة، وذلك يحصل بممارسة الكلام البليغ ومزاولته مع التفطن لنكته ومحاسنه.

ثالثها: علم أحوال البشر، ومعرفة السنن الإلهية الكونية في تطور الأمم واختلاف أحوالهم من قوة وضعف، وعز وذل، وإيمان وكفر.

رابعها: العلم بوجه هداية القرآن للبشرية، وما كان عليه العرب في الجاهلية من شقاء وضلال، فقد روى عن عمر أنه قال: ولا يعرف فضل الإسلام من لم يقرأ حياة الجاهلية.

خامسها: العلم بسيرة النبي ﷺ وأصحابه، وما كانوا عليه من علم وعمل في الشؤون الدينية والدنيوية

المرتبة الدنيا:

وأما أدنى مراتب التفسير فهو أن يبين بالإجمال ما يشرب قلبه عظمة الله وتنزيهه ويصرف النفس عن الشر، ويجذبها إلى الخير، وهذه ميسرة لكل أحد كما قال تعالى: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

أوجه التفسير:

روى السيوطي نقلا عن ابن جرير من طرق متعددة عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال

التفسير أربعة أوجه:

(١) وجه تعرفه العرب من كلامها.

(٢) وتفسير لا يعذر أحد بجهالته.

(٣) وتفسير يعرفه العلماء

(٤) وتفسير لا يعلمه إلا الله تعالى

أقوال العلماء في جواز التفسير بالرأي

بعد أن عرفنا معنى (التفسير بالرأي) وشروطه، نذكر الآن أقوال العلماء فيه، وأدلة كل من المجوزين والمانعين له، حتى يظهر الحق أبلج ساطعاً مثل الشمس في رابعة النهار، فنقول ومن الله نستمد العون: المراد بالرأي هنا الاجتهاد، وعليه فالتفسير بالرأي معناه تفسير القرآن بالاجتهاد، بعد معرفة المفسر لكلام العرب وأساليبهم في الخطاب، ومعرفته للألفاظ العربية ووجوه دلالتها، وقد اختلف العلماء في جواز التفسير بالرأي على مذهبين:

المذهب الأول: عدم جواز التفسير بالرأي، لأن التفسير موقوف على السماع، وهو قول طائفة من العلماء.

المذهب الثاني: جواز التفسير بالرأي بالشروط المتقدمة، وهو مذهب جمهور العلماء.

أدلة المانعين:

استدل المانعون للتفسير بالرأي بعدة أدلة نوجزها فيما يلي:

أولاً: إن التفسير بالرأي قول على الله بغير علم، وهو منهي عنه بقوله تعالى: ﴿وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾

ثانياً: ما ورد في الحديث الشريف من الوعيد الشديد لمن فسر القرآن الكريم برأيه، وهو قوله: ((اتقوا الحديث علي إلا ما علمتم، فمن كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار، ومن قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار)) رواه الترمذي.

ثالثاً: قوله تعالى:

﴿بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (النحل ٤٤)

فقد أضاف البيان إلى الرسول ﷺ فعلم أنه ليس لغيره شيء من البيان لمعاني القرآن

رابعاً: تحرج الصحابة من القول في القرآن بآرائهم، حتى روي عن الصديق أنه قال: ((أي أرض تقلني؟ إذا قلت في القرآن برأيي، أو قلت فيه بما لا أعلم؟))

ترجمہ:

مؤلف کتاب فرماتے ہیں:

اسی طرح باقی علوم ہیں (جیسے) اصول فقہ، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ کی معرفت اور علم قراءات کہ کتاب اللہ تعالیٰ کا مفسر ان میں سے ہر ایک (کے جاننے) کا محتاج ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ (اپنی) فہم (اور سمجھ) میں خطا کرنے اور ان امور ضروریہ کے نہ جاننے کی وجہ سے اس کا قدم (کسی مقام پر بھی حق سے) نہ پھسلے۔

رہا علم وہبی تو اس سے (ہمارا) مقصود علم لدنی ربانی ہے۔ (جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے)

﴿وَآتَيْنَاهُ ❶ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (کہف: ۶۵)

"اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔" (تفسیر عثمانی)

یہ وہ علم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اس کو عطا کرتے ہیں کہ جو اپنے علم پر عمل کرے۔ وہ اس کے دل کو قرآن کے اسرار کے فہم کے لئے کھول دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ﴾ (البقرۃ: ۲۸۲)

"اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

اور یہ (علم لدنی) تقویٰ اور اخلاص کا ثمرہ ہے۔ اور یہ علم وہ نہیں پاتا کہ جس کے دل میں بدعت یا تکبر یا دنیا کی محبت یا گناہوں کی رغبت ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ..... ﴾ (الاعراف: ۱۴۶)

"میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق۔" (تفسیر عثمانی)

اور امام شافعی نے کیا ہی خوب فرمایا ہے

شکوت إلى وكيع سوء حفظي　　فأرشدني إلى ترك المعاصي

وأخبرني بأن العلم نور　　ونور الله لا يهدى لعاصي

"میں نے (اپنے استاد) وکیع سے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہوں کے ترک کرنے کی نصیحت کی۔ اور مجھے یہ بتلایا کہ (یہ) علم (اللہ کا) نور ہے۔ اور اللہ کا نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔"

(علامہ) سیوطی فرماتے ہیں "اگر تو کہے کہ علم وہبی (کے عطا کئے جانے) کا مشکل (اور دشوار) سمجھے کہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جو انسان کی قدرت میں نہیں۔ جب کہ بات ویسی نہیں ہے جیسا کہ تو نے اشکال کیا۔ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان عمل اور (تقویٰ و) پرہیزگاری کے اسباب کو اختیار کرنا ہے کہ جو اس کو ثابت کرتے ہیں۔ (اور اللہ سے یہ علم وہبی

---

❶ قرآن میں "آتیناه" کی بجائے "علمناه" ہے۔ (مترجم)

دلواتے ہیں۔) پھر فرمایا "علوم القرآن اور جو علم اس سے مستنبط ہیں۔ (یہ بحر ناپیدا کنار ہے کہ) یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا ساحل نہیں۔

پس جو علوم ہم نے ذکر کیے ہیں یہ مفسر کے لئے بمنزلہ آلات کے ہیں۔ کہ مفسر ان کے حاصل ہونے کے بعد ہی مفسر بنے گا۔ اور جس نے ان علوم کے بغیر تفسیر کی تو وہ تو مفسر بالرائے ہوگا۔ جس کی ممانعت آئی ہے۔

توضیح

حضرت مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں "ان سب کے بعد پندرھواں وہ علم وہبی ہے کہ جو حق سبحانہ وتقدس کا خاص عطیہ ہے اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا جس کی طرف اس حدیث شریف میں ارشاد ہے۔"

"من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم."

"جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا۔"

اسی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا جب کہ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے آپ ﷺ کو کچھ خاص علوم عطا فرمائے ہیں۔ یا خاص وصایا جو عام لوگوں کے علاوہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ انہوں نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے جنت بنائی اور جان پیدا کی اس فہم کے علاوہ کچھ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کے سمجھنے کے لئے کسی کو عطا فرما دیں۔ ابن ابی الدنیا کا مقولہ ہے کہ "علوم قرآن اور جو اس سے حاصل ہو۔ وہ ایسا سمندر ہے کہ جس کا کنارہ نہیں۔ یہ علوم جو بیان کیے گئے مفسر کے لئے بطور آلہ کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان علوم سے واقفیت کے بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے لئے علوم عربیہ طبعاً حاصل تھے اور بقیہ علوم مشکوٰۃ نبوت سے مستفاد تھے۔

کیمیائے سعادت میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر تین شخصوں پر ظاہر نہیں ہوتی۔

(۱) وہ جو علوم عربیہ سے واقف نہ ہو۔

(۲) دوسرے وہ شخص کہ جو کسی کبیرہ پر مصر ہو یا بدعتی ہو کہ اس گناہ اور بدعت کی وجہ سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ معرفت قرآن سے قاصر رہتا ہے۔

(۳) تیسرے وہ شخص کہ کسی اعتقادی مسئلہ میں ظاہر کا قائل ہو اور کلام اللہ کی جو عبارت اس کے خلاف ہو اس سے طبیعت اچٹتی ہو۔ اس شخص کو بھی فہم قرآن کا حصہ نہیں ملتا۔

اللهم احفظنا منهم۔ (فضائل قرآن صفحہ ۲۱-۲۲ ملخصاً)

علامہ حریری مرحوم "راز ربانی" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"یہ علم خاص عطیہ ربانی ہے اور اس شخص کو نصیب ہوتا ہے جو اپنے علم پر عمل کرے۔"

علامہ بدرالدین زرکشی ؒ البرہان میں لکھتے ہیں۔

"خوب جان لیجئے کہ وحی کے اسرار ورموز کسی شخص پر اس وقت منکشف ہوتے ہیں جب اس کا دماغ بدعت سے مبرا ہو اور ہوس اور حب دنیا سے خالی ہو۔ جب کوئی شخص کسی گناہ کے کرنے پر مصر ہو یا ضعیف الایمان ہو یا کسی جاہل مفسر کے قول پر اعتماد کرتا ہو یا اپنے عقلی ڈھکوسلوں پر یقین رکھتا ہو تو اس پر وحی الٰہی کا راز نہیں کھل سکتا۔ یہ سب حجابات اور موانع ہیں جن میں سے بعض دوسروں کی نسبت زیادہ پختہ اور سنگین ہیں۔" (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۲۵ ملخصاً)

ترجمہ: (مصنف کتاب فرماتے ہیں)

یہ وہ شروط ہیں کہ جن کا علماء نے ذکر کیا بے شک یہ تفسیر کے اعلیٰ مراتب کے حصول کے لئے ہیں۔ (قرآن میں) یہاں کچھ ایسی معانی بھی ہیں کہ جن کو انسان قرآن کریم سنتے ہوئے (از خود) سمجھ لیتا ہے کیونکہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے قرآن کو سہل کر دیا ہے اور اس کو آسان کر دیا ہے اور اپنی کتاب مجید میں تدبر اور (اس سے) نصیحت لینے کا حکم دیا ہے (ارشاد خداوندی ہے)

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ (محمد: ۲۴، النساء: ۸۲)

"کیا غور نہیں کرتے قرآن میں" (تفسیر عثمانی ترجمہ از سورۃ نساء)

اور یہ تفسیر کا ادنیٰ مرتبہ ہے واللہ الموفق (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے)

توضیح

قرآن کے سہل ہونے کا مطلب

سید مناظر احسن گیلانی ؒ علامہ انور شاہ کشمیری ؒ کا نکتہ تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "(قرآن کے آسان ہونے کا) مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآنی معارف وحکم تک ہر کہ ومہ کی رسائی ممکن ہے بلکہ حق تعالیٰ کی مرضی مبارک کے مطابق زندگی گزارنے کا جو طریقہ قرآن میں پیش کیا گیا۔ اس کا ذکر کچھ اس انداز سے قرآن میں کیا گیا ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔" اس بارے میں قرآن کا طریقہ خطاب اتنا واضح صاف، شستہ اور روشن ہے کہ کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے تو دوسری بات ہے ورنہ قرآن اپنی حجت پوری کر چکا ہے۔ (احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن (۱۴ - ۱۵) ملخصاً)

ترجمہ: مراتب تفسیر

الشیخ محمد عبدہ مرحوم نے تفسیر کو دو مراتب پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) مرتبہ علیا (اعلیٰ مرتبہ)

(۲) مرتبہ دنیا (ادنیٰ مرتبہ)

تفسیر کا اعلیٰ مرتبہ

رہا پہلا (یعنی اعلیٰ) مرتبہ تو وہ (مندرجہ ذیل) چند امور سے مل کر تمام (اور مکمل) ہوتا ہے۔

(۱) ان مفرد الفاظ کے حقائق کا علم جو قرآن مجید اہل لغت کے طریقہ استعمالات کے مطابق قرآن میں رکھے ہوئے ہیں۔

(۲) اسالیب رفیعہ (بلند طریقہ استعمالات الفاظ وغیرہ) کی معرفت اور بیہ فن کلام کے ساتھ (مشغول) ملکہ رکھنا اور اس کی مشق کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس کے ساتھ ساتھ الفاظ مفردہ کے (باریک) نکات اور ان کے معانی کو سمجھنا (بھی ہو)

(۳) انسان کے احوال کا علم ہر قوموں کی تاریخی تغیر (اور زمانے کے ساتھ ساتھ ان میں آنے والی تبدیلیوں) اور قوت وضعف اور عزت وذلت اور ایمان اور کفر میں (گزشتہ) اقوام کے اختلاف احوال میں کا نقش سمجھنا کام (اور اس کی معرفت)

(۴) قرآن کے انسانیت کو ہدایت دینے کے طریقہ کا علم، اور زمانہ جاہلیت میں عرب جن برائیوں اور گمراہیوں پر (جمے ہوئے) تھے ان کا علم۔

تحقیق حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "وہ شخص اسلام کی کڑیاں کھولنے والا ہو جو (زمانہ) جاہلیت کی زندگی (کے حالات) کو نہیں پڑھتا (یعنی نہیں جانتا)"

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی سیرت کا علم اور کس علم وعمل اور جس دینی ودنیاوی احوال پر وہ لوگ قائم تھے ان کا علم۔

تفسیر کا ادنیٰ مرتبہ

وہ تفسیر کا ادنیٰ مرتبہ تو یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جو عظمت (وجلالت) اور پاکی بیان ہوئی ہے اس کو بیدار کر دے۔ اور نفس کو برائیوں سے موڑ دے اور اس کو خیر کی طرف کھینچے اور یہ ہر ایک کو حاصل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر: ۱۷) ❶

اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر کوئی ہے سوچنے والا۔ (تفسیر عثمانی)

---

❶ یہ ساری بحث کا مضمون تفسیر منار سے کچھ تصرف اور اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے

توضیح

علامہ غلام احمد حریری مرحوم اس کی تفصیل میں ایک طویل تحریر درج کرتے ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

یہ علامہ سید رشید رضا مصریؒ کی تفسیر المنار کے مقدمہ کا ایک مضمون ہے جو ان کے استاذ گرامی امام شیخ محمد عبدہ کے لیکچروں سے مستفاد ہے۔

شیخ محمد عبدہ کے نزدیک تفسیر کی شرائط

سید رشید رضا لکھتے ہیں:

تفسیر قرآن کے چند مراتب ہیں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دل پر خدا کی عظمت وتقدیس کا جو نقش ثبت ہو چکا ہو اس کو اجمالاً بیان کر دیا جائے۔ نفس انسانی کو شر سے دور رکھنے کی طرف مائل کیا جائے۔ یہ درجہ آسان ہے اور ہر شخص کو میسر ہے۔ تفسیر کے اعلیٰ مراتب کی تکمیل مندرجہ ذیل امور کے بغیر ممکن نہیں۔

(۱) مفرد الفاظ کا فہم وادراک

کہ مفسر قرآن عزیز میں وارد شدہ مفرد الفاظ کی حقیقت سمجھنے پر قادر ہو اور جانتا ہو کہ اہل لغت نے ان کو کن معانی میں استعمال کیا ہے صرف اہل لغت کے چند اقوال معلوم کر لینا کافی نہیں۔ اکثر مفسرین قرآنی الفاظ کو ان اصطلاحات میں استعمال کرتے ہیں کہ جو قرون ثلثہ کے بعد امت میں ظہور پذیر ہوئے ایک محقق پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ قرآنی الفاظ کی تشریح ان معانی ومطالب کے مطابق کرے جو اس کے عصر نزول میں ان الفاظ سے مراد لئے جاتے تھے۔

(۲) اسلوب قرآن

اسالیب قرآن میں مہارت اور براعت بھی مفسر کے لئے ضروری ہے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ جب مفسر کلام بلیغ اور اس کے نکات ومحاسن سے بخوبی آشنا اور آگاہ ہو۔ اور یہ جانتا ہو کہ متکلم کی اس سے کیا مراد ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ہم کلام الٰہی کا مطلب ومقصود پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ استطاعت بشری کی حد تک ہم اس کا مفہوم سمجھنے پر قادر ہیں۔ اس کے لئے علم نحو ومعانی اور بیان سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ مگر تنہا ان علوم کے جان لینے اور ان کے مسائل واحکام کے فہم وحفظ سے کام نہیں چلتا۔

(۳) علم احوال البشر

اس آخری کتاب قرآن کریم میں وہ کچھ بیان ہوا ہے جو دوسری کتابوں میں بیان نہیں کیا گیا۔ اس کتاب میں مخلوقات کے احوال وطبائع اور انسان کے بارے میں سنن الٰہیہ کی تفصیلات مذکور ہیں۔ اس میں سابقہ امم کے احوال وواقعات پر بھی روشنی

ڈالی گئی ہے۔

اس بنا پر جو شخص قرآن کریم پر ناقدانہ نگاہ ڈالنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ نبی نوع انسان کے مختلف مراحل و ادوار ان کے اسباب اختلاف قوت وضعف عزت ذلت علم وجہل اور ایمان اور کفر کے حالات سے بخوبی واقف ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ عالم علوی وسفلی کے حالات سے بھی بہرہ ور ہو۔ اور تاریخ کے جملہ انواع میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔

(۴) قرآن کریم کا طریق دعوت

یہ بھی ضروری ہے کہ مفسر قرآن کریم کے طریق دعوت سے آگاہ ہو۔ اسے عہد رسالت کے عربوں اور دیگر قوموں کے احوال بخوبی معلوم ہوں۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس وقت سب گمراہ تھے۔ اور ان سب کی ہدایت کے لئے آپ ؐ کو مبعوث کیا گیا۔ تو جب مفسر ان لوگوں کے احوال وعادات سے ناواقف ہوگا تو قرآن کی ان آیات کا مفہوم کیسے سمجھے گا کہ جن میں ان پر سخت جرح اور تنقید ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ان احوال سے بے گانہ ہو وہ نہیں جان سکتا کہ قرآن نے ان میں کیا انقلاب برپا کیا۔ جو شخص دور جاہلیت کی ضلالت اور جہالت سے ناآشنا ہے اس کی نگاہ میں اسلام کی چنداں اہمیت نہیں۔

(۵) سیرت رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ

مفسر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سیرت اور ان کے علم وعمل اور ان کے دینی و دنیاوی کارناموں سے پوری طرح بہرہ ور ہو۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۳۶-۲۳۹ ملخصاً بحوالہ تفسیر المنار صفحہ ۲۱-۲۳)

ترجمہ: تفسیر کی قسمیں

(علامہ) سیوطیؒ نے ابن جریرؒ سے نقل کرتے ہوئے متعدد طریقوں سے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

تفسیر کی چار قسمیں ہیں:

(۱) وہ قسم کہ جس کو عرب اپنے کلام سے پہچانتے ہیں۔

(۲) وہ تفسیر کہ اپنی جہالت کی وجہ سے کوئی آدمی (اس میں) قابل معافی (اور معذور) نہ ہوگا۔ ❶

(۳) وہ تفسیر جس کو علماء (ہی) جانتے ہیں۔

(۴) وہ تفسیر کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں (کوئی دوسرا نہیں)

توضیح

علامہ حریری مرحوم اس مضمون کو اپنے انداز سے بیان کرتے ہیں ہم اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ (تفسیر کے متعلق)

❶ یعنی کہ کوئی آدمی اپنی جہالت کی وجہ سے اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔ (مترجم)

علوم القرآن کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) پہلی قسم وہ اسرار و رموز ہیں کہ جن کی اطلاع اللہ نے کسی کو نہیں دی۔ مثلاً ذات خداوندی کی حقیقت غیب کی باتیں۔ ان میں دخل اندازی بالاجماع ناجائز ہے۔

(۲) وہ اسرار کہ جن کی اطلاع اللہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ اور وہ آپ کے ساتھ خاص ہیں ایسے امور میں رائے زنی کا حق فقط آپ ﷺ کو ہی ہے۔ یا جس کو آپ اس کی اجازت دیں۔ حروف مقطعات اس میں داخل ہیں۔ اور بعض کے نزدیک پہلی قسم میں داخل ہیں۔

(۳) وہ علوم جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ودیعت فرمائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) ایک قسم وہ ہے کہ جن میں شارع سے سنے بغیر رائے زنی درست نہیں۔ مثلاً ناسخ منسوخ اسباب نزول مختلف قراءتیں۔ لغات گزشتہ قوموں کے واقعات حشر نشر وغیرہ۔

(ب) دوسری قسم وہ ہے کہ جن میں نظر واستدلال اور استنباط سے کام لیا جا سکتا ہے جیسے احکام شرعیہ اور حکم و اشارات کا استنباط جو بالاتفاق جائز ہے۔

اور ان آیات متشابہات کی تاویل جو صفات باری تعالیٰ میں وارد ہیں۔ مگر ان کی تاویل کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔ (واللہ اعلم) (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۱۵۳ ملخصاً)

ترجمہ: تفسیر بالرائے کے متعلق علماء کے اقوال

تفسیر بالرائے کا معنی اور اس کی شرائط جاننے کے بعد اب ہم اس بارے میں علماء کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کو جائز سمجھنے والوں اور اس سے منع کرنے والوں میں سے ہر ایک کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ حق نصف النہار کے سورج کی طرح روشن اور واضح ہو کر ظاہر ہو جائے چنانچہ ہم کہتے ہیں (اور اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں)

یہاں رائے سے مراد اجتہاد ہے اس بنا پر تفسیر بالرائے کا مطلب قرآن کی اجتہاد کے ذریعے تفسیر کرنا ہے بعد اس کے کہ مفسر کلام عرب اور عربوں کے خطاب میں اسلوب کو جان لے اور عربی الفاظ اور ان کے وجوہ دلالات کو جان لے۔ تفسیر بالرائے کے متعلق جواز کے بارے علماء نے دو مذہبوں پر مشتمل اختلاف کیا ہے (یعنی علماء کا اختلاف دو مذاہب پر مشتمل ہے)

پہلا مذہب

تفسیر بالرائے کے عدم جواز کا ہے کیونکہ تفسیر موقوف ہے سماع پر اور یہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے۔

دوسرا مذہب

گزشتہ شرائط کے ساتھ تفسیر بالرائے کے جواز (کا ہے) اور یہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔

مانعین کے دلائل

تفسیر بالرائے سے منع کرنے والے (علماء) چند دلائل کے ساتھ استدلال کرتے ہیں ہم ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) تفسیر بالرائے بغیر علم کے اللہ پر جھوٹ لگانا ہے اس کی ممانعت اس ارشاد خداوندی میں ہے:

﴿وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرة: ۱٦۹)

"اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جن کو تم نہیں جانتے۔" (تفسیر حقانی)

(۲) وہ وعید شدید ہے کہ جو حدیث شریف میں قرآن کریم کی تفسیر بالرائے کرنے والے کے بارے میں ہے اور وہ آپؐ کا یہ ارشاد مبارک ہے۔

اتقوا الحدیث علی إلا ما علمتم فمن کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار ومن قال فی القرآن برأیه فلیتبوا مقعده من النار. (رواه الترمذی)

"مجھ پر جھوٹ باندھنے سے بچو مگر جو تم جانتے ہو۔ پس جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ لگایا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے اور جس نے اپنی رائے سے قرآن کے بارے میں کچھ کہا وہ (بھی) اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔" (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے)

(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (النحل: ٤٤)

"اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ہے ان کے واسطے تاکہ وہ غور کریں۔" (تفسیر حقانی)

تحقیق اللہ تعالیٰ نے بیان (وتشریح اور تفسیر وتفصیل) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معانی میں کچھ بیان کرنے کا حق کسی دوسرے کے لئے نہیں ہے۔

(۴) صحابہ کرامؓ قرآن کے بارے میں اپنی کوئی رائے دینے سے گریز کرتے تھے۔ یہاں تک کہ (حضرت ابوبکر) صدیقؓ کے بارے میں روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

"کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا؟ اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے ❶ گی؟ (اور میں کہاں جاؤں گا اور کیا

❶ یہاں تک کا ترجمہ تاریخ تفسیر ومفسرین ص ۱۲۳ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

کروں گا) جب میں قرآن کے بارے میں اپنی رائے دوں یا قرآن کے بارے میں وہ کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو۔"

أدلة المجيزين للتفسير بالرأي:

وقد استدل المجيزون للتفسير بالرأي وهم (الجمهور) بعدة أدلة نوجزها فيما يلي

أولاً: لقد حث الله على التدبر والتعمق في القرآن فقال عز من قائل: ﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (ص: ٢٩)

وقال تعالى: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ٢٤)

والتدبر والتذكر لا يكون إلا بالغوص عن أسرار القرآن والاجتهاد في فهم معانيه، فهل يعقل أن يكون تأويل ما لم يستأثر الله بعلمه محظوراً على العلماء، مع أنه طريق العلم وسبيل المعرفة؟

ثانياً: إن الله تعالى قسم الناس قسمين: عامة وعلماء، وأمر بالرجوع إلى أهل العلم الذين يستنبطون الأحكام فقال تعالى:
﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ (النساء: ٨٣) الآية، والاستنباط هو استخراج المعاني الدقيقة بثاقب الذهن، وهو إنما يكون بالاجتهاد والغوص في أسرار القرآن، كما يغوص السابح في أعماق البحر لاستخراج الجواهر واللآلئ.

ثالثاً: قالوا لو كان التفسير بالاجتهاد غير جائز لما كان الاجتهاد جائزاً، ولتعطل كثير من الأحكام، وهذا باطل، لأن المجتهد في حكم الشرع مأجور سواء أصاب أو أخطأ، ما دام أنه قد استفرغ جهده، وبذل ما في وسعه بغية الوصول إلى الحق والصواب.

رابعاً: إن الصحابة قرؤوا القرآن، واختلفوا في تفسيره على وجوه، ومعلوم أنهم لم يسمعوا كل ما قالوه في تفسير القرآن من النبي ﷺ، إذ أنه لم يبين لهم كل شيء، بل بين لهم الضروري منه، وترك البعض الآخر الذي توصلوا إلى معرفته بعقولهم واجتهادهم، ولو بين لهم كل معانيه لما وقع بينهم اختلاف في التفسير

خامساً: أن النبي صلى الله عليه وسلم دعا لابن عباسؓ فقال: "اللهم فقهه في الدين وعلمه التأويل" فلو كان التأويل مقصوراً على السماع والنقل كالتنزيل لما كان هناك فائدة في تخصيص ابن عباس بهذا الدعاء، فدل على أن التأويل هو: التفسير بالرأي والا

جتهاد

الرد على أدلة المانعين

وقد ردّوا على أدلة المانعين بحجج دامغة وبراهين قاطعة تثبت خطأهم فقالوا في الرد

على الدليل الأوّل- ان التفسير بالاجتهاد ليس قولاً على الله بغير علم بل هو قول

بعلم مأذون به من الشارع، فقد بين عليه السلام أن المجتهد إذا اجتهد فأصاب فله أجران

وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر واحد، فكيف يكون مأجوراً إذا لم يكن مسموحا له بالاجتهاد؟

ثانيا- أما الدليل الثاني وهو حديث ((من قال في القرآن بغير علم فليتبوأ مقعده من النار))

فقد رد السيوطي بخمسة أدلة عليه فقال جملة ما تحصل في معنى التفسير بالرأي خمسة

أقوال:

أحدها: التفسير من غير حصول على العلوم التي يجوز معها التفسير.

الثاني: تفسير المتشابه الذي لا يعلمه إلا الله تعالى

الثالث: التفسير المقرر للمذهب الفاسد، فيجعل المذهب أصلاً والتفسير تابعا.

الرابع: الحكم بأن مراد الله كذا على وجه القطع من غير دليل.

الخامس: التفسير بالاستحسان والهوى.

ثالثا: في الرد على الدليل الثالث قالوا: نعم إن النبي ﷺ مأمور بالبيان ولكنه انتقل إلى جوار

الله ولم يبين لهم كل شيء: فما ورد بيانه عنه ﷺ ففيه الكفاية، وما لم يرد عنه بيانه

فلا بد فيه من الاجتهاد وإعمال الفكر، وختام الآية يشهد ذلك. ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

فلا بد إذا من التفكر والاجتهاد.

رابعا: وفي الرد على الدليل الرابع قالوا: إن إحجام الصحابة إنما كان منهم (ورعا واحتياطا)

خشية ألا يصيبوا عين الحق، وكانوا يرون أن التفسير شهادة على الله بأنه أراد باللفظ كذا

فأمسكوا عنه خشية ألا يكون الصواب جانبهم، وأما إذا ترجح لهم وجه الصواب فإنهم لا

يمتنعون، وهذا أبوبكر الصديق يفتي في الكلالة برأيه في قوله تعالى. ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ

يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ فيقول رضي الله عنه: أقول فيها برأي، فإن كان صوابا فمن الله، وإن كان

غير ذلك فمني ومن الشيطان الكلالة ما خلا الولد والوالد.

من هذه النظرة العابرة يتبين لنا خطأ وجهة الذين منعوا تفسير القرآن بالاجتهاد، وقصروه

على المنقول والمأثور، وقد علمت أدلة الجمهور القوية وتفنيدهم لأدلة المانعين، ونزيد هنا

كلمة للإمام الغزالي، وأخرى للراغب الأصفهاني، وثالثة للقرطبي حول جواز تفسير القرآن

بالاجتهاد.

كلمة الإمام الغزالي:

قال الغزالي في الإحياء: «إن في فهم معاني القرآن مجالاً رحباً ومتسعاً بالغاً وإن المنقول من ظاهر التفسير ليس منتهى الإدراك فيه، فبطل أن يشترط السماع في التأويل، وجاز لكل واحد أن يستنبط من القرآن بقدر فهمه وحد عقله.

كلمة الراغب الأصفهاني:

وقال الراغب الأصفهاني في مقدمة التفسير – بعد أن ذكر المذهبين وأدلتهما – قال: "وذكر بعض المحققين أن المذهبين هما (الغلو والتقصير) فمن اقتصر على المنقول فقد ترك كثيرا مما يحتاج إليه، ومن أجاز لكل أحد الخوض فيه فقد عرضه للتخليط، ولم يعتبر حقيقة قوله تعالى: ﴿لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾

كلمة الإمام القرطبي:

وقال العلامة القرطبي في تفسيره الجامع لأحكام القرآن ما نصه:

وقال بعض العلماء: إن التفسير موقوف على السماع لقوله تعالى: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ الآية، وهذا فاسد، لأن النهي عن تفسير القرآن لا يخلو إما أن يكون المراد به الاقتصار على النقل والمسموع وترك استنباط، أو المراد به أمر آخر، وباطل أن يكون المراد به ألا يتكلم أحد في القرآن، إلا بما سمعه، فإن الصحابة رضي الله عنهم قد قرؤوا القرآن واختلفوا في تفسيره على وجوه وليس كل ما قالوه سمعوه من النبي ﷺ فإن النبي ﷺ دعا لابن عباس فقال: ((اللهم فقهه في الدين وعلمه التأويل)) فإن كان التأويل مسموعا كالتنزيل فما فائدة تخصيصه بذلك؟ ثم قال: والنهي محمول على أحد وجهين:

أحدهما: أن يكون له في الشيء رأي، وإليه ميل من الطبع والهوى، فيتأول القرآن على وفق رأيه وهواه.

الثاني: أن يتسارع إلى تفسير القرآن بظاهر العربية من غير استظهار بالسماع والنقل، فيما يتعلق بغرائب القرآن، وما فيه من الحذف والاختصار، والتقديم والتأخير، تأمل قوله تعالى: ﴿وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا﴾

فإن معناه آتينا ثمود الناقة معجزة واضحة وآية ظاهرة فظلموا أنفسهم بقتلها. والناظر إلى ظاهر العربية يظن أن الناقة كانت مبصرة ولا يدري ماذا ظلموا، وأنهم ظلموا غيرهم أو أنفسهم، فهذا من الحذف والإضمار، وأمثال هذا في القرآن كثير، وما عدا هذين الوجهين فلا يشمله النهي.

تفسیر بالرائے کو جائز کہنے والوں کے دلائل

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

تفسیر بالرائے کو جائز قرار دینے والوں نے اور وہ جمہور علماء کرام ہیں انہوں نے چند دلائل سے استدلال کیا ہے ہم ذیل میں ان کو اختصار کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے ہمیں تدبر (غور کرنے) پر ابھارا ہے اور قرآن میں ہمیں (اس کی) اجازت دی ہے چنانچہ اللہ جل جلالہ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (ص: ۲۹)

"ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تاکہ دھیان کریں لوگ اس کی باتوں میں اور تاکہ سمجھیں عقل والے۔" (تفسیر عثمانی)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ۲۴)

"کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے قفل۔" (تفسیر عثمانی)

اور یہ تدبر اور تذکر (غور و فکر اور نصیحت پکڑنا، دھیان کرنا) یہ نہیں ہو سکتا مگر اسرار قرآنی میں غوطہ زنی (اور ان کی گہرائیوں میں ڈوب جانے) سے اور اس کے معانی کے فہم (اور سمجھنے) کی جستجو کرنے سے۔ تو کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ ان چیزوں کا مطلب بیان کرنے کی حد بندی ہو کہ جو اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ مخصوص نہیں جب کہ یہ (غور و تدبر) علم کا طریقہ اور معرفت اسرار الٰہیہ و معارف قرآنی کا راستہ (بھی) ہے؟

(۲) بیشک اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے ایک عوام اور دوسرے علماء اور (عوام کو) ان اہل علم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جو ان (قرآنی) کا استنباط کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ (النساء: ۸۳)

"اور اگر اس کو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی۔" (تفسیر عثمانی)

ہے اور درستی کو پالیتا ہے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد کرتا ہے اور خطا کر بیٹھتا ہے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ تو بھلا اس کے لئے اجر کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس کو اجتہاد کی اجازت ہی نہ ہو؟

(۲) رہی (ان کی) دوسری دلیل جو یہ حدیث ہے "من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار." تحقیق (علامہ) سیوطیؒ نے اس حدیث کو پانچ دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔ اور فرمایا کہ تفسیر بالرائے کے معنی میں جو احتمال ہے اس کا خلاصہ (مندرجہ ذیل) پانچ اقوال ہیں۔

(الف) ان علوم کی تحصیل کے بغیر تفسیر کرنا جن کے ساتھ تفسیر جائز ہوتی ہے (یعنی ان ضروری علوم کے بغیر تفسیر کرنا ناجائز ہے)

(ب) ان متشابہ (آیات) کی تفسیر کرنا کہ جن (کی مراد) کو اللہ (کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ) ہی جانتے ہیں۔

(ج) وہ تفسیر جو فاسد مذہب کی (تائید) تقویت کرے یعنی مذہب (فاسد) کو اصل بنائے اور تفسیر کو (اس کے) تابع بنائے۔

(د) بغیر کسی دلیل کے یقینی طور پر حکم لگانا کہ یہی اللہ کی مراد ہے۔

(ہ) (اپنی) خواہش اور پسند کی تفسیر کرنا۔

(۳) (مانعین کی) تیسری دلیل کے رد میں علماء کرام یہ کہتے ہیں "بے شک (ہم یہ مانتے ہیں کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم (قرآن کی تشریح و) بیان کے مامور تھے۔ لیکن آپ رب (ذوالجلال) کے جوار رحمت میں تشریف لے گئے اور (دنیا سے اس حال میں پردہ فرما گئے کہ) صحابہ کرامؓ کو ہر (ہر) چیز بیان کر کے نہ گئے۔ لہٰذا جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیان وارد ہوا ہو تو اس میں وہ (ہی) کافی ہے اور جس چیز کے بارے میں آپؐ کا بیان نہیں وارد ہوا اس میں اجتہاد اور (غور و) فکر کرنا ضروری ہے جبکہ (جس آیت کا حوالہ دے کر یہ مانعین تفسیر بالرائے سے منع کرتے ہیں اسی) آیت کا آخر (ی کلمہ) اسی بات کی شہادت دیتا ہے (اور وہ ہے) ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (النحل: ۴۴) جز آیت "تاکہ وہ غور کریں۔" (تفسیر عثمانی)

تو پھر (غور و) فکر اور اجتہاد (و استنباط جائز) بلکہ ضروری ہوا۔

(۴) (مانعین کی) چوتھی دلیل کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"بے شک صحابہ کرامؓ (کا تفسیر بالرائے سے) باز رہنا جز ایں نیست کہ وہ ان کے تقویٰ اور احتیاط (اور) اس بات کے ڈر کی وجہ سے تھا کہ (کہیں) وہ معنی حق تک نہ پہنچ پائیں (کہ پھر وہ بات ان کی گردنوں پر رہے گی) اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ تفسیر (بالرائے) یہ اللہ پر اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (مثلاً فلاں فلاں) لفظ سے (یہ) مراد لی ہے۔ چنانچہ وہ اس بات سے باز رہے اسی ڈر کی وجہ سے کہ (شاید) وہ رائے ان کی جانب سے ہو (بلکہ دوسری طرف ہو تو غلط بات ان کے ذمہ ہو گی)

البتہ جب ان کے نزدیک درستی کا پہلو راجح ہوا تھا تو وہ (تفسیر بالرائے سے) رکتے نہ تھے۔ (یعنی) یہ ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ جو اس ارشاد خداوندی میں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ (النساء: ۱۷۶)

"حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا" (تفسیر عثمانی)

آپؓ فرمایا کرتے تھے "میں کلالہ کے بارے میں اپنی رائے سے کہتا ہوں پس اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے اور اگر اس کے علاوہ ہے (یعنی درست نہیں) تو پھر وہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔"

مولف کتاب کلالہ کا ذکر آنے کی وجہ سے کلالہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کلالہ

وہ ہے جس کا باپ اور بیٹا نہ ہو۔

(آگے فرماتے ہیں) اس طائرانہ نگاہ (اور سرسری اور اچٹتی نظر ڈالنے) سے ہمارے سامنے ان لوگوں کے نظریہ کی خطا کھل کر سامنے آتی ہے کہ جو قرآن کی اجتہاد سے تفسیر کو منع کرتے ہیں اور اس کو منقول و ماثور تک محدود کرتے ہیں اور تحقیق جمہور (علماء) کے مضبوط دلائل اور ان کا مانعین کے دلائل کی غلطی کو واضح کرنا آپ نے جان لیا۔ اور ہم اس مقام پر اجتہاد سے تفسیر قرآن کے متعلق امام غزالیؒ کے ارشاد اور پھر امام راغب اصفہانیؒ کا قول اور پھر اس کے بعد علامہ قرطبیؒ کا ارشاد مزید (ذکر) کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ کا ارشاد

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ارشاد فرمایا ہے:

"قرآن ● (عزیز) کے معانی (ومطالب) کے فہم (وادراک) کا میدان (بڑا) وسیع ہے اور (اس میں) بڑی وسعت (وگنجائش) ہے اور منقول ظاہر تفسیر میں نہ اس کے ادراک (فہم) کی کوئی حد نہیں ہے۔

تو پھر (اس بنا پر) تفسیر (وتاویل بالرائے) میں (نقل و) سماع کی شرط لگانا باطل ٹھہرا۔ اور ہر شخص کے لئے یہ بات جائز ٹھہری کہ وہ فہم کے بقدر اور اپنی عقل کی حد تک قرآن (کے مطالب ومعانی) کا استنباط کرے۔ ●

امام راغب اصفہانیؒ کا ارشاد

امام راغب اصفہانیؒ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں دونوں مذاہب اور ان کے دلائل کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں "بعض محقق علماء نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں مذاہب افراط وتفریط (پرمبنی) ہیں یعنی غلو اور تقصیر (شدت اور کمی) پرمبنی ہیں۔ چنانچہ جس نے (نقل) منقول پر انحصار کیا تو اس نے وہ بہت سا (ضروری حصہ) چھوڑ دیا کہ جس کی تفسیر کی قرآن میں) حاجت

● اس عبارت کا ترجمہ تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۳۳۶ کی مدد سے کیا گیا ہے۔ (مترجم) ● دیکھئے احیاء العلوم جلد ۱ صفحہ ۲۸۷

ہے۔ اور جس نے برعکس رائے کی کو قرآن میں (بے جا دخل اندازی اور غور و) خوض کی اجازت دے دی تو اس نے کتاب اللہ کو غلط ملط کرنے (اور اختلاط و اختراع) کا نشانہ بنا دیا۔ (گویا کہ) اس نے اس ارشاد خداوندی کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ ❶

(ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (ص: ۲۹)

"تا دھیان کریں لوگ اس کی باتیں اور تا سمجھیں عقل ❷ والے۔" (تفسیر عثمانی)

امام قرطبیؒ کا ارشاد

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں۔ تفسیر (فقط) سماع پر موقوف ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء: ۵۹)

"پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے۔" (تفسیر عثمانی)

اور یہ (خیال) فاسد ہے کیونکہ تفسیر قرآن سے نہی دو باتوں سے خالی نہیں ہو سکتی ہے

(۱) (یا تو اس سے) یہ مراد ہے کہ نقل اور سماع تک ہی محدود رہا جائے اور استنباط کو ترک کر دیا جائے۔

(۲) یا اس سے دوسرا (کوئی) امر مراد ہے اور یہ بات باطل ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن کے بارے میں کوئی بات نہ کرے مگر وہی جو اس نے (اثر رسول یا اثر صحابی سے) سن رکھا ہو۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تحقیق کہ قرآن کو پڑھا اور کئی طور پر اس کی تفسیر میں (باہم) اختلاف کیا۔ اور ہر وہ بات کہ جو انہوں نے ارشاد فرمائی وہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سن رکھی تھی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی۔

اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل۔

"اے اللہ! اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر سکھلا۔"

چنانچہ اگر تاویل (تفسیر) تنزیل (یعنی قرآن) کی طرح (فقط) مسموع ہی ہوتی تو حضرت ابن عباسؓ کو اس دعا کے ساتھ خاص کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ ❸

پھر اس کے بعد علامہ قرطبیؒ نے ارشاد فرمایا:

"یہ نہی (کہ جو حدیث میں تفسیر قرآن بالرائے کے بارے میں آئی ہے یہ) دو میں سے ایک بات پر محمول ہے۔"

(۱) (یا تو یہ کہ) مفسر کی کسی چیز کے بارے میں کوئی (ذاتی) رائے ہو اور اس کی طرف طبعاً اور ہوائے (نفس) کے

---

❶ اس عبارت کا ترجمہ تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۳ کی مدد سے کیا گیا ہے۔ (مترجم)

❷ دیکھئے امام راغب اصفہانی کا مقدمہ تفسیر صفحہ ۴۲۳۔

❸ اس کے لئے دیکھئے "الجامع لاحکام القرآن" جلد ا صفحہ ۳۳۔

ہے (دیکھیں تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۱۱۰ مقدمہ از مترجم بحث حذف) اب ہم علامہ حریری مرحوم کی ایک طویل عبارت کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں کہ جو مذکورہ عبارت کے متعلق ہیں۔

تفسیر بالرائے سے متعلق علماء کا موقف

علماء قرآن کریم کی تفسیر اپنے رائے سے کرنے کے سلسلہ میں شروع ہی سے مختلف الخیال رہے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے نظریات و افکار بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ علماء کی ایک جماعت اس میں تشدد سے کام لیتی ہے اور تفسیر قرآن کی بالکل اجازت نہیں دیتی۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کسی شخص کے لئے قرآن کی تفسیر کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ کس قدر عالم، ادیب، فقیہ، لغوی اور نحوی کیوں نہ ہوں۔ بخلاف ازیں قرآن کی تفسیر کے سلسلہ میں احادیث نبویہ اور آثار صحابہؓ و تابعینؒ کی جانب رجوع کرنا چاہیے جو نزول قرآن کے شاہد عدل تھے۔ (مقدمہ تفسیر للراغب اصفہانی)

اس کے بعد علامہ مرحوم مانعین کی پہلی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مانعین کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر اپنے رائے سے کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی جانب بغیر علم کے ایک بات کو منسوب کرنا ہے اور یہ ممنوع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رائے سے تفسیر کرنے والے کو اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد فلاں آیت سے کیا ہے بلکہ وہ اپنے ظن کی بنا پر ایک بات کہتا ہے۔ اور ظن کی اساس پر کچھ کہنا گویا بلا دلیل و برہان خدا پر ایک الزام عائد کرنا ہے۔"

مجوزین کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کے صغریٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ظن بھی علم ہی کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ ظن جانب راجح کے معلوم کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ صغریٰ درست ہے تو ہم اس کے کبریٰ کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ ظن اس وقت ممنوع ہوتا ہے جب قطعی اور یقینی علم تک پہنچنا ممکن ہو۔ بایں طور کہ شرعی نصوص میں سے کوئی قطعی نص موجود ہو۔ یا کسی عقلی دلیل پائی جاتی ہو جو مفید یقین ہو مگر جہاں یقین کا کوئی امکان نہ ہو وہاں ظن ہی کافی ہے ایسی صورت میں خداوند کریم نے بھی ظن پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ: ۲۸۶)

"اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔" (تفسیر عثمانی)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح اجتہاد کرنے والے کو دو اجر اور خطا کار کو ایک اجر کا مستحق ٹھہرایا۔ جب آپ نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو دریافت کیا۔

"آپ پیش آمدہ امور کا فیصلہ کیونکر کریں گے۔"

حضرت معاذؓ نے کہا۔

"کتاب اللہ کی روشنی میں" فرمایا اگر کتاب الٰہی میں اس کا حل موجود نہ ہو تو پھر؟ کہا "سنت رسول کے مطابق" اگر

اس میں بھی وہ مسئلہ موجود نہ ہو۔ "معاذ" کہنے لگے "میں اجتہاد سے کام لوں گا۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شاباش دی اور فرمایا:

"اللہ کا شکر ہے جس نے میرے فرستادہ کو احکام خداوندی پر چلنے کی توفیق بخشی۔"

علامہ مرحوم مانعین کی چوتھی دلیل نقل کرتے ہیں کہ صحابہ و تابعین تفسیر بالرائے سے احتراز کیا کرتے تھے۔ چند آثار درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت سعید بن المسیبؒ سے جب حلال و حرام سے متعلق کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو جواب دیتے مگر قرآن کی کسی آیت کی جب تفسیر معلوم کی جاتی تو یوں خاموش رہتے گویا کچھ سنا ہی نہیں۔

(۲) امام شعبیؒ فرمایا کرتے تھے "جب تک زندہ ہوں تین چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا قرآن۔ روح۔ رائے اور قیاس۔"

(۳) ابن مجاہد ذکر کرتے ہیں کہ کسی شخص نے میرے والد سے کہا "آپ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔" میرے والد یہ سن کر رو پڑے اور کہنے لگے "پھر تو میری جسارت کے کیا کہنے جس نے آپ کے متعدد صحابہؓ سے تفسیر قرآن کا درس لیا ہے۔"

(۴) اصمعیؒ لغت اور نحو کے جلیل القدر امام ہونے کے باوصف تفسیر قرآن سے احتراز کیا کرتے تھے۔ جب کسی لفظ کے معنی دریافت کئے جاتے تو کہتے "عرب کہتے ہیں کہ اس کے معنی فلاں فلاں ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتاب و سنت میں کون سے معنی مراد ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۲۲۳ و تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۴۱۲)

مجوزین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ علماء سلف ورع و تقویٰ کے تقاضوں کے پیش نظر تفسیر بالرائے سے احتراز کرتے تھے۔ کہ مبادا وہ حق بات بیان نہ کر سکیں جس کے لئے وہ مکلف و مامور ہیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن کی تفسیر کرنے کے معنی اس امر کی شہادت دینا ہے کہ مراد الٰہی یہی ہے لہٰذا وہ اس اندیشہ کے پیش نظر اس کی جسارت نہ کر سکے کہ شاید مراد ربانی وہ نہ ہو جو وہ کہہ رہے ہیں۔ بعض علماء سلف تفسیر قرآن سے اس لئے بھی گھبراتے تھے کہ مبادا انہیں امام تفسیر قرار دے کر ان کی پیروی کی جائے۔ اور لوگ اسی روش پر گامزن ہونے لگیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ متاخرین میں سے کوئی شخص قرآن کی غلط تفسیر کرے اور پھر آئمہ سے یہ بات کہہ دے کہ میں نے علماء سلف میں سے فلاں کی پیروی میں یہ بات کہی ہے۔"

اس کے بعد علامہ مرحوم تفسیر بالرائے کے دلائل ذکر کرتے ہوئے آخر میں امام راغب اصفہانی کی وہ عبارت نقل کرتے ہیں کہ جو متن کتاب میں درج ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

اختلاف کی حقیقت

امام راغبؒ نے جس نظریہ کا اظہار کیا ہے ہم اس سے کلیۃً متفق ہیں۔ ہماری نگاہ میں نقلی تفسیر کی حد و دہا تقریباً ہے اور

ہر شخص کو اس کی عملی تحقیق دینے کا نام بلا شبہ و شک غلو و افراط ہے۔

تاہم مانعین نے جس تشدد سے کام لیا ہے اگر اس کے اسباب و وجوہ پر غور کیا جائے اور ساتھ ہی دیکھا جائے کہ جن لوگوں نے تفسیر بالرائے کی اجازت دی ہے انہوں نے اس ضمن میں کون سی شرائط عائد کی ہیں جن کا پایا جانا تفسیر بالرائے کرنے والوں میں ضروری ہے اس کے پہلو بہ پہلو دقت نظر کے ساتھ فریقین کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ یہ اختلاف و نزاع صرف لفظی ہے حقیقی نہیں۔

اس کے بعد علامہ مرحوم ان روایتوں کو ذکر کرتے ہیں کہ جو سابق کتاب میں مذکور ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں

"تم کتاب اللہ کی طرف دعوت دینے والی ایسی قوموں کو پاؤ گے جو بذات خود کلام الٰہی کو پس پشت ڈال چکے ہیں ایسے حالات میں تم علم و دلیل کے دامن کو تھامے رکھنا اور بدعت اور تکلف سے احتراز کرنا۔"

حضرت فاروق اعظمؓ کا ارشاد گرامی ہے۔

"مجھے دو آدمیوں سے ڈر لگتا ہے ایک وہ شخص جو قرآن عزیز کی غلط تاویل کرتا ہے دوسرے وہ شخص جو بادشاہ کو اپنے بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے۔"

اس قسم کے تمام اقوال اسی قسم کی تفسیر کے بارے میں منقول ہیں جس میں قواعد لغت اور شرعی دلائل کو اپنی ذاتی رائے اور اپنے مذہب و مسلک کے تابع بنا دیا گیا ہو۔ جن لوگوں نے تفسیر بالرائے سے منع کیا ہے وہ اسی قسم کی تفسیر ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مانعین تفسیر بالرائے کے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ائمہ سلف سے اس ضمن میں جو اقوال بھی منقول ہیں وہ اسی قسم کی تفسیر کے متعلق ہیں جو بلا علم و برہان ہو جہاں تک لغت و شرع پر مبنی تفسیر کا تعلق ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء سے بکثرت تفسیری اقوال منقول ہیں۔ اور ان کے یہ اقوال علم و تحقیق پر مبنی ہیں۔ جو بات انہیں معلوم نہ ہوتی۔ اس کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے۔ یہی بات اہل علم پر واجب بھی ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو اس کے بارے میں سکوت سے کام لیا جائے اور جو معلوم ہو اس کا برملا اظہار کر دیا جائے۔ اور اس کو چھپایا نہ جائے۔" قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾ (آل عمران: ۱۸۷)

"اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس سے کوئی علمی بات پوچھی گئی اور اس نے اسے چھپایا تو روز قیامت اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔ (مقدمہ اصول التفسیر ابن تیمیہ صفحہ ۳۰-۳۱)

مندرجہ صدر بیان سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ تفسیر بالرائے کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مذموم و ناروا ہے۔

(۲)　دوسری قسم جو کہ نادرست ہے۔

پھر یہ کہ تفسیر کی جو قسم جائز ہے اس کی چند حدود و قیود ہیں۔ لہذا اب یہ بیان کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ مفسر کے لئے کن علوم کا جاننا ازحد ضروری ہے۔ نیز یہ کہ وہ کون سے اوصاف و علامات ہیں کہ جب کسی مفسر کے اندر یہ تمام کمالات پائے جاتے ہیں تو وہ مفسر بن سکتا ہے۔ اس بحث کی تفصیلات کے لئے دیکھئے مندرجہ ذیل کتب (مقدمہ تفسیر قرطبی جلد ا صفحہ ۳۱۔ احیاء العلوم للغزالی جلد ۳ صفحہ ۳۳۰۔ الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۷۹۔ مقدمہ تفسیر راغب اصفہانی صفحہ ۴۲۳۔ مقدمہ اصول التفسیر ابن تیمیہ صفحہ ۲۹۔ ۳۴) (یہ تمام مضمون ملاحظہ کیجئے تاریخ تفسیر و مفسرین از ص ۳۳۲ تا ۳۳۳)

☆☆☆

القسم الثالث

التفسير الإشاري وغرائب التفسير

النوع الثالث من التفسير هو (التفسير الإشاري) وسنتعرض في هذا البحث إلى معنى التفسير الإشاري، وإلى شروطه، وإلى آراء العلماء فيه، ثم نعقب ذلك ببيان نماذج عن التفسير الإشاري، وأهم الكتب التي تحت هذا المنحى، وما فيها من حسنات وسيئات.

معنى التفسير الإشاري:

التفسير الإشاري هو: تأويل القرآن على خلاف ظاهره، لإشارات خفية تظهر لبعض أولي العلم، أو تظهر للعارفين بالله من أرباب السلوك والمجاهدة للنفس، ممن نور الله بصائرهم فأدركوا أسرار القرآن العظيم، أو انقدحت في أذهانهم بعض المعاني الدقيقة، بواسطة الإلهام الإلهي، أو الفتح الرباني، مع إمكان الجمع بينها وبين الظاهر المراد من الآيات الكريمة.

فالتفسير الإشاري هو أن يرى المفسر معنى آخر غير معنى الظاهر تحتمله الآية الكريمة، ولكنه لا يظهر لكل إنسان وإنما يظهر لمن فتح الله قلبه، وأنار بصيرته، وسلكه في ضمن عباده الصالحين، الذين منحهم الله الفهم والإدراك، كما قال تعالى في قصة الخضر مع موسى عليه السلام ﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ (كهف: ٦٥)

- وهذا النوع من العلم ليس من العلم (الكسبي) الذي ينال بالبحث والمذاكرة وإنما هو من العلم (اللدني) أي الوهبي الذي هو أثر التقى والاستقامة والصلاح كما قال تعالى: ﴿ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾

آراء العلماء في التفسير الإشاري:

اختلف العلماء في التفسير الإشاري، وتباينت فيه آراؤهم، فمنهم من أجازه، ومنهم من منعه، ومنهم من عده من كمال الإيمان، ومحض العرفان، ومنهم من اعتبره زيغاً وضلالاً وانحرافاً عن دين الله تبارك وتعالى، والواقع أن الموضوع دقيق يحتاج إلى بصيرة وروية وغوص إلى أعماق الحقيقة ليظهر ما إذا كان الغرض من هذا النوع من التفسير هو اتباع

الهوى، والتلاعب في آيات الله كما تفعل (الباطنية) فيكون ذلك زندقة وإلحاداً أو الغرض منه الإشارة إلى أن كلام الله تعالى لا يحيط به بشر لأنه كلام خالق القوى والقدر، وأن لكلامه تعالى مفاهيم وأسراراً ونكتاً ودقائق وعجائب لا تنقضي فيكون ذلك من محض العرفان وكمال الإيمان كما قال ابن عباس رضي الله عنهما: (إن القرآن ذو شجون وفنون وظهور وبطون، لا تنقضي عجائبه، ولا تبلغ غايته، فمن أوغل فيه برفق نجا، ومن أوغل فيه بعنف هوى، أخبار وأمثال، وحلال وحرام، وناسخ ومنسوخ ومحكم ومتشابه وظهر وبطن، فظهره التلاوة وبطنه التأويل، فجالسوا به العلماء، وجانبوا به السفهاء)

أدلة المجيزين:

وقد استدل القائلون بجواز التفسير الإشاري بما رواه البخاري في صحيحه في باب التفسير، عند تفسير سورة (النصر) ونص الحديث.

عن ابن عباس رضي الله عنه أنه قال:

كان عمر يدخلني مع أشياخ بدر، فكأن بعضهم وجد في نفسه، فقال: لم تدخل هذا معنا ولنا أبناء مثله؟ فقال: إنه من علمتم، فدعاني ذات يوم فأدخلني معهم، قال: فما رأيت أنه دعاني إلا ليريهم، فقال عمر: ما تقولون في قول الله تعالى: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾؟ فقال بعضهم: أمرنا أن نحمد الله ونستغفره إذا نصرنا وفتح علينا، وسكت بعضهم فلم يقل شيئاً، فقال لي: أكذا تقول يا ابن عباس؟ فقلت: لا، قال: فما تقول؟ قلت: هو أجل رسول الله ﷺ أعلمه، فقال: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ فذلك علامة أجلك ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ فقال عمر: ما أعلم منها إلا ما تقول.

فهذا الفهم من ابن عباس لم يفهمه بقية الصحابة وإنما فهمه عمر وفهمه ابن عباس، وهو من (التفسير الإشاري) الذي يلهمه الله من شاء من خلقه، ويطلع عليه بعض عباده، فالسورة الكريمة فيها (نعي) للنبي عليه الصلاة والسلام وإشارة لدنو أجله. ومثل هذا ما ورد في الحديث الشريف أن النبي ﷺ خطب الناس يوماً فقال في جملة خطبته: ((إن الله خير عبداً بين الدنيا وبين ما عنده فاختار ما عنده)) فبكى أبو بكر – وفي رواية فقال فديناك يا رسول الله بآبائنا وأمهاتنا – فعجبنا له يبكي، فما قبض رسول الله ﷺ علمنا أنه كان هو المخير، وكان أبو بكر أعلمنا

فأبو بكر الصديق فهم (بطريق الإشارة) ما لم يفهمه عامة الصحابة، وكان الأمر كما قال.

طائفة من أقوال العلماء:

وإنا أنقل هنا طائفة من أقوال العلماء في التفسير الإشاري بإيجاز سائلا المولى أن يلهمنا السداد والرشاد وأن يجنبنا الخطأ والضلال، ثم أعقبها بكلمة لحجة الإسلام الإمام (الغزالي) رحمه الله فهي مسك الختام فأقول ومن الله أستمد العون.

كلمة الزركشي في البرهان:

وقال الزركشي في البرهان: كلام الصوفية في تفسير القرآن قيل إنه ليس بتفسير وإنما هو معان ومواجيد يجدونها عند التلاوة كقول بعضهم في قوله تعالى "قاتلوا الذين يلونكم من الكفار" إن المراد النفس، فيريدون أن علة الأمر بقتال من يلينا هي القرب، وأقرب شيء إلى الإنسان نفسه.

كلمة النسفي والتفتازاني:

وقال النسفي في العقائد: ((النصوص على ظواهرها، والعدول عنها إلى معان يدعيها أهل الباطل إلحاد))

وقال التفتازاني في شرحه على العقائد: ((سميت الملاحدة باطنية لادعائهم أن النصوص ليست على ظاهرها، بل لها معان لا يعرفها إلا المعلم، وقصدهم بذلك نفي الشريعة بالكلية. قال: وأما ما يذهب إليه بعض المحققين من أن النصوص على ظواهرها ومع ذلك فيها إشارات خفية إلى دقائق تنكشف لأرباب السلوك، يمكن التوفيق بينها وبين الظواهر المرادة، فهو من كمال الإيمان ومحض العرفان)) فأنت ترى أن النسفي أشار إلى (الباطنية) وبين أن طريقهم إلحاد في دين الله، والتفتازاني فصل البحث، ووضح الموضوع، فرد على الباطنية ضلالهم، وأقر لبعض أرباب السلوك طريقهم في استنباط الدقائق والإشارات الخفية وجعلها من كمال المعرفة والإيمان.

ومن هنا يظهر لنا الفرق جليا بين (التفسير الإشاري) الذي هو تفسير بعض العارفين بالله، وبين (التفسير الباطني) الذي هو تفسير الباطنية الملاحدة الذين يحرفون معاني الكتاب العزيز.

فالأولون: لا يمنعون إرادة الظاهر بل يقولون إنه هو الأصل والأساس ويحضون عليه ويقولون: لا بد من معرفة الظاهر أولاً، إذ من ادعى فهم أسرار القرآن ولم يحكم الظاهر يكون كمن ادعى بلوغ سطح البيت قبل أن يلج الباب.

وأما الباطنية فإنهم يقولون: إن الظاهر غير مراد أصلاً، وإنما المراد الباطن، وقصدهم من وراء هذا الكلام نفي الشريعة وإبطال الأحكام، وهذا بلا شك إلحاد في الدين، وقد قال الله تبارك وتعالى:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَن يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (فصلت: 40)

كلام السيوطي في الإتقان:

والعلامة السيوطي ذكر في كتابه (الإتقان) عن ابن عطاء النص الآتي: (اعلم أن تفسير هذه الطائفة (يعني التفسير الإشاري) لكلام الله وكلام رسوله بالمعاني الغريبة ليس إحالة للظاهر عن ظاهره، ولكن ظاهر الآية مفهوم منه ما جلبت الآية له ودلت عليه في عرف اللسان، وثم أفهام باطنة تفهم عند الآية والحديث لمن فتح الله قلبه.

فلا يصدنك عن تلقي هذه المعاني منهم أن يقول لك ذو جدل ومعارضة: هذا إحالة لكلام الله وكلام رسوله ﷺ، فليس ذلك بإحالة، وإنما يكون إحالة لو قالوا: لا معنى للآية إلا هذا، وهم لم يقولوا ذلك، بل يقرون الظواهر على ظواهرها مراداً بها موضوعاتها، ويفهمون عن الله ما أفهمهم.

أقول: هذا كلام الإنصاف، فقد وضع الشيخ الحق في نصابه، وجمع بين النصوص الظاهرة والمعاني الخفية الواردة التي تشرق على قلب المؤمن العارف بالله، كما كان الحق مع الصديق وعمر، ولا عجب فالله تعالى يعطي الحكمة من يشاء، ويضع الفهم فيمن أراد، وهذا هو القرآن الكريم يخبرنا عن (داود وسليمان) في أمر عرض عليهما فحكم كل واحد منهما بحكم يخالف الآخر فيقول: ﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾

ترجمہ قسم ثالث

تفسیر اشاری اور غرائب التفسیر

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

تفسیر کی تیسری قسم وہ "تفسیر اشاری" ہے اور ہم اس بحث میں تفسیر اشاری کے معنی اس کی شروط اور اس کے بارے میں علماء کی آراء سے کچھ حروف اور وہ اہم کتابیں جو اسی نقش قدم پر چلیں اور اس میں جو اچھائیاں اور برائیاں ہیں ان کے بیان کو لائیں گے۔

تفسیر اشاری کا معنی

تفسیر اشاری یہ قرآن کی تفسیر کو ایسے خفیہ اشارات کے ذریعہ اس کے ظاہر کے خلاف کرنا ہے جو بعض اہل علم پر ظاہر ہوتے ہیں یا مجاہدہ نفس اور سلوک (کی منزلیں طے کرنے) والے عارفین باللہ پر ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کی بصیرتوں (اور بصارتوں کو اور اندرونی حالات) کو اللہ نے روشن کر دیا چنانچہ انہوں نے قرآن عظیم کے اسرار کو پالیا یا الہام الٰہی یا رب کے کھولنے کے واسطے سے ان کے ذہنوں میں (قرآن کے) بعض دقیق معانی روشن ہو گئے ہوں (اور ان کی معرفت کی آگ سلگ گئی) اس امکان کے ساتھ کہ ان (مکاشفات و) الہامات اور آیات کریمہ کی ظاہر مراد کو جمع کیا جا سکے۔

چنانچہ تفسیر اشاری یہ ہے کہ مفسر ایک دوسرا معنی سمجھے جو اس ظاہری معنی کے علاوہ ہو جو کہ آیت کریمہ میں موجود ہو لیکن وہ (مخصوص معنی) ہر ایک انسان پر ظاہر نہ ہوتا ہو بے شک یہ اسی پر ظاہر کہ جس کے دل کو اللہ نے کھول دیا ہو۔ اور اس کی بصیرت کو روشن کر دیا ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ان نیک بندوں کے ضمن میں داخل کر دیا ہو کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے (فہم و شعور قرآن کے لیے مخصوص) فہم و ادراک عطا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قصہ میں ارشاد فرمایا:

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (کہف: ٦٥)

"پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔" (تفسیر عثمانی)

اور علم کی یہ قسم وہ علم کسبی نہیں ہے کہ جو بحث و مذاکرہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ بے شک یہ وہ علم لدنی (یعنی وہبی) ہے جو تقویٰ و استقامت اور صلاح (و نیکی) کا اثر ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ: ٢٨٢)

"اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

مطالعہ) ہے اور اس کا باطن اس کی تفسیر (اور تاویل) ہے اور قرآن (کی معلومات) کے لئے علماء کی مجلس میں بیٹھو اور قرآن (کو ضائع ہونے سے بچانے) کے لئے جہلاء سے کنارہ کشی کرو۔" ❶

(تفسیر اشاری کو) جائز قرار دینے والے علماء کے دلائل

تفسیر اشاری کے جواز کے قائل علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب تفسیر میں سورۂ نصر کی تفسیر کے وقت روایت کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

حضرت عمرؓ مجھے بدر کے اکابر (صحابہ کرام) کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ تو گویا کہ بعض صحابہؓ ناراض ہو گئے اور کہنے لگے "یہ ہمارے ساتھ (اس مجلس میں بیٹھتا ہے کہ جو بزرگوں کی مجلس ہے) جبکہ ہمارے (بھی) اتنے اتنے بیٹے ہیں؟" تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ جو (بچہ) ہے تم (اس کو عنقریب) جان لو گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مجھے ایک دن بلوایا اور ان کے ساتھ شریک مجلس کیا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں میرا یہی خیال تھا کہ انہوں نے مجھے (آج کس کام کے لئے) بلایا ہے مگر ان کو دکھلانے کے لئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں کیا کہتے ہو۔

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ (النصر: ۱)

تو کسی نے کہا کہ ہمیں اللہ کی حمد اور اس سے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب ہماری نصرت کی جائے اور ہمیں فتح دی جائے۔ اور بعض خاموش رہے انہوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ پھر مجھے کہا "اے ابن عباس! کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟" میں نے کہا "نہیں" حضرت عمرؓ نے کہا تو (پھر) تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: "یہ آپ ﷺ کی اجل ہے کہ جو اللہ نے آپ کو بتلائی۔ یوں کہا ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ کہ یہ آپ ﷺ کی اجل کی علامت ہے (اور جب موت کا وقت آ گیا ہے تو اور بھی زیادہ حمد و ثنا اور استغفار کرو اس لئے کہا) ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ (النصر: ۳)

تو اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اس آیت کا میں بھی وہی مطلب جانتا ہوں جو تم کہتے ہو۔"

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

یہ جو حضرت ابن عباسؓ نے سمجھا وہ باقی صحابہؓ نے نہ سمجھا بے شک یہ (نکتہ) حضرت عمرؓ نے سمجھا اور حضرت ابن عباسؓ نے سمجھا۔ یہ اس تفسیر اشاری میں سے ہے کہ جس کا اللہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہیں الہام فرماتے ہیں اور اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں مطلع کرتے ہیں۔ چنانچہ اس سورۂ کریمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی اطلاع ہے اور وفات وقت کے قریب آ جانے کا اشارہ ہے۔ اسی طرح کی ایک بات حدیث شریف میں آتی ہے کہ ایک دن نبی علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا اور خطبے کے دوران یہ فرمایا: "بے شک اللہ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دیا

---

❶ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے ضحاک کے طریق سے روایت کیا ہے اس کے لئے دیکھیں الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۵۔

(کہ دونوں میں سے جو مرضی چن لے) پس اس بندے نے اس کو چنا جو اللہ کے پاس تھا۔" تو اس پر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔"

اور ایک روایت میں ہے: حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ (راوی کہتے ہیں) ہمیں حضرت ابوبکرؓ پر تعجب ہوا کہ وہ رو رہے ہیں۔ لیکن جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تب ہم نے جانا کہ وہ اختیار کرنے والا (بندہ خدا) کون تھا حضرت ابوبکرؓ ہم میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔" ●

(مولف کتاب فرماتے ہیں) چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اشارہ سے وہ بات جان لی جو (دوسرے) تمام صحابہؓ نہ سمجھ سکے۔ اور بات وہی تھی جیسی انہوں نے کہی تھی۔

ترجمہ: (تفسیر اشاری کے بارے میں) علماء کے چند اقوال

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

"میں یہاں تفسیر اشاری کے بارے میں اختصار کے ساتھ علماء کے چند اقوال نقل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے اس بات کا سوال کرتے ہوئے کہ وہ ہمیں سیدھے اور حق راستے کا الہام کرے اور ہمیں خطا اور گمراہی سے بچائے۔ پھر ان چند اقوال کے بعد میں حجۃ الاسلام امام غزالی کا قول نقل کروں گا کہ وہ "ختام لمسک" ہے۔ پس میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہوئے کہتا ہوں۔"

(علامہ بدرالدین) زرکشیؒ کا قول (اپنی کتاب) البرہان میں

علامہ زرکشیؒ البرہان میں فرماتے ہیں۔ "قرآن کی تفسیر میں صوفیہ کا قول کہا جاتا ہے کہ وہ تفسیر نہیں ہے بے شک بیوہ معانی اور وجدانات ہیں کہ جو صوفیاء تلاوت (قرآن) کے وقت پاتے ہیں جیسا کہ بعض نے اس ارشاد خداوندی میں:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ﴾ (التوبۃ: ۱۲۳)

"لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے۔" (تفسیر عثمانی)

یہ قول کیا ہے کہ (کفار سے) مراد وہ (انسان کا اپنا) نفس ہے ان کی مراد یہ ہے کہ اپنے قریب والے سے قتال کے حکم کی علت وہ "قرب" ہے اور انسان کے سب سے زیادہ قریب وہ انسان کا "نفس" ہے۔

علامہ نسفیؒ اور علامہ تفتازانیؒ کا قول

علامہ نسفیؒ عقائد میں فرماتے ہیں: "(قرآنی) نصوص اپنے ظاہر پر (محمول) ہیں اور ان کے ظاہر سے ایسے معانی کی طرف عدول کرنا جن کا اہل باطن دعویٰ کرتے ہیں یہ "الحاد" (اور بے دینی) ہے علامہ تفتازانی عقائد (نسفیہ) کی شرح میں فرماتے ہیں:

● اس حدیث کو بخاری اور ترمذی دونوں نے روایت کیا ہے۔

ملاحدہ کا نام باطنیہ رکھا گیا ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے چند معانی ہیں کہ جن کو فقط معلم ہی جانتا ہے۔" اور اس بات سے ان کا مقصد (و مراد) شریعت کی بالکلیہ نفی ہے۔

وہ فرماتے ہیں: "البتہ بعض محققین جو اس طرف گئے ہیں کہ نصوص اپنے ظاہر پر ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان میں بعض دقیق باتوں کی طرف خفیہ اشارے ہیں جو ارباب سلوک پر کھلتے ہیں۔ ان میں اور ظاہر مراد میں تطبیق (اور توفیق اور موافقت) ممکن ہے۔ تو یہ کمال ایمان میں سے ہے اور عرفان محض میں سے ہے۔" ●

چنانچہ آپ نے دیکھا کہ علامہ نسفیؒ نے باطنیہ کی طرف اشارہ کیا اور یہ بیان کیا کہ ان کا طریقہ دین میں الحاد کرنا ہے اور تفتازانیؒ نے (اس) بحث کو تفصیل سے بیان کیا اور (اس) موضوع کو (خوب) واضح کیا۔ چنانچہ باطنیہ پر ان کی گمراہی کا رد کیا۔ اور بعض ارباب سلوک کے لئے دقائق کے استنباط اور خفیہ اشارات کے طریقہ کا اقرار کیا۔ اور اس کو ایمان اور معرفت کے کمال میں سے ٹھہرایا۔

یہیں سے ہمارے سامنے اس تفسیر اشاری جو بعض عارفین بااللہ کی ہے کا اور اس باطنی تفسیر کے درمیان کھلا فرق ظاہر ہو جاتا ہے جو ان ملحد باطنیہ کی تفسیر ہے جو کتاب عزیز کے معانی میں تحریف کرتے ہیں چنانچہ

پہلا طبقہ:

(کہ جو عارفین کا ہے) وہ ظاہر کو مراد لینے سے منع نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ اصل اور اساس ہے۔ اور وہ اس پر ابھارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے ظاہر کا مراد لینا از بس ناگزیر ہے کیونکہ جو اسرار قرآن کے فہم کا دعویٰ کرے اور ظاہر کو پختہ نہیں کرتا (یعنی اس کو مراد نہیں لیتا اور نہ ہی اس کو سمجھتا ہے) وہ اس شخص کی طرح ہے کہ جو دروازے سے داخل ہونے سے پہلے ہی گھر کی چھت پر پہنچنے کا دعویٰ کرے۔

اور باطنیہ:

تو وہ کہتے ہیں "کہ (قرآن) کا ظاہر یہ اصل میں مراد (ہی) نہیں ہوتا بے شک مراد تو (قرآن کا) باطن (ہی) ہوتا ہے اور اس بات کے پس پردہ ان کی مراد شریعت کی نفی اور احکام کا باطل کرنا ہے اور یہ بے شک دین میں الحاد ہے۔

اور تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (فصلت: ٤٠)

"جو لوگ ٹیڑھے چلتے ہیں ہماری باتوں میں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں۔ بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن سے قیامت کے دن کئے جاؤ جو چاہو بے شک جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

● "شرح عقائد نسفی" للتفتازانی۔

الاتقان میں علامہ سیوطیؒ کا قول:

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "الاتقان" میں ابن عطاء سے درج ذیل کلام ذکر کیا ہے:

"تو جان لے کہ اس (صوفیاء کے) گروہ سے کلام اللہ اور کلام رسول کی تفسیر (یعنی تفسیر اشاری) عربی معانی کے ساتھ کرنا (یعنی عجیب وغریب معانی بیان کرنا) یہ ظاہر کو ظاہر سے پھیرنا نہیں ہے۔"

لیکن (ان کی مراد یہ ہے کہ) آیت کے ظاہر سے جو مفہوم ہوتا ہے جو آیت اس کے لئے آئی ہوتی ہے اور اس ظاہر مفہوم پر (عربی) زبان کا عرف دلالت کرتا ہے اور ان آیات واحادیث کے کچھ باطنی مفہوم بھی ہوتے ہیں کہ جو قرآن وحدیث میں ان کو سمجھاتے ہیں جن کا دل اللہ تعالیٰ نے (ان کے لئے) کھول دیا ہوتا ہے۔ پس تجھ کو ان معانی کے لینے سے جھگڑا کرنے والے اور مناقشہ کرنے والے کا تجھ کو یہ کہنا نہ روکے کہ "یہ کلام اللہ اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنے ظاہر سے) پھیرنا ہے۔
کیونکہ یہ (ظاہر سے) پھیرنا نہیں ہے اور پھیرنا حالانکہ (یعنی آیت کو اس کے ظاہر سے پھیرنا) بے شک اس وقت ہوگا کہ اگر وہ یہ کہیں کہ اس آیت کا یہی معنی ہے۔ جبکہ (صوفیاء) وہ یہ نہیں کہتے۔ بلکہ ظاہری معانی کو ان کے ظاہر پر برقرار رکھتے ہیں۔ ان سے ان کے موضوعات (اور معانی) کو مراد لیتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے وہ سمجھتے ہیں کہ جو اللہ انہیں الہام کرے۔ ❶

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) میں (یہ) کہتا ہوں کہ "یہ انصاف کی بات ہے شیخ نے حق کو اپنی اصل پر رکھا ہے اور نصوص ظاہرہ اور ان ظاہرہ وارد ہونے والے معانی کے درمیان تطبیق شافی ہے جو ایک مومن عارف باللہ شخص کے دل پر روشن ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ حال تھا۔ اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں اللہ جس کو چاہے حکمت عطا فرماتا ہے۔ اور (دین کی) فہم (وبصیرت دہ) جس میں چاہے رکھ دیتا ہے۔

یہ (دیکھئے یہ) ہے قرآن مجید جو ہمیں حضرت داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کے بارے میں ایک معاملہ کی خبر دیتا ہے جو ان پر پیش کیا گیا۔ پس دونوں میں سے ہر ایک نے اس پر وہ حکم لگایا جو دوسرے کے مخالف تھا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ (الانبیاء: ۷۹)

"پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ" (تفسیر عثمانی)

معنى الحديث الوارد في التفسير الإشارية:

ويجدر بنا هنا أن نبين معنى الحديث الوارد في التفسير الإشاري في بيان معنى ظهر الآية وبطنها وحد الحرف ومطلع الحد... الخ. لئلا يتخذه الملاحدة الباطنية حجة لهم في دعواهم الباطلة في تفسير كلام الله تعالى على طريقتهم الباطنية وتلاعبهم في النصوص الكريمة حسب الأهواء.

---

❶ دیکھئے الاتقان جلد ۲ صفحہ [illegible]

وروى الفريابي بسنده عن الحسن عن النبي ﷺ أنه قال: ((لكل آية ظهر وبطن، ولكل حرف حد، ولكل حد مطلع))

وروى الطبراني عن ابن مسعود موقوفاً: ((إن هذا القرآن ليس منه حرف إلا له حد، ولكل حد مطلع))

وقد ذكر العلامة السيوطي بعض الوجوه في تأويل الحديث الشريف في معنى (الظهر والبطن) ونحن نذكر أقرب هذه الأوجه إلى الصواب:

الوجه الأول: أن المراد بالظاهر لفظها، والباطن تأويلها.

الوجه الثاني: أن المراد بالظاهر، ما ظهر من معانيها لأهل العلم بالظاهر، وبطنها ما تضمنته من الأسرار التي اطلع الله عليها أرباب الحقائق.

الوجه الثالث: أن القصص التي قصها الله تعالى عن الأمم الماضية، وما عاقبهم به، ظاهرها الإخبار بهلاك الأولين، وباطنها وعظ الآخرين، وتحذيرهم أن يفعلوا كفعلهم، فيحل بهم مثل ما حل بهم، قال السيوطي: وهذا الوجه اشبهها بالصواب.

وأما المراد (بالحد) فهو أحكام الحلال والحرام، والمراد (بالمطلع) الوعد والوعيد ويؤيده حديث ابن عباس السابق (إن القرآن ذو شجون وفنون) الحديث وقد مر معك ذكره.

شروط قبول التفسير الإشاري:

والتفسير الإشاري لا يكون مقبولاً إلا إذا توفرت فيه الشروط الآتية:

أولاً: عدم التنافي مع المعنى الظاهر في النظم الكريم.

ثانياً: عدم ادعاء أنه المراد وحده دون الظاهر.

ثالثاً: ألا يكون التأويل بعيداً سخيفاً لا يحتمله اللفظ، كتفسير الباطنية قوله تعالى ﴿وورث سليمان داود﴾ أي أن الإمام علياً ورث النبي في علمه.

رابعاً: ألا يكون له معارض شرعي أو عقلي.

خامساً: ألا يكون فيه تشويش على أفهام الناس.

وبدون هذه الشروط لا يقبل التفسير الإشاري، ويكون عند ذلك من قبيل التفسير بالهوى والرأي المنهي عنه والله الموفق والهادي إلى سواء السبيل.

ترجمہ: تفسیر اشاری کے بارے میں وارد حدیث کا معنی:

(علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں)

ہمارے لئے مناسب ہے کہ اس مقام پر ہم تفسیر اشاری کے بارے میں آنے والی حدیث کا معنی آیت کے ظاہر اور اس کے باطن اور حرف کی حد اور حد کے مطلع کے معنی بیان کرنے کے لئے بیان کریں۔ تاکہ کہیں یہ ملحدین باطنیہ اس حدیث کو اپنے باطنی طریقہ پر اور اپنی خواہشات کے مطابق آیات کریمہ کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہوئے کلام اللہ کی تفسیر میں اپنے باطل دعویٰ میں اپنے لئے حجت نہ بنا لیں۔ (وہ حدیث یہ ہے)

"فریابی نے اپنی سند کے ساتھ (حضرت) حسنؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد کا ایک مطلع ہے۔" طبرانیؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ "اس قرآن کا جس ہوئی حرف مگر اس کی ایک حد ہے اور ہر حد کا ایک مطلع ہے۔

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے اس حدیث شریف کی تاویل میں ظاہر اور باطن کے معنی میں چند وجوہ کو ذکر کیا ہے اور ہم ان میں سے قریب ترین وجہ کو ذکر کرتے ہیں۔

پہلی وجہ (پہلا مطلب)

ظاہر سے مراد اس کے لفظ اور باطن سے مراد اس کے معنی ہیں۔

دوسرا مطلب

ظاہر سے مراد اس کے وہ معانی ہیں کہ جو اہل علم کو ان (الفاظ) کے ظاہر سے ہی پتا چل جائیں۔ اور ان کے باطن سے مراد وہ اسرار ہیں کہ جن کو یہ آیات متضمن ہیں کہ جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ ارباب حقائق کو دیتے ہیں۔

تیسرا مطلب

وہ قصے کہ جو اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں کے بارے میں بیان کئے اور جو ان کا انجام ہوا۔

ان آیات کا ظاہر پہلوں کی ہلاکت کی خبر دینا ہے اور ان کا باطن دوسروں کو نصیحت (اور عبرت اور وعظ) کرنا ہے اور انہیں ان جیسے اعمال کرنے سے ڈرانا ہے کہ پھر کہیں ان پر (بھی) وہ عذاب (نہ) آن پڑے جو ان پر آن پڑا۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں "یہ مطلب ان میں ورقی کے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔❶

"اور حد" سے مراد حلال و حرام کے احکام ہیں اور "مطلع" سے مراد وعد اور وعید ہیں۔ اور اس مطلب کی تائید حضرت

---

❶ یہ مضمون اتقان سے معمولی تصرف کے ساتھ لیا گیا ہے دیکھئے۔ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۔

"یہ دلائل و براہین اس امر کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ ہر عربی دان قرآن کے ظاہری فہم و ادراک پر قادر ہے۔ البتہ باطن سے ارباب دانش و بصیرت ہی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ باطنی معانی کی آخری سرحد وہ نہیں ہے کہ جہاں تک ہمارے حواس کی رسائی ہے بلکہ یہ امر ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔"

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

فہم قرآن کا میدان بہت وسیع ہے جو شخص اولین و آخرین کے علوم سے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ قرآن کا مطالعہ کرے۔

(تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۳۸، ۵۳۹ ملخصاً)

ترجمہ۔ تفسیر اشاری کے قبول کی شرائط:

تفسیر اشاری مقبول نہ ہوگی مگر جب اس میں ذیل کی (مذکورہ) شرائط پائی جائیں

(۱) نظم قرآن کریم کے ظاہری معنی کے مخالف نہ ہو۔ (اور نہ اس ظاہری معنی کی نفی ہو)

(۲) یہ دعویٰ نہ ہو کہ یہی مراد ہے نا کہ ظاہری معنیٰ۔

(۳) بہت دور کی اور رکیک قسم کی تاویل نہ ہو کہ لفظ اس (کے معنی کو) متحمل ہی نہ ہو۔

جیسا کہ باطنیہ (ملاحدہ) کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ (النمل: ۱۶)

(کہ وہ اس کی یہ تفسیر کرتے ہیں) "امام علی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے علم میں وارث ہوئے۔"

(۴) (یہ کہ) اس تفسیر کا کوئی شرعی یا عقلی معارض (اور مخالف) نہ ہو۔

(۵) (یہ کہ) اس میں لوگوں کی عقلوں کو تشویش (اور الجھن) میں نہ ڈالے۔

ان شرائط کے بغیر تفسیر اشاری مقبول نہ ہوگی۔ اور اس وقت یہ ممنوع رائے اور (ممنوع) خواہش (نفس) کے مطابق تفسیر کی قسم میں سے ہوگی۔

اللہ ہی توفیق دینے والا اور سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم تفسیر اشاری کی یہ شرائط بیان کرتے ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ باطنی معنی عربی زبان کے اصول و قواعد کے متصادم نہ ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ کوئی ایسی نص موجود ہو جس سے باطنی معنی کی تائید ہوتی ہو اور اس کا کوئی معارض نہ ہو۔

(۳) تفسیر اشاری قرآن کریم کی ظاہری نظم و ترتیب کے منافی نہ ہو۔

(۴) کسی شرعی و عقلی برہان سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۵) اس کو کوئی شرعی یا عقلی معارض نہ ہو۔

(۶) یہ بھی نہ ہو کہ صرف تفسیر اشاری ہی مراد ہے اور ظاہری معنی مراد نہیں۔ بخلاف ازیں پہلے ظاہری معنی کا اعتراف ضروری ہے اس لئے کہ جب تک ظاہری معنی کی تحقیق نہ کی جائے باطنی مفہوم تک رسائی ممکن نہیں۔ جو شخص قرآنی اسرار کے فہم کا مدعی ہو مگر ظاہری تفسیر نہ جانتا ہو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دروازہ عبور کرنے سے پہلے ہی کسی گھر کے صدر مقام تک پہنچ جانے کا مدعی ہو (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۰۰-۵۰۵ بحوالہ الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۹۵)

كلمة قيمة للشيخ الزرقاني:

ونسوق هنا كلمة قيمة للشيخ محمد عبد العظيم الزرقاني حول التفسير الإشاري فيها حكمة بالغة ونصيحة صادقة لمن كان له قلب أو ألقى السمع وهو شهيد. قال رحمه الله:

"ولعلك تلاحظ معي أن بعض الناس قد فتنوا بالإقبال على دراسة تلك الإشارات والخواطر، فدس في روعهم أن الكتاب والسنة بل والإسلام كله ما هي إلا سوانح وواردات على هذا النحو من التأويلات والتوجيهات، وزعموا أن الأمر ما هو إلا تخيلات، وأن المطلوب منهم هو الشطح مع الخيال أينما شطح، فلم يتقيدوا بتكاليف الشريعة ولم يحترموا قوانين اللغة العربية في فهم أبلغ النصوص العربية: كتاب الله وسنة رسوله.

والأدهى من ذلك أنهم يخيلون للناس أنهم هم أهل الحقيقة الذين أدركوا الغاية واتصلوا بالله اتصالا أسقط عنهم التكاليف، وسما بهم عن حضيض الأخذ بالأسباب، ما داموا في زعمهم مع رب الأرباب، وهذا لعمر الله هو المصاب العظيم الذي عمل له الباطنية كيدا ليهدموا التشريع من أصوله، ويأتوا بنيانه من قواعده.

فوجب النصح لإخواننا المسلمين بقنطب أن نحذرهم الوقوع في هذه الشباك، ونشير عليهم أن ينفضوا أيديهم من أمثال تلك التفاسير الإشارية المغلوبة؛ لأنها كلها أذواق ومواجيد خارجة عن حدود الضبط والتقييد، وكثيرا ما يختلط فيها الخيال بالحقيقة، والحق بالباطل، والأحرى بالفطن العاقل أن ينأى بنفسه عن هذه المزالق، وأن يفر بدينه من هذه الشبهات، وأمامه في الكتاب والسنة وشروحهما على قوانين الشريعة واللغة رياض وجنات ﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾؟

كلمة حجة الإسلام الغزالي:

ويقول حجة الإسلام الغزالي رحمه الله في كتابه (إحياء علوم الدين) في فصل الذكر والتذكير ما نصه:

((وأما الشطح فنعني به صنفين من الكلام أحدثهما بعض الصوفية:))

أحدهما: الدعاوى الطويلة العريضة في العشق مع الله تعالى، والوصال المغني عن الأعمال الظاهرة، حتى ينتهي قوم إلى دعوى الاتحاد، وارتفاع الحجاب، والمشاهدة بالرؤية والمشافهة بالخطاب، فيقولون: قيل لنا كذا وقلنا كذا، ويتشبهون فيه بالحسين (الحلاج) الذي صلب لأجل إطلاقه كلمات من هذا الجنس، ويستشهدون بقوله: ((أنا الحق)) وهذا فن من الكلام عظيم ضرره على العوام، حتى من نطق بشيء منه فقتله أفضل في دين الله من إحياء عشرة.

الثاني: كلمات غير مفهومة، لها ظواهر رائقة، وفيها عبارات هائلة وليس وراءها طائل ولا فائدة لهذا الجنس من الكلام إلا أنه يشوش القلوب بدهش العقول، ويحير الأذهان، وقد قال ابن مسعود رضي الله عنه: ((ما حدث أحد قوما بحديث لا يفقهونه إلا كان فتنة عليهم))

وقال علي كرم الله وجهه: ((كلموا الناس بما يعرفون أتريدون أن يكذب الله ورسوله))

أمثلة على التأويل الإشاري الفاسد:

ثم قال طيب الله ثراه: ((وأما الطامات فيدخلها ما ذكرناه من الشطح، وأمر آخر يخصها وهو صرف ألفاظ الشرع عن ظواهرها المفهومة، إلى أمور باطنة لا يسبق منها إلى الأفهام فائدة، فهذا أيضا حرام، وضرره عظيم. ومن أمثلة تأويل أهل الطامات، قول بعضهم في تأويل قوله تعالى: ﴿اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى﴾ إنه إشارة إلى قلبه، وقال هو المراد بفرعون، وهو الطاغي على كل إنسان. وفي قوله تعالى ﴿وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ﴾ أي كل ما يتوكأ عليه ويعتمده مما سوى الله عز وجل فينبغي أن يلقيه.

وفي قوله ﷺ: ((تسحروا فإن في السحور بركة)) فسروا السحور بأنه الاستغفار في الأسحار وأمثال ذلك حتى يحرفون القرآن من أوله إلى آخره عن ظاهره، وعن تفسيره المنقول عن ابن عباس وسائر العلماء، وبعض هذه التأويلات يعلم بطلانها قطعا، كتنزيل فرعون

لغات: تَنَسُّــوْقٌ: کلام کو تسلسل کے ساتھ تفصیل سے بیان کرنا۔ خــواطــر: خاطر کی جمع' دل میں آنے والا خیال' دماغ کو سوجھ جانا۔ ذُوق: دل' خیال' عقل۔ سوانح: سانحہ کی جمع حاصل ہونے والے خیالات۔ واردات: واردہ کی جمع' جی میں آنے والا خیال۔ الشطح: صوفیاء کے حالت سکر و جذب کے احوال و اقوال۔ ادھی: بڑی آفت' بڑی مصیبت۔ الشباك: جال۔ تُقْعِقِ: ہٹانا' جھٹکنا' پھینک دینا۔ مواجید: بے خودی' سرشاری۔ الغطن: گھدار۔ مشالھة: روبرو منہ در منہ بات کرنا۔ وانق: خوشنما۔ معل ملطمات: گمراہ لوگ۔ یضاهی: مشابہ ہونا۔ کل من ھب و دب: ہر کس و ناکس۔ یتطاول: دست درازی کرنا' دخل اندازی کرنا۔ غبی: کوڑھ مغز' کند ذہن۔

ترجمہ: شیخ زرقانیؒ کی قیمتی بات

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

ہم یہاں شیخ محمد عبدالعظیم الزرقانیؒ کی ایک قیمتی بات کو بیان کرتے ہیں۔ جس میں حکمت بالغہ اور سچی نصیحت ہے "اس کو جس کے اندر دل ہے یا لگائے کان دل لگا کر۔"

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں:

"شاید تو میرے ساتھ اس بات پر غور کرے کہ بعض لوگ ان اشارات اور (قلبی) خیالات کی تعلیم کی طرف توجہ کرنے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے دماغ میں یہ بات گھس گئی کہ کتاب و سنت (ہی) نہیں بلکہ پورے کا پورا اسلام کچھ نہیں مگر اس طرز پر مبنی تاویلات اور توجیہات کے (چند) خیالات اور واردات ہیں۔ اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ (اسلام کا) معاملہ فقط تخیلات (اور چند اوہام) ہیں۔ اور ان لوگوں کا مطلوب خیال کے ساتھ حال ہے جہاں بھی وہ طاری ہو جائے۔ اور انہوں نے شریعت کے احکام کی قید نہیں لگائی؛ اور انہوں نے بلیغ نصوص عربیہ اور کتاب اللہ اور سنت رسول کو سمجھنے میں لغت عربیہ کے قواعد کا احترام نہیں کیا۔"

اور اس سے بڑی آفت یہ ہے کہ انہوں نے لوگوں پر یہ بات واضح کر دیا ہے کہ وہ لوگ ہی حقیقت والے ہیں جنہوں نے انتہا کو پالیا اور اللہ تک اس مقام پر پہنچ گئے کہ اللہ نے ان سے تکلیف کو ساقط کر دیا اور انہیں اور انکی اسباب اختیار کرنے پر ابھارنے سے بلند کر دیا ہے (یعنی انہیں اسباب کے اختیار کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے) جب تک کہ اپنے گمان میں وہ لوگ رب الارباب کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم! یہ بہت بڑی مصیبت ہے جس پر ان باطنیوں نے عمل کیا تاکہ وہ شریعت کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ پھینکیں اور اس کی بنیادوں کو ان کے قواعد سے نکال دیں۔

اپنے مسلمان بھائیوں کو ضروری طور پر نصیحت کرنا ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم انہیں اس جال میں پھنسنے سے ڈرائیں (اور اس سے بچائیں) اور انہیں اس بات کا مشورہ دیں کہ وہ اپنے ہاتھوں کو ان غلط قسم کی اشاری تفسیروں سے ہٹالیں۔ کیونکہ یہ سب کی سب (اشاری تفسیریں ان لوگوں کے خاص رجحانات اور) ذوق اور (ان کے) وجدانیات ہیں جو (ضبط و

تحدید کی حدود سے باہر ہیں۔ اور) بندش اور پابندی سے بالاتر ہیں اور بسا اوقات ان اشاری تفسیروں میں حقیقت کے ساتھ خیال اور حق کے ساتھ باطل مل جاتا ہے لہٰذا ایک سمجھدار عقلمند کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان پھسلنے کی جگہوں سے دور رکھے۔ (اور لغزشوں سے اپنے آپ کو بچائے) اور اپنے دین کو ان شبہات سے بھگا (کر بچا) لے جائے۔ جبکہ اس کے سامنے کتاب وسنت (موجود) ہے اور قوانین شریعت اور (قوانین) لغت کے مطابق ان کی شروحات (بھی موجود ہیں) اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے سامنے آخرت کے) باغات اور جنتیں (ہیں) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ (البقرہ۔ ٦١)

"کیا لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے" [1] (تفسیر عثمانی)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کا قول

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" کی فصل "الذکر والتذکیر" میں یہ فرماتے ہیں۔

"رہا "شطح" تو اس سے مراد ہماری کلام کی وہ دو قسمیں ہیں کہ جو بعض صوفیاء نے ایجاد کی ہیں۔"

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق کے لمبے چوڑے دعوے کرنا اور اس وصال کے (دعوے کرنا کہ) جو ظاہری اعمال سے بے نیاز کر دیں۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ (ذات باری تعالیٰ کے ساتھ) اتحاد اور (اپنے اور اپنے رب ذوالجلال کے درمیان) حجاب کے اٹھ جانے (ذات باری تعالیٰ کو) دیکھنے کے ساتھ مشاہدہ کرنے اور روبرو گفتگو کرنے (تک) کے دعویٰ تک جا پہنچے۔ چنانچہ وہ (یوں) کہنے لگے۔

"ہمیں (اللہ کی طرف سے) یہ کہا گیا۔ ہم نے (اس کے جواب میں) یہ کہا۔"

اور اس (طرز و روش) میں وہ حسین (منصور) حلاج کی نقل اتارنے لگے جس کو (اپنے بارے میں) اس طرح کے چند کلمات بولنے کی وجہ سے سولی چڑھا دیا گیا۔ اور وہ لوگ منصور حلاج کے اس قول سے دلیل پکڑتے ہیں۔ "انا الحق"

(امام غزالی فرماتے ہیں) یہ کلام کی وہ قسم ہے جو عوام کے لئے نہایت نقصان دہ ہے یہاں تک کہ جو ایسی باتیں کریں اس کا قتل کرنا دین الٰہی میں دس انسانوں کے زندہ کرنے سے افضل ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ کلمات ہیں جو سمجھ نہیں آتے ان کا ظاہر (بڑا) پرکشش اور ان میں خطرناک عبارات ہوتی ہیں کہ جن کے پیچھے کوئی مقصدی بات نہیں ہوتی اس نوع کے کلام کا کوئی فائدہ نہیں۔ سوائے اس کے یہ دلوں کو تشویش (اور الجھن میں) ڈالتا ہے اور عقلوں کو اڑا دیتا ہے اور ذہنوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں "نہیں بتائی کسی نے لوگوں کو ایسی بات جو وہ سمجھ نہ سکے ہوں مگر یہ کہ وہ بات ان کے لئے فتنہ بن گئی۔" [2]

---

[1] اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ زرقانیؒ کی مناہل العرفان جلد ۲ صفحہ ۵۵۸۔

[2] یہ حدیث صحیح مسلم کے مقدمہ میں حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً مروی ہے۔

اس تفسیر سے پھیر دیں کہ جو حضرت ابن عباسؓ اور تمام علماء سے منقول ہے (اور جمہور اور سلف علماء سے نقل ہے)

بعض ان تاویلات (رکیکہ) کے بطلان کو قطعاً جان لیا گیا ہے۔ جیسے کہ فرعون کو دل کے بھول قرار دینا۔ کیونکہ فرعون ایک شخص محسوس ہے اس کے وجود کے بارے میں نقل ہم تک متواتر پہنچی ہے۔ اور بعض تاویلات (رکیکہ) کے بطلان کو غالب ظن (یعنی گمان غالب) سے جان لیا گیا ہے۔

یہ سب تاویلات حرام اور گمراہی ہیں اور لوگوں پر ان کا دین فاسد کرتا ہے۔

اور ان بحثہ پردازوں میں سے جو اس قسم کی تاویلات کو جائز قرار دیتا ہے باوجودیکہ اسے علم ہے کہ یہ الفاظ کی مراد نہیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کے مشابہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ اور نئی بات لگانے کو جائز رکھتے ہیں۔ جیسے وہ شخص کہ جو ہر مسئلہ میں جو چاہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیث گھڑ لیتا ہے۔ پس (یقیناً) یہ ظلم اور گمراہی ہے اور اس وعید میں داخل ہوتا ہے: من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار۔

بلکہ ان الفاظ کی تاویل کا شر وہ بہت زبردست اور بڑا ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ کے اعتبار کو باطل کرنے والا اور یہ استفادہ اور (اس کے) فہم کے طریق کو بالکل (ہی) قطع کرنے والا ہے۔ ● (امام غزالیؒ کا کلام ختم ہوا)

خلاصہ بحث

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

گزشتہ عبارات سے ہمارے سامنے یہ بات (کھل کر) آگئی ہے کہ تفسیر اشاری کی شرح تائید کرتی ہے لیکن تحقیق اس میں بعض فاسد تاویلات آن گھسی ہیں۔ اور بعض لوگ اس میں باطنیہ کے راستے پر چلے ہیں۔ اور انہوں نے اس کی ان شرائط کی رعایت نہ کی جن کو علماء نے مقرر کیا تھا۔ اور انہوں نے اس میں اول فول بکنا شروع کیا۔ بلکہ جس نے ذرا سا بھی چلنا پھرنا سیکھا اس نے کتاب اللہ پر دست درازی شروع کر دی۔ (یعنی دو چار لفظ کیا آئے اور لگے تفسیر کرنے)

اور جس پر خواہش (نفس) کا میلان ہونے لگا اسی کے مطابق قرآن کا مطلب بیان کرنے لگے۔ یا جس بات کا شیطان نے (ان کے جیوڑوں میں) وسوسہ ڈالا (اسی کے مطابق قرآن کا مطلب بیان کرنے لگے) اور (اوپر سے) یہ گمان کرنے لگے کہ یہ تفسیر اشاری ہے باوجودیکہ وہ حماقت وضلالت اور جہالت ہے۔ کیونکہ یہ کتاب اللہ کی تحریف ہے اور باطنی ملحدین کے راستہ پر چلنا ہے۔ یہ (اس) قسم کی تفسیر اشاری اگرچہ الفاظ میں تحریف نہیں ہے لیکن یہ (قرآن کے) الفاظ کی معانی کی تحریف ہے۔

اور تحقیق تو نے اس شخص (کی بات) کو جان لیا کہ جس نے اس آیت کریمہ:

﴿قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ (الانعام: ۹۱)

● یہ مضمون احیاء علوم الدین سے اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے۔

(۱) ان اقوال کو قرآن کریم کی تفسیر قرار نہ دیا جائے بلکہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ قرآن کریم کی اصل مراد وہی ہے جو تفسیر کے اصل ماخذ سے سمجھ میں آتی ہے اور یہ اقوال محض وجدانی اور استنباط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان اقوال کو قرآن کریم کی تفسیر سمجھ لیا جائے۔ تو یہ گمراہی ہے چنانچہ امام ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ نے ایک کتاب "حقائق التفسیر" کے نام سے لکھی تھی جو اسی قسم کے اقوال پر مشتمل تھی۔

اس کے بارے میں امام واحدیؒ نے فرمایا:

"جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ یہ تفسیر ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔" ●

(۲) اس قسم کے اقوال میں بھی صرف ان اقوال کو درست سمجھا جا سکتا ہے جن سے قرآن کریم کی کسی آیت کے ظاہری مفہوم یا شریعت کے کسی مسلمہ اصول کی نفی نہ ہوتی ہو۔ اور اگر ان وجدانیات کے پردے میں دین کے مسلّم اصول وقواعد کی خلاف ورزی کی جانے لگے تو یہ صریح الحاد ہے۔

(۳) اس قسم کے وجدانیات صرف اس وقت صحیح ہو سکتے ہیں۔

جب وہ قرآن کریم کی تحریف کی حد تک نہ پہنچے ہوں۔ اور اگر قرآن کریم کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر کوئی بات کہی جائے۔ تو وہ بھی الحاد اور گمراہی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے آیت قرآنی مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ کے تحت یہ کہا کہ یہ اصل میں من ذل ذی یشف عُ" ہے۔

"ذی" سے مراد نفس ہے اور مطلب یہ ہے کہ "جو شخص نفس کو ذلیل کرے گا شفا پا جائے گا اس بات کو یاد رکھو۔"

علامہ سراج الدین بلقینیؒ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ "ایسا کہنے والا ملحد ہے۔" ●

(۴) قدیم زمانہ میں ملحدوں کا ایک فرقہ "باطنیہ" کے نام سے گزرا ہے۔ جس کا دعویٰ یہ تھا کہ قرآن کریم سے ظاہری طور پر جو مطلب سمجھ میں آتا ہے حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے بلکہ ہر لفظ سے ایک باطنی مفہوم کی طرف اشارہ ہے اور وہی قرآن کی اصل تصویر ہے۔ یہ اعتقاد باجماع امت کفر والحاد ہے لہٰذا صوفیاء کے کسی قول کے بارے میں اس قسم کا اعتقاد رکھا جائے تو وہ باطنیت ہوگا۔"

ان چار امور کی رعایت کے ساتھ صوفیاء کرام کے اقوال کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور بلاشبہ بعض مخصوص واردات واحوال رکھنے والوں کو ان اقوال سے فائدہ بھی پہنچتا ہے اسی وجہ سے علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر "روح المعانی" میں آیات کی مکمل تفسیر لکھنے کے بعد ایک مستقل عنوان "من باب الاشارات فی الآیات" قائم کرتے ہیں اور اس میں اس قسم کے وجدانیات ذکر فرماتے ہیں۔

مذکورہ بالا گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام نے قرآن کریم کے تحت اپنے جو وجدانیات ذکر فرمائے ہیں۔ وہ قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہیں۔ اور بعض لوگوں نے ان پر باطنیت کا جو الزام لگایا ہے وہ درست نہیں۔ اس کے باوجود ہم

● الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۵ ● الاتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۶

حافظ ابن الصلاح کے اس ارشاد کو نقل کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ: (وہ فرماتے ہیں کہ)

"اس کے باوجود اے کاش! کہ یہ حضرات اس قسم کے اقوال نقل کرنے میں احتیاط سے کام لیتے کیونکہ ان میں غلط فہمی اور اشتباہ کی بڑی گنجائش ہے۔"٭

غرائب التفسير

ذكر العلامة (السيوطي) في كتابه 'الاتقان' نقلاً عن الكرماني أنه ألف كتابا في مجلدين سماه (العجائب والغرائب) ضمنه أقوالا منكرة في التفسير' لا يجوز قبولها ولا الاعتماد عليها' لأنها من أقوال أهل الضلال' وإنما ذكرها للتحذير منها' وقال: إنما أردت بذكرها أن يعلم الناس أن فيمن يدعي العلم حمقى. ونحن ننقل طرفاً منها' ونقل بعض أقوال أخرى عن الباطنية حتى يحذر المسلمون من أمثال هذه الأباطيل' التي دخلت على الأمة الإسلامية بسبب التعصب الأعمى واتباع الأهواء.

أمثلة على هذه الغرائب:

أولا: في قوله تعالى: ﴿حمعسق﴾ قالوا: الحاء حرب علي ومعاوية' والميم ولاية بني مروان' والعين ولاية العباسيين' والسين ولاية السفيانيين والقاف القدوة بالمهدي' إلى غير ما هنالك من الضلال.

ثانيا: قوله تعالى: ﴿ولكم في القصاص حياة يا أولي الألباب﴾ قالوا: القصاص المراد به قصص القرآن' وهو باطل لغة وشرعا' وقول لا يقول به إلا الجهلاء.

ثالثا: قوله تعالى: ﴿وَلٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ قالوا: إن إبراهيم كان له صديق وصفه بأنه قلبه' وفسروه بمعنى ولكن ليسكن صديقي وهذا بعيد جداً.

رابعا: قوله تعالى: ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ قالوا: إنه الحب والعشق' فقسروا مالا طاقة للإنسان به بهذا حكاه الكرماني في تفسيره.

خامسا: قوله تعالى: ﴿وَمِن شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ﴾ قالوا إنه الذكر إذا انتصب' وهذا بلا شك جرأة غريبة' وقاحة شنيعة لا تصدر إلا من سفيه أحمق.

سادسا: قوله تعالى: ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝﴾ قالوا: المراد بالشجر الأخضر (ابراهيم) ونارا أي نورا (محمد) ﷺ فإذا أنتم منه توقدون

٭ اتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۔

أي تفسيرون الدين. وهذا التفسير من الغرائب لا تدل عليه اللغة، وهو تأويل باطل لنصوص القرآن، وإن كان سبكه جميلاً وعبارته لطيفة.

تفسيرات الباطنية:

الباطنية قوم لا يقبلون الأخذ بظاهر القرآن، وإنما يقولون: إن القرآن له (ظاهر) و(باطن) ويعتقدون بأن المراد منه (الباطن) دون الظاهر، ويستدلون بقوله تعالى ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ (الحديد: ١٣)

وهم فرق متعددة نذكر أهمها:

(١) الإسماعيلية: نسبة إلى (إسماعيل) أكبر أولاد جعفر الصادق، وكانوا يحصرون فيه الإمامة.

(٢) القرامطة: نسبة إلى (قرمط) إحدى قرى واسط، وقد تزعمهم رجل منها اسمه (حمدان).

(٣) السبعية: نسبة إلى (السبعة) لأنهم يعتقدون أن في كل سبعة منهم إماما يقتدى به.

(٤) المحرمية: نسبة إلى (المحرمة) وذلك لأن هؤلاء يستبيحون المحرمات والفواحش.

نماذج عن تفسير الباطنية:

(١) قوله تعالى: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ﴾ قالوا: إنه إشارة إلى الغدر بالأوصياء بعد الأنبياء، أي لتسلكن سبيل من قبلكم بالغدر في الأئمة بعد الأنبياء.

(٢) قوله تعالى: ﴿قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ﴾ (يونس: ١٥) يفسرونه "أَوْ بَدِّلْهُ" أي بَدِّلْ عَلِيًّا، ومعلوم أن عليا لم يسبق له ذكره.

(٣) قوله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا﴾ (النساء: ١٣٧)

قالوا: إن هذه الآية نزلت في أبي بكر وعمر وعثمان، آمنوا بالنبي أولاً ثم كفروا حيث عرضت عليهم ولاية علي، ثم آمنوا بالبيعة لعلي، ثم كفروا بعد النبي، ثم ازدادوا كفرا بأخذ البيعة من كل الأمة.

(٤) قوله تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً﴾ قالوا: المراد بالبقرة (عائشة) والمراد (اضربوه ببعضها) طلحة والزبير.

"اس کے علاوہ اور بہت سی گمراہ کن باتیں ہیں۔"

(۲) (اور بعض بوالہوسوں نے) اس ارشاد خداوندی۔

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (البقرۃ: ۱۷۹)

"اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل مندو!" (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہا کہ "قصاص" سے قرآن کے قصے ہیں۔ اور یہ (معنی) لغت اور شرع دونوں کے اعتبار سے باطل ہے۔ اور ایسا قول ہے کہ جسے جاہل ہی کہہ سکتے ہیں۔

(۳) (اور بعض گمراہوں نے) اس ارشاد خداوندی۔

﴿وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾ (البقرۃ: ۲۶۰)

"لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جاوے میرے دل کو۔" (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک دوست تھا جس کو وہ "دل" (یعنی قلب) کہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان گمراہوں نے اس کی تفسیر اس معنی کے ساتھ کی۔

"لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دوست کو (کہ جس کا نام قلب ہے) تسکین ہو جائے۔"

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) یہ نہایت دور کی بات ہے۔

(۴) (اور بعض بے راہ رو لوگوں نے) اس ارشاد خداوندی

﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ (البقرۃ: ۲۸۶)

"اے ہمارے رب اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ جس کی ہم کو طاقت نہیں۔" (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہا کہ "یہ محبت اور عشق ہیں" چنانچہ انہوں نے ناقابل برداشت بوجھ کی باطل تفسیر محبت اور عشق سے کی۔ اس بات کو علامہ کواشی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

(۵) (اور بعض نادانوں نے) اس ارشاد خداوندی

﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ (الفلق: ۳)

"اور برائی سے اندھیرے کی جب سمٹ آوے۔" (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہا ہے کہ "یہ ذکر ہے کہ جب وہ (منتشر ہو کر) کھڑا ہو جائے۔"

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ) بے شک یہ عجیب (و غریب) جرأت (اور جسارت) اور قابل نفرت بے حیائی (اور گستاخی) ہے جو کسی بے وقوف احمق ہی سے صادر ہو سکتی ہے۔

(۶) (اور بعض نا عاقبت اندیشوں نے) اس ارشاد خداوندی

﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ﴾ (یٰس: ۸۰)

''جس نے بنادی تم کو سبز درخت سے آگ پھر اب تم اس سے سلگاتے ہو۔'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں کہا ہے کہ ''شجر اخضر'' سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ''نار'' سے مراد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ ''فاذا انتم منه توقدون'' (تم اس سے آگ سلگاتے ہو) کا یہ مطلب ہے ''تم اس سے دین کو حاصل کرتے ہو۔'' ❶

یہ تفسیر نہایت عجیب (وغریب) ہے کہ جس پر لغت دلالت نہیں کرتی۔ یہ بعض قرآن کی باطل تاویل ہے اگرچہ اس کی روانی (اور سلاست) خوبصورت اور عبارت لطیف (اور باریک) ہے۔''

باطنیہ (فرقہ) کی تفسیریں

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

باطنیہ وہ فرقہ ہے کہ جو قرآن کے ظاہر (ی معنی) کو بھیجنے کو قبول نہیں کرتا۔ جزا ایں نیست کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ''قرآن کا (ایک) ظاہر ہے اور (ایک) باطن ہے۔'' اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن کی مراد اس کا باطن ہے نا کہ اس کا ظاہر اور وہ لوگ اس ارشاد خداوندی سے استدلال کرتے ہیں۔

﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ (الحدید: ۱۳)

''پھر کھڑی کردی جائے ان کے بیچ میں ایک دیوار جس میں ہوگا دروازہ اس کے اندر رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب۔'' (تفسیر عثمانی)

باطنیہ کے بہت سے فرقے ہیں ہم ان میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) اسماعیلیہ:

یہ اس اسماعیل (نامی کے شخص) کی طرف منسوب ہے جو (امام) جعفر صادق کی بڑی اولاد (میں سے) ہے۔ اور وہ ان کی امامت کا اعتقاد کرتے تھے۔

(۲) قرامطہ

یہ واسط کے ایک گاؤں ترمد کی طرف منسوب (ایک فرقہ کا نام) ہے ایک شخص ان کا سردار بن گیا اس کا نام حمدان تھا۔

(۳) سبعیہ

ان کی ''سبعہ'' کی طرف نسبت ہے (یعنی سات کے عدد کی طرف) کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ ان کے ہر سات میں ایک امام ہوگا جس کی اقتداء ہوگی۔

---

❶ ان سب مثالوں کے لئے دیکھئے اتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۲، مؤلف نے ان میں معمولی تصرف سے ان کو بیان کیا ہے۔

(۳) حرمیہ

یہ ''حرمت'' کی طرف منسوب ہیں کیونکہ یہ لوگ حرام کردہ اشیاء اور فواحش کو حلال (اور مباح) جانتے تھے۔ ❶

توضیح

علامہ ذہبی مرحوم نے اپنی تاریخ میں امامیہ اسماعیلیہ (باطنیہ) فرقے کے افکار و عقائد، اس فرقہ کے بانی کے احوال و تعارف، اس فرقہ کی مختصر تاریخ، باطنیہ کی وجہ تسمیہ، ان کے اساسی اصول، ان کے مختلف فرقوں کے نام اور احوال مثلاً کیسانیہ وغیرہ کا تعارف، ان کے مشہور لیڈر حسن بن صباح اور ان کے اتباع کا مختصر تذکرہ، باطنیہ کے مراتب دعوت مثلاً (۱) ذوق (۲) تأنیس (۳) تشکیک (۴) ربط (۵) تدلیس (۶) تأسیس (۷) خلع (۸) سلخ وغیرہ کا تعارف۔ باطنیہ کی تفسیری مساعی، تفسیر قرآن سے متعلق متقدمین باطنیہ کی تاویلات اور تفسیر قرآن کے متعلق متاخرین باطنیہ کا زاویہ نگاہ بڑی تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ طالبان علوم قرآن اصل کتاب سے اس کا مطالعہ فرمائیں۔ (دیکھئے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۳۵۵-۳۶۸)

ترجمہ: باطنیہ کے تفسیری نمونے

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

(باطنیہ نے) اس ارشاد خداوندی

﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ (الانشقاق: ۱۹)

''تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی۔'' (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ انبیاء کے بعد اماموں کی غداری کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم انبیاء کے بعد آئمہ کے بارے میں غداری کرنے میں اپنے سے پہلوں کے راستوں پر ضرور چلو گے۔

(۲) (اور وہ) اس ارشاد خداوندی

﴿قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ﴾ (یونس: ۱۵)

''کہنے لگے وہ لوگ جن کو امید نہیں ہماری ملاقات کی۔ لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال۔'' (تفسیر عثمانی)

کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ ''او بدلہ'' سے مراد ''او بدل علیا'' ہے (یعنی یا علی کو بدل دے) اور یہ بات معلوم ہے کہ گزشتہ میں حضرت علیؓ کا (نام اور) ذکر نہیں گزرا لہذا نحوی ترکیب کے اعتبار سے ضمیر کا مرجع لفظ ''علی'' کو ٹھہرانا باطل

---

❶ اس کے لئے دیکھئے کتاب ''الفرق بین الفرق'' للبغدادی۔

ہے۔ (کیونکہ یہ امور رضی اللہ کی قبیل میں سے ہے کہ جو ممنوع ہے۔)

(۳) (اور وہ) اس ارشاد خداوندی

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا﴾ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً﴾ (نساء: ۱۳۷)

"جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے۔ پھر بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ دکھلاوے ان کو راہ۔" (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ "یہ آیت (نعوذ باللہ) (حضرت) ابوبکر، عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں نازل ہوئی کہ پہلے وہ نبی پر ایمان لائے پھر اس وقت کافر ہو گئے کہ جب ان پر ولایت علیؓ پیش کی گئی۔ پھر حضرت علیؓ کی بیعت پر ایمان لائے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات) کے بعد (ان کی بیعت کا انکار کر کے) کافر ہو گئے۔

پھر پوری امت سے بیعت لینے کی وجہ سے اپنے کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ ❶

(۴) (اور وہ) اس ارشاد خداوندی

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً﴾ (بقرۃ: ۶۷)

"اللہ فرماتا ہے تم کو ذبح کرو ایک گائے۔" (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ "البقرۃ" سے مراد (نعوذ باللہ) حضرت (سیدہ) عائشہؓ ہیں اور "اضربوه ببعضها" سے مراد طلحہ اور زبیرؓ ہیں۔

(۵) (اور وہ) اس ارشاد خداوندی

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ﴾ (مائدہ: ۹۰)

"یہ جو ہے شراب اور جوا" (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ "ان دونوں سے مراد (نعوذ باللہ) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں۔ خدا ان کا ستیاناس کرے یہ کہاں الٹے پھرے ہوئے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ فرقہ باطنیہ کا مذہب ایک (بدترین) وبا اور (نہایت سخت مشکل ہوئی) گمراہی ہے جو ان کی طرف مجوسیوں سے منتقل ہو کر آیا ہے۔ اور یہ لوگ "جنابت" کی تاویل "افشاء راز" سے کرتے ہیں اور "غسل" کی تاویل "تجدید عہد" سے اور "تیمم" کی تاویل (تقدم) ماذون سے لینے سے اور "صوم" کی تاویل "راز فاش کرنے سے رکنے" سے کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری خرافتیں اور نجاستیں ہیں کہ جو ان کے ہاں ہیں۔ اور (باطنیوں ملحدوں کی) یہ تاویلات فاسدہ اسلام اور مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبتوں میں سے سخت اور سب سے زیادہ مجروح کرنے والی ہیں۔ کیونکہ یہ (اسلام اور) شریعت کی بنیادوں کی

❶ اس کے لئے دیکھئے "الوجیز فی [illegible]" صفحہ ۱۵۔

ایسی ایمان کو توڑنے تک پہنچانے والی (تاویلات) ہیں (اور اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے والی ہیں) ❶ اور ان جانوروں کے ہاتھوں میں قرآن کو کھلونا بنانے والی ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ (آج) ان کی کتابیں (لوگوں کے سامنے) موجود نہیں ہیں۔ اور یہ لوگ ان باتوں کو اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں۔ اور ہر وقت ان (فاسد تاویلات) کا تحفظ کرتے رہتے ہیں۔ (اور ان کا زہر اگلتے رہتے ہیں) اور انشاء اللہ یہ لوگ زوال اور فناء کی طرف جا رہے ہیں۔

"اور اللہ اپنی بات کو غالب کر کے رہے گا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔"

نماذج عن تفسير الشيعة:

الشيعة هم فرق عديدة، أسرفوا في حب الإمام علي كرم الله وجهه، فمنهم من أغرق في نفس التشيع حتى كفر، وعلى رأس هؤلاء ابن سبأ اليهودي الخبيث، الذي ما اعتنق الإسلام إلا بقصد الكيد له والدس فيه، ومنهم من يعتقد بأن الأمين جبريل قد أتاه وأخطأ في التنزيل، وأنه كان سينزل بالرسالة على علي فأخطأ ونزل على محمد، وهؤلاء كانوا دائما في حرب وخصومة مع المسلمين، حتى ورد أن عليا نفسه شن الغارة عليهم وحاربهم وطاردهم على كفرهم وضلالهم.

ومنهم أناس معتدلون، لم يسقطوا في هاوية الكفر، وإنما خالفوا أهل السنة والجماعة، واعتقدوا بأفضلية علي على جميع الصحابة، وأنه أفضل من أبي بكر وعمر وعثمان، وبأحقيته بالخلافة، لأنه من آل البيت، واعتقدوا بأن الخلفاء الثلاثة قد سلبوا عليا حقه في توليهم الخلافة، ومنهم من يفضل عليا فقط، ومنهم لا يكتفي بذلك، بل يشتم الشيخين: أبا بكر وعمر، ويعتقد فيهم الضلال، والعياذ بالله، مع أن الله تعالى أثنى عليهما في آيات عديدة وجعلهم من خاصة أصحاب نبيه الكريم عليه أفضل الصلاة والسلام، وسنعرض إلى نماذج من تأويلات ((الإثني عشرية)) والشيعة ((الإسماعيلية)) في كتاب الله الكريم:

من تفسيرات الشيعة ((الإثني عشرية))

(١) ﴿أَنْ يَنْقُضُوا ثَقْنَهُمْ﴾ فسروه بلقاء الإمام علي رضي الله عنه.

(٢) ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ الراجفة: الحسين والرادفة أبوه علي كرم الله وجهه.

(٣) ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ يعني بالذين آمنوا: الأئمة الإثني عشرية.

❶ اللہ تعالیٰ ان کمینوں کو ان کے انجام میں ناکام و نامراد اور برباد فرمائے (آمین)(نسیم)

(٤) ﴿لَا تَتَّخِذُوٓا إِلَٰهَيۡنِ ٱثۡنَيۡنِ﴾ ای لا تتخذوا امامین انما هو امام واحد.

(٥) ﴿وَأَشۡرَقَتِ ٱلۡأَرۡضُ بِنُورِ رَبِّهَا﴾ ای اشرقت بنور الامام رضی الله عنه.

(٦) ﴿مَّثَلُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِرَبِّهِمۡۖ أَعۡمَٰلُهُمۡ كَرَمَادٍ ٱشۡتَدَّتۡ بِهِ ٱلرِّيحُ﴾ الآیة فسروها: بان من لم یقر بولایة علی علیه السلام بطل عمله واصبح کالرماد الذی تحمله الریح فتذروه!

(٧) ﴿يَٰلَيۡتَنِي كُنتُ تُرَٰبَۢا﴾ ای من شیعة – ابی تراب – وهی کنیة علی رضی الله عنه.

من تفسیرات السبئیة:

(١) السبئیة من الشیعة، وهم یزعمون ان علیا کرم الله وجهه فی السحاب، ویفسرون الرعد بانه صوت علی، والبرق لمعان سوطه او تبسمه، واذا سمع احدهم صوت الرعد یقول: علیک السلام یا امیر المؤمنین!

(٢) ومن مزاعمهم انهم یعتقدون بان محمدا ﷺ سیرجع الی الحیاة الدنیا، ویستدلون بقوله تعالی: ﴿إِنَّ ٱلَّذِي فَرَضَ عَلَيۡكَ ٱلۡقُرۡءَانَ لَرَآدُّكَ إِلَىٰ مَعَادٖ﴾ ای سیرجعک الی الدنیا.

(٣) وفی آیة الامانة ﴿إِنَّا عَرَضۡنَا ٱلۡأَمَانَةَ ... وَحَمَلَهَا ٱلۡإِنسَٰنُۖ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومٗا جَهُولٗا﴾ یزعمون ان الظلوم الجهول هو ابوبکر!

(٤) وفی قوله تعالی: ﴿كَمَثَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ إِذۡ قَالَ لِلۡإِنسَٰنِ ٱكۡفُرۡ ...﴾ یفسرون الشیطان بانه عمر.

ومن تفاسیر الشیعة کتاب یسمی (مرآة الانوار ومشکاة الاسرار) وهو مطبوع، مؤلفه یدعی المولی ((الکازرانی)) من النجف، وهذا التفسیر مشتمل علی تاویلات تشبه تاویلات الباطنیة، فالارض یفسرها بالدین وبالائمة علیهم السلام، وبالشیعة، وبالقلوب التی هی محل العلم وقراره وباخبار الامم الماضیة ... الخ.

فیقول فی قوله تعالی: ﴿أَلَمۡ تَكُنۡ أَرۡضُ ٱللَّهِ وَٰسِعَةٗ﴾ المراد دین الله وکتاب الله. ویقول فی قوله تعالی: ﴿أَفَلَمۡ يَسِيرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ﴾ المراد اولم ینظروا فی القرآن ... الخ.

فانت تری انه قد حمل اللفظ الذی لا یحمله احد علی معان غریبة من غیر دلیل، وما حمله علی ذلک الا مرکب الهوی، والتعصب الاعمی لمذهبه، وذلک لا شک ضلال لا یقل عن ضلال الباطنیة ولا البهائیة: ﴿وَمَن يُضۡلِلِ ٱللَّهُ فَمَا لَهُۥ مِنۡ هَادٖ﴾

لغات: خصومت: جھگڑا، ستیزہ کاری۔ شن الغارة: یورش کرنا، حملہ کرنا۔ حملہ آور ہونا۔ طارد: تعاقب کرنا، پیچھا کرنا۔ هاویہ: جہنم کی ایک وادی، گڑھا، کھڈا۔ رماد: راکھ۔ الرعد: بجلی کی کڑک۔ لمعان: چمک۔ البرق: آسمانی بجلی۔ مزاعم: مزعم کی جمع، ناقابل اعتبار بات۔ بلا دلیل خیال۔ ظلوم: ناانصاف۔

ترجمہ:

شیعہ کی تفسیر کے (چند) نمونے

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

شیعہ (کے بھی) کئی فرقے ہیں کہ جنہوں نے (حضرت) الامام علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں حد سے تجاوز کیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو تشیع (یعنی شیعیت) میں (اس قدر) غرق ہوئے حتیٰ کہ کافر ہو گئے۔ ان سب میں سرفہرست (وہ) خبیث (لعین) یہودی (الاصل) ابن سبا ہے (کہ جو شیعہ مذہب کی تمام کفریات و ضلالات کا بانی ہے کہ) جس نے فقط اسلام کے ساتھ مکر کرنے کے لئے ہی اسلام قبول کیا اور اس میں دسیسہ کاریوں کے لئے (اسلام کو گلے لگایا)

ان میں سے بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل امین آئے (تو) حضرت علیؓ کے پاس تھے (کہ انہیں نبوت سے سرفراز کریں) اور (مگر) ان سے نزول میں غلطی ہوگئی کہ وہ رسالت لے کر حضرت علیؓ کے پاس اترنے والے تھے پس ان سے خطا ہوئی اور (وہ رسالت لے کر معوذ اللہ) محمد (ﷺ) پر اتر آئے۔ یہ (تحت اور متعصب شیعہ) ہمیشہ سے مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار اور ستیزہ کار رہے ہیں۔ یہاں تک خود حضرت علیؓ نے ان پر یورش کی۔ اور ان کے ساتھ جنگیں لڑیں اور ان کے مکر و ضلالت (اور گمراہی) کا تعاقب کیا۔ ان میں بعض شیعہ (اپنے مسلک و مذہب میں) معتدل اور انصاف پسندگی) ہیں کہ وہ کفر کے زمرے میں نہیں گرے۔ اور جز ایں نیست کہ انہوں نے اہل السنت والجماعت کی (یعنی مسلک حق کی چند مسائل میں) مخالفت کی اور ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے تمام صحابہؓ سے افضل ہونے اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے افضل ہونے اور (نبیؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلے) خلافت کے زیادہ مستحق ہونے کا (بھونڈا) اعتقاد (و مذہب) رکھا کیونکہ (وہ اس بات کو دیکھا ہوتے ہیں کہ) وہ اہل بیت میں داخل تھے۔ اور انہوں نے یہ اعتقاد رکھا کہ خلفاء ثلاثہ نے حضرت علیؓ سے ان کے خلافت کے اہل ہونے کے حق کو چھین لیا۔ (یہ تو چند کا عقیدہ ٹھہرا) اور (ان میں سے) چند فقط حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل ہیں (اور ان سے خلافت کے چھین لئے جانے کے قائل نہیں) اور (البتہ) بعض (بدبخت نامراد اور خبیث قسم کے شیعہ فقط اتنی بات پر ہی اکتفا نہیں کرتے (کہ وہ سب سے افضل اور خلافت کے اولین مستحق تھے) بلکہ وہ (حضرات) شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کو (نعوذ باللہ ان کے حق میں خاک بدہان مقدس ہستیوں) کو گالیاں (بھی) دیتے ہیں (اور اپنی ابدی جہنم خریدتے ہیں) اور ان کے (معاذ اللہ) گمراہ ہونے کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے (اپنی ابدی کتاب قرآن مجید کی) متعدد آیات میں ان بزرگوں کی تعریف کی ہے اور ان کو اپنے نبی کریم ﷺ (کہ آپ پر افضل ترین صلوٰۃ و سلام ہو) کے خاص اصحاب میں شمار کیا ہے۔

اور (اب) ہم "اثنی عشریہ" اور شیعہ "سبعیہ" کی سب کی کتاب میں (کی گئی) تاویلات کو پیش کریں گے۔

شیعہ "اثنا عشریہ" کی (گمراہ کن) تفسیریں

(1) (اس ارشاد خداوندی)

﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ (الحج ۲۹)

"پھر چاہیے کہ ختم کر دیں اپنا میل کچیل۔" (تفسیر عثمانی)

کی تفسیر وہ امام علیؓ سے ملاقات کے ساتھ کرتے ہیں۔

(2) (اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد)

﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ (النازعات ۶–۷)

"جس دن کانپے کانپنے والی، اس کے پیچھے آئے دوسری۔" (تفسیر عثمانی)

(کی تفسیر میں وہ کہتے ہیں کہ) الراجفہ سے حسینؓ ہیں اور الرادفہ سے ان کے والد (گرامی) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

(3) (اور اس ارشاد خداوندی)

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ (المائدہ: ۵۵)

"تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور جو ایمان والے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

(میں وہ) "والذین امنوا" سے مراد بارہ امام لیتے ہیں۔

(یعنی تمہارا رفیق اللہ اور اس کا رسول اور بارہ امام ہیں۔ "نعوذ باللہ" (مترجم)

(4) (اور وہ اس فرمان الٰہی)

﴿لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ (النحل: ۵۱)

"مت پکڑو معبود دو۔" (تفسیر عثمانی)

(کی یہ تفسیر کرتے ہیں) کہ دو امام نہ پکڑو بے شک وہ (یعنی حضرت علیؓ) ایک (ہی) امام ہیں۔

(5) (اور وہ اس ارشاد باری تعالیٰ)

﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا﴾ (الزمر ۶۹)

"اور چمکے زمین اپنے رب کے نور سے۔" (تفسیر عثمانی)

(کی تفسیر یہ کرتے ہیں) یعنی (یہ زمین) امام (حضرت علیؓ) کے نور سے چمک اٹھی۔

(6) (اور وہ اس فرمان باری تعالیٰ)

﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ﴾ (ابراہیم: ۱۸)

"حال ان لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے عمل ہیں جیسے وہ راکھ زور کی چلی اس پر ہوا۔" (تفسیر عثمانی)

وہ یہ تفسیر کرتے ہیں" کہ جو حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار نہیں کرتا اس کے عمل باطل ہو گئے۔ اور وہ اس راکھ کی طرح ہو گئے کہ جس کو ہوا اڑاتی ہے اور بکھیر دیتی ہے۔

(۷) (اور اس ارشاد خداوندی)

﴿یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا﴾ (النبا: ۴۰)

"کسی طرح میں مٹی ہوتا۔" (تفسیر عثمانی)

(کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں) یعنی" (کاش میں) ابو تراب (کہ) یہ حضرت علیؓ کی کنیت ہے کے شیعہ میں سے ہوتا۔

سبیہ کی تفسیر (کے چند نمونے)

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

سبیہ (بھی) شیعوں میں سے (ان کا ایک فرقہ) ہیں۔ ان کا یہ گمان ہے کہ حضرت علیؓ بادلوں میں ہیں اور وہ بجلی و کڑک کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یہ حضرت علیؓ کی آواز ہے اور (دوسری) بجلی یہ ان کے کوڑے کی چمک ہے یا ان کی مسکراہٹ ہے۔ اور جب ان میں سے کوئی بجلی کی کڑک کی آواز سنتا ہے تو کہتا ہے۔

"آپ پر سلام ہو اے امیر المؤمنین"

(۲) اور ان کے نام نہاد (غلط سلط) عقائد (و نظریات) میں سے ایک بات یہ (بھی) ہے کہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ محمد ﷺ اس دنیاوی زندگی کی طرف (دوبارہ) عنقریب لوٹ آئیں گے۔ اور وہ (اپنے اس باطل عقیدہ کی) اس ارشاد خداوندی سے دلیل پکڑتے ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ﴾ (القصص: ۸۵)

"جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھیرنے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ" (تفسیر عثمانی)

یعنی: اللہ عنقریب آپ (ﷺ) کو دنیا میں دوبارہ لائیں گے۔

(۳) اور (وہ لوگ) آیت امانت۔

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ ... وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ (الاحزاب: ۷۲)

"ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں۔ اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس اور نادان۔" (تفسیر عثمانی)

(میں) یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بے ترس اور نادان انسان ابوبکرؓ ہیں۔ (نعوذ باللہ)

(۴) (اور وہ) اس ارشاد باری تعالی

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ﴾ (الحشر: ١٦)

"جیسے قصہ شیطان کا جب کہے انسان کو تو منکر ہو۔" (تفسیر عثمانی)

(میں) وہ شیطان کی تفسیر یہ کرتے ہیں وہ (نعوذ باللہ حضرت) [1] عمر ہیں۔

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

شیعہ کی تفاسیر میں سے ایک کتاب ہے کہ جس کا نام "مرآۃ الانوار و مشکاۃ الاسرار" ہے اور یہ چھپ چکی ہے (اور عام دستیاب ہے) اس کے مؤلف کو مولیٰ "فاروقی" کہتے ہیں (یہ) نجف کا (رہنے والا) ہے یہ تفسیر ایسی تاویلات پر مشتمل ہے کہ جو باطنیوں کی تاویلات سے ملتی جلتی ہیں۔ چنانچہ وہ "ارض" کی تفسیر (کبھی تو) دین سے کرتا ہے اور (کبھی) آئمہ علیہم السلام سے اور (کبھی) شیعہ سے اور (کبھی) ان دلوں سے کہ جو علم اور علم کے ٹھہرنے کی جگہ ہیں۔ اور (کبھی) گزشتہ قوموں کے قصوں سے کرتا ہے۔ الخ

پس وہ اس ارشاد خداوندی

﴿أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً﴾ (النساء: ٩٧)

"کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ" (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں کہتا ہے کہ (ارض سے) مراد اللہ کا دین اور اللہ کی کتاب ہے۔

اور وہ اس ارشاد خداوندی

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ (غافر: ٨٢، محمد: ١٠)

"کیا پھرے نہیں وہ ملک میں" (تفسیر عثمانی)

کے بارے میں کہتا ہے کہ (اس سے) مراد یہ ہے کہ "کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے"۔ الخ

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

کہ تم دیکھ رہے ہو کہ اس شخص نے اس لفظ کو بغیر کسی دلیل کے عجیب و غریب معانی پر محمول کیا ہے کہ جس کے معنی سے کوئی شخص بھی جاہل (اور ناواقف نہیں)

اور ان معانی پر (اس قدر واضح لفظ کو) کوئی شخص محمول کر سکتا ہے کہ جو نفسانی خواہشات اور اندھے مذہبی تعصب کا (عجیب و غریب) مغلوب ہو۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایسی گمراہی ہے کہ جو وضاحت و بیان کی گمراہی سے (کسی طرح) کم نہیں۔

﴿وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾ (الزمر: ٢٣) [2]

---

[1] دیکھئے کتاب "الوشیعہ فی نقد عقائد الشیعہ" مصنفہ موسیٰ ... الطبعہ اولیٰ صفحہ ٢٢۔

[2] اس مضمون کو "مناہل العرفان" جلد ٢ صفحہ ... سے لیا گیا ہے (مؤلف کتاب)

من كنوز المعلومات

من اول ممرضة و طبيبة في الإسلام؟

رفيدة بنت سعد الأسلمية وكانت لها خيمة بالمسجد تداوي فيها الجرحى.

بحيرة لوط بماذا تعرف الآن؟

البحر الميت

ما معنى ((عين آنية))؟

عين حارة، قال تعالى ﴿تسقى من عين آنية﴾ (الغاشية: ٥)

من اين يبدأ المفصل في القرآن؟ وما هي طواله؟ واواسطه؟ وقصاره؟

يبدأ المفصل في القرآن من سورة ق إلى سورة الناس وطواله من ق إلى عم واواسطه من عم إلى الضحى وقصاره من الضحى إلى الناس.

هل يجوز أن نقول ﴿يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ (الفجر: ٢٧-٢٨)

عند التعبير عن وفاة شخص ما؟

هذا لا يجوز أن يطلق على شخص بعينه لأن هذه شهادة أنه من هذا الصنف والله أعلم.

معلومات کا خزانہ

سوال: اسلام کی پہلی نرس اور ڈاکٹر کون تھی؟

جواب: رفیدہ بنت سعد الاسلمیہؓ کہ ان کا مسجد (نبوی) کے (باہر) پاس (ہی) خیمہ تھا (کہ) جس میں وہ (بیٹھا کرتی تھیں اور) زخمیوں کا علاج معالجہ کیا کرتی تھیں۔

سوال: بحیرۂ لوط کو اب کیا کہتے ہیں؟

جواب: (آج کل اس کو) "بحرمیت" (کہتے ہیں)

سوال: قرآن میں مفصل کہاں سے شروع ہوتے ہیں؟ اور طوال مفصل اور اوساط مفصل اور قصار مفصل کونسی (سورتیں) ہیں؟

جواب: قرآن میں مفصل سورۃ ق سے شروع ہوکر سورۃ "الناس" تک ہیں۔ اور طوال مفصل (وہ) سورۃ ق سے سورۃ عم تک اور اوساط مفصل "عم" سے سورۃ الضحیٰ تک اور قصار مفصل (یہ) سورۃ الضحیٰ سے سورۃ "الناس" تک ہے۔

سوال: کیا کسی شخص کی وفات کی تعبیر کرتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں؟

﴿يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ (الفجر: ٢٧-٢٨)

"اے وہ نفس جس نے یقین پکڑ لیا ہے، لوٹ اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔" (تفسیر خازن)

جواب: یہ شخص معین پر بولا جاتا ہے نہ کہ جنس پر کیونکہ یہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ آدمی اس (بشارت پانے والے لوگوں کی) قسم میں سے ہے۔ واللہ اعلم

اشهر كتب التفسير

(بالرواية والدراية والإرشاد)

مع تعريف موجز عن أصحابها

اشهر كتب التفسير بالمأثور

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف	تاريخ الوفاة	الشهرة
۱	جامع البيان في تفسير القرآن	محمد بن جرير الطبري	۳۱۰ ھ	تفسير الطبري
۲	بحر العلوم	نصر بن محمد السمرقندي	۳۷۳ ھ	تفسير السمرقندي
۳	الكشف والبيان	أحمد بن إبراهيم الثعلبي النيسابوري	۴۲۷ ھ	تفسير الثعلبي
۴	معالم التنزيل	الحسين بن مسعود البغوي	۵۱۰ ھ	تفسير البغوي
۵	المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز	عبد الحق بن غالب الأندلسي	۵۴۶ ھ	تفسير ابن عطية
۶	تفسير القرآن العظيم	اسماعيل بن عمر الدمشقي	۷۷۴ ھ	تفسير ابن كثير
۷	الجواهر الحسان في تفسير القرآن	عبد الرحمن بن محمد الثعالبي	۸۷۶ ھ	تفسير الجواهر
۸	الدر المنثور في التفسير بالمأثور	جلال الدين السيوطي	۹۱۱ ھ	تفسير السيوطي

التعريف بكتب التفسير بالمأثور

(١) تفسير ابن جرير:

مؤلفه هو ابن جرير الطبري، وكنيته (أبو جعفر) ولد سنة ٢٢٤ هـ وتوفي سنة ٣١٠هـ، وكتابه من أجل التفاسير بالمأثور وأصحها وأجمعها لأقوال الصحابة والتابعين، ويعتبر المرجع الأول للمفسرين، قال النووي: ((كتاب ابن جرير في التفسير لم يصنف أحد مثله))

مزايا هذا التفسير:

(١) اعتماده على المأثور من أقوال النبي ﷺ والصحابة والتابعين.

(٢) عرضه للأسانيد وللأقوال المروية وترجيحه للروايات.

(٣) إحاطته بالناسخ والمنسوخ من الآيات ومعرفته لطرق الرواية صحيحها وسقيمها

(٤) ذكر لوجوه الأعراب، واستنباط الأحكام الشرعية من الآيات الكريمة.

وأخيرا فهو كتاب عظيم جليل، حافل بالروائع، إلا أنه أحيانا اخبارا بأسانيد غير صحيحة، ثم لا ينبه على عدم صحتها، كما أنه يسرق بعض أخبار هي من (الروايات الإسرائيلية) وتفسيره مطبوع منتشر في الأقطار وهو عمدة لأكثر المفسرين.

(٢) تفسير السمرقندي:

مؤلفه نصر بن محمد السمرقندي، وكنيته (أبو الليث) توفي سنة ٣٨٣ هـ وكتابه يسمى (بحر العلوم) وهو تفسير بالمأثور، يذكر فيه كثيرا من أقوال الصحابة والتابعين، غير أنه لا يذكر الأسانيد، وهو مخطوط في مجلدين، وتوجد نسخة منه في مكتبة الأزهر.

(٣) تفسير الثعلبي:

مؤلف هذا التفسير هو أحمد بن إبراهيم الثعلبي النيسابوري، المقرئ المفسر، كنيته (أبو إسحق) وقد توفي سنة ٤٢٧ هـ أما ولادته فليست معروفة على وجه الضبط، وكتابه يسمى (الكشف والبيان عن تفسير القرآن)

يفسر القرآن بما ورد عن السلف، مع اختصاره للأسانيد، اكتفاء بذكرها في مقدمة الكتاب، ويتوسع في الأبحاث النحوية والفقهية، وهو مولع بالقصص والأخبار، ولهذا فإننا نجد

في تفسيره قصصا إسرائيلية نهاية في الغرابة، بل منها ما هو باطل قطعا.

يقول ابن تيمية عنه: ((الثعلبي في نفسه فيه خير ودين، ولكنه حاطب ليل))

وتفسيره مخطوط غير كامل ينتهي إلى آخر سورة الفرقان وهو موجود بمكتبة الأزهر، و

باقي الكتاب مفقود.

(٤) تفسير البغوي:

مؤلف هذا التفسير هو الحسين بن مسعود الفراء البغوي، الفقيه، المفسر المحدث

الملقب بمحيي السنة، كنيته (أبو محمد) توفي سنة ٥١٠ بعد أن جاوز الثمانين من العمر، وكان

إماما جليلا، ورعا زاهدا، جامعا بين العلم والعمل، وقد عده السبكي من أعلام علماء الشافعية

وقال ابن تيمية في مقدمته في أصول التفسير: ((والبغوي في تفسيره مختصر من الثعلبي،

ولكنه صان تفسيره عن الأحاديث الموضوعة والآراء المبتدعة.

وقد طبع هذا التفسير مع تفسير ابن كثير كما طبع مع تفسير الخازن وتفسيره هذا فيه

بعض القصص الإسرائيلية، ولكنه في جملته أحسن وأسلم من كثير من كتب التفسير بالمأثور.

(٥) تفسير ابن عطية:

مؤلف هذا التفسير هو عبدالحق بن غالب بن عطية، الأندلسي، المغربي، الغرناطي، وكنيته

(أبو محمد) ولد سنة ٤٨١ هـ وتوفي سنة ٥٤٦ هـ

كان نحويا لغويا، أديبا شاعرا، على غاية من الذكاء والدهاء، وقد تولى القضاء بالأندلس في

العصور الذهبية للإسلام، وتفسيره يسمى (المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز) وقد

جمع فيه مؤلفه الأقوال التي ذكرها علماء (التفسير بالمأثور) وتحرى ما هو أقرب إلى الصحة

منها.

وابن تيمية في فتاواه يعقد مقارنة بين تفسير (ابن عطية) وتفسير (الزمخشري) فيقول:

((وتفسير ابن عطية خير من تفسير الزمخشري، وأصح نقلا وبحثا وأبعد عن البدع، وإن

اشتمل على بعضها، بل هو خير منه بكثير، بل لعله أرجح هذه التفاسير))

وهذا الكتاب على شهرته الواسعة ومزاياه الفريدة، لا يزال مخطوطاً إلى اليوم، وهو يقع في

عشر مجلدات "كبار" ولعل الله يوفق من يخرج لنا هذا الكنز الثمين، بطبعه ليعم به نفعه.

(۲) تفسیر ابن کثیر:

مولف هذا التفسیر هو الحافظ عماد الدین (اسماعیل بن عمرو بن کثیر) القرشی الدمشقی کنیته (ابو الفداء) ولد سنة ۷۰۰ هـ وتوفی سنة ۷۷۴ هـ

کان ابن کثیر رحمه الله جبلا شامخا وبحرا ذاخرا فی جمیع العلوم وخاصة فی التاریخ والحدیث والتفسیر، وکان إماما جلیلا متفننا فی اسلوب الکتابة والتالیف، قال الذهبی عنه: ((الإمام المفتی، المحدث البارع، فقیه متفنن، محدث متقن، مفسر نقال، وله تصانیف مفیدة))

وتفسیره هذا یسمی (تفسیر القرآن العظیم) وهو من أشهر ما دون فی التفسیر بالمأثور، و یعتبر الکتاب الثانی بعد کتاب الطبری، اعتنی فیه مولفه بالروایة عن مفسری السلف، فیروی الأحادیث والآثار مسندة إلی أصحابها وتکلم عن بعضها بالجرح والتعدیل، ورد ما کان منها منکرا او غیر صحیح وهکذا یعتبر تفسیره من أحسن ما کتب فی التفسیر بالمأثور. وطریقته فی التفسیر انه یذکر الآیة، ثم یفسرها بعبارة سهلة موجزة، ویاتی لها بشواهد من آیات أخری، ویقارن بین هذه الآیات حتی یتبین المعنی ویظهر المراد، وهو شدید العنایة بهذا النوع من التفسیر، الذی یسمونه (تفسیر القرآن بالقرآن)

وأنا انقل طرفا مما جاء فی مقدمة تفسیره، یقول طیب الله ثراه:

((فإن قال قائل فما أحسن طرق التفسیر؟ فالجواب: أن أصح الطریق فی ذلک أن یفسر القرآن بالقرآن، فما أجمل فی مکان فإنه قد بسط فی موضع آخر، فإن أعیاک ذلک فعلیک بالسنة فإنها شارحة للقرآن وموضحة له بل قد قال الإمام الشافعی رحمه الله تعالی: کل ما حکم به رسول الله ﷺ فهو مما فهمه من القرآن، قال الله تعالی: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ وقال ﷺ ((الا وإنی اوتیت القرآن ومثله معه)) ومما به ابن کثیر، انه ینبه الی مافی التفسیر بالمأثور من منکرات الاسرائیلیات ویحذر منها وعلی الجملة فعلم ابن کثیر یتجلی بالوضوح لمن یقرأ تفسیره وتاریخه وهما من خیر ما ألف ومن افضل ما کتب وتفسیره هذه من اصح التفاسیر بالمأثور ان لم یکن اصحها جمیعًا۔

(۷) تفسیر الجواهر:

مولف هذا التفسير هو الإمام الجليل عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف الثعالبي' الجزائري المغربي المتوفى سنة ٨٧٦ هـ وتفسير هذا من التفسير بالمأثور نقل فيه أقوال السلف الصالح' و ميز بين الصحيح والضعيف' و تفسيره هذا مطبوع.

(۸) تفسير السيوطي:

مولف هذا التفسير هو الإمام الحجة الثقة جلال الدين السيوطي' صاحب المؤلفات الشهيرة المولود سنة ٨٤٩ المتوفى سنة ٩١١ هـ وتفسيره هو المسمى (الدر المنثور في التفسير بالمأثور) قال في مقدمته: إنه لخصه من كتاب ترجمان القرآن' وهو التفسير المسند إلى رسول الله ﷺ وهو مطبوع بمصر' وقد ذكر في كتابه الإتقان: أنه شرع في تفسير جامع لما يحتاج إليه من التفاسير المنقولة والأقوال المعقولة' والاستنباط والإشارات والأعاريب واللغات' ونكت البلاغة ومحاسن البديع وسماه (مجمع البحرين ومطلع البدرين) وهو غير هذا التفسير المسمى بالدر' وقد أحصيت مؤلفاته فبلغت قريبا من خمس مائة. رحمه الله تعالى على ما قدم في سبيل خدمة العلم والدين.

ترجمہ: مشہور کتب تفسیر بالدرایہ، تفسیر بالروایہ اور تفسیر بالاشارہ اور ان کے مؤلفین کا مختصر تعارف

نمبر شمار	تفسیر کا نام	مؤلف کا نام	تاریخ وفات	تفسیر کا مشہور نام
۱	جامع البیان فی تفسیر القرآن	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ ہجری	تفسیر طبری
۲	بحر العلوم	نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۳ ہجری	تفسیر سمرقندی
۳	الکشف والبیان	احمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری	۴۲۷ ہجری	تفسیر ثعلبی
۴	معالم التنزیل	الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۰ ہجری	تفسیر البغوی
۵	المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	عبدالحق بن غالب الاندلسی	۵۴۶ ہجری	تفسیر ابن عطیہ
۶	تفسیر القرآن العظیم	اسماعیل بن عمر الدمشقی	۷۷۴ ہجری	تفسیر ابن کثیر
۷	الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن	عبدالرحمن بن محمد الثعالبی	۸۷۶ ہجری	تفسیر الجواہر
۸	الدر المنثور فی التفسیر بالماثور	جلال الدین سیوطی	۹۱۱ ہجری	تفسیر السیوطی

کتب تفسیر بالماثور کا تعارف

(۱) تفسیر ابن جریر

اس کے مولف ابن جریرؒ الطبری ہیں ان کی کنیت ابو جعفر ہے۔ آپ کی ولادت ۲۲۴ ہجری اور وفات ۳۱۰ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی کتاب تفاسیر بالماثور میں سب سے زیادہ بلند پایہ، صحیح ترین اور صحابہؓ وتابعین کے اقوال کو سب سے زیادہ جمع کرنے والی ہے آپ کی کتاب (تمام) مفسرین کا پہلا مرجع کہی جاتی ہے۔

(علامہ) شرف الدین نووی فرماتے ہیں:

"تفسیر (کے علم وفن) میں ابن جریرؒ کی کتاب جیسی کتاب کسی نے نہیں لکھی۔"

اس تفسیر کی خصوصیات

(۱) علامہ ابن جریرؒ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عظام کے منقول اقوال پر اعتماد کرنا۔

(۲) اسانید اور اقوال مرویہ کو پیش کرنا اور آپ کا روایات (میں باہم اسانید) کا (ایک دوسرے پر) ترجیح دینا۔

(۳) آپ کا آیات میں ناسخ ومنسوخ کا لحاظ کرنا (وہاں سب کو جمع کرنا) اور روایات کے طرق (اور اسناد) میں ان کے صحیح اور سقیم کو پہچاننا (یعنی صحیح روایت کو غیر صحیح سے پہچانا)

(۴) آپ کا (الفاظ قرآنی میں) موجود اعراب کو ذکر کرنا اور آیات کریمہ سے احکام شرعیہ کا استنباط کرے۔

آخری بات یہ ہے کہ یہ ایک عظیم اور بلند پایہ کتاب ہے جو کئی امتیازی خصوصیات کو جمع کئے ہوئے ہے مگر یہ کہ کبھی (اس کتاب میں) غیر صحیح اسانید کے ساتھ (روایت و) اخبار (آجاتے ہیں) اور علامہ ابن جریرؒ ان کی عدم صحت پر متنبہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ وہ بعض اخبار (وروایت) کو لاتے ہیں جو اسرائیلیات میں سے ہیں۔

آپ کی تفسیر (اطراف و) اکناف (عالم) میں پھیلی ہوئی چھپی ہوئی (ملتی) ہے اور یہ اکثر مفسرین کے لیے (نہایت) عمدہ (کتاب) ہے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم نے اپنی تاریخ میں علامہ ابن جریرؒ کا تفصیلی تعارف آپ کے علم وفضل وعدالت اور ان کی مشہور تصانیف کا تعارف کروایا ہے جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) تفسیر قرآن (۲) تاریخ الامم والملوک (۳) کتاب القراءات
(۴) کتاب العدد والتنزیل (۵) اختلاف العلماء وتاریخ الرجال (۶) احکام شرائع الاسلام
(۷) التبصیر فی اصول الدین وغیرہ

اس کے بعد جلیل القدر علماء کرام کے آپ کے بارے میں بلند پایہ اور اونچے درجے کے تعریفی کلمات کو آپ کی تفسیر کے مختصر تعارف کو آپ کے اسلوب تالیف تفسیر بالرائے کرنے والوں پر تنقید شدید آپ کی نگاہ میں اعراب کی اہمیت اسناد کے بارے میں آپ کا موقف قراءات کے متعلق آپ کا زاویہ نگاہ اور بے مقصد امور سے احتراز اسرائیلیات اور آپ کا معاملہ کلام عرب سے استشہاد جاہلی اشعار سے استدلال نحوی مسائل کے تذکرہ کو آپ کی تفسیر میں احکام فقہیہ کی وضاحت تفصیل علم الکلام میں آپ کی ماہرانہ حیثیت آپ کا علمی پیرایہ وغیرہ امور کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ ہم نے طوالت کے خوف سے ان کو نقل نہیں کیا۔ طالبان علوم قرآن اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۱۹۹-۲۰۶)

ترجمہ تفسیر سمرقندی

اس کے مولف نصر بن محمد السمرقندی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو اللیث ہے آپ کی وفات ۳۷۳ ہجری میں ہوئی۔ آپ کی کتاب کا نام "بحر العلوم" ہے یہ تفسیر بالماثور ہے۔ آپ اپنی تفسیر میں صحابہ کرام وتابعین عظام کے اقوال کو کثرت سے ذکر کرتے ہیں مگر یہ کہ آپ اسانید ذکر نہیں کرتے یہ دو جلدوں میں لکھی ہوئی ہے اس کا ایک نسخہ (یعنی قلمی ❶ نسخہ) کتب خانہ ازہر میں موجود ہے۔

توضیح

خاص حریری مرحوم اپنی تاریخ میں مولف موصوف کا تفصیلی تعارف آپ کی دیگر تصانیف کا تذکرہ جن میں سے چند یہ ہیں۔
(۱) بحر العلوم جو تفسیر سمرقندی کے نام سے معروف ہے۔ (۲) کتاب النوازل (۳) خزانۃ الفقہ (۴) تنبیہ الغافلین (۵) البستان وغیرہ۔

آپ کی تاریخ ولادت وفات اور آپ کی تفسیر کی مفصل تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ تفسیر تاہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی اور ایک مخطوطہ کی شکل میں تین ضخیم جلدوں کی شکل میں دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔"

آخر میں فرماتے ہیں۔

"مختصر یہ کہ تفسیر زیر تبصرہ ہر لحاظ سے مفید و نافع اور تفسیر بالروایہ والدرایہ کا نادر گنجینہ ہے مگر اس میں نقل کا پہلو عقل پر غالب ہے اسی بنا پر ہم نے اس کو تفسیر بالماثور پر مشتمل کتب میں شمار کیا ہے۔" (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۰۶-۲۰۸ ملخصاً)

ترجمہ تفسیر ثعلبی

اس تفسیر کے مولف احمد ثعلبی نیشاپوری ہیں۔ آپ قاری اور مفسر تھے۔ آپ کی کنیت ابو اسحٰق ہے آپ کی وفات ۴۲۷ھ

---

❶ یہاں مولف کی اس سے مراد قلمی نسخہ ہے (نسیم)

میں ہوئی البتہ آپ کی ولادت کی تاریخ کو صحیح طور پر محفوظ کرنا معروف نہیں ہے۔ آپ کی کتاب کا نام "الکشف والبیان عن تفسیر القرآن" ہے۔

آپ قرآن کی تفسیر اسلاف کے وارد شدہ (اقوال) سے مختصر اسانید کے ساتھ ان کا مقدمہ کتاب میں (ہی) ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے کرتے ہیں۔ اور نحوی و فقہی ابحاث کو خوب پھیلا کر ذکر کرتے ہیں۔ آپ قصوں اور اخبار کے دلدادہ تھے۔ اسی لیے ہم ان کی تفسیر میں نہایت عجیب و غریب اسرائیلی قصے (بھی) پاتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض قصے تو بالکل باطل ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ اس تفسیر کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "ثعلبی میں خود اس میں خیر اور دین ہے لیکن وہ حاطب اللیل ❶ ہیں۔" ❷

آپ کی تفسیر ایک مخطوطہ کی شکل میں نامکمل ہے جو سورۂ فرقان پر ختم ہو جاتی ہے یہ کتب خانہ ازہر میں موجود ہے اور کتاب کا باقی حصہ مفقود (گم شدہ اور لاپتہ) ہے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم نے اپنی تاریخ میں مولف کا تفصیلی تعارف کروایا ہے۔ اور ابن خلکانؒ نے ان کے بارے نہایت اعلیٰ کلمات ذکر کیے ہیں۔ اس کے بعد مولف موصوف کی تفسیر کا نہایت شرح و بسط کے ساتھ تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ (دیکھئے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۰۸-۲۱۴)

ترجمہ: تفسیر بغوی

اس تفسیر کے مولف حسین بن مسعود الفراء البغوی ہیں آپ فقیہ مفسر محدث اور محی السنہ کے لقب کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ آپ نے ۵۱۰ ہجری میں اسی سال سے زائد عمر کے ہو کر وفات پائی۔ آپ بہت بڑے امام متقی (و پرہیزگار اور عابد) و زاہد اور علم و عمل کے جامع تھے۔ علامہ سبکی نے آپ کو اکابر علماء شافعیہ میں شمار کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اصول تفسیر کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "علامہ بغوی اپنی تفسیر میں ثعلبی سے زیادہ اختصار کرتے ہیں لیکن انہوں نے اپنی تفسیر کو موضوع احادیث اور اہل بدعت کے اقوال (و آراء) سے الگ رکھا ہے۔" ❸

یہ تفسیر، تفسیر ابن کثیر کے ساتھ طبع ہو چکی ہے جیسے کہ یہ تفسیر خازن کے ساتھ طبع ہوئی تھی۔ اس میں بعض اسرائیلی قصے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر یہ (دیگر) بہت ساری کتب تفسیر بالماثور سے بہتر اور محفوظ ہے۔

---

❶ حاطب اللیل رات کو لکڑیاں چننے والا یعنی رطب و یابس ہر قسم کی روایات کو بلا تمییز کے ذکر و نقل کرنے والا مراد ہے۔ (مترجم)

❷ دیکھئے اصول التفسیر لابن تیمیہ صفحہ ۱۹۔

❸ دیکھئے مقدمہ اصول التفسیر لابن تیمیہ صفحہ ۱۹۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم نے مولف کا تفصیلی تعارف، آپ کا مبلغ علم اور آپ کی دیگر مشہور تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے چند یہ تھیں۔

(۱) معالم التنزیل (۲) شرح السنہ (۳) المصابیح (۴) الجمع بین الصحیحین (۵) التہذیب فی الفقہ۔

آگے فرماتے ہیں:

"آپ کے حسن اخلاق کی وجہ سے آپ کی تصانیف بہت مقبول ہوئیں۔"

اس کے بعد آپ کی تصنیف "معالم التنزیل" (تفسیر بغوی) کا تفصیلی تعارف کرواتے ہیں۔ اور اس کے بارے میں صاحب کشف الظنون (حاجی خلیفہ) اور علامہ ابن تیمیہ اور الکتانی کے اقوال نقل کر کے تفسیر کی امتیازی خصوصیات کو نہایت تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ (دیکھئے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۱۲-۲۱۶)

ترجمہ: تفسیر ابن عطیہ

اس تفسیر کے مولف عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی مغربی غرناطی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ آپ کی ولادت ۴۸۱ ہجری اور وفات ۵۴۶ ہجری میں ہوئی۔

آپ نحوی، لغوی، ادیب، شاعر اور نہایت ذہین اور عقل مند تھے۔ آپ اسلام کے عہد زرین میں اندلس کے عہدہ قضا پر فائز تھے۔ آپ کی تفسیر کا نام "المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز" ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں ان اقوال کو جمع کیا جن کو علماء تفسیر بالماثور نے ذکر کیا اور آپ نے ان میں اقوال کی جستجو کی جو صحت کے زیادہ قریب تھے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں تفسیر ابن عطیہ اور تفسیر زمخشری میں موازنہ قائم کیا ہے اور فرماتے ہیں:

"تفسیر ابن عطیہ تفسیر زمخشری سے بہتر ہے اور نقل اور بحث کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے اور اہل بدعت کے اقوال سے دور ہے۔ اگرچہ بعض بدعتی اقوال پر (بھی) مشتمل ہے لیکن یہ تفسیر زمخشری سے بہت درجہ بہتر ہے۔ بلکہ شاید یہ ان تفاسیر میں سب سے زیادہ راجح ہے۔"[1]

یہ تفسیر اپنی بے حد شہرت اور منفرد خصوصیات کے باوجود ابھی تک مخطوط (قلمی شکل) میں ہے (اور زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی) یہ تیس بڑی بڑی جلدوں میں ہے۔ شاید اللہ کسی کو توفیق دے اور وہ ہمارے لئے یہ قیمتی خزانہ نکال لائے اور اس کو طبع کروائے تاکہ اس کا نفع عام ہو۔

توضیح

اس تفسیر کے مولف جب اندلس میں قاضی تھے تو نہایت عدل و انصاف سے فیصلے فرمایا کرتے تھے۔ علامہ حریری نے آپ

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴۔

کے منبع علم اور اسلوب نگارش اور اس کے بارے میں ابن خلدون، مفسر ابو حیان اور علامہ ابن تیمیہ کے تفصیلی اقوال نقل کئے ہیں۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۱۹-۲۲۰)

ترجمہ تفسیر ابن کثیر

اس تفسیر کے مؤلف کا نام "حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمرو بن کثیر" القرشی دمشقی ہے آپ کی کنیت ابوالفداء ہے آپ کی ولادت ۷۰۰ ہجری میں اور وفات ۷۷۴ ہجری میں ہوئی۔

ابن کثیر تمام علوم میں اور خاص طور پر تاریخ حدیث اور تفسیر میں (علم کے) ایک عظیم پہاڑ اور ایک بہت بڑے بلند پایہ عالم تھے۔ آپ بہت بڑے ناظم اور کاتب (انشا پرداز) اور تالیف کے اسلوب کے بڑے ماہر تھے۔ علامہ ذہبی نے ان کے بارے میں فرمایا ہے

"آپ امام مفتی باکمال محدث، ماہر فقیہ، ضابط محدث اور مفسر تھے۔ آپ کی بہت سی مفید تصانیف ہیں۔"

آپ کی اس تفسیر کا نام "تفسیر القرآن العظیم" ہے اور یہ تفسیر بالماثور میں مدون ہونے والی تمام تفاسیر میں سب سے زیادہ مشہور تفسیر ہے اور اس کو کتاب الطبری کے بعد دوسرے درجہ پر گردانا جاتا ہے۔ اس کے مؤلف نے اس تفسیر میں سلف مفسرین کی روایت کی طرف توجہ دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے احادیث و آثار کو ان کے اصحاب تک سند کے ذکر کے ساتھ روایت کیا ہے اور بعض روایات پر جرح و تعدیل کا کلام بھی فرمایا ہے۔ اور جو ان میں منکر اور غیر صحیح تھیں ان کو رد کر دیا۔ اسی لئے ان کی تفسیر، تفسیر بالماثور میں لکھی جانے والی کتب میں سب سے بہتر جانی جاتی ہے۔ آپ کا تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک آیت ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کی آسان (اور) مختصر عبارت کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں اور پھر اس تفسیر کے دوسری آیات سے شواہد ذکر کرتے ہیں۔ اور ان آیات کے درمیان موازنہ کرتے ہیں یہاں تک کہ معنی واضح ہو جائے اور مراد ظاہر ہو جائے وہ اس طرح کی تفسیر کی طرف بہت توجہ دیتے ہیں جس کو مفسرین "تفسیر القرآن بالقرآن" کہتے ہیں۔ اور جس کو انہوں نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں بھی ذکر کیا ہے۔ میں ان کی چیدہ چیدہ باتوں کو نقل کرتا ہوں "اللہ ان کی قبر کو خوشبودار کرے۔" (آمین)

(آپ فرماتے ہیں) اگر کوئی پوچھنے والا پوچھے کہ تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ وہ قرآن کی قرآن سے تفسیر کرے۔ کیونکہ جو بات ایک جگہ مجمل ہے وہ دوسری جگہ تفصیل سے ہے اور اگر تجھ کو یہ بات دشوار ہو تو تجھ پر سنت لازم ہے کیونکہ سنت قرآن کی شارح اور اس کو واضح کرنے والی ہے۔ بلکہ تحقیق امام شافعی نے فرمایا ہے۔

"آپ نے جس بات کا بھی حکم بیان کیا ہے وہ آپ نے قرآن سے سمجھا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ (النساء: ۱۰۵)

"بے شک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھائے تجھ کو اللہ۔" (تفسیر

(۱) انوار الاحسان فی تفسیر القرآن

(۲) المذہب الابریزی فی غریب القرآن العزیز

(۳) تحفۃ الاخوان فی اعراب بعض آیات القرآن

(۴) جامع الامہات فی احکام العبادات

اس کے بعد آپ کی وفات سن وفات جائے تدفین کا ذکر کیا۔ پھر مولف موصوف کے اسلوب نگارش وطرز بیان کو نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۲۶-۲۲۸)

ترجمہ تفسیر السیوطیؒ

اس تفسیر کے مولف وہ امام المجتہد جلال الدین السیوطی ہیں۔

آپ کی بہت مشہور تصانیف ہیں۔ آپ کی ولادت ۸۴۹ ہجری میں اور وفات ۹۱۱ ہجری میں ہوئی آپ کی اس تفسیر کا نام "الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" ہے۔

آپ تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ "آپ نے اس تفسیر کو "کتاب ترجمان القرآن" سے تلخیص کیا ہے۔ (یعنی آپ کی یہ تفسیر ترجمان القرآن کا خلاصہ ہے)

اور اس تفسیر کی اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے (یعنی اس تفسیر میں اسناد کا اہتمام کیا گیا ہے) یہ تفسیر مصر میں چھپ چکی ہے اور علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "الاتقان" میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ایک تفسیر کو شروع کیا جو ان تمام باتوں کو جامع ہو جن کی تفاسیر منقولہ اور اقوال معقولہ اور استنباطات اور اشارات اور اعراب اور لغات اور نکات بلاغت اور محاسن بدیع میں ضرورت ہوتی ہے اور اس کا نام انہوں نے "مجمع البحرین ومطلع البدرین" رکھا۔ یہ اس تفسیر کے علاوہ ہے کہ جس کا نام "الدر المنثور" ہے۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) میں نے ان کی تالیفات کو شمار کیا تو وہ تقریبا (۵۰۰) تک پہنچ گئیں۔ اللہ تعالیٰ پر انہوں نے جو علم اور دین کی راہ میں جو خدمات پیش کی ہیں ان کی بنا پر ان پر رحم فرمائے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم نے مولف موصوف کا نام ونسب سیر وسوانح، تعلیم وتعلم، ارشاد ومشائخ، علم حدیث اور اس کے متعلقات میں ان کی دستگاہ اور ان کے طرز تفسیر پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ (دیکھئے تاریخ مفسر ومفسرین صفحہ ۲۲۹-۲۳۱)

أشهر كتب التفسير بالدراية (بالرأی)

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف	تاريخ الوفاة	الشهرة
۱	مفاتيح الغيب	محمد بن عمر بن الحسين الرازی	۶۰۶ھ	تفسير الرازی
۲	أنوار التنزيل و أسرار التأويل	عبدالله بن عمر البيضاوی	۶۸۵ ھ	تفسير البيضاوی
۳	لباب التأويل فی معانی التنزيل	عبدالله بن محمد المعروف بالخازن	۷۴۱ھ	تفسير الخازن
۴	مدارك التنزيل وحقائق التأويل	عبدالله بن أحمد النسفی	۷۰۱ ھ	تفسير النسفی
۵	غرائب القرآن ورغائب الفرقان	نظام الدين الحسن محمد النيسابوری	۷۲۸ ھ	تفسير النيسابوری
۶	ارشاد العقل السليم	محمد بن محمد بن مصطفى الطحاوی	۹۵۲ھ	تفسير أبی السعود
۷	البحر المحيط	محمد بن يوسف بن حيان الأندلسی	۷۴۵ ھ	تفسير أبی حيان
۸	روح المعانی	شهاب الدين محمد الألوسی البغدادی	۱۲۷۰ھ	تفسير الألوسی
۹	السراج المنير	محمد الشربينی الخطيب	۹۷۷ ھ	تفسير الخطيب
۱۰	تفسير الجلالين	۱- جلال الدين المحلی ۲- جلال الدين السيوطی	۸۶۴ ھ ۹۱۱ ھ	تفسير الجلالين

التعريف بكتب التفسير بالرأی

(۱) تفسير الفخر الرازی:

مؤلف هذا التفسير هو العلامة الشيخ محمد بن عمر الرازی المتوفی سنة ۶۰۶ ھ وتفسيره يسمی (مفاتيح الغيب) وقد سلك فی تفسيره مسلك الحكماء الإلهيين فصاغ أدلته فی

مباحث الإلهيات' ورد على المعتزلة والفرق الضالة بالحجج الدامغة' والبراهين القاطعة' و تعرض لشبهات المتكبرين والجاحدين بالنقض والتفنيد' و تفسيره من أوسع التفاسير في موضوع علم الكلام' كما أنه في العلوم الطبعية والكونية إمام جليل' فقد تكلم عن الأفلاك والأبراج وعن السماء والأرض' والحيوان والنبات' وفي أجزاء الإنسان' بشكل واسع وغرضه نصرة الحق وإقامة البراهين على وجود الله عز وعلا والرد على أهل الزيغ والضلال.

(٢) تفسير البيضاوي:

مولف هذا التفسير هو العالم الجليل الشيخ عبد الله البيضاوي المتوفى سنة ٦٨٥ هـ وتفسيره يسمى (أنوار التنزيل) وهو كتاب جليل دقيق' جامع بين الرواية والدراية وهو يقرر الأدلة على مذهب أهل السنة' وهو حجة ثبت' وقد التزم أن يختم كل سورة بما روى في فضلها من الأحاديث' غير أنه لم يتحر الصحيح' وله حواش عديدة أشهرها حاشية الشهاب الخفاجي وحاشية سعدي آفندي.

(٣) تفسير الخازن:

مولف هذا التفسير الإمام عبدالله بن محمد المشهور بالخازن المتوفى سنة ٧٤١ هـ وتفسيره يسمى (لباب التأويل في معاني التنزيل) وهو تفسير مشهور يعني بالمأثور' بيد أنه لا يذكر السند' وعبارته سهلة لا تعقيد فيها' ولا غموض وله ولوع بالتوسع في الروايات والقصص' وقد يذكر في تفسيره بعض الروايات الإسرائيلية ليسه على ما فيها من باطل' فيسرق القصة الطويلة ثم يحكم عليها بالضعف او الكذب' ولكنه في بعض الأحيان يسكت عنها حتى يظن القارئ أن هذه الرواية صحيحة' وبالجملة فتفسيره حسن رائع لولا كثرة ما فيه من قصص وروايات لا يحسن ذكرها لكونها ضعيفة أو مكذوبة.

(٤) تفسير النسفي:

مولف هذا التفسير هو الشيخ العالم الزاهد عبدالله بن أحمد النسفي المتوفى سنة ٧٠١ هـ وتفسيره يسمى (مدارك التنزيل وحقائق التأويل) وهو تفسير جليل' متداول' مشهور' سهل و دقيق' يعتبر بالنسبة لبقية التفاسير بالرأي أوجز تفسير وأوسطه' قال فيه صاحب كشف الظنون: ((هو كتاب وسط في التأويلات جامع لوجوه الإعراب والقراءات' متضمن لدقائق علم البديع والإشارات' موشح لأقاويل أهل السنة والجماعة' خالٍ من أباطيل أهل البدع والضلالة' ليس

بالطويل الممل ولا بالقصير المخل. اهـ

(٥) تفسير النيسابوري:

مؤلف هذا التفسير هو الشيخ نظام الدين الحسن محمد النيسابوري المتوفى ٧٢٨هـ وتفسيره يسمى (غرائب القرآن ورغائب الفرقان) ويمتاز هذا التفسير بسهولة عبارته وتحقيق ألفاظه مع خلوه من الحشو والتعقيد وقد عني بأمرين بتوجيهما الكلام على القراءات والكلام على التفسير الإشاري وهو مطبوع طبعة كبيرة على هامش تفسير ابن جرير وهو مختصر لتفسير الفخر الرازي مع تهذيب كبير

(٦) تفسير أبي السعود:

مؤلف هذا التفسير العالم العمري الحجة الضليع القاضي محمد بن محمد بن مصطفى الطحاوي المشهور بأبي السعود المتوفى سنة ٩٥١هـ وتفسيره هذا يعتبر من أحسن التفاسير وأجمعها لأنه غاية في حسن الصوغ وجمال التعبير كشف فيه عن أسرار البلاغة القرآنية وتحكم الرواية باستيعاب حسن تعبيره وبروعة سلامة تفكيره ويروعك ما أخذ نفسه به من ناحية محاكاة القرآن والدقة في بلاغة عبارته مع سلامة في الذوق ومحافظة على عقائد أهل السنة وبعده عن الحشو والتطويل وتفسيره دقيق يحتاج لفهمه الخاصة من أهل العلم

(٧) تفسير أبي حيان:

مؤلف هذا التفسير هو الشيخ محمد بن يوسف بن حيان الأندلسي المتوفى سنة ٧٤٥هـ وتفسيره يسمى (البحر المحيط) وهو في ثماني مجلدات ضخمة وقد جمع المؤلف فيه فنون المعاني من نحو وصرف وبلاغة وأحكام فقهية إلى غير ما هنالك ويعتبر هذا التفسير مرجعا هاما من مراجع التفسير وعبارته سهلة ليس فيها تعقيد أو غموض وسماه البحر المحيط لكثرة ما فيه من علوم متنوعة تتعلق بمادة التفسير.

(٨) تفسير الآلوسي:

مؤلف هذا التفسير هو الإمام العالم المجتهد شهاب الدين السيد محمود الآلوسي المتوفى سنة ١٢٧٠هـ مفتي بغداد خاتمة الأدباء وقدوة العلماء ومرجع أهل الفضل والعرفان كان رحمه الله تعالى على جانب عظيم من الفهم والعلم وسعة الاطلاع وكتابه المسمى (روح المعاني) جامع

لآراء السلف رواية ودراية، مشتمل على أقوال أهل العلم، جامع لخلاصة ما سبقه من التفاسير، وهو شديد النقد للروايات الإسرائيلية، يعتني بالتفسير الإشاري وبوجوه البلاغة والبيان، ويعتبر تفسيره من خير المراجع في علم التفسير بالرواية والدراية والإشارة.

تفسیر بالدرایہ (یعنی تفسیر بالرائے) کی مشہور کتابیں

نمبر شمار	کتاب کا نام	مؤلف کا نام	تاریخ وفات	کتاب کا مشہور نام
	مفاتیح الغیب	محمد بن عمر بن الحسین الرازی	۶۰۵ھ	تفسیر الرازی
۲	انوار التنزیل واسرار التاویل	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۸۵ھ	تفسیر البیضاوی
۳	لباب التاویل فی معانی التنزیل	عبداللہ بن محمد المعروف بالخازن	۷۴۱ھ	تفسیر الخازن
۴	مدارک التنزیل وحقائق التاویل	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۰۱ھ	تفسیر النسفی
۵	غرائب القرآن ورغائب الفرقان	نظام الدین بن الحسن محمد النیشاپوری	۷۲۸ھ	تفسیر النیشاپوری
۶	ارشاد العقل السلیم	محمد بن محمد بن مصطفی العمادی	۹۵۲ھ	تفسیر ابی السعود
۷	البحر المحیط	محمد بن یوسف بن حیان الاندلسی	۷۴۵ھ	تفسیر ابی حیان
۸	روح المعانی	شہاب الدین محمد الآلوسی البغدادی	۱۲۷۰ھ	تفسیر الآلوسی
۹	السراج المنیر	محمد الشربینی الخطیب	۹۷۷ھ	تفسیر الخطیب
۱۰	تفسیر الجلالین	۱- جلال الدین المحلی ۲- جلال الدین السیوطی	۸۶۴ھ ۹۱۱ھ	تفسیر جلالین

لغات: نقض: اعتراض، دوسرے کا قول باطل کرنا۔ تنقید: غلطی کا اظہار، دوسرے پر حجت قائم کرنا۔ جاحد: واضح چیز کا انکار کرنے والا، جان بوجھ کر جھٹلانے والا۔ حکماء الٰہیین: خدا پرست۔ علوم طبیعیہ: فزیکل سائنس۔ علوم کونیہ: کائناتی علوم یعنی نیچرل سائنس۔

(۷) شرح اشارات (یہ بوعلی سینا کی تصنیف کی شرح ہے)

(۸) شرح عیون الحکمۃ

(۹) السر المکتوم

(۱۰) شرح المفصل

(۱۱) شرح الوجیز فی الفقہ للغزالی (یہ امام غزالیؒ کی کتاب کی شرح ہے)

اس کے علاوہ دیگر کتب بھی ہیں۔

آگے لکھتے ہیں "امام رازی کی تفسیر آٹھ مجلدات میں تھی۔ حال ہی میں یہ کتاب نہایت حسین طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر مصر کے مکتبہ بہیہ سے بتیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ابن قاضی شہبہ کہتے ہیں کہ امام رازی اس تفسیر کو مکمل نہ کر سکے۔ ابن خلکان نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ (وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۲۶)

رہا یہ سوال کہ پھر اس کو کس نے مکمل کیا اور آپ نے یہ تفسیر کہاں تک لکھی تھی۔ تو اس بارے میں علامہ ابن حجرؒ یہ فرماتے ہیں:

"تفسیر کبیر کو احمد بن محمد بن ابو الحزم مکی نجم الدین مخزومی مصری نے مکمل کیا۔" (الدرر الکامنہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۰)

حاجی خلیفہ کے بقول:

"شیخ نجم الدین احمد بن محمد نے تفسیر کبیر کا تکملہ لکھا جو حصہ ناقص تھا اس کی تکمیل شہاب الدین بن خلیل دمشقی نے کی۔"

(کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۲۹۹)

اسی طرح یہ بھی متنازعہ امر ہے کہ امام صاحب نے یہ تفسیر کہاں تک لکھی۔ کشف الظنون کے حاشیہ پر یہ بات مرقوم ہے کہ سید مرتضیٰ نے شہاب خفاجی کی شرح شفاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے یہ تفسیر سورۃ انبیاء تک لکھی تھی۔ (کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۲۹۹)

اس کے بعد شہاب الدین دمشقی نے اس کا تکملہ لکھنا شروع کیا مگر وہ پورا نہ لکھ سکے۔ پھر شیخ نجم الدین نے باقی ماندہ حصہ کو پورا کیا۔

آگے چل کے علامہ مرحوم لکھتے ہیں: "حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کتاب کا قاری ہرگز یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہ ایک شخص کی تصنیف ہے یا متعدد اشخاص کی۔ پوری کتاب میں اسلوب نگارش سر مو بدلنے نہیں پایا۔ پوری کتاب اتحاد و یکسانیت کا نادر نمونہ ہے کہ کوئی شخص یہ نشاندہی نہیں کر سکتا کہ امام رازیؒ نے یہاں تک لکھا ہے۔

اس کتاب کو علماء کے حلقہ میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ اس کے قیمتی علمی مباحث ہیں۔ جو مختلف و انواع علوم و فنون سے متعلق ہیں۔

ابن خلکانؒ فرماتے ہیں:

"امام رازی نے اس تفسیر میں ہر انوکھی بات جمع کر دی ہے۔" (وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۶)

اس کے بعد علامہ مرحوم نے اس تفسیر میں شامل کئے گئے علوم مثلاً ریاضی، طبیعات، ہیئت، فلسفہ، علم الافلاک، علم نجوم، علم نباتات، علم مناظرہ، ہیئت اور فلسفہ کے دلائل کا تعارف کروایا ہے۔ اس کے بعد کتاب میں فقہ، اصول، نحو، بلاغت اور جملہ علوم کہ جو کتاب میں شامل ہیں ان کا تعارف کروایا ہے (دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۲۳-۲۲۸)

ترجمہ: (۲) تفسیر البیضاوی

اس تفسیر کے مؤلف امام الجلیل شیخ عبداللہ بیضاوی ہیں۔ آپ کی وفات ۶۸۵ھ میں ہوئی۔ آپ کی تفسیر کا نام انوار التنزیل (واسرار التاویل) ہے یہ ایک (نہایت بلند پایہ) جلیل (القدر اور) دقیق کتاب ہے جو روایت اور درایت (دونوں) کو جامع ہے آپ اہل حق کے دلائل کو مضبوط کرتے ہیں۔ آپ حجت اور ثبت (قابل اعتبار) ہیں۔ آپ نے ہر سورت کو اس کے بارے میں مروی فضائل کی احادیث پر ختم کرنے کا اہتمام (اور التزام) کیا مگر یہ بات ہے کہ آپ نے صحیح (احادیث) کی تلاش (و تحقیق) نہیں کی۔

(اور صحیح احادیث ہی کے لینے کا اہتمام نہیں کیا) تفسیر بیضاوی کے کئی حواشی ہیں۔ ان میں سب سے مشہور حاشیہ شہاب خفاجی اور سعدی آفندی کا ہے۔

توضیح

علامہ ذہبی نے انوار التنزیل کے مؤلف کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے۔

"آپ شافعی المسلک تھے۔ وہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدہ پر فائز [1] تھے۔ اس کے بعد آپ کے بارے میں ابن حبیب، تاج الدین سبکی، ابن حبیب و دیگر اکابر کے تعریفی و توصیفی کلمات نقل کرتے ہیں۔

ابن حبیب کہتے ہیں:

"سب علماء بیضاوی کی تصانیف کے شائق ہیں۔ اگر آپ نے 'المنہاج' کے سوا اور کوئی کتاب تصنیف نہ کی ہوتی تو یہی کافی تھی۔ آپ شیراز کے قاضی تھے۔"

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں

(۱) کتاب المنہاج وشرحہ فی اصول الفقہ

(۲) کتاب الطوالع فی اصول الدین

(۳) انوار التنزیل واسرار التاویل فی التفسیر

یہ تینوں کتابیں علماء میں مشہور اور متداول ہیں۔

---

[1] اس لئے آپ کا معروف نام قاضی بیضاوی ہے۔ (مترجم)

فرمائیں گے۔ لیکن کبھی کبھی وہ ان سے سکوت بھی فرماتے ہیں (یعنی ان قصوں کی بابت کچھ نہیں فرماتے کہ آیا ضعیف ہیں یا جھوٹے یا سچ) یہاں تک کہ پڑھنے والا انہیں صحیح سمجھتا ہے۔

بہرحال آپ کی تفسیر اچھی اور عمدہ ہے اگر اس میں قصص و روایات کی کثرت نہ ہوتی کہ جن کو ترک کر دینا بہتر تھا کیونکہ وہ ضعیف اور جھوٹے ہیں۔

توضیح

علامہ ذہبی ان کے نام کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے کہ خازن "لائبریرین" کو کہتے ہیں ان کا یہ نام اس لئے پڑا کہ آپ دمشق کی ایک خانقاہ کی لائبریری کے انچارج (یعنی خازن) تھے۔ مسلکاً شافعی تھے۔ پھر علامہ مرحوم ان کے اساتذہ و آپ کی طرف سے حدیث کو ذکر کر کے ان کی کتب کا تعارف کرواتے ہیں کہ آپ نے مندرجہ ذیل کتب لکھیں۔

(۱) لباب التاویل فی معانی التنزیل

(۲) شرح عمدۃ الاحکام

(۳) مقبول المنقول

یہ دس ضخیم مجلدات میں ہے۔ اس میں علامہ خازنؒ نے مسند احمدؒ، شافعیؒ، صحاح ستہ، موطا اور دارقطنیؒ کو جمع کر کے ان کو ابواب کے تحت مرتب کیا ہے۔

(۴) طویل و ضخیم سیرۃ النبیؐ۔

آپ صوفی منش، ہنس مکھ اور خوش مزاج عالم دین تھے۔ ●

اس کے بعد علامہ مرحوم ان کی تفسیر کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ امام بغوی کی معالم التنزیل سے مختصر اور اس میں حذف اسانید کے ساتھ بے جا طوالت سے احتراز ہے۔ اسرائیلیات کی کثرت ہے کہ جو علم صحیح اور عقل کی ترازو پہ پورے اترنے والی روایات نہیں۔ تاریخی روایات اور فقہی مسائل کا تذکرہ اور ایک خصوصی صفت وعظ گوئی، ترغیب و ترہیب اور رقت قلب سے متعلق مضامین کی کثرت ہے۔"

آخر میں علامہ لکھتے ہیں خلاصہ یہ کہ

"یہ تفسیر مختلف اور متنوع علوم و فنون کی جامع ہے مگر افسوس کہ اسرائیلیات کی کثرت نے اس تفسیر کو نقصان پہنچایا ہے اسی لئے یہ ایک با اعتماد تفسیر نہیں سمجھی جاتی ہے کیا اچھا ہو کہ کوئی خدا کا بندہ اس کے صحیح و ضعیف کو پہچانتے کر الگ الگ کر دے۔ یہ کتاب سات اجزاء پر مبنی ہے اور ہر جگہ دستیاب ہے۔"

● بعض خوش مزاجی کو ان کی عبادت و تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں۔ (مترجم)

کی دیگر تصانیف کی طرح لوگوں نے اس سے بھی بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔(تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۰۷-۵۰۸ ملخصاً)

ترجمہ: (۵) تفسیر نیشا پوری

اس تفسیر کے مؤلف الشیخ نظام الدین الحسن محمد نیشا پوری ہیں۔ آپ کی وفات ۷۲۸ ہجری میں ہوئی آپ کی تفسیر کا نام "غرائب القرآن ورغائب الفرقان" ہے۔ یہ تفسیر اپنی عبارت کے سہل ہونے اور الفاظ کی تحقیق کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زائد اور پیچ (قسم کی مباحث اور) باتوں سے خالی ہے۔ اور آپ نے دو باتوں کی طرف (خاص طور پر) توجہ دی (اور) ان کا التزام کیا۔ (۱) قراءات پر کلام (۲) اور تفسیر اشاری پر کلام یہ تفسیر تفسیر ابن جریر کے حاشیہ پر مشہور طباعت کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔ اور یہ بہت ساری تعلیقات کے ساتھ امام فخر الدین رازی کی تفسیر سے مختصر ہے۔

توضیح

علامہ حریری مرحوم فرماتے ہیں۔ آپ خراسانی نیشاپوری اور "نظام الاعرج" کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا وطن مالوف "قم" ہے۔ علم وفنون کے متون علوم عقلیہ وعربیہ کے جامع ادب وانشاء پر یدطولیٰ رکھنے والے تھے۔

علمی شہرت کے ساتھ زہد وعبادت میں بھی معروف ومشہور تھے۔ آپ نے منفرد اور گراں قدر تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا چند کتب کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) شافیہ ابن حاجب کی شرح (یہ شرح النظام کے نام سے مشہور ہے)

(۲) شرح تذکرہ خواجہ نظام الدین طوسی (یہ علم ہیئت میں ہے اور اس کا نام توضیح التذکرہ ہے)

(۳) رسائل فی علم الحساب

(۴) کتاب اوقاف القرآن۔ یہ سجاوندی کی کتاب کی طرز پر ہے۔

(۵) غرائب القرآن ورغائب الفرقان (علم تفسیر میں)

(۶) لب التاویل

آپ کا انداز تفسیر سب سے نرالا اور انوکھا ہے وہ ہر آیت قرآنی کے ذکر کے بعد اس کی قراءتیں اور ان کے آئمہ کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر مقامات وقف کی نشاندہی اور ان کی وجہ ذکر کرتے ہیں۔ پھر تفسیر شروع کر کے سب سے پہلے ربط آیات تفسیر کبیر کی پیروی کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ پھر بڑے دلکش انداز میں تفسیر کرتے ہیں۔ اس میں ابراز مقدرات اظہار مجاز تاویل متشابہات تصریح کنایات تحقیق استعارات پھر فقہی مذاہب کی تفصیل اور ان کے دلائل وبراہین سب کو بیان کرتے ہیں کسی کو نظر انداز نہیں کرتے۔

علم الکلام اور فلسفہ میں خصوصی دلچسپی دراصل تفسیر کبیر کی صدائے بازگشت ہے لیکن مؤلف فقط امام رازی کے خیالات ہی ذکر نہیں کرتے بلکہ ان پر نقد وجرح بھی کرتے ہیں۔

نے علوم کے فنون کو جمع کر دیا ہے۔ اس تفسیر کو مراجع تفاسیر میں سے اہم ترین مرجع اعتبار کیا جاتا ہے اس کی عبارت آسان ہے کہ جس میں کوئی پیچیدگی اور گہرائی نہیں ہے۔ مولف نے اس تفسیر کا نام بحر محیط رکھا کیونکہ اس تفسیر میں متنوع علوم کی کثرت ہے جو علم تفسیر سے متعلق ہیں۔

توضیح

علامہ جزری مرحوم مولف موصوف کا نام لکھتے ہوئے ولادت، جائے ولادت اور مشہور نام ذکر کرنے کے بعد آپ کی مختلف علوم میں مہارت، نیز اور دوسری نگاہ و دسترس کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے اساتذہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ کہ انہوں نے ۴۵۰ اساتذہ سے کسب فیض کیا۔

صفدی کا بیان ہے کہ انہوں نے ہمیشہ ابو حیان کو پڑھتے لکھتے دیکھا۔ آپ ایک نامور شاعر لغوی صرف و نحو میں یگانہ روزگار تھے کہ ان کے دور میں ان علوم میں انہی کو سند مانا جاتا تھا۔

آپ کی متعدد تصانیف ہیں

(۱) النہر الحیا

(۲) غریب القرآن

(۳) شرح التسہیل

(۴) نہایۃ الاعراب

(۵) خلاصۃ البیان

قراءت کے فن میں شاطبیہ کے طرز پر ایک منظوم کتاب بھی لکھی۔ پہلے ظاہری مسلک تھا پھر شافعی ہو گئے۔ ((الدرر الکامنہ جلد ۴ صفحہ ۳۰۰))

ان کی تفسیر آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر اہل علم میں متداول ہے۔ وجوہ اعراب قرآن میں آپ کی تفسیر اولیٰ ترین۔ قد ہے۔ اس تفسیر میں سے زیادہ علم نحو کی مباحث ہیں۔

لیکن درحقیقت نحوی مسائل کی بھرمار کی وجہ سے بجائے تفسیر کے علم نحو کی کوئی کتاب معلوم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں مفردات قرآن کے معانی، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ اور دیگر مسائل بھی زیر بحث ہیں۔ بلاغی پہلو بھی نظر انداز نہیں اور فقہی مسائل پر بھی روشنی ہے۔

ابوحیان خود اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں استاذ محترم جمال الدین ابو عبداللہ محمد بن سلیمان المقدسی المعروف بابن نقیب کی کتاب "التحریر والتحبیر لاقوال ائمۃ التفسیر" سے بہت استفادہ کیا ہے۔ یہ علم تفسیر میں ضخیم ترین کتاب ہے اس کی تقریباً ایک سو جلدیں ہیں۔ (تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۲۷۹-۲۸۱ ملخصاً)

ترجمہ: (۸) تفسیر آلوسی:

اس تفسیر کے مولف امام ماہر عالم شہاب الدین سید محمود آلوسی ہیں۔ آپ کی وفات ۱۲۷۰ ہجری میں ہوئی۔ آپ مفتی بغداد، قدوۃ العلماء (علماء کے لئے ایک نمونہ) اور اہل فضل و عرفان کے مرجع تھے۔ آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) فہم علم اور وسیع معلومات میں بڑی قدر و منزلت کے مالک تھے۔ آپ کی کتاب جس کا نام "روح المعانی" ہے درایت اور روایت کے اعتبار سے سلف کی آراء کو جامع اور اہل علم کے اقوال پر مشتمل اور گزشتہ تمام تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ آپ اسرائیلی روایات کا شدت سے نقد (اور تنقید) کیا کرتے تھے۔ آپ تفسیر اشاری اور بلاغت و بیان کی وجوہ کی طرف (خاص) توجہ دیتے تھے۔ آپ کی تفسیر روایتی، درایتی اور اشاری تفسیر کے علم میں سب سے بہتر مرجع سمجھی جاتی ہے۔

توضیح

علامہ تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

"اس تفسیر کا پورا نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی" ہے اور یہ بغداد کے مشہور عالم علامہ محمود آلوسی مفتی (متوفی ۱۲۷۰ ہجری) کی تصنیف ہے۔ اور تیس جلدوں پر مشتمل ہے یہ چونکہ بالکل آخری دور کی تصنیف ہے۔ اس لئے انہوں نے کوشش کی ہے کہ سابقہ تفاسیر کے اہم مباحث اس میں جمع کر دیں۔ چنانچہ اس میں لغت، ادب، نحو، بلاغت، فقہ، عقائد، کلام، فلسفہ، ہیئت، تصوف اور متعلقہ روایات پر بھی مبسوط بحثیں کی ہیں اور کوشش یہ فرمائی ہے کہ آیت سے متعلق کوئی علمی گوشہ تشنہ نہ رہے روایات حدیث کے معاملہ میں بھی علامہ آلوسیؒ دوسرے مفسرین کے مقابلہ میں محتاط رہے ہیں اس اعتبار سے اس تفسیر کو سابقہ تفاسیر کا خلاصہ کہنا چاہیے۔ اور اب تفسیر قرآن کے سلسلے میں کوئی بھی کام اس کی مدد سے بے نیاز ہو کر نہیں ہو سکتا۔" (علوم القرآن صفحہ ۵۰۵-۵۰۶)

اس کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۳۰۰-۳۰۲۔

اشہر تفاسیر آیات الاحکام

الرقم	اسم الکتاب (والمذہب)	اسم المولف	تاریخ الوفاۃ	الشہرۃ
۱	احکام القرآن (حنفی)	احمد بن علی الرازی الجصاص	۳۷۰ ھ	تفسیر الجصاص
۲	احکام القرآن (شافعی)	علی بن محمد الطبری الکیا الهراسی	۵۰۴ ھ	تفسیر الکیا الهراسی
۳	الاکلیل فی استنباط التنزیل	جلال الدین السیوطی	۹۱۱ ھ	تفسیر السیوطی

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف	تاريخ الوفاة	الشهرة
	(شافعي)			
۴	احكام القرآن (مالكي)	محمد بن عبد الله الاندلسي	۵۴۳ ھ	تفسير ابن العربي
۵	الجامع لاحكام القرآن (مالكي)	محمد بن احمد بن فرح القرطبي	۶۷۱ ھ	تفسير القرطبي
۶	كنز العرفان (شيعي)	مقداد بن عبد الله السيوري	التاسع ھ	تفسير السيوري
۷	الثمرات اليانعة (زيدي)	يوسف بن احمد الثلائي	۸۳۲ ھ	تفسير الزيدي

اشهر كتب التفسير الاشاري

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف		الشهرة
۱	تفسير القرآن الكريم	سهل بن عبدالله التستري		تفسير التستري
۲	حقائق التفسير	ابو عبدالرحمن السلمي		تفسير السلمي
۳	الكشف و البيان	احمد بن ابراهيم النيسابوري		تفسير النيسابوري
۴	تفسير ابن عربي	محي الدين بن عربي		تفسير ابن العربي
۵	روح المعاني	شهاب الدين محمد الآلوسي		تفسير الآلوسي

اشهر تفاسير المعتزلة والشيعة

الرقم	اسم الكتاب (والمذهب)	اسم المؤلف	تاريخ الوفاة	الشهرة
۱	تنزيه القرآن عن المطاعن (معتزلي)	عبدالجبار بن احمد الهمداني	۴۱۵ ھ	تفسير الهمداني
۲	أمالي الشريف المرتضى (معتزلي)	علي بن احمد الحسين	۴۳۶ ھ	تفسير المرتضى

٣	الكشاف (معتزلي)	محمود بن عمر الزمخشري	٥٣٨ هـ	تفسير الزمخشري
٤	مرآة الأنوار ومشكاة الأسرار (شيعي)	عبداللطيف الكازراني	غير معروف	تفسير المشكاة
٥	تفسير العسكري (شيعي)	الحسن بن علي الهادي	٢٦٠ هـ	تفسير العسكري
٦	مجمع البيان (شيعي)	الفضل بن الحسن الطبرسي	٥٣٨ هـ	تفسير الطبرسي
٧	الصافي في تفسير القرآن (شيعي)	محمد بن الشاه مرتضى الكاشي	١٠٩٠ هـ	تفسير الكاشي
٨	تفسير القرآن (شيعي)	عبدالله بن محمد العلوي	٢٦٢ هـ	تفسير العلوي
٩	بيان السعادة (شيعي)	سلطان محمد بن حيدر الخراساني	١٣١٥ هـ	تفسير الخراساني

أشهر كتب التفسير في العصر الحديث

الرقم	اسم الكتاب	اسم المؤلف	الشهرة
١	تفسير القرآن الكريم	محمد رشيد رضا	تفسير المنار
٢	تفسير المراغي	أحمد مصطفى المراغي	تفسير المراغي
٣	محاسن التأويل	جمال الدين القاسمي	تفسير القاسمي
٤	في ظلال القرآن	الشهيد سيد قطب	تفسير الظلال
٥	التفسير الواضح	محمد محمود الحجازي	تفسير الواضح
٦	تفسير الجواهر	طنطاوي جوهري	تفسير الجوهري
٧	تيسير التفسير	الشيخ عبدالجليل عيسى	تفسير عيسى
٨	المصحف المفسر	محمد فريد وجدي	تفسير وجدي
٩	الهداية والعرفان	أبو زيد الدمنهوري	تفسير الدمنهوري

۱۰	صفوة البیان	حسنین مخلوف	تفسیر مخلوف
۱۱	فتح البیان	صدیق حسن خان	تفسیر حسن خان

وهناك تفاسير أخرى غير هذه التفاسير السابقة لم نذكرها خشية التطويل والله الموفق والهادي إلى سواء السبيل.

ترجمہ: آیات الاحکام کی مشہور تفسیریں

نمبر شمار	کتاب اور مذہب کا نام	مؤلف کا نام	تاریخ وفات	کتاب کا مشہور نام
۱	احکام القرآن (حنفی) ❶	احمد بن علی الرازی الجصاص	۳۷۰ھ	تفسیر الجصاص
۲	احکام القرآن ❷ (شافعی)	علی بن محمد الطبری الکیا الہراسی	۵۰۴ھ	تفسیر الکیا الہراسی
۳	الاکلیل فی استنباط التنزیل ❸ (شافعی)	جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	تفسیر السیوطی
۴	احکام القرآن ❹ (مالکی)	محمد بن عبداللہ الاندلسی	۵۴۳ھ	تفسیر ابن العربی
۵	الجامع لاحکام القرآن ❺ (مالکی)	محمد بن احمد بن فرح القرطبی	۶۷۱ھ	تفسیر القرطبی
۶	کنز العرفان ❻ (شیعی)	مقداد بن عبداللہ السیوری	نویں صدی ہجری	تفسیر السیوری
۷	الثمرات الیانعة ❼ (زیدی)	یوسف بن احمد الثلائی	۸۳۲ھ	تفسیر الزیدی

ترجمہ:

نمبر شمار	کتاب کا نام	مؤلف کا نام	مشہور نام
۱	تفسیر القرآن الکریم ❽	سہل بن عبداللہ تستری	تفسیر تستری
۲	حقائق تفسیر ❾	ابو عبدالرحمن السلمی	تفسیر السلمی

❶ اس کے لیے دیکھیے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۵۹۷-۶۰۲۔

❷ اس کے لیے دیکھیے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۵۹۵-۵۹۶۔

❸ اس کے لیے دیکھیے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۶۱۳-۶۱۸۔

❹ اس کے لیے دیکھیے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۶۲۱-۶۲۳۔

❺ اس کے لیے دیکھیے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۶۰۰-۶۰۷۔

❻ اس کے لیے دیکھیے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۶۰۹-۶۱۲۔

❼ اس کے لیے دیکھیے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۶۱۹-۶۲۱۔

❽ اس کے تفصیلی تعارف کے لیے دیکھیے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۵۵۳-۵۵۶

❾ اس کے تفصیلی تعارف کے لیے دیکھیے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۵۵۶-۵۵۹

ترجمہ:

نمبر شمار	کتاب کا نام	مؤلف کا نام	مشہور نام
۳	الکشف والبیان ❶	احمد بن ابراہیم النیشاپوری	تفسیر نیشاپوری
۴	تفسیر ابن عربی ❷	محی الدین ابن عربی	تفسیر ابن العربی
۵	روح المعانی ❸	شہاب الدین محمد الالوسی	تفسیر الالوسی

معتزلہ اور شیعہ کی مشہور تفسیریں

نمبر شمار	مذہب اور کتاب کا نام	مؤلف کا نام	تاریخ وفات	مشہور نام
۱	تنزیہ القرآن عن المطاعن (معتزلی) ❹	عبدالجبار بن احمد الہمدانی	۴۱۵ھ	تفسیر الہمدانی
۲	امالی الشریف المرتضی (معتزلی) ❺	علی بن احمد الحسین	۴۳۶ھ	تفسیر المرتضی
۳	الکشاف (معتزلی) ❻	محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸ھ	تفسیر الزمخشری
۴	مرآۃ الانوار ومشکوٰۃ الاسرار (شیعی) ❼	عبداللطیف الکازرونی (الکازرانی)	نامعلوم	تفسیر المشکوٰۃ
۵	تفسیر العسکری (شیعی) ❽	الحسن بن علی الہادی	۲۶۰ھ	تفسیر العسکری
۶	مجمع البیان (شیعی) ❾	الفضل بن الحسن الطبرسی	۵۴۸ھ	تفسیر الطبرسی
۷	الصافی فی تفسیر القرآن (شیعی) ❿	محمد بن الشاہ مرتضی الکاشی	۱۰۹۰ھ	تفسیر الکاشی
۸	تفسیر القرآن (شیعی) ⓫	عبداللہ بن محمد العلوی	۱۳۴۲ھ	تفسیر العلوی
۹	بیان السعادۃ (شیعی) ⓬	سلطان محمد بن حیدر الخراسانی	۱۳۱۵ھ	تفسیر الخراسانی

---

❶ اس کا تفصیلی بیان گزشتہ صفحات میں گزر گیا ہے۔
❷ اس کا تفصیلی تعارف گزشتہ صفحات میں گزر گیا ہے۔
❸ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۲۱-۲۲۲
❹ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۹۰-۳۹۵
❺ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۰۸-۳۱۸
❻ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۲۴۲-۲۵۰
❼ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۵۰۵-۵۱۰۔
❽ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۲۸-۳۳۳۔
❾ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۴۶-۳۵۲۔
❿ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۹۹-۴۰۷۔
⓫ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۲۹-۳۳۵۔
⓬ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر ومفسرین صفحہ ۳۴۷-۳۵۳۔

عصر حاضر کی مشہور تفسیریں

نمبر شمار	کتاب کا نام	مؤلف کا نام	مشہور نام
۱	تفسیر القرآن الکریم	محمد رشید رضا	تفسیر المنار
۲	تفسیر المراغی ❶	احمد مصطفیٰ المراغی	تفسیر المراغی
۳	محاسن التاویل ❷	جمال الدین القاسمی	تفسیر القاسمی
۴	فی ظلال القرآن	الشہید سید قطب	تفسیر الظلال
۵	التفسیر الواضح	محمد محمود الحجازی	تفسیر الواضح
۶	تفسیر الجواہر ❸	طنطاوی جوہری	تفسیر الجوہری
۷	تیسیر التفسیر	الشیخ عبد الجلیل عیسیٰ	تفسیر عیسیٰ
۸	المصحف المفسر	محمد فرید وجدی	تفسیر وجدی
۹	الہدایۃ والعرفان	ابو زید الدمنہوری	تفسیر الدمنہوری
۱۰	صفوۃ البیان	حسنین مخلوف	تفسیر مخلوف
۱۱	فتح البیان	(نواب) صدیق حسن خان	تفسیر حسن خان

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) ان گزشتہ (مذکورہ) تفسیروں کے علاوہ اور بھی بہت سی تفسیریں ہیں جن کا ہم نے طوالت کے خوف سے تذکرہ نہیں کیا۔

(اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور سیدھے راستہ پر چلانے والا ہے)

توضیح

مناسب ہے کہ ہم اس مقام پر علامہ حریری کے دو مضامین کو اختصار کے ساتھ نقل کر دیں کہ جن میں سے ایک کا تعلق "عصر حاضر میں تفسیر" سے متعلق ہے اور دوسرے کا "عصر حاضر کی ملحدانہ تفسیروں" سے ہے تاکہ طالبان علوم قرآن کو جدید تفاسیر پر ایک درجہ بصیرت حاصل ہو جائے۔ (مترجم)

❶ سید محمد رشید رضا مصری کے مفصل حالات اور آپ کی تفسیر کے تعارف کے لئے دیکھئے تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۶۹۲-۷۱۱۔

❷ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۷۱۲-۷۲۲۔

❸ اس کے لئے دیکھیں تاریخ تفسیر و مفسرین صفحہ ۷۴۲-۷۵۱۔

تفسیر عصر حاضر میں

علامہ حریری مرحوم لکھتے ہیں۔

قرآن عزیز کی شرح و تفصیل کے لئے علمائے سلف نے متاخرین کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں قرآن دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کا دستور ہے۔ اسی لئے نزول کے وقت سے ہی انہوں نے اپنی توجہات اس کی تشریح و توضیح کے لئے وقف کر دیں۔ اور یہ سلسلہ گردش دوراں کے ساتھ ترقی پذیر رہا۔

جو شخص ان جملہ متنوع تفاسیر کو بنظر غائر مطالعہ کرے گا وہ یہ حقیقت جان لے گا کہ متقدمین نے قرآن کی تفسیر کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور اس کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ ہر پہلو پر مفسرین نے مکمل کر بحثیں کی ہیں حد یہ ہے کہ انھوں نے جدید مفسرین کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی کہ وہ اس میں جدت پیدا کریں۔ ہاں یا تو وہ متقدمین کے منتشر اقوال کو جمع کر دیں۔ یا ان کی تشریح و توضیح کر دیں یا ان کے ضعیف اقوال کو ہدف تنقید بنائیں۔ یا اقوال میں باہم ترجیح دیں اس کے نتیجہ میں عرصہ دراز تک ایک جمود و تعطل رہا۔

عصر حاضر کی تفسیری خصوصیات

جب بلاد عرب میں علمی تحریک کا آغاز ہوا تو انہوں نے اس جمود و تعطل کے بندھنوں سے آزاد ہونے کی کوششیں شروع کیں۔ اور اس جمود سے پیچھا چھڑانے کے لئے بے شک ان کی مساعی بڑی حد تک قابل تحسین ہیں۔ کہ انہوں نے اپنی تفاسیر کو ان غیر ضروری اصطلاحات علمیہ سے خالی رکھا کہ جو متقدمین نے اپنی تفسیروں میں بھی رکھی تھیں۔ اور قرآن کا حسن و جمال ختم کرنے والی اسرائیلی روایات کو بھی نقل نہ کریں۔ اور متقدمین کی مذکورہ موضوع احادیث کو ان کی تفاسیر میں راہ نہ ملے اور یہ عزم کیا کہ اپنی تفاسیر کو ادبی و اجتماعی رنگ دیا جائے کہ جو قرآن کے حسن کو دوبالا کر دے۔ اور اس کے بلند پایہ حقائق سامنے آسکیں۔

ایک کوشش یہ بھی کی گئی کہ جدید صحیح نظریات اور قرآن میں حسین امتزاج کو پیدا کیا جائے تاکہ مسلم و غیر مسلم یہ بات ماننے پر مجبور ہو جائیں کہ یہ کتاب دائمی و ابدی ہے اور زمانے کے بدلتے ہوئے رنگوں کے ساتھ چلنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

مزید یہ کہ رجحانات بھی ہیں کہ جو عصر حاضر کے مختلف عوامل کے تحت رونما ہوئے۔

(۱) علوم و فنون میں وسعت (۲) گروہی تعصب (۳) دہریت و الحاد

اس لحاظ سے قرآن کی تفسیر کی چار بڑی قسمیں بن گئیں۔

(۱) علمی طرز و انداز (۲) مذہبی رنگ (۳) ملحدانہ طرز فکر

(۴) ادبی و اجتماعی اسلوب و انداز

جدید دور کے یہ چار رجحانات جدید تفاسیر میں کارفرما ہیں۔ بعض تفاسیر فرقہ وارانہ طرز پر بھی لکھی گئی ہیں۔ (تاریخ تفسیر و

فصل

في التنبيه على أحاديث وضعت في فضل سور القرآن

قال العلامة القرطبي في مقدمة تفسيره (الجامع لأحكام القرآن) في باب التنبيه على الأحاديث الموضوعة في فضل سور القرآن ما يلي:

((لا التفات لما وضعه الواضعون، واختلقه المختلقون من الأحاديث الكاذبة والأخبار الباطلة في فضل سور القرآن، وغير ذلك من فضائل الأعمال، قد ارتكبها جماعة كثيرة اختلفت أغراضهم ومقاصدهم في ارتكابها.

(١) فمنهم قوم من الزنادقة مثل (المغيرة الكوفي) و (محمد الشامي) المصلوب وغيرهما وضعوا أحاديث، وحدثوا بها ليقعوا بذلك (الشك) في قلوب الناس، منها ما رواه الشامي عن أنس بن مالك عن رسول الله ﷺ أنه قال: ((أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي إلا ما شاء الله)) فزاد هذا الاستثناء لما كان يدعو إليه الإلحاد والزندقة.

(٢) منهم جماعة وضعوا الحديث (هوى) يدعون الناس إليه، قال شيخ من شيوخ الخوارج بعد أن تاب: ((إن هذه الأحاديث دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم، فإنا كنا إذا هوينا أمرا صيرناه حديثا))

(٣) ومنهم جماعة وضعوا الحديث (حسبة) كما زعموا، يدعون الناس إلى فضائل الأعمال كما روي عن (أبي عصمة المروزي) قيل له: من أين لك عن عكرمة عن ابن عباس، في فضل سور القرآن سورة سورة؟

فقال: إني رأيت الناس قد أعرضوا عن القرآن، واشتغلوا بفقه أبي حنيفة ومغازي ابن إسحاق، فوضعت هذا الحديث حسبة. قال ابن الصلاح: وهكذا الحديث الطويل الذي يروى عن (أبي بن كعب) عن النبي ﷺ في فضل القرآن سورة سورة، وقد بحث باحث عن مخرجه حتى انتهى إلى من اعترف بأنه وجماعة وضعوه، وإن أثر الوضع عليه لبين، وقد أخطأ الواحدي المفسر، ومن ذكره من المفسرين في إيداعه في تفاسيرهم.

(٤) ومنهم قوم من السؤال يقفون في الأسواق والمساجد، فيضعون على رسول الله ﷺ أحاديث بأسانيد صحاح قد حفظوها، فيذكرون الموضوعات بتلك الأسانيد.

قال جعفر بن الطيالسي:

((صلى أحمد بن حنبل ويحيى بن معين في مسجد الرصافة فقام بين أيديهما قاص (محدث) فقال: حدثنا أحمد بن حنبل ويحيى بن معين قالا أنبأنا عبدالرزاق قال أنبأنا معمر عن قتادة عن أنس قال قال رسول الله ﷺ: ((من قال لا إله إلا الله يخلق من كل كلمة منها طائر منقاره من ذهب وريشه مرجان)) وأخذ في قصة نحواً من عشرين ورقة وجعل أحمد ينظر إلى يحيى ويحيى ينظر إلى أحمد فقال: أنت حدثته بهذا؟ فقال: والله ما سمعت به إلا هذه الساعة فسكتا حتى فرغ من قصصه فقال له يحيى: من حدثك بهذا الحديث فقال: أحمد بن حنبل ويحيى بن معين فقال: أنا ابن معين وهذا أحمد بن حنبل ما سمعنا بهذا قط في حديث رسول الله فإن كان ولا بد من الكذب فعلى غيرنا فقال له: أنت يحيى بن معين؟ قال: نعم قال: لم أزل أسمع أن يحيى بن معين أحمق وما علمته إلا هذه الساعة فقال له يحيى: وكيف علمت أني أحمق؟ قال: كأنه ليس في الدنيا يحيى بن معين وأحمد بن حنبل غير كما كتبت عن سبعة عشر أحمد بن حنبل غير هذا قال: فوضع أحمد كمه على وجهه وقال: دعه يقوم فقام كالمستهزئ بهما.

قال القرطبي لهؤلاء الطوائف كذبة على رسول الله ﷺ ومن يجري مجراهم ثم قال: فلو اقتصر الناس على ما ثبت في الصحاح والمسانيد وغيرهما من المصنفات التي تداولها العلماء ورواها الأئمة الفقهاء لكان لهم في ذلك غنية وخرجوا عن تحذيره ﷺ حيث قال: ((من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار))

فحذار مما وضعه أعداء الدين وزنادقة المسلمين في باب الترغيب والترهيب وغير ذلك وأعظمهم ضرراً أقوام من المنسوبين إلى الزهد وضعوا الحديث حسبة فيما زعموا فتقبل الناس موضوعاتهم ثقة منهم بهم وركونا إليهم فضلوا وأضلوا

هل في القرآن ألفاظ غير عربية

من المقطوع به أن القرآن نزل بلسان العرب وأنه كتاب عربي نزل على أمة عربية بلسان عربي مبين ليكون منهاجاً لحياتهم ودستوراً لمجتمعهم وليعتبروا به ويذكروا بما فيه ﴿لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ وقد تضافرت النصوص القرآنية الكثيرة على أن القرآن ((عربي)) في نظمه وفي لفظه وفي أسلوبه وفي تركيبه وأنه ليس فيه ما يخالف طريقة

العرب في المفردات والجمل والأسلوب والخطاب. من هذه النصوص الكريمة ما يلي:

١- قوله تعالى: ﴿لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ﴾

٢- قوله تعالى: ﴿كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (حم السجدة: ٣)

٣- وقوله جل شأنه: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (يوسف: ٢)

٤- وقوله جل وعلا: ﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾

وقد أجمع العلماء على أن القرآن عربي، ولكن اختلفوا هل فيه ألفاظ مفردة من غير كلام العرب؟ على مذهبين:

(ألف) المذهب الأول:

مذهب الجمهور وعلى رأسهم القاضي (أبو بكر بن الطيب) وشيخ المفسرين (ابن جرير الطبري) و(الباقلاني) وغيرهم من العلماء الأعلام قالوا: إن القرآن عربي كله، وليس فيه ألفاظ أو مفردات من غير كلام العرب، وما وجد فيه من الألفاظ التي تنسب إلى سائر اللغات، فإنما اتفق فيها أن تواردت اللغات عليها، فتكلمت بها العرب والفرس والحبشة وغيرهم.

(ب) المذهب الثاني:

مذهب طائفة من العلماء قالوا: إن في القرآن بعض ألفاظ ليست عربية، وأن تلك الألفاظ لقلتها لا تخرج القرآن عن كونه عربيا مبينا، فمثلا لفظ (مشكاة) بمعنى الكوة، ولفظ (الكفل) بمعنى الضعف، ولفظ (قسورة) بمعنى الأسد كل هذه الألفاظ هي بلسان الحبشة وهي ألفاظ غير عربية.

وكذلك لفظ (القسطاس) بمعنى الميزان بلسان الروم.

ولفظ (السجيل) بمعنى الحجارة والطين بلسان الفرس.

ولفظ (الغساق) بمعنى البارد المنتن بلسان الترك.

ولفظ (اليم) بمعنى البحر و(الطور) بمعنى الجبل بلسان السريانية

قال ابن عطية:

((فحقيقة العبارة أن هذه الألفاظ في الأصل (أعجمية) لكن العرب استعملتها وعربتها فهي عربية بهذا الوجه. وقد كان للعرب مخالطة لجيرانهم من سائر الألسنة فعلقت العرب بألفاظ

أعجمية استعملتها في أشعارها ومحاوراتها حتى جرت مجرى العربي الفصيح وعلى هذا الحد نزل بها القرآن (...).

أدلة الجمهور

وقد ساق الجمهور بعض الأدلة التي تثبت أن القرآن عربي وليس فيه ألفاظ غير عربية وفيه أسماء أعلام لمن لسانه غير لسان العرب مثل (إسرائيل) و(جبرئيل) و(عمران) و(نوح) و(لوط) وقد ساق الجمهور ما يلي:

أولاً: الآيات القرآنية الساطعة التي تثبت أن هذا القرآن عربي كله في لفظه وأسلوبه ونظمه وتركيبه، فقد أخبر الله عز وجل عن القرآن بأنه عربي فقال تعالى ﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا﴾ وتكرر هذا اللفظ في آيات عديدة ومعلوم أن لفظ القرآن علم يشمل جميع السور والآيات ويشمل كل الألفاظ والمفردات.

ثانياً: إن القرآن نزل بلغة العرب ليفهموه ويعقلوه ويتدبروا معانيه، ويستحيل أن يخاطب الله تعالى قوما بما لا يفهمون كيف والآيات صريحة في إنزاله بلغة العرب للاعتبار والعمل ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ و﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ وهذا ينفي أن يكون فيه ألفاظ غير عربية.

ثالثاً: إن الله تعالى قد رد على المشركين حين زعموا أن محمداً ﷺ تلقى هذا القرآن عن بعض أهل الكتاب (جبر الرومي) وأقام الحجة عليهم باختلاف اللسانين قال تعالى: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾ (النحل: ١٠٣) فالقرآن عربي وذلك أعجمي وشتان بينهما.

رابعاً: لو كان في هذا القرآن شيء ليس من لغة العرب أو لا يفهمه العرب أو ألفاظ (أعجمية) غير عربية لأعلن المشركون اعتراضهم على القرآن واحتجوا بذلك على عدم صدق الرسول كما قال تعالى:

﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ ...﴾ (فصلت: ٤٤) الآية

خامساً: إن ما وجد في القرآن من ألفاظ تنسب إلى سائر اللغات فإنما هو من باب (توارد اللغات) واتفاقها بمعنى أن هذه اللفظة تكلم بها العرب وتكلم بها الفرس أو الحبش وتكلم بها غيرهم فهي مما اتفقت عليه اللغات لا يعني أن هذه الألفاظ غير عربية فإذا تكلم بها العرب فهي عربية وإذا تكلم بها غيرهم أو استعملها الأعاجم فلا

يخرجها عن كونها عربية.

الترجيح:

والصحيح ما ذهب إليه (الطبري) وجمهور العلماء من أن القرآن كله عربي، وهو ما تشهد له النصوص الكثيرة، والحجج الدامغة القوية التي احتج بها العلماء.

وقد انتصر العلامة القرطبي لرأي الجمهور، ورد الرأي الثاني، وقال- بعد أن ذكر المذهبين– إن الأول أصح، فإن العرب لا يخلو أن تكون تخاطب بها أو لا، فإن كان الأول فهي من كلامهم، ولا يبعد أن يكون غيرهم قد وافقهم على بعض كلماتهم.

وإن لم تكن العرب تخاطبت بها، ولا عرفتها استحال أن يخاطبهم الله بما لا يعرفون، وحينئذ لا يكون القرآن عربيا، ولا يكون الرسول مخاطبا لقومه بلسانهم)) اهـ

لغات: إختلف: بحث کرنا۔ هويتا: خواہش کرنا۔ پایا۔ صیرنا: بار بار۔ حسنة: ثواب اور اجر کی توقع رکھتے ہوئے۔ بحث: تلاش کرنا۔ الوضع: گھڑنا۔ اپنے سے بنانا۔ زکون: کسی طرف مائل ہونا۔

ترجمہ: فصل

قرآن کی سورتوں کے فضائل میں وضع کی جانے والی احادیث پر تنبیہ کے بارے میں

علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" کے مقدمہ میں قرآن کی سورتوں کے فضائل کے بارے میں وضع کی جانے والی احادیث پر تنبیہ کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے (وہ) درج ذیل ہے۔

"(میں نے) ان جھوٹی احادیث اور باطل اخبار کی طرف توجہ نہیں (دی) جنہیں قرآن کی سورتوں کے فضائل اور ان کے علاوہ دوسرے اعمال کے فضائل کے بارے میں، وضع کرنے والوں نے وضع کیا اور گھڑنے والوں نے گھڑا۔ تحقیق بہت سے گروہوں نے اس کا ارتکاب کیا اور اس ارتکاب سے ان کی اغراض و مقاصد جدا جدا تھیں۔"

(1) ان میں زندیقوں کا ایک گروہ (ہے) جیسے مغیرہ کوفیؒ اور محمد شامی المصلوب وغیرہ انہوں نے جھوٹی احادیث گھڑیں انہیں (لوگوں کو) بیان کیا تاکہ لوگوں کے دل میں اس سے شک پڑ جائے۔ ان کی جھوٹی احادیث میں سے ایک وہ ہے جسے شامی نے حضرت انس بن مالکؓ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ آپؐ نے فرمایا "میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر جسے اللہ چاہے۔" پس اس (کم بخت) نے اس استثناء کو زیادہ کیا کیونکہ وہ (خود) الحاد اور زندقہ کی دعوت دیا کرتا تھا۔

(۲) ان میں ایک جماعت ہے جس نے (کسی کی) "خواہش" کے لیے احادیث کو وضع کیا۔ لوگوں کو ان کی دعوت دیا کرتے تھے۔ خوارج کے مشائخ میں سے ایک خارجی شیخ نے توبہ کرنے کے بعد کہا

"بے شک یہ احادیث (تمہارا) دین ہیں۔ پس تم غور سے دیکھو اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو کیونکہ جب ہم ایک بات کی خواہش کرتے تھے تو ہم اس کو حدیث بنا دیتے تھے۔"

(۳) ان میں سے ایک جماعت نے (ثواب کی امید سے) اللہ کے لیے احادیث گھڑیں جیسا کہ ان کا گمان ہے اور لوگوں کو فضائل اعمال کی دعوت دیتے تھے۔ جیسا کہ ابو عصمہ مروزی کے بارے میں مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ

آپ کو قرآن کی سورتوں میں (ہر ہر) سورت کے فضائل کی "عن عکرمہ عن ابن عباس" کی سند کہاں سے آئی؟

تو اس نے جواب دیا: "میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن سے اعراض کر رہے ہیں اور وہ ابو حنیفہؒ کی فقہ اور ابن اسحٰقؒ کی مغازی میں لگ گئے ہیں تو میں نے اللہ کے لئے ❶ یہ حدیث گھڑ لی۔"

ابن صلاح کہتے ہیں: اسی طرح قرآن کی ہر ہر سورت کے فضائل کے بارے میں ایک طویل حدیث ہے جو حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ تحقیق ایک کھوج لگانے والے نے اس کے مخرج کا سراغ لگایا یہاں تک کہ وہ اس شخص تک پہنچا جس نے اعتراف کیا کہ اس نے اور (اس کی) جماعت نے اس حدیث کو گھڑا ہے۔ اور اس وضع کرنے کا اثر اس پر بالکل ظاہر ہے۔

اور مفسر واحدی نے اور بعض مفسرین نے اس حدیث کو اپنی تفسیروں میں لکھ کر بیان کیا ہے غلطی کی ہے۔

(۴) اور ان میں سے کچھ لوگ بغدادی ❷ تھے۔ جو بازاروں اور مساجد میں کھڑے ہو جاتے۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان صحیح اسانید کے ساتھ احادیث گھڑ کر منسوب کرتے جو انہیں یاد ہوتیں چنانچہ وہ ان اسانید کے ذریعے جھوٹی احادیث بیان کرتے۔

جعفر بن طیالسی کہتے ہیں

"احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے "رصافہ" کی ایک مسجد میں نماز پڑھی۔ پس (نماز کے بعد) ان کے درمیان ایک قصہ گو (اور بہ طور خود قاضی) محدث کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ "بیان کیا ہمیں احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے وہ کہتے ہیں ہمیں بیان کیا عبدالرزاق نے وہ کہتے ہیں ہمیں بیان کیا معمر نے انہوں نے قتادہ سے اور انہوں نے حضرت انسؓ سے وہ فرماتے ہیں آپ نے فرمایا: "جس نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا تو کلمے کے ہر ہر حرف سے ایک پرندہ پیدا کیا جاتا ہے جس کی چونچ سونے کی اور پر مرجان (موتیوں) کے اور اس نے تقریباً بیس اوراق کے برابر (ایک طویل) قصہ سنایا۔ پس (اس دوران) امام احمد یحییٰ کی طرف اور یحییٰ امام احمد کی طرف (تعجب و حیرت سے) دیکھتے رہے

❶ مؤلف کتاب حدیث گھڑنے کا معنی "اللہ کے لئے اور (لوگوں کو) دین کی ترغیب دینے کے لئے" بیان کرتے ہیں۔

❷ اس سوال سے مراد سائل کی قسم ہے جو لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔

اور امام احمد نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اس کو یہ قصہ سنایا ہے؟ تو اس پر یحییٰ نے جواب دیا! خدا کی قسم! میں تو یہ قصہ بھی (اسی وقت ہی) سن رہا ہوں۔ چنانچہ وہ دونوں خاموش ہو گئے حتیٰ کہ وہ شخص اپنے قصوں سے فارغ ہو گیا۔ تو یحییٰ نے اس سے پوچھا "تمہیں یہ حدیث کس نے بیان کی" اس نے جواب دیا "احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے" تو اس پر یحییٰ نے کہا "میں (یحییٰ) ابن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم نے یہ (قصے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں کبھی نہیں سنے۔ اور اگر یہ حدیث ہے جبکہ یہ سراسر جھوٹ ہے تو (اس کا گناہ) ہمارے غیر پر ہے (تاکہ ہم پر بھی ہم نے اس حدیث کو عوام میں عام نہیں کیا)"۔

اس آدمی نے یحییٰ سے کہا۔ (کیا) تم یحییٰ بن معین ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں" وہ کہنے لگا میں سنتا ہی رہا کہ یحییٰ بن معین (ایک) احمق (شخص) ہے اور میں نے یہ بات اب آ کر جانی تو یحییٰ نے اس سے پوچھا "تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں احمق ہوں؟ اس نے کہا "گویا کہ دنیا میں تم دونوں کے علاوہ (کوئی اور) یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہے ہی نہیں۔ میں نے ان احمد بن حنبل کے علاوہ سترہ احمد بن حنبل سے احادیث لکھیں ہیں۔ (یعنی سترہ ایسے آدمیوں سے حدیث لکھی ہے کہ جو اپنے آپ کو احمد بن حنبل کہتے تھے)

جعفر کہتے ہیں (یہ بات سن کر) امام احمد بن حنبل نے اپنی آستین اپنے منہ پر رکھ لی اور کہا اسے چھوڑ دو (کہ) اٹھ (کر چلا) جائے پس وہ شخص اٹھ گیا۔ گویا کہ وہ ان دونوں کا مذاق اڑا رہا تھا۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: "(گمراہوں کے) ان گروہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھے (اور جھوٹی احادیث گھڑیں) اور ان لوگوں نے بھی جو ان کی روش پر چلے۔"

پھر فرمایا: "اگر لوگ فقط ان احادیث پر اکتفا کرتے کہ جو صحاح اور مسانید ❶ میں ہیں اور ان کے علاوہ ان مصنفات ❷ میں ہیں جو علماء میں رائج ہیں اور آئمہ فقہا ان کو روایت کرتے ہیں تو اس میں ان کے لئے کفایت ہوتی۔ اور وہ آپ کی اس وعید سے نکل جاتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار."

"جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔"

(علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں) پس تو بچ ان احادیث سے جنہیں اعدائے دین (دشمنان) اور مسلمان زندیقوں نے ترغیب و ترہیب اور اس کے علاوہ دوسرے ابواب میں وضع کیا۔ اور ان (گھڑنتوں) میں سب سے زیادہ نقصان دہ وہ لوگ ہیں کہ جو زہد کی طرف منسوب ❸ ہیں۔ جنہوں نے اپنے گمان میں اللہ کے لئے احادیث کو وضع کیا۔ پس لوگوں نے ان کی موضوع احادیث کو بھی پر اس بات کا اعتماد کرتے ہوئے اور ان کی طرف میلان ہونے کی وجہ سے قبول کر لیا۔ پس وہ لوگ خود بھی گمراہ

---

❶ جیسے مسند احمد، مسند امام اعظم وغیرہ۔ (مترجم) ❷ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ۔ (مترجم)

❸ ہمارے اس زمانہ میں بھی بعض نام نہاد متقی افراد نے علماء الناس میں اللہ کی رضا، تقویٰ، جہاد اور دین کی محنت کے نام سے طرح طرح کے اقوال و افعال گھڑ لئے ہیں۔ (مترجم)

ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ❶

توضیح

مولانا سعید احمد اکبر آبادی اس موضوع پر یوں لکھتے ہیں

وضع احادیث کا فتنہ اور اس کا انسداد

عہد رسالتؐ و عہد صحابہؓ میں حدیث کی باقاعدہ تدوین نہ ہوئی تھی۔ روایت و حفظ حدیث کا ذریعہ سینہ در سینہ احادیث کا نقل کرنا تھا۔ مسلمانوں کے سینے ہی احادیث کے مخزنے تھے۔ اس سے منافقین اور دشمنان اسلام کو احادیث وضع کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں میں اختلاط و ارتباط پیدا کر کے احادیث موضوعہ کی نشر و اشاعت شروع کی۔ اور یوں اسلام کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

ابن عدی کہتے ہیں: "عبدالکریم بن ابی العوجاء کو جب قتل کرنے کے لئے لے جا رہے تھے تو اس نے کہا "میں نے چار ہزار احادیث جن میں حلت و حرمت کے بیں۔ احکام وضع کر کے عوام میں پھیلا دی ہیں۔ ❷

وضاعین حدیث کے مختلف طریقے

علامہ سیوطی نے ابن جوزی سے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں کی احادیث میں جھوٹ وضع اور قلب پایا جاتا ہے ان کی چند قسمیں ہیں

(۱) بعض لوگوں پر زہد کا غلبہ تھا۔ وہ احادیث کی حفاظت نہیں کر سکے یا ان کی کتابیں ضائع ہو گئیں۔

یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں "میں نے جھوٹ اس جماعت سے زیادہ کسی میں نہیں پایا جو اپنے تئیں خیر اور زہد کی طرف منسوب کرتی ہے۔ ❸

(۲) بعض لوگ اگرچہ ثقہ تھے مگر ان کی عقلوں میں فتور آ گیا تھا۔ پھر وہ روایت حدیث سے باز نہ رہے۔

(۳) بعض لوگ وہ تھے کہ جنہیں اپنی غلط روایت کا علم بھی ہوا مگر از راہ نخوت و کبر ان سے رجوع نہ کیا۔

(۴) بعض زندیقوں کا طبقہ بھی تھا کہ جو قصداً اسلام کو برباد کرنے اور فتنہ و شر کا دروازہ کھولنے کے لئے احادیث کو وضع کرتے تھے۔ ان میں بعض لوگ اس قدر جری تھے کہ موقع پا کر اپنے شیخ تک کی کتاب میں موضوع احادیث درج کر دیتے تھے۔

(۵) بعض کسی مسلک و مذہب سے آزاد محض شہرت پسند لوگ تھے جو وضع احادیث سے عوام میں چرچا پاتے تھے۔ محمد بن القاسم الطالقانی جو فرقہ مرجیہ کا سردار تھا اپنے عقیدہ کے مطابق کثرت سے احادیث وضع کرتا تھا۔

---

❶ دیکھئے تفسیر قرطبی جلد اصفحہ ۷۸۔ ❷ تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۷۔
❸ مقدمہ صحیح مسلم۔

(۹) کچھ لوگ وہ تھے کہ جو ترغیب و ترہیب کے لئے وضع احادیث کو جائز سمجھتے تھے اور وہ ایسا کرتے بھی تھے۔ ❶

وضع احادیث کے اسباب

مولانا مرحوم نے وضع احادیث کے اسباب کو تفصیل سے درج کیا ہے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں:

(۱) سیاسی جھگڑے

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف کی وجہ سے دو فرقے شیعہ اور خوارج پیدا ہوئے۔ کہ جو اپنے اپنے اعتقادات میں انتہائی غلو پسند اور وضع احادیث میں جرأت سے بے پرواہ تھے۔ اور ان اکابر کی شان میں بڑھا چڑھا کر فضائل و وعید گویا اپنا حق رکھتے ہوئے احادیث وضع کرتے تھے۔ پھر بنو امیہ اور بنو عباس کی سیاسی رقابت نے اس چنگاری کو ہوا دے کر بھڑکتی ہوئی آگ بنا دیا۔

اسی قبیل میں وہ احادیث بھی شامل ہیں کہ جو عربی عصبیت اور شخصی خود پرستی کی کشمکش کے باعث اختراع کی گئیں۔

(۲) دوسری صدی کے وسط میں کلامی اور فقہی مسائل کا زور

کہ جب یہ ہوا تو بعض جاہ پرست لوگوں نے اپنی علمی وجاہت کی دھاک بٹھانے کے لئے قصداً احادیث وضع کیں تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ ان کے بیان کردہ ہر مسئلہ کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔

(۳) شخصی حکومت کا استبداد

کہ بعض لوگوں نے اپنی خوشامدانہ ذہنیت کی وجہ سے بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے احادیث وضع کیں۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تہمت طرازی سے باز نہ آئے۔ غیاث بن ابراہیم کے متعلق مشہور روایت ہے کہ وہ ایک دن مہدی بن منصور کے پاس آیا۔ مہدی کو کبوتر بازی کا بہت شوق تھا۔ غیاث نے یہ دیکھتے ہی اس کو خوش کرنے کے لئے یہ حدیث وضع کر لی (لا سبق الا فی خف او حافر او جناح) ❷ "بازی نہیں ہے مگر (اونٹ کے) کھر یا (گھوڑے وغیرہ کے) کھر یا (پرندوں کے) پر میں۔"

مہدی نے اس وقت تو خوش ہو کر غیاث کو دس ہزار درہم دلا دیے مگر جب وہ جانے لگا تو مہدی نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ تیری گدی ایک شخص کی گدی ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط احادیث منسوب کرتا ہے۔ رسول اللہ نے "او جناح" نہیں فرمایا تو نے ہم سے تقرب حاصل کرنے کیلئے اس لفظ کا اضافہ کر دیا ہے۔" ❸ (فہم قرآن صفحہ ۱۰۸-۲۰۰ ملخصاً و بتصرف)

نوٹ۔ اس کے لئے مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی کتاب "تدوین حدیث" کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ (نسیم)

---

❶ ملا علی المصنوع فی ... الموضوع مطبوعہ صفحہ ۳۲۸-۳۴۹

❷ سنن میں لفظ گھوڑے اور اونٹ پالنے کی ترغیبات تو ملتی ہیں کہ اس نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے ہی محض پرندوں کو پالنے کی ترغیبات بھی ساتھ لگا دی تاکہ اس کی کبوتر بازی پر مطعون نہ ہو۔ (نسیم) ❸ شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۱۱۱ و نخبۃ الفکر۔

ترجمہ: کیا قرآن میں غیر عربی (زبان) کا (کوئی) لفظ ہے؟

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں) یہ بات یقینی ہے کہ قرآن عربی زبان میں اترا اور یہ عربی کتاب ہے جو عربی امت پر صاف عربی زبان میں اتری۔ تاکہ یہ ان کی زندگی کا (ایک) پروگرام اور ان کے معاشرہ (اور اجتماعی زندگی) کے لئے ایک ضابطہ عمل ٹھہرے تاکہ وہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور جو کچھ اس میں ہے اس سے نصیحت پکڑیں۔

(ارشاد خداوندی ہے)

﴿لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (ص: ۲۹)

"تا دھیان کریں لوگ اس کی باتوں اور تا سمجھیں عقل والے۔" (تفسیر عثمانی)

اور نصوص قرآنیہ اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ یہ "قرآن" اپنے نظم، لفظ، اسلوب اور ترکیب میں "عربی" ہے اور یہ کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو مفردات، جملوں، اسلوب اور خطاب میں عربی کے طریقے کے مخالف ہو۔

(اس امر پر دلالت کرنے والی) قرآنی آیات کریمہ میں سے (چند) درج ذیل ہیں۔

(۱) (ارشاد خداوندی ہے)

﴿لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝﴾ (الشعراء: ۱۹۴-۱۹۵)

"کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا کھلی عربی زبان میں۔" (تفسیر عثمانی)

(۲) ارشاد خداوندی ہے:

﴿كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ (حم السجدہ: ۳)

"ایک کتاب ہے جدی جدی کی ہیں اس کی آیتیں قرآن عربی زبان کا ایک سمجھ والے لوگوں کو۔" (تفسیر عثمانی)

(۳) اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (یوسف: ۲)

"ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو۔" (تفسیر عثمانی)

(۴) اور اللہ جل وعلا کا ارشاد ہے

﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ (الزمر: ۲۸)

"قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کجی نہیں تاکہ وہ بچ کر چلیں۔" (تفسیر عثمانی)

علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن عربی (زبان میں اترا) ہے لیکن وہ اس بات میں اختلاف کرتے ہوئے دو مذہبوں میں بٹ گئے ہیں کہ کیا مفرد الفاظ (قرآن میں) غیر کلام عرب سے ہیں (یا نہیں)؟

یہ دو مذاہب مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلا مذہب

(اور) یہ جمہور کا مذہب ہے اور ان میں سرفہرست قاضی ابوبکر ابن الطیب اور شیخ المفسرین ابن جریر طبریؒ اور (علامہ) باقلانیؒ وغیرہم علماء اعلام (وعظام) ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

"یہ قرآن سارے کا سارا عربی ہے۔ اس میں غیر عربی زبان کے الفاظ یا مفردات نہیں ہیں اور اس میں پائے جانے والے وہ الفاظ کہ جو دیگر لغات کی طرف منسوب ہیں۔ تو ان کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ ان الفاظ پر کئی لغات ایک ساتھ آتی ہیں (یعنی وہ الفاظ بیک وقت کئی لغات میں مستعمل ہیں) چنانچہ وہ الفاظ عرب، اہل فارس اور اہل حبش (حبشی اور افریقی سب) بولتے ہیں۔"

دوسرا مذہب

یہ علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے ان کا کہنا ہے کہ "بے شک یہ قرآن کے بعض الفاظ عربی (زبان کے) نہیں ہیں۔ اور یہ الفاظ اپنی قلت کی وجہ سے قرآن کو عربی ہونے سے نہیں نکالتے۔ مثلاً لفظ مشکوٰۃ کہ جو "طاق" کے معنی میں ہے اور لفظ "کفل" کہ جو دو چند کے معنی میں ہے اور لفظ "قسورۃ" کہ جو "شیر" کے معنی میں ہے کہ یہ سب الفاظ حبشی زبان کے ہیں کہ جو غیر عربی ہیں۔ اور اسی طرح لفظ "قسطاس" کہ جو ترازو کے معنی میں ہے یہ رومی زبان کا لفظ ہے۔ اور لفظ "سجیل" کہ جو کنکری اور گارے کے معنی میں ہے یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔

اور لفظ "غساق" کہ جو متعفن (بدبو والی) بدبودار (پیپ) کے معنی میں ہے یہ ترکی زبان کا لفظ ہے اور لفظ "یم" کہ جو سمندر کے معنی میں ہے یہ سریانی زبان کا لفظ ہے۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں:

(پس) عبارت کی حقیقت (اور اس کا صحیح معنی) یہ ہے کہ تحقیق اصل میں یہ الفاظ عجمی ہیں لیکن عربوں نے ان الفاظ کو استعمال کیا اور انہیں عربی (زبان کا حصہ) بنا لیا۔ چنانچہ اس اعتبار سے یہ الفاظ عربی ہیں۔ اور عربوں کا اپنے پڑوسیوں سے دیگر زبانوں میں اختلاط تھا۔ پس عربوں نے ان عجمی الفاظ کو پسند کیا اور انہیں اپنے اشعار اور محاورات میں استعمال کیا۔ یہاں تک کہ یہ الفاظ صحیح عربی زبان کے قائم مقام ہو گئے۔ اور قرآن ان الفاظ کو اسی معنی (حق) کے ساتھ لے کر اترا۔ 1 (یعنی ان الفاظ کا قرآن میں نازل ہونا اس اعتبار سے ہے کہ ان کو عربی زبان میں استعمال کیا جاتا تھا)

جمہور (علماء) کے دلائل

اور جمہور ان دلائل سے استدلال کرتے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن عربی ہے اور اس میں غیر عربی (زبان کے) الفاظ نہیں ہیں۔ اور جس میں ان (شخصیات) کے نام ہیں کہ جن کی زبان غیر عربی تھی۔ جیسے اسرائیل، جبرئیل، عمران، نوح اور لوط

1: دیکھئے تفسیر قرطبی جلد 1 صفحہ 18

(وغیرہم) جمہور درج ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) گزشتہ (مذکورہ) آیات قرآنیہ اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ قرآن اپنے نظم الفاظ اسلوب اور ترکیب میں سارے کا سارا (ہی) عربی ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بارے میں یہ بتلایا ہے کہ یہ عربی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا﴾

اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں دہرایا ہے اور (یہ بات) معلوم ہے کہ لفظ "قرآن" (یہ) عام ہے کہ جو قرآن کی تمام سورتوں اور آیتوں کو شامل ہے اور یہ تمام الفاظ اور مفردات کو شامل ہے۔

(۲) بے شک قرآن عربی زبان میں اترا تا کہ عرب اس کو سمجھیں اور اس کی حقیقت کو جانیں اور اس کے معانی میں غور وفکر کریں۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے کسی زبان میں خطاب فرمائیں کہ جس کو وہ سمجھتے نہ ہوں۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ آیات (اس سے) عبرت حاصل کرنے اور (اس پر) عمل کرنے کے لئے اس کے عربی زبان میں اتارے جانے پر صریح (دلالت کرتی) ہیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے)

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (یوسف ۲)

"ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو۔" (تفسیر عثمانی)

(اور فرمان خداوندی ہے)

﴿قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (حم السجدۃ ۳)

"قرآن عربی زبان کا ایک سمجھ والے لوگوں کو۔" (تفسیر عثمانی)

اور یہ (مذکورہ بالا آیات) غیر عربی الفاظ کے (قرآن میں) ہونے کی نفی کرتی ہیں۔

(۳) تحقیق اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد کیا۔ جب انہوں نے یہ گمان کیا کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآن کسی (عجمی) اہل کتاب (کہ جس کا نام) جبر رومی تھا سے لیا ہے۔ اور ان پر زبانوں کے اختلاف (عجمی مختلف ہونے) کی حجت قائم کی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝﴾ (النحل: ۱۰۳)

"اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھلاتا ہے ایک آدمی جس کی طرف تعریض کرتے ہیں۔ اس کی زبان ہے عجمی اور یہ قرآن کی زبان عربی ہے صاف۔" (تفسیر عثمانی)

چنانچہ یہ قرآن (تو) عربی (زبان میں) ہے اور وہ عجمی تھا۔ اور ان دونوں (باتوں میں) زمین آسمان کا فاصلہ ہے۔

(۴) اگر اس قرآن میں کوئی (لفظ بھی ایسا) ہوتا کہ جو لغت عرب میں سے نہ ہوتا۔ یا عرب اس لفظ کو نہ سمجھتے یا کوئی عجمی غیر عربی لفظ ہوتا تو مشرکین قرآن پر اپنا یہ اعتراض کھلے بندوں کرتے اور وہ اس بات سے آپ کے سچا نہ ہونے کی دلیل پکڑتے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ﴾ (● حم السجدة: ٤٤) ●

"اور اگر ہم اس کو کرتے قرآن اوپری زبان کا تو کہتے اس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا اوپری زبان کی کتاب اور عربی لوگ۔" (تفسیر عثمانی)

(۵) تحقیق قرآن میں پائے جانے والے وہ الفاظ کہ جن کی نسبت دیگر لغت کی طرف کی جاتی ہے تو بے شک یہ لغات کے توافق اور توارد کے باب سے ہے (یعنی یہ لغات کی یکسانیت اور بعض الفاظ کے یک دوسرے میں ایک طرح سے پائے جانے کے باب میں سے ہے) مطلب یہ ہے کہ وہ لفظ کہ جس کو عرب بھی بولتے ہیں اور اس کو فارسی اور عجمی اور ان کے علاوہ (دیگر زبانوں والے بھی) بولتے ہیں۔ تو بے شک یہ ایک ایسا لفظ ہے کہ جس پر کئی لغات اکٹھی ہو گئیں ہیں (یعنی یہ لفظ بیک وقت کئی لغات میں پایا اور ان میں بولا جاتا ہے) نہ کہ یہ مطلب ہے کہ یہ لفظ غیر عربی کا لفظ ہے۔

چنانچہ جب عرب وہ لفظ بولیں گے تو وہ عربی (زبان کا لفظ) ہوگا اور جب دوسرے وہ لفظ بولیں گے یا عجمی اس کو استعمال کریں گے تو یہ بات اس لفظ کو عربی ہونے سے نہیں نکال دے گی۔

ترجیح

صحیح بات یہی ہے کہ جس کی طرف طبری (ابن جریرؒ) اور جمہور علماء گئے ہیں کہ قرآن تمام کا تمام عربی ہے یہ وہ بات ہے کہ جس کی بہت سی نصوص اور (بہت سے) ناقابل تردید دلائل شہادت دیتے ہیں کہ جن سے علماء نے دلیل پکڑی ہے۔ اور علامہ قرطبیؒ نے جمہور کی (موافقت اور ان کی) تائید کی ہے اور دوسری رائے کو رد کیا ہے۔ اور ان دونوں مذاہب کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے "بے شک زیادہ صحیح پہلا (مذہب) ہے کیونکہ عرب دو حال سے خالی نہیں یا تو ان کو ان الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے یا نہیں۔

● قرآن میں "عجمی" کا لفظ پہلے ہے اور "عربی" بعد میں ہے۔ (مترجم)

● مؤلف کتاب مرحوم اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو ان کی زبان کے علاوہ (کسی دوسری زبان) میں نازل کرتے اور اس کو عجمی لغت کا بنا (کر اتارتے) تو مشرکین یہ اعتراض کرنے لگتے "کیوں نہ اس کی آیات واضح کی گئیں اور اس کے کلمات ہماری عربی لغت میں کیوں نہ اترے۔ تاکہ ہم اس کو سمجھتے اور اس کے معانی میں غور و فکر کرتے؟" اور (عربی و عجمی) کا معنی یہ ہے کہ "رسول تو عربی ہو اور (اس کا) قرآن عجمی (زبان) کا ہو

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور ایک عجمی قرآن ایک عربی رسول پر کیسے نازل ہو سکتا ہے؟"

اگر وہ ان کو خطاب کیا گیا ہے تو یہ (الفاظ) ان کے کلام میں سے ہیں (یعنی یہ عربی الفاظ ہیں) اور (اہل لغت کی) یہ بات بعید نہیں ہے کہ غیر عرب اپنے بعض کلمات میں (کہ جو ان کی زبان کے ہوں ان الفاظ میں) عربوں کے موافق ہوں۔

اور اگر عربوں کو ان الفاظ سے خطاب نہیں کیا گیا اور نہ ہی انہوں نے ان الفاظ کو پہچانا تو یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان الفاظ سے خطاب کرے کہ جو وہ جانتے نہ ہوں اور اس وقت یہ قرآن عربی نہ ہوگا۔ اور نہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم کو ان کی زبان میں مخاطب ہوگا۔ ❶

توضیح

علامہ عبدالحق حقانی نے عیسائی پادریوں کے قرآن پر اعتراضات کے جواب سے تحریر فرمایا ہے "اگر کوئی کہے کہ موافق بیان تمہارے اقوال کے قرآن میں علاوہ زبان قوم عرب کے اور غیر زبانوں کے بہت سے الفاظ آئے ہیں۔ تو پھر قرآن عربیت سے کیونکر بری ہو سکتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ غیر زبانوں کے الفاظ مستعمل ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) اول یہ کہ وہ الفاظ عرب میں مستعمل ہی نہ ہوں۔

(۲) دوم یہ کہ مستعمل ہوں۔ اول صورت میں تو غرابت ہے دوسری میں نہیں۔

پس قرآن مجید میں جس قدر الفاظ غیر زبانوں کے وارد ہیں وہ تمام قوم عرب کے مستعمل اور مروج تھے۔ کیونکہ ان الفاظ پر کبھی کوئی نہ چونکا اور نہ کسی کو ان کے معانی دریافت کرنے کی ضرورت پڑی۔ (تفسیر حقانی جلد ۱ صفحہ ۱۴۳-۱۴۴ مقدمہ حاشیہ نمبر ۲)

بحث ترجمة القرآن

معنى الترجمة:

ترجمة القرآن معناها نقل القرآن إلى لغات أجنبية أخرى غير اللغة العربية وطبع هذه الترجمة في نسخ ليطلع عليها من لا يعرف اللغة العربية (لغة القرآن) ويفهم مراد الله عز وجل من كتابه العزيز بواسطة هذه الترجمة

أنواع الترجمة:

وتنقسم هذه الترجمة إلى قسمين:

الأول: الترجمة الحرفية

الثاني: الترجمة التفسيرية

والمراد بالقسم الأول (الحرفية) أن يترجم القرآن بألفاظه ومفرداته وجمله وتركيبه

❶ دیکھئے تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۶۹

ترجمة طبق الأصل إلى اللغة الإنجليزية أو الألمانية أو الفرنسية.

مثلاً فيقال: (القرآن باللغة الإنجليزية) أو (القرآن باللغة الألمانية) وهكذا فهي تشبه وضع المرادف مكان مرادفه، وبعض الناس يسمي هذه الترجمة (ترجمة لفظية).

وأما القسم الثاني (التفسيرية) فهو يترجم معنى الآيات الكريمة بحيث لا يتقيد الإنسان باللفظ، وإنما يكون همه المعنى، فيترجم القرآن بألفاظ لا يتقيد بها بالمفردات والتراكيب، وإنما يعمد إلى الأصل فيفهمه ثم يصبه في قالب يؤديه من اللغة الأخرى، ويكون هذا المعنى موافقاً لمراد صاحب الأصل فيفهمه ثمّ يصبّهُ في قالب يؤديه من اللغة الأخرى ويكون هذا المعنى موافقاً لمراد صاحب الأصل من غير أن يكلف نفسه عناء البحث والوقوف عند كل مفرد من المفردات أو لفظة من الألفاظ. وهذا النوع يسمى (الترجمة الحرفية) أو الترجمة المعنوية.

شروط الترجمة:

ويشترط للترجمة سواء كانت حرفية أو تفسيرية شروط عدة نوجزها فيما يلي:

(١) أن يعرف (المترجم) بكسر الجيم اللغتين معاً لغة الأصل ولغة الترجمة

(٢) أن يكون ملماً بأساليب وخصائص اللغات التي يريد ترجمتها.

(٣) أن تكون (صيغة الترجمة) صحيحة بحيث يمكن أن تحل محل الأصل

(٤) أن تفي الترجمة بجميع معاني الأصل ومقاصده وافية كاملة.

كما يشترط للترجمة (الحرفية) زيادة على هذه الشروط شرطان آخران:

الأول: وجود مفردات كاملة في لغة الترجمة مساوية للمفردات التي في لغة الأصل.

الثاني: تشابه اللغتين في الضمائر المستترة والروابط التي تربط الجمل لتأليف التركيب.

هل تجوز الترجمة الحرفية للقرآن؟

وعلى ضوء ما سبق من تقسيم الترجمة إلى حرفية وتفسيرية ومعرفة معنى كل منهما والشروط التي ينبغي أن تتوفر في الترجمة يتضح لنا أن (الترجمة الحرفية) غير جائزة وغير صحيحة وذلك للأسباب الآتية

أولاً: أنه لا يجوز كتابة القرآن بغير أحرف اللغة العربية منعاً للتحريف والتبديل.

ثانياً: إن اللغات (غير العربية) ليس فيها من الألفاظ والمفردات والضمائر ما يقوم مقام الألفاظ العربية.

ثالثاً: إن الاقتصار على الألفاظ قد يفسد المعنى ويسبب الخلل في التعبير والنظم.

ونضرب بعض الأمثلة على ذلك ليتضح الأمر فنقول:

لو أردنا ترجمة الآية الكريمة وهي قوله تعالى: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا﴾ (الإسراء: ٢٩)

فإذا أردنا ترجمتها ترجمة حرفية فإن الترجمة تكون كالآتي: لا تجعل يدك مربوطة إلى عنقك ولا تمدها كل المد إلى آخره وهو معنى فاسد لم يقصده القرآن الكريم بل قد يستنكر المترجم له هذا الوضع فيقول: لماذا ينهانا الله عن ربط اليد بالعنق أو مدها غاية المد؟

فالتعبير الذي جاء في القرآن إنما هو من (باب التمثيل) لبيان عاقبة الإسراف أو الشح وهو معنى من أروع المعاني لا يدركه إلا من فهم أساليب العرب في التخاطب والأسلوب البليغ. وكذلك قوله تعالى ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ فإن هذه اللفظة لا يمكن ترجمتها ترجمة حرفية لوجود نوع خاص من التعبير البليغ يسمى بـ (الاستعارة المكنية) وهذا لا يوجد في غير اللغة العربية، ومثله قوله تعالى. ﴿قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ وقوله ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾ ومثله كذلك قوله تعالى ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ فإذا ترجمناها ترجمة حرفية يفسد المعنى تماماً ويصبح ضرباً من الهذيان في الكلام وأمثال هذا كثير وفساده واضح.

ترجمة القرآن بالمعنى:

أما ترجمة القرآن بالمعنى فهي جائزة بالشروط المتقدمة وهي لا تسمى (قرآناً) وإنما تسمى تفسير القرآن. وذلك لأن الله تعبدنا بألفاظ القرآن ولم يتعبدنا بغيره من الكلام. فكلام الرسول ﷺ تجوز روايته بالمعنى بأن نقول قال رسول الله ما معناه ولكن القرآن لا يجوز روايته بالمعنى فلا يصح أن نقول: قال الله تعالى ما معناه، بل لا بد من تلاوة النص بحروفه وألفاظه لأنه موحى به من عند الله ولأنه معجز بلفظه ومعناه.

فالترجمة في الحقيقة هنا ليست ترجمة للقرآن وإنما هي ترجمة لمعاني القرآن أو ترجمة لتفسير القرآن، وقد أنزل الله كتابه إلى الخلق أجمعين ليكون مصدر هداية وإرشاد وإسعاد لهم، فلا مانع لنا أن ننقل معاني القرآن إلى الأمم الأخرى ممن لا يعرفون اللغة العربية ليستنيروا بهذا القرآن ويقتبسوا من هديه وإرشاده. وهذا بلا شك غرض من أغراض القرآن ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾

ترجمة القرآن بهذا المعنى يجيزها العلماء بل هي واجبة على المسلمين ليبلغوا الناس دعوة الله ويحملوا إليهم هداية القرآن، وبغير هذه الترجمة لا يمكن أن يدرك الناس عظمة

(۱) مترجم (جیم کے کسرہ کے ساتھ یعنی ترجمہ کرنے والا) دونوں زبانوں کو یعنی جو جانتا ہو اصل کی لغت اور ترجمہ کی لغت۔

(۲) دونوں لغات کی خصوصیات اور (ان کے) اسالیب سے واقف ہو کہ جس کا ترجمہ کر رہا ہے۔

(۳) ترجمہ کے الفاظ اس طرح صحیح ہوں کہ انہیں اصل کی جگہ رکھنا ممکن ہو۔

(۴) اس ترجمہ سے تو اصل کے تمام معانی اور مقاصد کو پورا پورا لیا ہو۔

جبکہ لفظی ترجمہ میں ان شرائط کے علاوہ دو مزید شرطوں کی قید لگائی جاتی ہے۔

(۱) ترجمہ کی لغت میں کامل مفردات کو پایا جانا کہ جو ان مفردات کے مساوی (اور برابر) ہوں کہ جو اصل کی لغت ہیں۔

(۲) دونوں لغات کا پوشیدہ ضمائر اور ان (حروف) رابطہ میں یکسانیت کا ہونا کہ جو ترکیب کے بنانے میں جملوں کو جوڑتے ہیں۔ ❶

کیا قرآن کا لفظی ترجمہ جائز ہے؟

گزشتہ (مذکورہ عبارت) سے ترجمہ کی لفظی اور تفسیری میں تقسیم دونوں میں سے ہر ایک کے معنی اور ان شرائط کی معرفت کی روشنی میں کہ جن کا ترجمہ میں پایا جانا ضروری ہے۔ ہم پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لفظی ترجمہ ناجائز اور غیر ممکن ہے۔ اور یہ بات ان آئندہ (مذکورہ ذیل) اسباب کی وجہ سے ہے۔

(۱) لغت عربی کے الفاظ کے بغیر کتابت قرآن ناجائز ہے کہ کہیں (قرآن میں) تحریف اور تبدیلی نہ ہو جائے۔ ❷

(۲) غیر عربی لغات میں وہ الفاظ، مفردات اور تعبیریں نہیں ہیں کہ جو عربی الفاظ کا قائم مقام ہو سکیں۔ ❸

(۳) صرف الفاظ پر اکتفا کرنا کبھی کبھی معنی کو بگاڑ دیتا ہے اور وہ تعبیر اور نظم (قرآن) میں خلل کا سبب بنتا ہے۔

ہم یہاں پر چند مثالیں پیش کرتے ہیں تاکہ (ہماری) بات (اور مدعا) واضح ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں:

اگر ہم اس ارشاد خداوندی کا ترجمہ کرنا چاہیں (جو یہ ہے)

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ (الاسراء: ۲۹)

"اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا۔" ❹ (تفسیر عثمانی)

● شاہ عبدالقادر صاحب کا "موضح القرآن" اور شاہ رفیع الدین صاحب کے تراجم اس کی بہترین اور صحیح ترین مثالیں ہیں۔ (مترجم)

❷ ہمارے اکابر نے تو ان دونوں (لفظی) کے علاوہ دوران کے بعد کے اکابر علماء دیوبند نے تفسیری و لفظی ہر قسم کے ترجمہ قرآن کے متن کے ساتھ چھاپنے کا اہتمام کیا ہے۔ (مترجم) ❸ یہ بات محل نظر ہے۔ (مترجم) ❹ حضرت شیخ الہند نے تو تحت اللفظ ترجمہ کیا ہے۔ (مترجم)

جب ہم اس کا لفظی ترجمہ کرنا چاہیں گے تو یہ ترجمہ اس طرح ہوگا۔

"اپنا ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ کر نہ رکھو اور نہ اس کو بالکل لمبا کر دے (یعنی کھول دے) اور یہ وہ معنی ہے کہ جو قرآن کریم نے مراد نہیں لیا۔ بلکہ مترجم خود اس طرح ترجمہ کرنے کو اچنبھا پائے گا۔ اور کہے گا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہاتھ گردن کے ساتھ باندھنے یا اس کو پوری طرح لمبا کرنے سے کیوں منع کیا ہے؟"

چنانچہ وہ تعبیر کہ جو قرآن میں آئی ہے یہ تمثیل کے باب میں سے ہے تاکہ اسراف (یعنی فضول خرچی) اور بخل کے انجام کو بیان کیا جائے۔ اور یہ نہایت عمدہ معانی میں سے ایک معنی ہے اس کو کوئی نہیں پائے گا مگر وہی کہ جو عربی اسالیب کو اس بلیغ اسلوب کے ساتھ مخاطب کرنے کو سمجھتا ہے۔

اسی طرح یہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ (الاسراء: ٢٤)

"اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر کر نیازمندی سے۔" (تفسیر عثمانی)

کہ اس لفظ کا لفظی ترجمہ ممکن نہیں کیونکہ اس میں تعبیر بلیغ کی ایک خاص نوع پائی جاتی ہے جس کا نام استعارہ مکنیہ ہے اور یہ غیر عربی زبان میں نہیں پایا جاتا ہے اور اسی کی مثل یہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (یونس: ٢)

"پایہ سچا ہے ان کے رب کے یہاں۔" (تفسیر عثمانی)

اور یہ فرمان الٰہی:

﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾ (القمر: ١٤)

"بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے۔" (تفسیر عثمانی)

اسی طرح یہ ارشاد خداوندی بھی اسی کی مثل ہے۔

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ (البقرة: ١٨٧)

"وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔" (تفسیر عثمانی)

چنانچہ جب ہم ان آیات کا لفظی ترجمہ کریں گے تو سارا معنی ہی بگڑ جائے گا۔ اور یہ ایک بے تکا قسم کا (اوٹ پٹانگ) کلام بن جائے گا۔ اور اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں اور اس کا فساد (بالکل) واضح ہے۔

قرآن کا معنوی ترجمہ

رہا قرآن کا معنوی ترجمہ تو وہ گزشتہ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اور اس کا نام قرآن نہیں رکھا جاتا۔ (بلکہ) بے شک اس کا نام قرآن کی تفسیر رکھا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں الفاظ قرآن (کے پڑھنے) کا حکم دیا ہے اور الفاظ قرآن کے علاوہ دیگر کلام (کے پڑھنے) کا حکم نہیں دیا۔ پس کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت بالمعنی جائز ہے وہ اس طرح کہ ہم "کال

قرآنیہ مختصر از فتح الرحمن کے نام سے تحریر فرمائے۔ یہ ترجمہ مطبع مصطفائی میرٹھ میں چھپا جس کے حاشیہ پر تفسیر عباسی شائع کی گئی۔

تفسیر فارسی از شاہ عبدالعزیز صاحب ؒ

بعد ازاں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے "تفسیر عزیزی" کے نام سے فارسی میں تفسیر لکھی جو نامکمل رہی۔

ترجمہ اردو از شاہ عبدالقادرؒ شاہ رفیع الدینؒ ۱۲۰۵ ہجری

سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ فارسی کو بھی زوال آیا اور اردو نے ترقی کی تو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے دوسرے فرزند شاہ عبدالقادر صاحب نے ۱۸۰۲ء/ ۱۲۰۵ ہجری میں اردو میں ترجمہ کیا اور اردو میں تفسیری مختصر فوائد لکھے جو "موضح القرآن" کے نام سے موسوم ہیں۔ اور غالباً دو سال بعد ۱۸۰۳ء/ ۱۲۰۷ ہجری میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے صاف اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد اردو میں کئی تفسیریں اور ترجمے ہوئے۔ جن میں مولانا اشرف علی صاحبؒ کی تفسیر بیان القرآن اور اردو ترجمہ فاضل دیوبند مظہر تفسیر حقانی فاضل دیوبند (اور) شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا فاضل دیوبند اور اس پر علامہ شبیر احمد عثمانی فاضل دیوبند کا ترجمہ سرسید کے پہلے چودہ پاروں کی تفسیر' مرزا حیرت دہلوی' مولوی فتح محمد جالندھری' ڈپٹی نذیر احمد دہلوی' مولانا عاشق الٰہی میرٹھی' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' مولوی فیروز الدین' مولانا عبدالماجد دریا آبادی' مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ علیہم کے ترجمے' تفسیریں اور فوائد طبع ہوئے۔ ("حیات حقانی" صفحہ ۲۸۵-۲۸۶)

قرآن کریم کی طباعت

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں جب تک پریس ایجاد نہیں ہوا تھا قرآن کریم کے تمام نسخے قلم سے لکھے جاتے تھے اور ہر دور میں ایسے کاتبوں کی ایک بڑی جماعت موجود رہی ہے جس کا کتابت قرآن کے سوا کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ قرآن کریم کے حروف کو بہتر سے بہتر انداز میں لکھنے کے لئے مسلمانوں نے جو محنتیں کیں اور جس طرح اس عظیم کتاب کے ساتھ اپنے والہانہ شغف کا اظہار کیا اس کی ایک بڑی مفصل اور دلچسپ تاریخ ہے جس کے لئے مستقل تصنیف چاہیے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

پھر جب پریس ایجاد ہوا تو سب سے پہلے ہمبرگ کے مقام پر ۱۱۱۳ ہجری میں قرآن کریم طبع ہوا جس کا ایک نسخہ اب تک دارالکتب المصریہ میں موجود ہے اس کے بعد متعدد مستشرقین نے قرآن کریم کے نسخے طبع کرائے۔ لیکن اسلامی دنیا میں ان کو قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ اس کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے مولائے عثمان نے روس کے شہر "سینٹ پیٹرس برگ" میں ۱۷۸۷ء میں قرآن کریم کا ایک نسخہ طبع کرایا اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ چھاپا گیا۔ ۱۸۲۸ء میں ایران کے شہر تہران میں قرآن کریم کو پتھر پر چھاپا گیا۔ پھر اس کے مطبوعہ نسخے دنیا بھر میں عام ہو گئے۔ ❶ (علوم القرآن صفحہ ۲۰۱)

---

❶ طباعت کی تاریخ کے لئے دیکھئے "تاریخ القرآن للکردی" صفحہ ۱۸۶ اور "علوم القرآن" ڈاکٹر صبحی صالح اردو ترجمہ از غلام احمد حریری صفحہ ۱۲۰۔

الفصل العاشر

نزول القرآن على سبعة أحرف والقراءات المشهورة

تمهيد

لما خلق الله الخلق، جعل لكم منهم شرعة ومنهاجاً، وكان للعرب لهجات متعددة، اكتسبوها من فطرتهم، واقتبسوا بعضها من جيرانهم، وكانت لغة قريش لها الصدارة والتفوق لأسباب عديدة منها: اشتغالهم بالتجارة ووجودهم عند بيت الله الحرام وقيامهم على السقاية والرفادة، وكان القرشيون يقتبسون بعض اللهجات والكلمات التي تعجبهم من غيرهم، وكان من الطبيعي أن ينزل الله أحكم الحاكمين القرآن، باللغة التي يفهمها العرب أجمع لتيسير فهمها وللإعجاز والتحدي لأرباب الفصاحة بالإتيان بسورة أو بآية وتيسير قراءته وفهمه وحفظه لهم، لأنه نزل بلغتهم كما قال جل ثناؤه: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾.

أدلة نزول القرآن على سبعة أحرف:

أولاً: روى البخاري ومسلم في صحيحيهما عن ابن عباس رضي الله عنه أنه قال: قال رسول الله ﷺ ((أقرأني جبريل على حرف فراجعته فلم أزل أستزيده ويزيدني حتى انتهى إلى سبعة أحرف)) زاد مسلم: (قال ابن شهاب: بلغني أن تلك السبعة في الأمر الذي يكون واحداً لا يختلف في حلال ولا حرام)

ثانياً: روى البخاري ومسلم - واللفظ للبخاري - أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال (سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله ﷺ، فاستمعت لقراءته فإذا هو يقرؤها على حروف كثيرة لم يقرئنيها رسول الله ﷺ فكدت أساوره في الصلاة فانتظرته حتى سلم ثم لببته بردائه فقلت: من أقرأك هذه السورة؟ قال: أقرأنيها رسول الله ﷺ قلت له: كذبت، فوالله إن رسول الله ﷺ أقرأني هذه السورة التي سمعتك تقرؤها، فانطلقت أقوده إلى رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله إني سمعت هذا يقرأ بسورة الفرقان على حروف لم تقرئنيها وأنت أقرأتني سورة الفرقان فقال رسول الله ﷺ أرسله يا عمر، اقرأ يا هشام، فقرأ هذه القراءة التي سمعته يقرؤها قال رسول الله ﷺ هكذا أنزلت، ثم قال: ((إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرؤوا ما تيسر

منه))

وفي بعض الروايات ان رسول الله استمع الى قراءة عمر ايضا وقال هكذا انزلت

ثالث: روى مسلم بسنده عن ابي بن كعب قال: ((كنت في المسجد فدخل رجل يصلي فقرأ قراءة أنكرتها عليه ثم دخل آخر فقرأ قراءة سوى قراءة صاحبه فلما قضينا الصلاة دخلنا جميعا على رسول الله ﷺ فقلت: إن هذا قرأ قراءة انكرتها عليه، ودخل آخر فقرأ سوى قراءة صاحبه فأمرهما رسول الله ﷺ فقرآ، فحسن النبي ﷺ شأنهما، فسقط في نفسي من التكذيب ولا إذ كنت في الجاهلية، فلما رأى رسول الله ﷺ ما قد غشيني ضرب في صدري، ففضت عرقا، وكأنما انظر الى الله عز وجل فرقا فقال لي: يا أبي، أرسل إلي ان اقرأ القرآن على حرف فرددت إليه: ان هون على أمتي، فرد إلي الثانية اقرأه على حرفين، فرددت إليه: ان هون على أمتي، فرد إلي الثالثة: اقرأه على سبعة احرف، ولك بكل ردة رددتها مسألة تسألنيها فقلت: ((اللهم اغفر لامتي واخرت الثالثة ليوم يرغب إلي الخلق، كلهم حتى ابراهيم ﷺ)) اهـ.

قال القرطبي: ((فكأن هذا الخاطر المشير إلى ما سقط في نفس أبي) من قبيل ما قال فيه النبي ﷺ حين سألوه: إنا نجد في أنفسنا ما يتعاظم احدنا ان يتكلم به. قال: أوقد وجدتموه؟ قالوا: نعم. قال ذلك صريح الإيمان)) رواه مسلم.

رابعا: روى الحافظ أبو يعلى في مسنده الكبير أن عثمان رضي الله عنه قال يوما وهو على المنبر ((أذكر الله رجلا سمع النبي ﷺ قال: إن القرآن أنزل على سبعة احرف كلها شاف كاف)) لما قام، فقاموا حتى لم يحصوا، فشهدوا أن الرسول ﷺ قال ((أنزل القرآن على سبعة حروف كلها شاف كاف)). فقال عثمان وأنا أشهد معهم)

خامسا: روى مسلم بسنده عن ابي بن كعب أن النبي ﷺ كان عند أضاة بني غفار قال ((فأتاه جبريل عليه السلام فقال: إن الله يأمرك أن تقرأ أمتك القرآن على حرف. فقال: أسأل الله معافاته ومغفرته، وإن أمتي لا تطيق ذلك. ثم أتاه الثانية فقال: ان الله يأمرك ان تقرأ أمتك القرآن على حرفين. فقال: أسأل الله معافاته ومغفرته، وإن أمتي لا تطيق ذلك. ثم جاءه الثالثة فقال: إن الله يأمرك أن تقرأ أمتك القرآن على ثلاثة أحرف. فقال: أسأل الله معافاته ومغفرته وإن أمتي لا تطيق ذلك. ثم جاءه الرابعة فقال إن الله يأمرك أن تقرأ امتك القرآن على سبعة احرف، فأيما حرف قرؤوا عليه فقد أصابوا))

اهـ

سادساً: روى الترمذي عن أبي بن كعب أيضاً قال: لقي رسول الله ﷺ جبريل عند أحجار المروة، قال: فقال رسول الله ﷺ لجبريل: إني بعثت إلى أمة أميين فيهم الشيخ الفاني والعجوز الكبيرة والغلام، قال: ((فمرهم فليقرؤوا القرآن على سبعة أحرف)) قال الترمذي: حسن صحيح.

وفي لفظ: (فمن قرأ بحرف منها فهو كما قرأ)

وفي لفظ حذيفة: ((فقلت يا جبريل إني أرسلت إلى أمة أمية فيهم الرجل والمرأة والغلام والجارية والشيخ الفاني الذي لم يقرأ كتابا قط قال: ((إن القرآن أنزل على سبعة أحرف))

سابعاً: أخرج الإمام أحمد بسنده عن أبي قيس مولى عمرو بن العاص عن عمرو أن رجلا قرأ آية من القرآن فقال له عمرو: إنما هي كذا وكذا، فذكر ذلك للنبي ﷺ فقال: ((إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف، فأي ذلك قرأتم أصبتم فلا تماروا))

ثامناً: روى الطبري والطبراني عن زيد بن أرقم قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال: أقرأني ابن مسعود سورة أقرأنيها زيد بن ثابت وأقرأنيها أبي بن كعب فاختلفت قراءتهم، فبقراءة أيهم آخذ؟ فسكت رسول الله ﷺ وعلي إلى جنبه فقال علي: ليقرأ كل إنسان منكم كما علم فإنه حسن جميل.

تاسعاً: أخرج ابن جرير الطبري عن أبي هريرة أنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرؤوا ولا حرج ولكن لا تختموا ذكر رحمة بعذاب ولا ذكر عذاب برحمة)) اهـ

لغات: شِرْعة: راستہ۔ منہاج: طریقہ۔ الصدارت: اولین حیثیت اعلیٰ مقام۔ ذیوع: پھیلنا۔ سدانت: خانہ کعبہ کی خدمت و دربانی۔ رفادہ: وہ مال جسے عرب نکال کر غریب حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ حجاج کرام کی ایام حج میں مہمان نوازی۔

ترجمہ: دسویں فصل

قرآن کا "سات حروف" پر اترنا اور مشہور قراءتیں

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

جب اللہ تعالیٰ نے (ساری) مخلوق کو پیدا کیا اور ہر ایک کے لئے ایک مسلک اور ایک راستہ بنایا۔ اور عربوں کے کئی لہجے ● تھے۔ جنہیں انہوں نے اپنی فطرت (کی صلاحیتوں) سے حاصل کیا۔ اور بعض لہجوں کو اپنے پڑوسیوں سے لیا۔ اور لغت قریش کو (دیگر زبانوں اور لغات پر) کئی اسباب کی وجہ سے برتری اور (عام) اشاعت (اور پھیلاؤ) حاصل تھی۔

ایک وجہ قریش کا (پیشہ) تجارت کو اختیار کرنا اور ان کا بیت اللہ الحرام کے پاس رہنا اور بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی خدمت اور حاجیوں کی (قیام و طعام وغیرہ کی) خدمت (ضیافت) کی ذمہ داری اٹھانا تھی۔

اور قریش دیگر زبانوں اور ان الفاظ کو (سیکھ لیا کرتے تھے اور انہیں) حاصل کر لیا کرتے تھے جو انہیں دوسروں سے اچھے لگتے۔ اور یہ ایک فطری بات تھی کہ اللہ (تعالیٰ) احکم الحاکمین نے قرآن کو

اس لغت میں اتارا جسے سب عرب سمجھتے تھے۔ تاکہ عربوں کو (قرآن کی) لغت سمجھنا آسان ہو۔ اور (قرآن کے) اعجاز اور اسلوب فصاحت کو اس کی ایک سورت یا ایک آیت (جیسی کی مثل) لانے کا چیلنج کرنے کے لئے اور اس کی قراءت (و تلاوت) اور اس کو سمجھنے اور عربوں کو اسے یاد کرنے میں آسانی کرنے کے لئے (اسے اس زبان میں اتارا جسے وہ سمجھتے تھے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن ان کی لغت پر اتارا۔

جیسا کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (یوسف: ۲)

"ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تا کہ تم سمجھ لو۔" (تفسیر عثمانی)

قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے کے دلائل

(۱) بخاری و مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے جبرائیل (علیہ السلام) نے قرآن (کریم) ایک حرف پر پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعت کی اور میں زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ (قرآن کریم کے حروف میں) اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سات حروف تک پہنچ ❷ گئے۔"

● "لہجہ" مقامی زبان آہنگ کلام لب و لہجہ (القاموس الوحید صفحہ ۱۵۰۰ کالم نمبر ۲)

❷ یہ ترجمہ علوم القرآن صفحہ ۹۹ سے لیا گیا ہے اور یہ حدیث مناہل العرفان جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ پر بھی درج ہے۔ یہ حدیث صحیح البخاری ج ۳ ص ۲۲۸ اور صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۶۱ میں ان دونوں حضرات نے اپنی سند کیساتھ اس کو عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے۔

اور امام مسلم نے یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں۔

"ابن شہاب کہتے ہیں کہ یہ سات حروف اس امر میں ہیں کہ جو ایک ہے (اور) حرام اور حلال میں مختلف نہیں۔"

توضیح

سات حروف کا مطلب

علامہ تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں: ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرؤوا ما تيسر منه

"یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے پس اس میں جو تمہارے لئے آسان ہو۔ اس طریقے سے پڑھو۔" ❶

اس حدیث میں قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟ یہ ایک بڑی معرکۃ الآراء اور طویل الذیل بحث ہے اور بلاشبہ علوم قرآن کے مشکل ترین مباحث میں سے ہے۔ یہ مذکورہ حدیث معنی کے اعتبار سے متواتر ہے۔ اور مشہور محدث امام ابوعبید قاسم بن سلام نے اس کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور حدیث و قرأت کے مشہور امام علامہ ابن الجزریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مستقل کتاب میں اس حدیث کے تمام طرق جمع کئے ہیں۔ ان کے مطابق یہ حدیث اکیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔ ❷

اب اس حدیث میں سات حروف پر نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلے میں آراء و نظریات کا شدید اختلاف ❸ ہے۔ حتیٰ کہ علامہ ابن عربی نے اس بارے میں پینتیس اقوال شمار کئے ہیں۔ ❹ چند ایک یہ ہیں۔

(۱) جو لوگ اس سے سات مشہور قاریوں کی قراءتیں مراد لیتے ہیں ان کا یہ خیال تو بالکل غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی متواتر قراءتیں انہی سات میں منحصر نہیں۔ دیگر قراءتیں بھی تواتر سے ثابت ہیں۔ اور ان سات کے مشہور ہونے کی وجہ علامہ ابن مجاہدؒ کا ان کو ایک کتاب میں جمع کر دینا ہے۔ ان کا مقصد نہ ان میں انحصار تھا اور نہ ہی یہ سات قراءتیں سبعۃ احرف کی تشریح کے طور پر جمع کی تھیں۔

(۲) بعض نے سات قراءتیں تو مراد لی ہیں مگر سات کے عدد سے کثرت مراد لی ہے چنانچہ ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم بہت سی قراءتوں پر نازل ہوا متقدمین میں قاضی عیاض کا بھی مسلک ❺ ہے۔ اور یہی قول آخری دور میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا بھی ہے۔ لیکن یہ قول اس لئے درست نہیں کہ بخاری و مسلم کی وہ حدیث (کہ جو متن کتاب التبیان میں مذکور ہے) سے پتا چلتا ہے کہ اس سے سات کا مخصوص عدد ہی مراد ہے جمہور نے اس قول کی تردید کی ہے۔

---

❶ صحیح بخاری مع القسطلانی صفحہ ۴۵۴ جلد ۵ کتاب فضائل القرآن۔

❷ ابن الجزری: النشر فی القراءات العشر جلد ۱ صفحہ ۲۱ دمشق ۱۳۴۵ ہجری

❸ زرکشی: البرہان فی علوم القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۱۳

❹ روح المعانی جلد ۱ صفحہ ۲۱ مطبوعہ مصر ۱۳۵۰ ہجری

نے فرمایا کہ میں نے ہشام بن حکیمؓ کو آپ ﷺ کی زندگی میں سورۂ فرقان پڑھتے سنا، میں نے ان کی قراءت کو غور سے سنا تو اچانک وہ ایسے بہت سے حروف پر پڑھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان سے الجھ پڑتا (لیکن میں نے اپنا توقف کیا) اور میں نے ان کا انتظار کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیرا۔ پھر میں نے انہیں ان کی چادر سے پکڑ کر کھینچا ❶ اور میں نے پوچھا "تمہیں یہ سورۃ کس نے پڑھائی ہے؟" انہوں نے کہا "مجھے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔" تو میں نے انہیں کہا "تم غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم یہی سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے سنا ہے وہ مجھے (بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔"

چنانچہ میں انہیں کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے انہیں سورۂ فرقان ان حروف پر پڑھتے سنا ہے جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے۔ جبکہ آپ نے مجھے سورۂ فرقان پڑھائی ہے۔ تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے عمر! اسے چھوڑ دو (اور) اے ہشام! تم پڑھو۔" چنانچہ انہوں نے (سورۂ فرقان) اسی قراءت پر پڑھی جس پر میں نے پڑھتے سنا تھا۔"

(اس کو سن کر) آپ نے ارشاد فرمایا (یہ سورت) اسی طرح اتری ہے پھر فرمایا "یہ قرآن سات حرفوں پر اترا ہے۔ لیکن اس میں جو تمہیں سہل لگے آسان ہو اسی طریقے پر پڑھو۔"

اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ کی قراءت بھی سنی اور (سن کر یہ) ارشاد فرمایا (یہ سورت اسی طرح (بھی) اتری ہے۔"

(۳) مسلمؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں "میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص نے آ کر نماز پڑھنا شروع کی۔ اور اس نے ایسی قراءت کی جسے میں نے اس سے نہ پہچانا۔ پھر ایک اور آدمی آیا (اور آ کر نماز میں) وہ قراءت کی جو اس کے ساتھی کے علاوہ تھی۔ جب ہم نماز ادا کر چکے تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو میں نے عرض کیا "اس شخص نے وہ قراءت کی جو میں اس سے پہچانتا نہیں ہوں اور (یہ) دوسرا آیا اور اس نے اپنے ساتھی کے علاوہ دوسری قراءت کی۔

چنانچہ آپ نے دونوں کو حکم دیا (کہ وہ پڑھیں) انہوں نے پڑھا تو آپ نے دونوں کی قراءتوں کو اچھا کہا۔ (حضرت ابیؓ فرماتے ہیں کہ) پھر میرے دل میں ایسے شکوک وشبہات آنے لگے کہ جو اس وقت بھی نہ آئے تھے کہ جب میں زمانہ جاہلیت میں تھا۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری وہ پریشانی دیکھی کہ جو مجھے لاحق ہوئی تھی (یعنی میرے اوپر طاری ہونے والی گھبراہٹ کو محسوس کیا)

---

❶ جیسے کسی کا گریبان کھینچتے ہیں۔ (مترجم)

تو آپ نے میرے سینے پر (ہاتھ) مارا جس میں پسینے میں شرابور ہو گیا۔ گویا کہ میں اللہ عزوجل کو سامنے (واضح طور پر) دیکھ رہا ہوں۔ تو آپ نے مجھے فرمایا "میری طرف (جبرئیل) یہ پیغام دے کر بھیجے گئے کہ "آپ قرآن کو ایک حرف پر پڑھیں" تو میں نے ان کو واپس کر دیا کہ میری امت پر آسانی کیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے (انہیں) میری طرف دوبارہ بھیجا کہ آپ اس کو دو حرفوں پر پڑھئے۔ میں نے ان کو (دوبارہ) واپس بھیج دیا کہ میری امت پر آسانی کیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف (حضرت جبرائیل کو) تیسری مرتبہ بھیجا کہ آپ اس کو سات حرفوں پر پڑھئے اور آپ کے لئے ہر دفعہ کے واپس بھیجنے پر ایک دعا ہے (اور ایک سوال ہے) جو آپ مجھ سے مانگیے۔ چنانچہ میں نے (یہ دعا) مانگی۔ "اے اللہ میری امت کی مغفرت فرما۔" اور میں نے تیسری (دفعہ کی) دعا کو موخر کر دیا اس دن کے واسطے کہ جس کی طرف ساری مخلوق مائل ہے حتیٰ کہ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام بھی (یعنی قیامت کے دن کے لیے)" اھ

(مولف کتاب فرماتے ہیں کہ) علامہ قرطبی فرماتے ہیں "یہ خیال (علامہ قرطبی اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جو حضرت ابی کے جی میں آئی) اس قبیل میں سے ہے جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا "ہم اپنے جیوں میں وہ بات پاتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اس کو بیان کرنا بہت بڑی بات سمجھتا ہے تو آپؐ نے فرمایا" کیا (واقعی) تم (اپنے جیوں میں) اس (طرح کی) بات کو پاتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا" جی ہاں" تو آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ صریح ایمان ہے (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے)

(۴) حافظ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند کبیر میں روایت کیا ہے حضرت عثمانؓ نے ایک دن منبر پر تشریف فرما تھے آپ نے ارشاد فرمایا "میں اس شخص کو خدا یاد دلاتا ہوں (یعنی اسے اللہ کے واسطہ دیتا ہوں یا یہ کہ اسے اللہ کی قسم دیتا ہوں) کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہو کہ "یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے جن میں سے ہر ایک شافی اور کافی ہے۔" وہ شخص کھڑا ہو جائے۔ تو اتنے لوگ کھڑے ہو گئے کہ جن کو شمار نہ کیا جا سکا۔

چنانچہ ان لوگوں نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ان میں سے ہر ایک کافی شافی ہے۔" تو اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا" ان کے ساتھ میں (بھی اس بات کی) گواہی دیتا ہوں۔

(۵) مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے (پانی کے کچے) تالاب ● کے پاس تھے ابی کہتے ہیں" حضرت جبرئیل (علیہ السلام) آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا" اللہ نے آپؐ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپؐ کی (ساری) امت قرآن کریم کو ایک ہی حرف پر پڑھے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا" میں اللہ سے معافی اور مغفرت طلب کرتا ہوں میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام دوبارہ آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ آپؐ کی امت قرآن کریم

● مولف کتاب اضاۃ کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ پانی کے کچے تالاب کو کہتے ہیں کہ جو جوہڑ کی طرح ہوا ہو اسے اضاۃ کہتے تھے غفار اس لئے کہتے تھے کہ یہ قبیلہ وہاں آ کر فروکش ہوا تھا۔

کو دو حرفوں پر پڑھے آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔"

پھر وہ تیسری بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ "آپ ﷺ کی امت قرآن کریم کو تین حروف پر پڑھے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں۔ میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے پھر وہ چوتھی بار آئے اور فرمایا "اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ کی امت قرآن کو سات حروف پر پڑھے۔ پس وہ جس حرف پر پڑھیں گے ان کی قراءت درست ● ہوگی۔"

(۶) ترمذی نے بھی حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات مروہ کے پتھروں کے قریب حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ہوئی۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت جبرئیل سے کہا۔

"میں ایک ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں جس میں اب کو بوڑھے بھی ہیں ان رسیدہ بوڑھیاں بھی اور بچے بھی حضرت جبرئیل نے فرمایا "ان کو حکم کیجئے کہ وہ قرآن کو سات حروف پر پڑھیں۔" ●

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

اور ایک روایت میں یہ (الفاظ) ہیں۔

"جس نے ان میں سے ایک حرف پر بھی پڑھا تو اس نے جیسے قرآن تھا اس طرح پڑھا تھا۔"

اور حضرت حذیفہؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "میں نے کہا اے جبرئیل مجھے ایک ان پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہے ان میں مرد اور عورت اور لڑکے اور لڑکیاں اور وہ اب کو بوڑھے بھی ہے کہ جس نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے فرمایا "بے شک قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔"

(۷) امام احمدؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو قیسؓ مولیٰ عمرو بن العاصؓ سے نقل کیا ہے اور انہوں نے حضرت عمروؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی قرآن کی آیت پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمروؓ نے ان سے کہا "یہ آیت تو ایسے ایسے ہے پھر یہ بات انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں) عرض کی۔ آپ نے فرمایا "یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے پس تم جس حرف پر بھی پڑھو گے درست پڑھو گے۔ لہٰذا (آپس میں اس بات پر) مت جھگڑو۔

(۸) طبری اور طبرانیؒ نے حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں "ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کیا "مجھے عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک سورت پڑھائی وہی زید بن ثابتؓ نے پڑھائی اور ابی بن کعبؓ نے (بھی) وہ (ہی) پڑھائی۔ ان سب نے (ایک دوسرے سے اس سورت میں) اپنی اپنی قراءتوں میں اختلاف کیا۔ تو میں ان میں سے کس کی قراءت کروں؟ پس آپ خاموش رہے۔ اور حضرت

● یہ ترجمہ علوم القرآن صفحہ ۱۰۰-۱۰۱ سے لیا گیا ہے۔ (مترجم)

● یہ ترجمہ علوم القرآن صفحہ ۱۱۲ سے لیا گیا ہے۔ (مترجم)

علیؓ ان کے پہلو میں (بیٹھے) تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "یہ یہ کہ تم میں سے ہر آدمی جس طرح جانتا ہے اسی طرح ہی پڑھے کیا ہی (اور) خوبصورت بات ہے۔

(۹) ابن جریر طبری نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔ تم میں کو (جس قراءت پر مرضی) پڑھو (اس میں) کوئی حرج نہیں۔ لیکن رحمت کا ذکر عذاب کے ساتھ ختم نہ کرو اور نہ ہی عذاب کا ذکر رحمت کے ساتھ۔"

الحكمة من نزول القرآن على سبعة أحرف:

(۱) التيسير على الأمة الإسلامية وخاصة الأمة العربية التي نزل عليها القرآن وكان لها لهجات متعددة على الرغم أنها تجمعها كلمة العروبة تأخذ هذا من قوله ﷺ: ((أن هون على أمتي)) ((وإن أمتي لا تطيق ذلك)) وغيرها.

قال المحقق بن الجزري:

((وأما سبب وروده على سبعة أحرف فللتخفيف على هذه الأمة وإرادة اليسر بها والتهوين عليها شرفا لها وتوسعة ورحمة وخصوصية لفضلها وإجابة لقصد نبيها أفضل الخلق وحبيب الحق حيث أتاه جبريل فقال إن الله يأمرك أن تقرأ أمتك القرآن على حرف فقال صلى الله عليه وسلم أسأل الله معافاته ومغفرته ومعونته ((وإن أمتي لا تطيق ذلك ولم يزل يردد المسألة حتى بلغ سبعة أحرف)) ثم قال: وكما ثبت أن القرآن نزل من سبعة أبواب على سبعة أحرف، وأن الكتاب قبله كان ينزل من باب واحد على حرف واحد، وذلك أن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام كانوا يبعثون إلى قومهم الخاصين والنبي ﷺ بعث إلى جميع الخلق أحمرهم وأسودهم، عربيهم وعجميهم، وكان العرب الذي نزل القرآن بلغتهم، لغاتهم مختلفة وألسنتهم شتى ويعسر على أحدهم الانتقال من لغة إلى غيرها، أو من حرف إلى آخر، بل قد يكون بعضهم لا يقدر على ذلك ولو بالتعليم والعلاج لا سيما الشيخ والمرأة ومن لم يقرأ كتابا كما أشار إليه ﷺ، فلو كلفوا العدول عن لغتهم والانتقال عن ألسنتهم لكان من التكليف بما لا يستطاع وما عسى أن يتكلف المتكلف وتأبى الطباع)) اهـ.

(۲) جمع الأمة الإسلامية على لسان واحد يوحد بينها هو لسان قريش الذي انتظم كثيرا من مختارات ألسنة القبائل العربية التي كانت تختلف إلى مكة في موسم الحج وغيره. ولذلك نزل القرآن على سبعة أحرف تصطفي ما شاء من لغات القبائل العربية

التي تمثلت في لسان القرشيين وهذه حكمة إلهية سامية فإن وحدة اللسان العام من أهم العوامل في وحدة الأمة خصوصاً أول عهدها بالتطلب والنهوض.

معنى نزول القرآن على سبعة أحرف:

الأحرف: جمع حرف والحرف له معان كثيرة قال صاحب القاموس: (الحرف من كل شيء طرفه، وشفيره وحده، ومن الجبل أعلاه المحدد، وواحد حروف التهجي ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ﴾ أي وجه واحد، وهو أن يعبده على السراء لا على الضراء، أو على شك، أو على غير طمأنينة من أمره أي لا يدخل في الدين متمكنا. ((ونزل القرآن على سبعة أحرف)) أي سبع لغات من لغات العرب. وليس معناه أن يكون في الحرف الواحد سبعة أوجه إن جاء على سبعة أو عشرة أو أكثر. ولكن معناه أن هذه اللغات السبع متفرقة في القرآن)) بعد بتصرف.

مما تقدم نرى أن الحرف من قبيل المشترك اللفظي، والمشترك اللفظي يراد به أحد معانيه التي تعينها القرائن وتناسب المقام.

فالمراد من لفظ الحرف أنه الوجه بدليل ما يأتي:

قوله ﷺ ((أنزل القرآن على سبعة أحرف))

كلمة (على) تشير إلى أن هذا الشرط للتوسعة والتيسير. بمعنى: أنزل القرآن موسعاً فيه على القارئ أن يقرأه على سبعة أوجه، يقرأ بأي حرف أراد منها على البدل من صاحبه كأنه قال أنزل على هذا الشرط وعلى هذه التوسعة.

ترجمہ: سات حروف پر قرآن کے نازل ہونے کی حکمت

(۱) امت اسلامیہ اور خاص طور پر اس امت عربیہ پر سہولت کرنا کہ جن پر قرآن کریم نازل ہوا۔ اور ان کے متعدد لہجے تھے۔ باوجودیکہ (خالص) عربی کلمات ان سب کو جامع (اور شامل) تھے۔ اور ہم یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے لیتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: میری امت پر آسانی کیجئے۔" اور (دوسرا ارشاد یہ ہے)

"میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔"

محقق ابن جزریؒ کا قول

دراِ قرآن کے سات حروف پر وارد ہونے کا سبب تو یہ اس امت پر تخفیف کرنے اور اس کے ساتھ آسانی کے ارادہ کرنے

اور اس پر سہولت کرنے کے لئے ہے۔ اس کی شرافت کی وجہ سے اور (اس پر) وسعت اور رحمت (کی وجہ سے) اور اس کی بزرگی کی خصوصیت اور اس کے اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مراد کو پورا کرنے کے لئے ہے کہ جو تمام مخلوق میں افضل اور حق (تعالیٰ شانہ) کے محبوب (وحبیب) ہیں۔

چنانچہ حضرت جبرئیل آپ کے پاس آئے۔ اور کہا "اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت قرآن کو ایک حرف پر پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مدد مانگتا ہوں۔

"کہ میری امت اس بات کی طاقت نہیں رکھتی۔ تو آپ سوال دہراتے رہے یہاں تک کہ سات حروف تک پہنچ گئے۔"

پھر (علامہ) ابن جزری فرماتے: "اور جیسا کہ یہ بات ثابت ہے کہ قرآن سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا اور یہ کہ آپ سے پہلے (اور قرآن سے پہلے) کی کتب ایک دروازے سے ایک حرف پر نازل ہوتی تھی۔ یہ اس لئے کہ (پہلے کے تمام) انبیاء علیہم السلام خاص وہی قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانیت کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان کے سرخ (وسفید) اور کالے ان کے عربی اور عجمی کی طرف (سب کی طرف مبعوث ہوئے) اور وہ عرب کہ جن کی لغت میں قرآن نازل ہوا ان کی لغات مختلف تھیں۔ اور ان کی زبانیں کئی قسم کی تھیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لئے غیر عربی لغت اور ایک حرف سے دوسرے حرف کی طرف انتقال مشکل تھا۔ بلکہ بعض تو اس پر قادر ہی نہ تھے۔ اگرچہ تعلیم اور (سیکھنے سکھانے کی) کوشش سے (انہیں آسان تھا۔ یا اس طرح بھی ممکن تھا اخص طور پر بوڑھے عورت اور ان کے لئے کہ جس نے کتاب نہیں پڑھی تھی۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے: کہ انہیں اپنی لغت سے ہٹنے کا اور اپنی زبان سے (دوسری زبان کی طرف) منتقل ہونے کا مکلف بنایا جاتا تو یہ ایک (ایسا) حکم ہوتا کہ جس کی ان میں استطاعت نہ ہوتی۔ اور ممکن ہے کہ کوئی عبادت کرنے والا (عبادت سے کام نے کر) تصنعاً (بھی ایسا کرتا تو طبیعتیں اس کا انکار کر دیتیں۔" اھ

(۲) پوری امت اسلامیہ کو ایک (ایسی) زبان پر جمع کرنا کہ جو ان میں متحد ہو۔ یہ قریش کی زبان تھی کہ جو ان عربی قبائل کی منتخب بہت سی زبانوں کو مرتب کیے ہوئے تھی (اور شامل تھی) جو قبائل کہ موسم حج وغیرہ میں مکہ آتے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے قرآن سات حروف پر نازل ہوا۔ کہ تمام عربی قبائل کو ان لغات میں سے جس کو چاہیں اختیار کر لیں جن کا نمونہ قریشیوں کی زبان میں پایا جاتا ہے۔

اور یہ کامل حکمت الہیہ ہے کیونکہ ایک عام زبان کی وحدت امت کی وحدت کے عوامل میں سے سب سے اہم ہے خاص طور پر امت کے پہلے عہد میں ترقی اور اٹھان کے لئے۔

توضیح

سات حروف سے کیا مراد ہے اس کی توضیح اپنی جگہ نہایت پیچیدہ اور مشکل ہے۔

علامہ ابن جزری کے قول کے مطابق اس سے مراد متعدد قبائل کو آسانی کے ساتھ اپنی اپنی قبائلی زبان میں قریش کی لغت کے مترادف الفاظ کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی اجازت دینا ہے البتہ اصل اور بنیادی زبان ایک رہے اور دیگر قبائل کو ایک خاص وقت تک اس ایک زبان کے مترادفات کے استعمال کی اجازت رہے۔

آئیے دیکھیں۔ علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اس بارے میں کیا لکھا ہے۔

علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم متن کتاب میں سات حروف کے دلائل میں مذکورہ چھٹی حدیث کہ جو ترمذی سے روایت ہے کو نقل کرنے کے بعد سات حروف کی حکمت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔

"اس حدیث کے الفاظ صراحت کے ساتھ بتا رہے ہیں کہ امت کے لئے سات حروف کی آسانی طلب کرنے میں آپؐ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ آپؐ ایک امی اور ان پڑھ قوم کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ جس میں ہر طرح کے افراد ہیں۔ اگر تلاوت کا ایک ہی طریقہ متعین کر دیا جائے۔ تو امت کو اس میں مشکل ہوگی اور اس کے برعکس اگر کئی طریقے ہوں تو جو ایک طریقہ پر قادر نہ ہو وہ دوسرے طریقے سے پڑھ لے۔ یوں اس کی نماز عبادت وغیرہ درست ہو جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بوڑھوں اور بوڑھیوں اور ان پڑھ لوگوں کی زبان پر ایک لفظ چڑھ جاتا ہے اور ان کو معمولی زیر زبر کے فرق کے ساتھ دوسری طرح وہ لفظ ادا کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ آسانی طلب فرمائی کہ جو ایک معروف صیغہ ادا نہیں کر سکتا وہ دوسری جگہ دوسری قراءت کے ساتھ مجہول کا صیغہ ادا کر لے۔ جو مفرد ادا نہیں کر سکتا وہ جمع کا صیغہ ادا کر لے۔ اسی طرح اس کو پورے قرآن میں سات قسم کی آسانیاں مل جائیں۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے سات حروف کی آسانی طلب کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ میں جس امت کی طرف بھیجا گیا ہوں ان کے قبائل مختلف ہیں ان کی زبانیں جدا جدا ہیں۔ اس لئے قرآن کو مختلف لغات پر پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ اس کے برخلاف آپؐ نے قبائلی اختلافات سے قطع نظر ان کی عمروں کے تفاوت اور ان کے امی ہونے کی صفت پر زور دیا۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سات حروف کی آسانی دینے میں (حکمت اور) بنیادی عامل قبائل کا لغوی اختلاف نہ تھا۔ بلکہ امت کی ضروریات کے پیش نظر تلاوت میں ایک عام قسم کی سہولت دینا پیش نظر تھا جس سے امت کے تمام افراد فائدہ اٹھا سکیں۔ (علوم القرآن صفحہ ۱۱۵ ملخصاً و بتصرف)

ترجمہ: سات حروف پر قرآن کے نازل ہونے کا معنی

(مولف کتاب فرماتے ہیں) احرف: یہ حرف کی جمع ہے اور اس کے کئی معانی ہیں۔ صاحب قاموس کہتے ہیں۔ "الحرف" ہر شئے کا گوشہ کنارہ اور اس کی حد" "الحرف من الجبل" پہاڑ کا نوکیلا سرا" اور "حرف" یہ حروف ابجائیہ میں سے ایک (کو بھی کہتے ہیں) اور "حرف" کا ایک معنی ہے الگ رہنے والا ایک کنارے پر رہنے والا۔ اسی سے ہے)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ﴾ (الحج: ۱۱)

"اور بعض شخص وہ ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر" "تفسیر عثمانی

یعنی ایک طریقے پر کہ وہ خوشی میں عبادت کرتا ہے اور مصیبت میں نہیں۔ یا شک کے ساتھ یا اللہ کے علم پر غیر مطمئن ہو کر (اللہ کی عبادت کرتا ہے) یعنی دین میں مضبوطی کے ساتھ داخل نہیں ہوتا۔"

اور (حرف کا ایک معنی وہ ہے جو حدیث میں آتا ہے کہ) " بے شک یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا یعنی عرب کی لغات میں سے سات لغات پر نازل ہوا۔" اور اس بات کا یہ معنی نہیں ہے کہ اگر قرآن سات یا دس یا اکثر طریقہ پر آیا ہے تو ایک لفظ میں سات طریقے ہوں گے۔ لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ سات لغت قرآن میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں۔" (القاموس کا بیان معمولی تصرف کے ساتھ ختم ہوا)

گزشتہ عبارت سے ہم نے یہ جانا کہ لفظ حرف یہ مشترک لفظ کی قبیل سے ہے اور مشترک لفظ کا (ایک وقت میں) قرائن اور مقام کی مناسبت سے ایک معنی مراد ہوتا ہے۔

پس لفظ "حرف" سے مراد "طریقہ" ہے جس کی دلیل مندرجہ ذیل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "قرآن کو سات حروف پر اتارا گیا۔"

"علی" کا کلمہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ شرط آسانی اور سہولت کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کو پڑھنے والے پر سہولت والا بنا کر اتارا گیا ہے کہ وہ اس کو سات طریقوں پر پڑھے۔ اور ان حروف میں سے ایک کے بدلہ میں دوسرے پر جس پر چاہے پڑھے۔ گویا کہ آپ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

"کہ یہ قرآن اس شرط اور اس گنجائش کے ساتھ اتارا گیا ہے۔"

اختلاف العلماء في تفسير الأحرف الواردة في الحديث:

هنا يحتدم الجدال والنزاع ويكثر القيل والقال. وسنذكر بعضا من الآراء و ترجيح ما نراه أقرب للصواب.

(۱) ذهب بعض العلماء إلى أن المراد بها سبع لغات من لغات العرب في المعنى الواحد. على معنى أنه حيث تختلف لغات العرب في التعبير في معنى من المعاني يأتي القرآن

بالفاظ على الدر هذه اللغات وإذا لم يكن اختلاف فإنه يأتي بلفظ واحد وقيل: إن السبعة هي لغة (قريش) و (هذيل) و (ثقيف) و (هوازن) و (كنانة) و (تميم) و (اليمن)

(٢) وقيل إن المراد بالأحرف السبعة سبع لغات من لغات العرب نزل عليها القرآن، على معنى أنه في جملته لا يخرج في كلماته عن سبع لغات هي أفصح لغاتهم، فأكثر بلغة قريش، ومنه ما هو بلغة هذيل، أو ثقيف، أو هوازن، أو كنانة، أو تميم، أو اليمن.

قال بعضهم: هذا أصح الأقوال وأولاها بالصواب، وهو الذي صححه البيهقي، واختاره الأبهري واقتصر عليه صاحب القاموس.

(٣) إن المراد بالأحرف السبعة التي نزل عليها القرآن، سبعة أصناف في القرآن. ((ولكن أصحاب هذه الأقوال يختلفون في تعيين هذه الأصناف وفي أسلوب التعبير عنها اختلافا كبيرا، فمنهم من يقول: (إنها أمر، ونهي، وحلال، وحرام، ومحكم، ومتشابه، وأمثال)

ومنهم من يقول إنها (وعد، ووعيد، وحلال، وحرام، ومواعظ، وأمثال، واحتجاج)

ومنهم من يقول إنها: (محكم، ومتشابه، وناسخ، ومنسوخ، وخصوص، وعموم، وقصص)

(٤) أن المراد بالأحرف السبعة أوجه من الألفاظ المختلفة في كلمة واحدة ومعنى واحد، نحو: هلم، وأقبل، وتعال، وعجل، وأسرع، وقصدي، ونحوي فهذه الألفاظ السبعة معناها واحد هو طلب الإقبال.

وهذا القول منسوب لجمهور أهل الفقه والحديث منهم ابن جرير الطبري والطحاوي وغيرهما.

(٥) ان المراد بالأحرف السبعة، الاختلاف في أمور سبعة:

(الف) اختلاف الأسماء إفرادا وتذكيرا وفروعهما.

مثاله قوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ فكلمة (أماناتهم) قرئ بالجمع والإفراد.

(ب) الاختلاف في تصريف الأفعال من مضارع وماض وأمر.

مثاله قوله تعالى: ﴿رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا﴾ قرئ بنصب لفظ (ربنا) على أنه منادى وبلفظ (باعد) فعل أمر.

وقرئ ((ربنا بعد)) برفع ((رب)) على أنه مبتدأ و بلفظ ((بعد)) فعلا ماضيا مضعف العين جملته خبر

(ج) الاختلاف بالإبدال سواء كان إبدال حرف بحرف كقوله تعالى ﴿وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا﴾ قرئ بالزاي وبالراء مع فتح النون وقوله سبحانه ﴿وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ﴾ قرئ (وطلع) فلا فرق في هذا بين الاسم والفعل أو ابدال لفظ بلفظ كقوله سبحانه ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ﴾ قرأ ابن مسعود (كالصوف المنفوش)

(د) اختلاف بالتقديم والتأخير إما في حرف كقوله تعالى ﴿أَفَلَمْ يَيْأَسِ﴾ قرئ (أفلم يأيس) وأما في الكلمة نحو (فيقتلون ويقتلون) قرئ بالبناء للفاعل في الأول وللمفعول في الثاني و قرئ بالعكس و كقوله سبحانه ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ قرئ ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ﴾

(هـ) اختلاف وجوه الإعراب كقوله سبحانه ﴿مَا هَذَا بَشَرًا﴾ قرأ ابن مسعود بالرفع و كقوله سبحانه ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ برفع المجيد على أنه نعت كلمة ذو. وجرها على أنها صفة العرش.

(و) الاختلاف بالزيادة والنقص كقوله تعالى ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ﴾ قرئ (والذكر والأنثى) بحذف (ما خلق)

(ز) اختلاف اللهجات بالتفخيم والترقيق والإمالة والإظهار والإدغام وهو كثير ومنه الإمالة وعدمها في مثل قوله تعالى ﴿وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ﴾ وهذا الرأي الأخير قد ذهب إليه الرازي وقاربه كل القرب مذهب ابن قتيبة وابن الجزري وابن الطيب وقد أخذ به الشيخ الزرقاني في كتابه مناهل العرفان) وأيده ببعض الأدلة.

الترجيح:

وأقرب الوجوه إلى الصواب هو المذهب الأخير الذي اختاره الرازي واعتمده الزرقاني في كتابه ((مناهل العرفان)) وأيده بأدلة منها:

(1) إن هذا المذهب هو الذي تؤيده الأحاديث المتقدمة.

(2) أنه يعتمد على الاستقراء التام لاختلاف القراءات وما ترجع إليه من الوجوه السبعة

(3) ان هذا الرأي لا يلزمه محذور.

والآراء في (الأحرف السبعة) كاملة تجدها في كتاب ((مناهل العرفان)) للزرقاني رحمها

تو فيه المذاهب الأخرى والرد عليها في ص ٢٥ إلى ٤٤.

ونحن ننقل خلاصة هذا المذهب من كلام أبي الفضل الرازي في اللوائح حيث يقول:

الكلام لا يخرج عن سبعة أحرف في الاختلاف.

الأول: اختلاف الأسماء من إفراد، وتثنية، وجمع، وتذكير، وتأنيث

الثاني: اختلاف تصريف الأفعال، من ماض، ومضارع، وأمر

الثالث: اختلاف وجوه الإعراب.

الرابع: الاختلاف بالنقص والزيادة.

الخامس: الاختلاف بالتقديم والتأخير.

السادس: الاختلاف بالإبدال.

السابع: اختلاف اللغات (يعني اللهجات) كالفتح والإمالة، والترقيق والتفخيم، والإظهار والإدغام ونحو ذلك. اهـ

لغات: تسہیل: نرم اور ہمزہ کا ہلکا تلفظ کرنا۔ تفخیم: حرف کو پُر کر کے پڑھنا۔ ترقیق: حرف کو باریک پڑھنا۔
امالہ: الف کو یا کی طرف جھکا کر فتحہ کو کسرہ کے ساتھ پڑھنا جیسے یاء کی بو سے پڑھنا۔ اظہار: نون کو ظاہر کرنا اور غنہ نہ کرنا۔
ادغام: حرف کو حرف میں ملا کر پڑھنا۔

ترجمہ: حدیث میں وارد ہونے والے لفظ "احرف" کی تفسیر میں علماء کا اختلاف

اس مقام پر (علماء کے درمیان) بحث (و مباحثہ) اور اختلاف (و نزاع) اور قیل و قال بہت تیز ہو گیا ہے ہم اس مقام پر بعض (علماء کی) آراء کو نقل کریں گے اور جس کو ہم درستی کے زیادہ قریب سمجھیں گے اس کو ترجیح دیں گے۔

(۱) بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ حروف سے مراد ایک معنی میں عرب کی لغات میں سات لغات مراد ہیں (وہ) بایں معنی کہ جہاں معانی میں سے کسی ایک معنی کی تعبیر میں لغات کا اختلاف ہوتا ہے تو قرآن ان لغات کے بقدر الفاظ کو لاتا ہے اور (معنی کی تعبیر میں) اختلاف نہ ہو تو قرآن ایک ہی لفظ لاتا ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ وہ سات (لغات) (۱) قریش (۲) ہذیل (۳) ثقیف (۴) ہوازن (۵) کنانہ (۶) تمیم اور (۷) یمن کی لغات ہیں۔

(۲) ایک قول یہ ہے کہ سات لغات سے مراد عرب کی سات لغات ہیں کہ جن پر قرآن نازل ہوا ہے بایں معنی کہ قرآن مجموعی طور پر (الفاظ و کلمات) میں ان سات لغات سے نہیں نکلتا جو عربوں کی سب سے فصیح (ترین) لغات ہیں چنانچہ اکثر (حصہ قرآن کا) تو قریش کی لغت میں ہے اور کچھ ہذیل یا ثقیف یا ہوازن یا کنانہ یا تمیم یا یمن کی لغت

سے ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ زیادہ صحیح قول ہے اور حق کے زیادہ قریب ہے۔ یہی وہ قول ہے جس کو بیہقی نے صحیح کہا ہے اور ابہری نے اس کو اختیار کیا ہے صاحب قاموس نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔

(۳) (تیسرا قول یہ ہے کہ) جن سات حروف پر قرآن نازل ہوا ہے اس سے مراد قرآن میں (پائی جانے والی) سات اصناف ہیں۔"

لیکن ان اقوال کے کہنے والے ان اصناف کی تعیین اور ان کی تعبیر کے اسلوب میں بہت زیادہ اختلاف کرتے ہیں چنانچہ بعض کہتے ہیں یہ

(۱) امر (۲) نہی (۳) حلال (۴) حرام (۵) محکم (۶) متشابہ اور (۷) امثال ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں یہ

(۱) وعدہ (۲) وعید (۳) حلال (۴) حرام (۵) مواعظ (۶) امثال اور (۷) احتجاج ہیں۔ (یعنی دلیل کرنا)

اور بعض کہتے ہیں یہ

(۱) محکم (۲) متشابہ (۳) ناسخ (۴) منسوخ (۵) خصوص (۶) عموم اور (۷) قصے ہیں۔ ❶

(۴) (بعض کہتے ہیں کہ) سات حروف سے مراد ایک کلمہ اور ایک معنی میں مختلف الفاظ کی سات صورتیں ہیں۔ جیسے

"هلم، اقبل، تعال، عجل، اسرع، قصدی اور نحوی"

کہ یہ سات الفاظ ان کا ایک ہی معنی ہے اور وہ ہے متوجہ کرنا۔ یہ قول جمہور اہل فقہ و حدیث کی طرف منسوب ہے جن میں ابن جریر طبری اور طحاوی وغیرہ ہیں۔

(۵) (بعض کہتے ہیں کہ) سات حروف سے مراد سات باتوں میں اختلاف ہے (ان کی مثالیں درج ذیل ہیں۔)

(الف) اسماء میں افراد تذکیر اور ان کی فروع کا اختلاف (یعنی مفرد، جمع اور مذکر مونث وغیرہ کا اختلاف)

اس کی مثال جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝﴾ (مومنون: ۸)

"اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے قرار سے خبردار ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

کہ (اس میں) "امانتهم" کا کلمہ مفرد اور جمع (دونوں) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

(ب) مضارع، ماضی اور امر کے افعال میں گردانوں (اور ان کے صیغوں اور معروف و مجہول) کا اختلاف۔

اس کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا﴾ (سبا: ۱۹)

---

❶ دیکھئے مناہل العرفان صفحہ ۱۷۶

"پھر کہنے لگے اے رب دوری ڈال دے ہمارے سفروں کو۔" (تفسیر عثمانی)

(کہ اس آیت میں) "ربنا" کا لفظ منادیٰ ہونے کی بنا پر منصوب اور "باعد" کا لفظ فعل امر پڑھا گیا ہے اور "ربنا بعد" "رب" کے مبتداء ہونے کی بنا پر مرفوع اور "بعّد" کا لفظ عین کی تضعیف کے ساتھ فعل ماضی پڑھا گیا ہے (کہ) جس کا جملہ (گزشتہ مبتداء کی) خبر ہے۔

(ج) ابدال کا اختلاف ہو چاہے وہ حرف کا حرف کے ساتھ ابدال ہو۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا﴾ (البقرۃ: ۲۵۹)

"اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

(کہ اس آیت میں لفظ "ننشزها" یہ) زاء کے ساتھ اور راء کے ساتھ نون کے فتح سمیت پڑھا گیا ہے (یعنی جب زاء کی جگہ راء ہو تو پھر اس وقت 'ن' پر فتح ہوتا ہے یعنی ننشرها)

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ﴾ (الواقعۃ: ۲۹)

"اور کیلے تہ بہ تہ۔" (تفسیر عثمانی)

کہ یہ "وطلع" کے ساتھ (بھی) پڑھا گیا ہے۔

اور اس قسم کے ابدال میں اسم اور فعل میں کوئی فرق نہیں۔

یا لفظ کا لفظ کے ساتھ ابدال ہو۔ جیسے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ (القارعۃ: ۵)

"جیسے رنگی ہوئی اون دھنی ہوئی۔" (تفسیر عثمانی)

کہ حضرت ابن مسعودؓ اس کو "کالصوف المنفوش" پڑھتے تھے۔

(د) تقدیم اور تاخیر کا اختلاف ہو یا تو یہ (تقدیم اور تاخیر کا اختلاف) حرف میں ہوگا۔ جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول

﴿اَفَلَمْ يَايْئَسِ﴾ (الرعد: ۳۱)

"سو کیا خاطر جمع نہیں۔" (تفسیر عثمانی)

کہ یہ "افلم یأیس" بھی پڑھا گیا ہے اور یا تو یہ تقدیم اور تاخیر کلمہ میں ہوگی جیسے "فیقتلون و یقتلون" کہ یہ پہلے مبنی بر فاعل (یعنی معروف) اور دوسرے مبنی بر مفعول (یعنی مجہول) پڑھا گیا ہے اور اس کے برعکس بھی پڑھا گیا ہے۔ اور جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ (ق: ۱۹)

"اور دوا ئی بے ہوشی موت کی تحقیق۔" (تفسیر عثمانی)

کہ یہ ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ﴾ (بھی) پڑھا گیا ہے۔

(ہ) وجوہ اعراب کا اختلاف جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿مَا هٰذَا بَشَرًا﴾ (یوسف: ۳۱)

"نہیں یہ شخص آدمی۔" (تفسیر عثمانی)

(کہ یہاں یہ "بشرًا" منصوب ہے) اور حضرت ابن مسعودؓ اس کو رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول:

﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ﴾ (البروج: ۱۵)

"مالک عرش کا بڑی شان والا۔" (تفسیر عثمانی)

کہ (یہاں لفظ) "المجید" لفظ "ذو" کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا گیا ہے اور "عرش" کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور (بھی) پڑھا گیا ہے۔

(و) زیادتی اور کمی کا اختلاف: جیسے اللہ تعالیٰ کا قول

﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ (اللیل: ۳)

"اور اس کی (قسم) جو اس نے پیدا کیے نر اور مادہ۔" (تفسیر عثمانی)

کہ یہ آیت "ما خلق" کے حذف کے ساتھ "والذکر والانثی" (بھی) پڑھی گئی ہے۔

(ز) لہجات کا اختلاف (کہ جو) تفخیم، ترقیق، امالہ، اظہار، ادغام وغیرہ کے ذریعہ ہو اور یہ (اختلاف قرآن میں) بہت ہے ان میں امالہ کے ہونے اور نہ ہونے کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا قول

﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ (النازعات: ۱۵)

"کیا پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی۔" (تفسیر عثمانی)

(کہ اس میں بغیر امالہ کے تو موسیٰ پڑھا جاتا ہے اور امالہ کے ساتھ موسی پڑھا جاتا ہے) اس آخری رائے کی طرف (امام فخر الدین) رازیؒ گئے ہیں۔ اور ابن قتیبہؒ، ابن جزریؒ اور ابن طیبؒ کا مذہب بھی اس کے بالکل قریب قریب ہے۔ (اور علامہ) زرقانیؒ نے اس قول کو اپنی کتاب "مناہل العرفان" میں لیا ہے اور بعض (دوسرے) دلائل سے اس کی تائید کی ہے۔

ترجیح

درستی کے سب سے زیادہ قریب صورت یہی آخری مذہب ہے جس کو امام رازیؒ نے اختیار کیا ہے اور (علامہ زرقانیؒ نے اپنی کتاب "مناہل العرفان" میں اس پر اعتماد کیا ہے اور بہت سے دلائل سے اس کی تائید کی ہے۔ ان میں چند (مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) اس مذہب کی گزشتہ احادیث تائید کرتی ہیں۔

(۲) اس مذہب پر اختلاف قرءات اور جو سات وجوہ اس کی طرف لوٹتی ہیں۔ میں استقراء تام کے بعد اعتماد کیا گیا ہے۔

(۳) بے شک اس رائے سے کوئی ممنوع بات لازم نہیں آتی۔

"سات حروف" کے بارے میں (علماء کے) تمام اقوال آپ (علامہ) زرقانیؒ کی کتاب "مناہل العرفان" میں پائیں گے۔ اور اس میں صفحہ ۱۴۶ سے ۱۷۸ تک دوسرے مذاہب کی کمزوری اور ان کا رد (درج) ہے (چاہیے کہ وہاں دیکھ لیا جائے)

اور ہم اس مذہب کا خلاصہ امام ابوالفضل رازیؒ کے قوانین سے درج کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں

"سات حروف" کے بارے میں کلام (مندرجہ ذیل) اختلاف سے باہر نہیں ہے (یعنی سات حروف کے بارے میں اختلاف مندرجہ ذیل صورتوں میں منحصر ہے)

(۱) اسماء کا مفرد، تثنیہ، جمع اور مذکر مونث کا اختلاف۔

(۲) ماضی مضارع اور امر کے افعال کی گردانوں میں اختلاف۔

(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف۔

(۴) کمی زیادتی کا اختلاف

(۵) تقدیم و تاخیر کا اختلاف

(۶) ابدال کا اختلاف

(۷) لغات یعنی لہجات کا اختلاف جیسے فتح امالہ ترقیق تفخیم اظہار ادغام وغیرہ۔

هل الأحرف السبعة موجودة في المصاحف الآن:

(أ) ذهب جماعة من الفقهاء والقراء والمتكلمين إلى أن جميع هذه الأحرف موجودة بالمصاحف العثمانية.

حجتهم:

(الف) أنه لا يجوز للأمة أن تهمل نقل شيء منها.

(ب) أن الصحابة أجمعوا على أن المصحف التي نقلها عثمانؓ من الصحف التي كتبها أبوبكرؓ.

(ج) معنى ما تقدم أن الصحف التي عند أبي بكر قد جمعت الأحرف السبعة ونقلت منها المصاحف العثمانية بالأحرف السبعة كذلك.

(١) قول النبي ﷺ (إن أمتي لا تطيق ذلك) لا يختص بعهد الصحابة دون غيرهم، وبقاء تيسير القرآن مع بقاء إعجازه.

(٢) ذهب جماهير العلماء من السلف والخلف وأئمة المسلمين إلى أن المصاحف العثمانية مشتملة على ما يحتمله رسمها من الأحرف السبعة فقط، جامعة للعرضة الأخيرة التي عرضها النبي ﷺ على جبريل.

(٣) ذهب ابن جرير الطبري ومن معه إلى أن المصاحف العثمانية لم تشتمل إلا على حرف واحد من الحروف السبعة.

وقالوا: إن الأحرف السبعة كانت أيام الرسول عليه الصلاة والسلام وأبي بكر وعمر فلما كان عهد عثمان رأت الأمة بقيادته أن تقتصر على حرف واحد جمعا لكلمة المسلمين ونسخ عثمان بهذا الحرف الذي استبقته الأمة وحده جميع المصاحف العثمانية.

قال الزرقاني في ((مناهل العرفان)) ص ١٤٢ ما نصه (ونحن إذا رجعنا بهذه الأوجه السبعة إلى المصاحف العثمانية وما هو مخطوط بها في الواقع ونفس الأمر نخرج بهذه الحقيقة التي لا تقبل النقض ونصل إلى فصل الخطاب في هذا الباب، وهو أن المصاحف العثمانية قد اشتملت على الأحرف السبعة كلها، ولكن على معنى أن كل واحد من هذه المصاحف اشتمل على ما يوافق رسمه من هذه الأحرف كلا أو بعضا، بحيث لم تخل المصاحف في مجموعها عن حرف منها رأسا)

ولقد بين ووضح الشيخ الزرقاني وجود الأوجه السبعة على مذهبه المختار وأن الأوجه السبعة موجودة الآن في المصاحف العثمانية وسأكتفي بذكر مثال من أمثلته غير أن بعض الوجوه السبعة ذكر أنه منسوخة بالعرض الأخيرة.

مثاله قوله تعالى ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ المقروءة بجمع الأمانة وإفرادها فقد اشتمل عليها المصحف إذ كان الرسم العثماني فيه هكذا:

((لأمنتهم)) برسم المفرد في الحروف ولكن عليها ألف صغيرة لتشير إلى قراءة الجمع وغير منقوطة ولا مشكولة.

مناقشة مذهب الطبري:

قال الطبري أن الأحرف الستة نسخت بإجماع الأمة في عهد عثمانؓ وبقي حرف واحد حفاظا لوحدة الأمة الإسلامية من التفرق حتى كفر بعضهم بعضا بسبب اختلاف القراءات وحيث الفتنة فلم يجد الأمة حلا لهذه المشكلة إلا جمع الأمة على قراءة حرف واحد.

الرد عليه:

(١) الصحابة رضوان الله عليهم اختلفوا في القراءة في عهد رسول الله وكادت أن تقع فتنة كما قلتم فكيف حل الرسول عليه السلام هذه المشكلة؟

إنما كان حله الوحيد بإقرار كل من المختلفين على القراءة التي قرأها وأفهمهم أن تعدد وجوه القراءة هو رحمة من الله بهم وتيسير عليهم: كما دلت عليه الأحاديث المتقدمة.

(٢) وقال في الحديث (إن أمتي لا تطيق ذلك) وأمته باقية إلى يوم القيامة كما نشاهد نحن الآن أن بعض الشعوب الإسلامية لا يتيسر لها النطق ببعض الحروف ولا تحسن إتقان بعض اللهجات دون بعض.

(٣) بعد ما عرفنا ما تقدم نقول كيف يسوغ لصحابة رسول الله عليهم من الله الرضوان وعلى رأسهم عثمان بن عفان إغلاق باب الرحمة والتخفيف الذي فتحه الله لأمة الإسلام مخالفين الرسول عليه الصلاة والسلام في علاجه للنزاع الذي حصل بين الصحابة بتقرير هذا التعدد للحروف.

(٤) إننا نربأ بأصحاب رسول الله ﷺ أن يكونوا قد ألغوا أو فكروا على ضياع ستة أحرف من القرآن الكريم وهي لم تنسخ لا تلاوة ولا حكماً ولم يكونوا ليخالفوا الرسول في قوله وعمله.

(٥) لو كانت هذه الأحرف نسخت في عهد عثمان رضي الله عنه لم يبق مجال لاختلاف العلماء فيها ولكننا نجدهم اختلفوا فيها على نحو من أربعين قولاً.

(٦) لو فرضنا جدلاً أن الأحرف الستة نسخت في عهد عثمان فلماذا لا تبقى لمجرد التاريخ فقط في أعظم كتاب مقدس مع أن الصحابة بينوا الآيات المنسوخة تلاوة أو حكماً وكذلك الآيات المنسوخة والأحاديث الموضوعة وبينوا لكل وجهته.

(٧) والنصارى القول بأن الصحابة رضي الله عنهم لم يرضوا بمخالفة رسول الله في قوله أو فعله ولم يكن لهم التبديل ونسخ ما لم ينسخ من كتاب الله وحاشاهم أن يقدموا على مثل هذا الفعل رضي الله عنهم وأرضاهم.

بعض الشبهات الواردة على الموضوع والرد عليها

الشبهة الأولى:

يقولون ان المراد بالأحرف السبعة هي القراءات السبع المنقولة عن الأئمة السبعة المعروفين عند القراء.

الرد عليهم:

قولكم هذا باطل من وجوه:

(١) إن قول الرسول ﷺ (إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف) يكون عاريا من الفائدة على قولكم حتى يولد الائمة السبعة من أن قولكم غير صحيح لأن الرسول ﷺ قرأها وصحابته والتابعون قبل ميلاد القراء.

قال المحقق ابن الجزري (فلو كان الحديث منصرفا إلى قراءات السبعة المشهورين أو سبعة غيرهم من القراء الذين ولدوا بعد التابعين لأدى ذلك إلى أن يكون الخبر عاريا عن الفائدة إلى أن يولد هؤلاء السبعة فتؤخذ عنهم القراءة وأدى أيضًا إلى أنه لا يجوز لأحد من الصحابة أن يقرأ إلا بما يعلم أن هؤلاء السبعة من القراء إذا ولدوا وتعلموا اختاروا القراءة به وهذا باطل إذ طريق أخذ القراءة أن تؤخذ عن إمام ثقة لفظا عن لفظ إماما عن إمام إلى أن يتصل بالنبي ﷺ) اهـ.

(٢) أن الأحرف السبعة أعم من القراءات السبع عموما مطلقا لأن الأحرف السبعة تشمل القراءات التي قرأ بها الرسول ﷺ وتشمل أيضًا ما وصل الى هؤلاء القراء السبعة وما نسخ قبل ان يصل اليهم وتشمل جميع القراءات صحيحها ومنكرها وشاذها فما دام أن الاحرف اعم من القراءات فلا تكون هي نفس القراءات.

(٣) من المحال عقلا أن يعرض الرسول عليه السلام قراءة القرآن على صحابته بقراءة القراء الذين لم يخلقوا بعد وهذا الرأي باطل.

الشبهة الثانية:

يقولون: ان أحاديث نزول القرآن الكريم على سبعة أحرف تثبت الاختلاف مع ان القرآن نفسه ينفي الاختلاف بقوله تعالى: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ٨٢) وذلك تناقض ولا ندري أيهما الصادق

الجواب:

ان الاختلاف الذي تثبته الأحاديث غير الذي ينفيه القرآن وعلى هذا كلاهما صادق. إذ إن الاختلاف الذي تثبته الأحاديث فيما يتعلق بطرق الأداء والنطق بألفاظ القرآن في دائرة محدودة لا تعدو سبعة أحرف، وبشرط النقل فيها كلها عن النبي ﷺ

فعلى هذا يكون الاختلاف في الأحاديث بمعنى التنويع، أما القرآن فينفي التناقض بين أحكامه ومعانيه وتعاليمه مع ثبوت التنويع في التلفظ والأداء.

والحاصل:

قال الشيخ شهاب الدين أبو شامة: وهذا المجموع في المصحف. هل هو جميع الأحرف السبعة التي أبيحت القراءة عليها؟ أو حرف واحد فيها؟ قال القاضي أبو بكر إنه جميعها، وصرح أبو جعفر الطبري والأكثرون من بعده أنه حرف منها، ومال الشيخ الشاطبي إلى قول القاضي فيما جمعه أبو بكر، وإلى قول الطبري فيما جمعه عثمان

قال الزركشي في البرهان:

قال بعض المتأخرين القراءات السبع التي قرأها القراء السبعة كلها صحت عن رسول الله ﷺ وهو الذي جمع عليه عثمان المصحف، وهذه القراءات السبع اختيارات أولئك القراء، فإن كل واحد منهم اختار فيما روى وعلم وجهه من القراءة ما هو الأحسن عنده، والتزم طريقة منها ورواها وقرأ بها، واشتهرت عنه ونسبت إليه، فقيل حرف نافع وحرف ابن كثير، ولم يمنع واحد منهم حرف الآخر ولا أنكره بل سوغه وحسنه.

إلى أن قال وقد أجمع المسلمون في هذه الأعصار على الاعتماد على ما صح عنهم وكان الإنزال على الأحرف السبعة توسعة من الله ورحمة للأمة، إذ لو كلف كل فريق منهم ترك لغته والعدول عن عادة نشؤوا عليها من الإمالة والهمز والتليين والمد وغيره لشق عليهم.

ترجمہ:

کیا اب مصاحف میں سات حروف موجود ہیں؟

( ) فقہاء، قراء اور متکلمین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ تمام حروف مصاحف عثمانیہ میں موجود ہیں۔

ان کی دلیل

(الف) امت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس میں سے کسی شے کی نقل کو چھوڑ دے۔

(ب) صحابہؓ کرام) نے اس بات پر اجماع کیا کہ وہ صحیفہ جو حضرت عثمانؓ نے نقل کیا ہے یہ وہ صحیفہ ہے کہ جو حضرت ابوبکرؓ نے لکھوایا تھا۔

(ج) اس بات کا مطلب یہ ہے کہ جو صحیفہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھا اس میں سات حروف جمع تھے۔ اور ان مصاحف عثمانیہ میں بھی سات حروف پر نقل کئے گئے۔

(د) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان (ان امتی لا تطیق ھذالک) "میری امت میں اس کی طاقت نہیں۔" یہ فقط عہد صحابہ کے ساتھ ہی ان کے علاوہ کو چھوڑ کر خاص نہیں۔ اور قرآن کی آسانی اس کے اعجاز کی بقاء کے ساتھ (موجود) ہے (اور اب بھی ہے)

(۲) سلف اور خلف اور مسلمانوں کے آئمہ کے جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ سات حروف پر مشتمل تھے کہ جن کا تقاضا رسم الخط ہی احتمال رکھتا تھا۔ جو اس عرضہ اخیرہ کو جامع تھا جو آپؐ نے جبرئیلؑ سے دور کیا تھا۔

(۳) ابن جریر طبری اور ان کے ہم خیال علماء اس طرف گئے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ حروف سبعہ میں سے صرف ایک حرف کو ہی مشتمل تھے۔

ان کا کہنا ہے کہ "سات حروف عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صدیقی و فاروقی میں تھے۔ پھر جب عہد عثمانیؓ آیا تو امت نے آپؓ کی قیادت میں یہ (بہتر) جانا کہ مسلمانوں کی بات کو ایک (اور جمع) کرنے کے لئے ایک حرف پر ہی اکتفا کر لیا جائے۔ اور حضرت عثمان نے تمام مصاحف عثمانیہ کو اس ایک حرف پر لکھوایا کہ جس کی طرف امت نے سبقت کی۔ (یعنی اس پر اتفاق کیا)

علامہ زرقانیؒ نے "مناہل العرفان" صفحہ ۱۶۲ پر یہ فرمایا ہے۔

"جب ہم سات حروف کو مصاحف عثمانیہ اور جو کچھ ان میں فی الواقع اور نفس الامر (اور حقیقت میں) لکھا ہوا ہے کی طرف لوٹاتے ہیں تو ہم ایک ایسی حقیقت تک لاتے ہیں جو نقض قبول نہیں کرتی۔ اور اس باب میں ہم ایک فیصلہ کن بات تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ تمام مصاحف عثمانیہ سات حروف کو مشتمل ہیں۔ لیکن بایں معنی کہ ان مصاحف میں سے ہر ایک سات حروف میں سے ان کو مشتمل ہے کہ جن کے اس کا سارا یا بعض رسم الخط موافق ہے۔ اس طور پر کہ یہ مصاحف مجموعی طور پر ان میں کسی حرف سے بالکل خالی نہیں ہیں۔"

(مولف کتاب فرماتے ہیں) محقق (علامہ) شیخ زرقانیؒ نے اپنے مذہب مختار کے مطابق سات حروف کے وجود کو کھول کر بیان کیا اور خوب واضح کیا ہے۔ اور یہ کہ یہ سات حروف اب (بھی) مصاحف عثمانیہ میں موجود ہیں۔ اور میں اس کی مثالوں میں سے ایک مثال دینے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ ہاں یہ بات ہے کہ بعض وجوہ سبعہ (کے بارے میں) شیخ نے کہا ہے کہ وہ عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہو گئیں تھیں۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

سات حروف سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں علماء کے چالیس اقوال ہیں)

(۶) اگر ہم (یہ) بحث دانی لیں کہ عہد عثمانؓ میں جو حروف منسوخ ہو گئے تھے۔ تو فقط (محض) تاریخ کے طور پر ہی اس مقدس (اور) عظیم کتاب کے بارے میں (یہ چھ منسوخ حروف) کیوں (موجود نہیں اور) باقی نہیں۔ باوجود یکہ صحابہ کرامؓ نے تلاوت اور حکم کے اعتبار سے منسوخ آیات کو بیان کیا۔ اور اسی طرح منسوخ آیات اور موضوع احادیث کہ انھوں نے ہر ایک کا (ہر) پہلو بیان کیا۔

(۷) مختصر بات یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی مخالفت کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ اور کتاب اللہ میں سے جو بات منسوخ نہیں ہے اسے منسوخ یا تبدیل کرنے کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔ اور ان سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسا کام کریں۔

(رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ) "وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے انہیں راضی کیا۔"

اس موضوع پر وارد ہونے والے چند اعتراضات اور ان کا جواب

پہلا اعتراض

بعض کہتے ہیں کہ "ان سات حروف سے وہ سات قراءتیں مراد ہیں کہ جو سات آئمہ سے منقول ہیں جو قراء کے نزدیک معروف (امام) ہیں۔

جواب (مولف کتاب فرماتے ہیں)

آپ کا یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: "ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف" تمہارے اس قول کے مطابق فائدہ سے خالی ہو گا یہاں تک یہ سات آئمہ پیدا ہوں۔ پھر یہ کہ تمہارا یہ قول غلط بھی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ اور تابعینؒ نے ان آئمہ کے پیدا ہونے سے پہلے ان سات حروف کو پڑھا۔

محقق ابن جزریؒ فرماتے ہیں: "اگر (یہ) حدیث سات مشہور (قراء) کی قراءتوں یا ان کے علاوہ کسی اور سات قراء (پر محمول ہو اور ان) کی طرف پھرے کہ جو تابعینؒ کے بعد پیدا ہوئے۔ تو یہ بات اس طرف پہنچاتی ہے کہ یہ حدیث ان سات قراء کے پیدا ہونے تک فائدہ سے خالی ہو کر (پھر) ان سے قراءات کو لے جائے۔ اور اس (نامعقول) بات کی طرف بھی پہنچاتی ہے کہ کسی صحابی کو جائز نہ ہو کہ وہ (قرآن) پڑھے مگر اسی قراءت کے ساتھ کہ (جس کے بارے میں یہ) معلوم ہے کہ یہ سات قراء جب پیدا ہوں گے اور تعلیم حاصل کریں گے تو اس قراءت کو اختیار کریں گے۔ اور یہ بات باطل ہے۔ کیونکہ قراءت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو کسی ثقہ امام سے لفظاً امام در امام حاصل کیا جائے یہاں تک کہ (سند کا یہ سلسلہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔

(۲) سات حروف ان سات قراءتوں سے مفہوم مطلق کے طور پر زیادہ عام ہیں کیونکہ یہ سات حروف ان قراءتوں کو بھی شامل ہیں کہ جنھیں نبی ﷺ نے پڑھا اور ان کو بھی شامل ہیں کہ جو ان سات قراء تک پہنچی ہیں۔ اور جو ان تک پہنچنے سے پہلے ہی منسوخ (بھی) ہو گئیں ہیں (کہ سات حروف کا مفہوم ان سب قراءتوں کو شامل ہے) اور یہ سات حروف سب قراءتوں کو (ان کی) صحیح کو بھی اور منکر کو بھی اور شاذ کو بھی شامل ہیں۔ لہٰذا جب تک یہ سات حروف (اور ان کا مفہوم) عام ہوں گے تو یہ وہ قراءتیں نہ ہوں گی۔ (کہ جنھیں سات قاریوں کی قراءت کہا جاتا ہے)

(۳) اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ پر ان قراء کی قراءت کے ساتھ قرآن کی قراءت کو فرض کریں کہ جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے کہ یہ رائے باطل ہے۔

دوسرا اعتراض

وہ کہتے ہیں کہ "سات حروف پر قرآن کریم کے نازل ہونے کی احادیث اختلاف کو ثابت کرتی ہیں۔ باوجودیکہ خود قرآن اس ارشاد خداوندی میں اختلاف کی نفی کرتا ہے (ارشاد خداوندی ہے)

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۸۲)

"کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوا اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔" (تفسیر عثمانی)

اور یہ تناقض ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ ان دونوں میں کون سچا ہے؟ (حدیث یا قرآن)

جواب (اس کا یہ ہے کہ)

وہ اختلاف کہ جو احادیث ثابت کرتی ہیں یہ اس اختلاف کے علاوہ ہے کہ جس کی قرآن نفی کرتا ہے۔ اس بنا پر دونوں سچے ہیں (قرآن بھی اور حدیث بھی) کیونکہ وہ اختلاف کہ جو احادیث ثابت کرتی ہیں ان کا تعلق ایک محدود دائرے میں ادا کے طریقوں اور قرآن کے الفاظ کے بولنے سے ہے کہ جو سات حروف سے متجاوز نہیں ہے اور ان سب کے سب حروف کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے کی شرط کے ساتھ ہے۔

لہٰذا اس (تفصیل) کی بنا پر احادیث میں (وارد ہونے والے) اختلاف تنوع ● کے معنی میں ہے رہا قرآن تو وہ لفظ اور ادا میں تنوع کے ہوتے ہوئے بھی اپنے احکام اور معانی اور تعلیمات میں تناقض کی نفی کرتا ہے۔ ●

حاصل (اور خلاصہ کلام)

شیخ شہاب الدین ابو شامہ فرماتے ہیں "یہ مجموعہ مصحف کیا یہ وہ سات حروف کا مجموعہ ہے کہ جس پر قراءت مقرر کی گئی تھی؟ یا اس میں ایک حرف ہے؟ قاضی ابو بکر کہتے ہیں "کہ اس مصحف میں وہ سات کے سات حروف ہیں۔ اور ابو جعفر طبری اور ان کے بعد اکثر (علماء) نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ایک حرف ہے۔

● یعنی ادائیگی قرآن کے لہجات و اقسام ہے (مترجم) ● یہ تمام مضمون مناہل العرفان سے تھوڑے سے معمولی تصرف کے ساتھ لیا گیا ہے۔

شیخ شاطبیؒ تو شیخ ابو بکرؓ کے قول کی طرف اس مصحف کے بارے میں مائل ہوئے ہیں کہ جس کو حضرت ابو بکرؓ نے جمع کیا۔ اور طبری کے قول کی طرف مائل ہوئے ہیں اس مصحف کے بارے میں کہ جس کو حضرت عثمانؓ نے جمع کیا۔

(علامہ) زرکشیؒ "البرہان" میں فرماتے ہیں۔

"بعض متاخرین (علماء) یہ کہتے ہیں کہ "وہ سات قراءتیں کہ جو سات قاری پڑھتے ہیں ان سب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا صحیح ہے یہ وہ ہے کہ جس پر حضرت عثمانؓ نے مصحف کو جمع کیا اور یہ سات قراءتیں ان قراء نے اختیار کی ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک نے اس قراءت کو اختیار کیا جو روایت کی گئی ہے اور جس نے قراءت کے اس پہلو کو معلوم کیا جو اس کے نزدیک زیادہ بہتر تھا۔ اور قراءت کے ایک طریقہ کو لازم پکڑا اس کو روایت کیا اور اس کو پڑھا اور وہ قراءت اس سے مشہور ہوئی اور اس کی طرف منسوب ہوئی چنانچہ کہا جانے لگا۔ نافع کی قراءت، ابن کثیر کی قراءت اور ان میں سے کسی نے دوسری قراءت کو منع نہیں کیا اور نہ ہی اس کا انکار کیا ہے۔ اس کو جائز قرار دیا اور اس کو اچھا کہا۔

آگے چل کے علامہ فرماتے ہیں "اس زمانہ میں مسلمانوں نے اس قراءت پر اقتدا کرنے پر اجماع کیا جو ان سے صحیح طور پر ثابت ہو۔ اور (قرآن کو) سات حروف پر اتارنا اللہ کی طرف سے کشادگی (و گنجائش اور وسعت) اور امت کے لئے رحمت ہے کیونکہ اگر ہر ایک فریق کو اپنی لغت کو ترک کرنے اور نبی امی ﷺ کی تعلیم پر وہ اپنی عادت سے رک جانے کا مکلف بنایا جاتا جس پر یہ پروان چڑھے تو یہ ان پر دشوار ہوتا۔

توضیح

اس بحث کا تسلسل اور باہمی ارتباط نئے عبارت متن میں توضیحات کے لانے سے مانع رہا اب ہم علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم کی ایک مسلسل عبارت کو جو جملہ گزشتہ مباحث کو شامل ہے نقل کرتے ہیں۔ عبارت کی طوالت کی وجہ سے ہم اس کا اختصار اور خلاصہ اور کہیں کہیں اپنے الفاظ میں عبارت کو نقل کریں گے۔

سبعۃ احرف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ دامت برکاتہم امام طحاوی کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"امام طحاوی فرماتے ہیں قرآن نازل تو لغت قریش میں ہوا لیکن عرب کے قبائل متعدد تھے اور سب کے لئے ایک لغت پر قراءت دشوار تھی اس لیے ابتدائے اسلام میں اپنی متداول زبان میں مترادف الفاظ کے ساتھ قراءت کی اجازت دی گئی۔ اسی لئے آپؐ جن کے لئے کوئی لفظ دشوار ہوتا ان کے لئے کوئی مترادف لفظ متعین فرما دیتے ہیں۔ یہ مترادفات قریش اور غیر قریش دونوں لغات سے لئے گئے ہیں ان کی مثال ان الفاظ کی سی تھی کہ جو متعدد ہونے کے باوجود ہم معنی رہتے ہیں۔ جیسے

ھلم، تعال، اقبل، ادن وغیرہ۔

یہ اجازت ابتدائے اسلام تک تھی کہ ابھی اہل عرب لغات قرآنی کے عادی نہ ہوئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اس زبان کا دائرہ بھی پھیلتا رہا اور عرب بھی اس کے عادی ہو گئے۔ اور قرآن کی اصلی لغت پر تلاوت آسان ہوگئی۔ تو آپؐ نے اپنی وفات سے

تھی حضرت جبرائیلؑ نے بذاتِ خود دور کیا تھا جیسے عرضہ اخیرہ کہتے ہیں اس میں یہ اجازت ختم کر دی گئی۔ اب صرف قرآن کا نزولی طریقہ ہی باقی رہ گیا۔ اس قول کے مطابق قرآن میں سات حروف تو ثابت ہیں۔ لیکن اس کا زمانہ مخصوص تھا۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم کے ہر ہر لفظ میں سات مترادفات کی اجازت ہے۔ بلکہ صرف ان مترادفات کی اجازت تھی۔ جو آپؐ نے خود متعین فرمائے تھے ❶

امام طحاویؒ کے علاوہ یہ قول حضرت سفیان بن عیینہؒ ابن وہب اور حافظ ابن عبدالبر رحمہم اللہ کا بھی ہے اور انہوں نے تو اس قول کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ ❷

یہ قول زیادہ قرین قیاس ہے اس کی دلیل مسند احمد کی وہ روایت ہے جو حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جبرئیل نے آپؐ سے کہا" اے محمد! قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیے۔ میکائیل علیہ السلام نے (حضورؐ سے) کہا کہ اس میں اضافہ کروائیے۔ یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا" ان میں سے ہر ایک شافی کافی ہے تاوقتیکہ آپؐ عذاب کی آیت کو رحمت سے یا رحمت کی آیت کو عذاب سے خلط ملط نہ کریں۔ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے آپؐ تعال (آؤ) کے معنی کو اقبل، ھلم، اذھب، اسرع اور عجل کے الفاظ سے ادا کریں۔"

سبعۃ احرف کی راجح ترین تشریح

ہمارے نزدیک "حروف کے اختلاف" سے مراد "قراءتوں کا اختلاف" ہے کہ یہ اس کی بہترین تشریح اور تعبیر ہے۔ کہ "سات حروف" سے مراد اختلافِ قراءات کی سات نوعیتیں ہیں۔ اب قراءتیں تو اگرچہ سات سے زائد ہیں مگر ان میں اختلافات کی نوعیتیں سات اقسام میں منحصر ہیں۔

متقدمین میں سے سب سے پہلے یہ قول امام مالکؒ کا ہے کہ جس کو مشہور مفسر علامہ نظام الدین قمی نیشاپوریؒ نے اپنی تفسیر غرائب القرآن میں نقل کیا ہے۔

وہ سات قسم کے اختلافات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مفرد اور جمع کا اختلاف
(۲) تذکیر اور تانیث کا اختلاف
(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف
(۴) صرفی ہیئت کا اختلاف
(۵) ادوات (حروف نحویہ) کا اختلاف۔
(۶) لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں۔
(۷) لہجوں کا اختلاف۔ ❸

---

❶ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۲-۲۳ ❷ البرہان شرح ... جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ الطبعۃ الثانیہ ... ۱۳۹۱ ہجری
❸ نیشاپوری غرائب القرآن و رغائب الفرقان بہامش ابن جریر جلد ۱ صفحہ ۲۰ المطبعۃ المیمنیہ مصر۔

پھر یہی قول علامہ ابن قتیبہ، امام ابو الفضل رازی، قاضی ابو بکر بن الطیب باقلانی اور محقق ابن الجزری رحمہم اللہ نے اختیار فرمایا ہے۔ ❶ محقق ابن الجزری جو قراءات کے مشہور امام ہیں، اپنا یہ قول نقل کرنے سے قبل تحریر فرماتے ہیں:

"میں اس حدیث کے بارے میں اشکالات میں مبتلا رہا، اور میں تیس سال سے زیادہ غور و فکر کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی ایسی تشریح کھول دی جو ان شاء اللہ صحیح ہوگی۔ ❷"

یہ سب حضرات اس بات پر تو متفق ہیں کہ حدیث میں "سات حروف" سے مراد اختلاف قراءات کی سات نوعیتیں ہیں لیکن پھر ان نوعیتوں کی تعیین میں ان حضرات کے اقوال میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک نے قراءت کا استقراء اپنے طور پر الگ الگ کیا ہے۔

ان میں جن صاحب کا استقراء سب سے زیادہ منضبط، مستحکم اور جامع مانع ہے وہ امام ابو الفضل رازی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قراءات کا اختلاف سات قسموں میں منحصر ہے۔

(۱) اسماء میں مفرد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث کا اختلاف

(۲) افعال میں ماضی و مضارع وغیرہ کا اختلاف

(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف

(۴) الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف

(۵) تقدیم و تاخیر کا اختلاف

(۶) بدلیت کا اختلاف

(۷) لہجوں کا مثلاً تفخیم، ترقیق اور امالہ وغیرہ کا اختلاف۔

ان تمام اکابر میں امام ابو الفضل رازی کا استقراء سب سے زیادہ جامع ہے کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف چھوٹا نہیں، اور آخری دور میں شیخ عبد العظیم زرقانی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور اس کی تائید میں دلائل پیش کئے ہیں۔ ❸

حقیر کی رائے میں "سبعہ احرف" کی یہ تشریح سب سے بہتر ہے اور حدیث کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کو مختلف طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے۔

اس قول کی وجوہ ترجیح

"سبعہ احرف" کی تشریح میں جتنے اقوال حدیث، تفسیر اور علوم قرآن کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں، ہمارے نزدیک

---

❶ ان مذکورہ بزرگوں کے اقوال فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵-۲۲ اور مناہل جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ میں مذکور ہیں۔ اور قاضی ابن الطیب کا قول تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۴۹ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

❷ النشر فی القراءات العشر جلد ۱ صفحہ ۲۶

❸ مناہل العرفان جلد ۱ صفحہ ۱۵۴-۱۵۶

ان سب میں یہ قول "کہ سات حروف سے مراد اختلافِ قراءات کی سات نوعیتیں ہیں" سب سے زیادہ راجح، قابلِ اعتماد اور اطمینان بخش ہیں۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) اس قول کے مطابق "حروف" اور "قراءات" کو دو الگ الگ چیزیں قرار نہیں دیا جاتا علامہ ابن جریرؒ اور امام طحاویؒ کے قول میں ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ اختلاف دو قسم کا تھا ایک حروف کا دوسرے قراءات کا۔ حروف کا اختلاف ختم ہو گیا اور قراءات کا باقی ہے۔

حالانکہ ذخیرہ احادیث سے کسی ضعیف حدیث سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی اگر یہ بات ہوتی تو اس طرف کم از کم کوئی اشارہ ہی ہوتا۔ کیا وجہ ہے کہ حروف کے اختلاف کا ذکر تو ملتا ہے مگر قراءات کے اختلاف کا نہیں ملتا۔ دو قسم کے اختلاف کا قول کرنا محض اپنی طرف سے قیاس ہے کہ جس کے حل کرنے میں الجھن ہے اور مذکورہ قول بے غبار ہے۔

(2) علامہ ابن جریرؒ کے قول پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ سات میں سے چھ حروف ختم ہو گئے اور (متروک ہو گئے) اور اب ایک حرف باقی رہ گیا ہے اور وہ قریش کا حرف ہے۔ اس میں متعدد قباحتیں ہیں۔ جبکہ مذکورہ قول میں وہ قباحتیں نہیں (ان کا ذکر آگے کسی مناسب مقام پر آئے گا) کیونکہ سات حروف آج بھی باقی ہیں۔

(3) مذکورہ قول کے مطابق سات حروف کی تعیین بے غبار ہے اور ابن جریرؒ کے قول کے مطابق سات حروف میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔

(4) یہ قول عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہستی امام مالکؒ کا ہے اور علامہ ابن قتیبہؒ کے مطابق وہ اسی قول کے قائل ہیں۔

(5) علامہ ابن قتیبہؒ اور ابن الجزریؒ دونوں علم القراءات کے مسلم الثبوت امام ہیں۔ وہ دونوں اسی قول کے قائل ہیں۔ اور علامہ ابن الجزریؒ نے اس حدیث پر تیس سال غور کرنے کے بعد اس قول کو اختیار کیا ہے۔

اس قول پر وارد ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات

(1) مذکورہ بیان کردہ وجوہِ اختلاف زیادہ تر صرفی اور نحوی اختلافات پر مبنی ہیں اور اس وقت تک یہ فنی اصطلاحات اور تقسیمات رائج نہ تھیں کیونکہ لوگ امی اور ان پڑھ تھے۔ لہٰذا ان "وجوہِ اختلاف" کو "سبعہ احرف" قرار دینا مشکل ہے۔

ہماری ناچیز فہم کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ اصطلاحات رائج نہ تھیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ اصطلاحات جن مفاہیم سے عبارت ہیں وہ مفاہیم تو اس دور میں بھی موجود تھے۔ اگر آپؐ نے ان مفاہیم کے لحاظ سے ان وجوہِ اختلاف کو سات میں منحصر کر دیا تو اس میں کیا تعجب ہے۔

(2) جن دیگر نے بھی "سبعہ احرف" کی جو توجیہیں بھی بیان کی ہیں بہر حال وہ قیاسی توجیہ ہیں۔ لہٰذا ان کے بارے

میں کیونکر یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ یہی آپ ؐ کی مراد تھی۔

جواب یہ ہے "سبعۃ احرف" کی کوئی واضح تشریح کسی حدیث میں نہیں۔ یہ جتنے اقوال ہیں وہ روایت کے مجموعے ہیں۔ لہٰذا یہ قول زیادہ قرین صحت ہے کہ اس پر کوئی بنیادی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اور آخر ان سات قسم کی نوعیتوں کے اختلاف کے معلوم کرنے کا طریقہ استقراء کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔

کیا "سبعۃ احرف" محفوظ ہیں یا متروک ہو گئے ہیں

اس بارے میں متقدمین سے تین قول منقول ہیں۔

(۱) پہلا قول حافظ ابن جریر طبریؒ اور ان کے متبعین کا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے تک قرآن سات حروف پر پڑھا جاتا تھا لیکن جب عہد عثمانؓ میں اسلام دور دراز کے بلاد و امصار اور ملکوں میں پہنچا تو قراءات کے اختلاف کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے تو حضرت عثمانؓ نے اس فتنے کے انسداد کے لئے پوری امت کو ایک حرف یعنی لغت پر جمع کیا اور چھ حرف ختم کر دیئے اور آپ نے صحابہؓ کے مشورے سے کیا۔ اب جو قراءتوں کا اختلاف ہے یہ بھی ایک حرف یعنی لغت قریش میں ہے۔

حافظ ابن جریرؒ کے اس نظریہ میں کیا قباحتیں ہیں وہ مؤلف کتاب نے متن کتاب میں ذکر کر دی ہیں۔ (نسیم)

(۲) دوسرا مسلک امام طحاویؒ کا ہے کہ قرآن کریم نازل تو لغت قریش میں ہوا تھا لیکن امت کی آسانی کے لئے سات کی حد تک دوسرے مرادفات استعمال کرنے کی اجازت دی گئی اور یہ مرادفات بھی آپ ؐ نے خود متعین فرمائے تھے۔ اس اجازت کو قرآن کریم کے "سبعۃ حروف" پر نازل ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ پھر جب قریشی لغت قرآن کے عادی ہو گئے تو آپ ؐ نے وفات سے قبل عرضہ اخیرہ میں اس اجازت کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور کر کے ختم کر دیا۔ اب صرف وہی حرف باقی ہے کہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا اور وہ ہے لغت قریش باقی چھ منسوخ ہو گئے ہیں۔ یہ قول ابن جریرؒ کے قول سے اس لئے بہتر ہے کہ اس میں یہ نسخ صحابہؓ کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ یہ بات خود عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔

(۳) تیسرا اور سب سے زیادہ اطمینان بخش اور بے غبار قول یہی ہے کہ سات حروف سے مراد قراءت کے اختلاف کی سات نوعیتیں ہیں۔ اور یہ آج بھی پوری طرح محفوظ ہیں اور باقی ہیں ان کی تلاوت کی جاتی ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ ابتدائے اسلام میں قراءتوں کے اختلاف کی نوعیت زیادہ تھی اور ان میں مرادف الفاظ کے اختلاف کی کثرت تھی۔ مقصد ان لوگوں کو سہولت دینا تھا کہ جو لغت قریش کے ابھی تک عادی نہ تھے لیکن جب لوگ لغت قرآن کے عادی ہو گئے تو مرادفات وغیرہ کے بہت سے اختلاف ختم کر دیئے گئے اور عرضہ اخیرہ کے وقت "آخری دور قرآن"

کہتے ہیں اس میں بہت سی قراءتیں منسوخ کر دی گئی تھیں۔ لیکن جتنی قراءتیں اس وقت باقی تھیں وہ سب دی کی ساری آج بھی تواتر کے ساتھ چلی آتی ہیں اور ان کی تلاوت ہوتی ہے۔

"احرف سبعہ" کی پیچیدہ بحث میں یہ وہ بے غبار رائے ہے کہ جس میں تمام احادیث بھی اپنی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ جاتی ہیں اور نہ ان میں کوئی تعارض یا اختلاف باقی رہتا ہے اور نہ کوئی اور معقول اشکال پیش آتا ہے۔

اس قول کے قائلین حافظ ابوالخیر محمد بن الجزریؒ "متوفی ۸۳۳ ہجری" جو قراءت کے امام اعظم مشہور ہیں اور حدیث وفقہ میں حافظ ابن کثیرؒ کے شاگرد ہیں، وہ حافظ ابن حجرؒ کے استاد ہیں۔ اور علامہ بدرالدین عینیؒ قاضی عیاضؒ علامہ بدرالدین زرکشیؒ قاضی ابوبکر باقلانیؒ علامہ ابن حزمؒ مشہور شارح موطا علامہ ابوالولید الباجی مالکیؒ (المتوفی ۴۷۴ ہجری) امام غزالیؒ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ حضرات ہیں۔ اور متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ ہیں۔ آخر میں ہم حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کا قول نقل کرتے ہیں جو اس بحث میں حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے:

(شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں) "یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ سات حروف سے مراد مشہور سات قراءتیں نہیں ہیں۔ اور یہ بات نہیں ہے کہ ہر حرف ان سات قراءتوں میں سے ایک قراءت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سات حروف اور سات قراءتیں ایک چیز نہیں ہیں۔ جیسا کہ سات کے لفظ سے پہلی نظر میں وہم ہوتا ہے بلکہ ان سات حروف اور سات قراءتوں میں عموم وخصوص مطلق من وجہ ❶ کی نسبت ہے اور یہ دونوں ایک میں کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ قراءتیں سات میں منحصر نہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن الجزریؒ نے "النشر فی قراءۃ العشر" میں اس کی تصریح کی ہے۔ البتہ سات قراءتوں کا لفظ زبان پر اس لئے مشہور ہو گیا کہ علامہ شاطبیؒ نے انہی سات قراءتوں کو جمع کیا ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ان سات حرفوں کے درمیان کلی تضاد ہے۔ اور ان میں کوئی باہم ربط نہیں ہے حالانکہ واقعہ ایسا نہیں۔ بلکہ بعض اوقات دو حرفوں میں فرق صرف صیغہ مجرد اور مزید کا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ صرف "صرفی" ابواب کا۔ اور بعض دفعہ غائب، حاضر کے صیغوں کا اور کبھی صرف ہمزہ کو باقی رکھنے اور اس کے تسہیل کرنے کا۔ پس یہ تمام تغیرات خواہ معمولی ہوں یا بڑے بڑے مستقل حرف ہیں۔ اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حروف کے درمیان کلی تضاد ہے اور ان کا (ایک کلمہ میں) جمع ہونا ناممکن ہے ان سے غلطی ہوئی ہے۔ رہی یہ بات کہ حدیث میں سات کے عدد کا کیا مطلب ہے؟ سو اس کا جواب علامہ ابن الجزریؒ نے دیا ہے اور تحقیق یہ بیان کی ہے کہ یہ سارے تغیرات سات قسم کے ہیں۔ اور اس مسئلہ میں قسطلانی اور زرقانی رحمہا اللہ کی مراجعت بھی کر لیجئے۔

❶ مطلب یہ ہے کہ سات قراءتوں میں سے بعض قراءتیں سات حروف میں سے ہیں۔ جیسے کہ متواتر قراءات اور بعض قراءتیں ایسی ہیں کہ جو سات حروف میں داخل نہیں۔ مثلاً قراء سبعہ کی شاذ قراءتیں وہ قراءتیں جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور سات حروف کے بعض اختلاف ایسے ہیں جو قراءات سبعہ میں شامل نہیں۔ مثلاً امام یعقوب، امام ابو جعفر اور امام خلف رحمہ اللہ علیہم کی متواتر قراءتیں کہ یہ سات حروف میں سے ہیں۔ مگر معروف قراءات سبعہ میں سے نہیں ہیں۔ (محمد تقی عثمانی)

اب صرف یہ بات باقی رہ گئی کہ یہ تمام حروف موجود ہیں یا ان میں سے بعض ختم کر دیئے گئے ہیں۔ اور بعض باقی ہیں۔ بلکہ یہ سمجھ لیجئے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جتنے حروف آپ ﷺ کے ساتھ قرآن کے دور میں پڑھے تھے۔ وہ سب حضرت عثمانؓ کے مصحف میں موجود ہیں۔ اور چونکہ علامہ ابن جریرؒ پر حروف کے معنی واضح نہیں ہو سکے اس لئے انہوں نے یہ مذہب اختیار کر لیا کہ چھ حروف ختم ہو گئے اب حرف ایک باقی ہے۔'' ❶

اسی طرح مصر کے علماء متاخرین میں سے مشہور محقق علامہ زاہد الکوثریؒ (متوفی: ۱۳۷۱ ہجری) تحریر فرماتے ہیں۔

''پہلی رائے (کہ موجودہ قراءت ایک ہی حرف کی مختلف شکلیں ہیں) ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سات حروف ابتدائے اسلام میں تھے۔ پھر عرضہ اخیرہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام سے آخری دور (قرآن پاک) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ سے منسوخ ہو گئے۔ اب صرف ایک باقی رہ گیا ہے نیز یہی رائے ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو ایک حرف پر جمع کر دیا تھا اور ایک مصلحت کی وجہ سے باقی چھ حروف کی قراءت ترک کر دی گئی۔ علامہ ابن جریر کا یہی مسلک ہے اور بہت سے لوگ اس معاملہ میں ان سے مرعوب ہو کر ان کے پیچھے چل گئے لیکن درحقیقت یہ بڑی سنگین اور خطرناک رائے ہے اور علامہ ابن حزمؒ نے ''الفصل'' اور ''الاحکام'' میں اس پر بڑی سخت نکیر کی ہے جس کا انہیں حق تھا اور دوسری رائے (کہ موجودہ قراءات میں ساتوں حروف موجود ہیں) ان حضرات کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہی وہ حروف ہیں جو عرضہ اخیرہ کے مطابق محفوظ چلے آتے ہیں۔'' ❷

(علامہ عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں) ہم نے یہ اقوال تفصیل کے ساتھ اس لئے پیش کئے ہیں کہ آج کل علامہ ابن جریر طبریؒ کا قول ہی زیادہ مشہور ہو گیا ہے اور علامہ کی جلیل القدر شخصیت کے پیش نظر اس قول کو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر سمجھا جاتا ہے اس بنا پر علامہ ابن الجزریؒ کا یہ مذہب یا تو لوگوں کو معلوم نہیں یا اگر معلوم ہے تو اس کو ضعیف سمجھا جاتا ہے حالانکہ گزشتہ بحث کی روشنی میں یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ امام مالک، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابو الفضل رازی، قاضی ابو بکر ابن الطیب، امام ابو الحسن اشعری، قاضی عیاض، علامہ ابن حزم، علامہ ابو الولید باجی، امام غزالی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ علیہم جیسے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ساتوں حروف آج بھی محفوظ ہیں اور باقی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرضہ اخیرہ کے وقت جتنے حروف باقی رہ گئے تھے۔ ان میں سے کوئی نہ منسوخ ہوا ہے اور نہ اس کو ترک کیا گیا ہے بلکہ محقق ابن الجزریؒ نے اس قول کو اپنے سے پہلے جمہور علماء کا مسلک قرار دیا ہے۔ علماء متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہؒ، علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور علامہ زاہد الکوثریؒ کا بھی یہی قول ہے نیز مصر کے مشہور علماء علامہ محمد بخیت مطیعیؒ، علامہ خضری دمیاطیؒ اور شیخ عبد العظیم زرقانیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا دلائل سے قطع نظر محض شخصیات کے لحاظ سے بھی یہ قول بڑا وزنی قول ہے۔ (علوم القرآن صفحہ

---

❶ فیض الباری جلد ۳ صفحہ ۳۲۱-۳۲۲

❷ الکوثری، مقالات الکوثری صفحہ ۲۰- مطبوعہ ۱۳۷۲ ہجری۔ (بندہ کے پاس یہ کتاب اچ ایم سعید کمپنی کی طبع شدہ ہے جہاں سے اس عبارت کو دیکھ کر ترجمہ لیا گیا ہے۔) (مترجم)

١٠٣-١٣٠٩ (المكتبة) (حرف) ا

القراءات المشهورة:

في نهاية البحث نرى لزاما علينا ان نتكلم على نبذة مختصرة عن القراءات وكيف نشأت؟

ومن هم القراء المشهورون؟

تعريف القراءات:

القراءات جمع قراءة مصدر قرأ يقرأ قراءة واصطلاحا مذهب من مذاهب النطق في القرآن يذهب به إمام من الأئمة القراء مذهبا يخالف غيره في النطق بالقرآن الكريم وهي ثابتة بأسانيدها إلى رسول الله ﷺ

هل كان في عهد الصحابة قراء؟

نعم يرجع عهد القراء الذين أقاموا الناس على طرائقهم في التلاوة الى عهد الصحابة الكرام.

فقد اشتهر بالاقراء منهم أبي وعلي وزيد بن ثابت وابن مسعود وأبو موسى الاشعري وغيرهم

وعن هؤلاء أخذ كثير من الصحابة والتابعين في الأمصار وكلهم يسند إلى رسول الله ﷺ

الى ان جاء عهد التابعين في المائة الاولى فتجرد قوم اعتنوا بضبط القراءة عناية تامة حين دعت الحاجة الى ذلك وجعلوها علما كما فعلوا بعلوم الشريعة الأخرى

ونعود ونقول كيف نشأت القراءات:

عرفنا آنفا ان عهد القراء من عهد الصحابة الى عهد التابعين وان المعول عليه في القرآن الكريم إنما هو التلقي والأخذ ثقة عن ثقة وإماما عن إمام الى النبي ﷺ وكانت المصاحف غير منقوطة ولا مشكولة. وأن صورة الكلمة فيها كانت محتملة لكل ما يمكن من وجوه القراءات المختلفة واذا لم تحتملها كتبت الكلمة بأحد الوجوه في مصحف ثم كتبت في مصحف آخر بوجه آخر وهلم جرا

فلا غرو ان كان التعويل على الرواية والتلقي هو العمدة في باب القراءة والقرآن

ثم ان الصحابة رضوان الله عليهم قد اختلف أخذهم عن رسول الله ﷺ فمنهم من قرأ بحرف ومنهم من أخذه عنه بحرفين ومنهم من زاد ثم تفرقوا في البلاد وهم على هذه الحال

وكان عثمانؓ حين بعث المصاحف الى الآفاق ارسل مع كل مصحف من يوافق قراءته في الأكثر الغالب، وعند تفرق الصحابة في البلدان مع اختلافهم في القراءات نقل ذلك عنهم التابعون ومن تبعهم واختلف بسبب ذلك اخذ التابعين حتى وصل الامر على هذا النحو الى الأئمة القراء المشهورين الذين تخصصوا وانقطعوا للقراءات يضبطونها ويعنون بها وينشرونها.

هذا منشأ علم القراءات واختلافها وإن كان هذا الاختلاف يرجع في الواقع الى امور يسيـــرة بالنسبـــة لمواضع الاتفاق الكثيرة كما هو معلوم وهذا الاختلاف في حدود الاحرف السبعة التي نزل عليها القرآن الكريم كلها من عند الله.

ويحســن في هذا المقام ان ننقل ما كتبه الشيخ الزرقاني في كتابه ((مناهل العرفان)) وقد نقله من كتاب للنويري مخطوط بدار الكتب المصرية وضعه شرحا للطيبة في القراءات.

قال: (والاعتماد في نقل القرآن على الحفاظ، ولذلك ارسل (اى عثمانؓ) كل مصحف مع من يوافق قراءته في الاكثر وليس بلازم. وقرأ كل مصر بما في مصحفهم، وتلقوا ما فيه من الصحابة الذين تلقوه عن النبي ﷺ. ثم تجرد للأخذ عن هؤلاء قوم اسهروا ليلهم في ضبطها، واتعبوا نهارهم في نقلها، حتى صاروا في ذلك أئمة للاقتداء، وأنجما للاهتداء، واجمع اهل بلدهم على قبول قراءتهم، ولم يختلف عليهم اثنان في صحة روايتهم ودرايتهم، ولتصديهم للقراءة نسبت اليهم، وكان المعول فيها عليهم.

((ثم ان القراء بعد هؤلاء كثروا، وفي البلاد انتشروا وخلفهم امم بعد امم، عرفت طبقاتهم، واختلفت صفاتهم، فكان منهم المتقن للتلاوة، المشهورة بالرواية والدراية، ومنهم المحصل لوصف واحد، ومنهم المحصل لاكثر من واحد فكثر بينهم لذلك الاختلاف وقل منهم الائتلاف.

فقام عند ذلك جهابذة الائمة، وصناديد الأمة فبالغوا في الاجتهاد بقدر الحاصل، وميزوا بين الصحيح والباطل، وجمعوا الحروف والقراءات، وعزوا الاوجه والروايات، وبينوا الصحيح والشاذ والكثير والفاذ بأصول اصلوها وأركان فصلوها ... الخ))

عدد القراءات وانواعها:

ذكر صاحب كتاب (الإتقان) ان القراءات، متواترة، ومشهورة، وآحاد، وشاذ، وموضوع ومدرج.

قال القاضي جلال الدين البلقيني: القراءة تنقسم إلى متواتر وآحاد وشاذ: فالمتواتر القراءات السبع المشهورة

والآحاد قراءة الثلاثة التي هي تمام العشر ويلحق بها قراءة الصحابة. والشاذ قراءة التابعين كالأعمش ويحيى بن وثاب وابن جبير ونحوهم

قال السيوطي: هذا الكلام فيه نظر وأحسن من تكلم في هذا النوع إمام القراء في زمانه الشيخ أبو الخير بن الجزري قال في أول كتابه (النشر): كل قراءة وافقت العربية ولو بوجه، ووافقت أحد المصاحف العثمانية ولو احتمالا وصح سندها فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردها ولا يحل إنكارها بل هي من الأحرف السبعة التي نزل بها القرآن ووجب على الناس قبولها سواء كانت عن الأئمة السبعة أم عن العشرة أم عن غيرهم من الأئمة المقبولين ومتى اختل ركن من هذه الأركان الثلاثة أطلق عليها شاذة أو باطلة سواء كانت عن السبعة أم عمن هو أكبر منهم. هذا هو الصحيح عند أئمة التحقيق من السلف والخلف.

قال صاحب الطيبة في ضابط قبول القراءات:

فكل ما وافق وجه النحو ... وكان للرسم احتمالا يحوي

وصح إسنادا هو القرآن ... فهذه الثلاثة الأركان

وحيثما يختل ركن أثبت ... شذوذه لو أنه في السبعة

والقراءات قيل القراءات السبع والقراءات العشر والقراءات الأربع عشرة وأعلى الصحيح بالشهرة ونهاية المتناول القراءات السبع

وتنسب هذه القراءات إلى الأئمة السبعة المعروفين وهم: نافع وعاصم وحمزة وعبد الله بن عامر وعبد الله بن كثير وأبو عمرو بن العلاء وعلي الكسائي.

والقراءات العشر هذه السبعة وزيادة قراءة أبي جعفر ويعقوب وخلف.

والقراءات الأربع عشرة زيادة أربع على قراءات هؤلاء العشرة وهي: قراءة الحسن البصري وابن محيصن ويحيى اليزيدي والشنبوذي.

أول من صنف في القراءات:

علم القراءات أتى عليه حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا.

وأول من صنف في القراءات أمثال أبي عبيد القاسم بن سلام وأبي حاتم السجستاني وأبي جعفر الطبري وإسماعيل القاضي.

متى اشتهرت قراءة السبعة؟

اشتهرت قراءة السبعة على رأس المائتين في الأمصار الإسلامية.

فكان الناس في البصرة على قراءة (أبي عمرو) و (يعقوب)، و بالكوفة على قراءة (حمزة) و (عاصم)

وبالشام على قراءة (ابن عامر)

وبمكة على قراءة (ابن كثير)

وبالمدينة على قراءة (نافع)

متى دونت القراءات؟

دونت في نهاية القرن الثالث ببغداد على يد الإمام ابن مجاهد أحمد بن موسى بن عباس لجميع القراءات هؤلاء السبعة غير أنه اثبت اسم الكسائي وحذف يعقوب.

طريقته:

كان آخذا على نفسه ألا يروى إلا عمن اشتهر بالضبط، والأمانة، وطول العمر في ملازمة القراءة، واتفاق الآراء على الأخذ عنه والتلقي منه.

واقتصار ابن مجاهد على هؤلاء السبعة ليس بحاصر للقراء فيهم، ولا بملزم أحدا أن يقف عند حدود قراءتهم.

القراء السبعة المشهورون.

القراءات المتواترة نقلت لنا عن القراء الحفظة، المشهورين بالحفظ والضبط والإتقان. وهم ائمة القراءات المشهورة، الذين نقلوا لنا قراءة الصحابة عن رسول الله ﷺ وكان لهم فضل العلم والتعليم، لكتاب الله العظيم كما قال صلوات الله وسلامه عليه (خير كم من تعلم القرآن وعلمه) وقد جمع الشيخ ابو اليسر عابدين هؤلاء القراء في بيتين من الشعر فقال:

فنافع، وابن كثير، وعاصم وحمزة، ثم أبو عمرو همو

مع ابن عامر أخي الكسائي أئمة السبع بلا امتراء

ترجمہ: القراءت المشہورہ (مشہور قراءتیں)

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

اس بحث کے اختتام پر ہم نے اپنے اوپر یہ ضروری جانا کہ قراءات کے بارے میں بھی کچھ مختصر سی گفتگو کریں اور اس بارے میں بھی گفتگو کریں کہ) یہ (قراءات) کیسے وجود میں آئیں اور مشہور قراء کون کون ہیں؟

قراءات کی تعریف

قراءات یہ "قراءۃ" کی جمع ہے اور "قرأ یقرأ" سے مصدر "قراءۃ" ہے۔ اور اصطلاح میں (قراءات کی تعریف یوں ہے قراءت) یہ قرآن کے پڑھنے کے مذاہب میں سے ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کو ائمہ قراء میں سے کسی نے اختیار کیا جو کہ قرآن کے پڑھنے (کے طریقے) میں (اپنے علاوہ) دوسرے (امام) کے مذہب کے خلاف (طریقہ پر قرآن کی تلاوت کرتا) ہو اور یہ قراءت اپنی سند کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ثابت ہو۔

کیا عہد صحابہؓ میں قراء تھے؟

جی ہاں! قراء کا زمانہ جنہوں نے لوگوں کو تلاوت (قرآن) میں اپنے (اپنے) طریقوں (اور قراءت کے طرز) پر قائم کیا وہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ کی طرف لوٹتا ہے۔

صحابہ کرامؓ میں سے (قرآن پڑھانے اور) سکھلانے میں جو (صحابہؓ) مشہور ہوئے۔

(ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں)

حضرت ابی بن کعب، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہم۔

اور ان (قراء) صحابہ کرامؓ سے بہت سارے صحابہؓ اور تابعینؒ (عظام) نے (مختلف ممالک کے بلاد و) امصار میں (قرآن کی مختلف تلاوت کو سیکھا اور) اخذ کیا۔ اور یہ سب کے سب (اپنی اپنی قراءت کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب (اور مسند) کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دوسری صدی (ہجری) میں تابعینؒ (عظام) کا دور آ گیا۔ اور کچھ لوگوں نے (اسی کام میں زندگی وقف کر دی اور قرآن کی مختلف قراءات کے سیکھنے سکھلانے کے لئے) اپنے آپ کو فارغ کر لیا۔ اور انہوں نے قراءات کو محفوظ کرنے (اور سیکھنے اور یاد کرنے) کی طرف پوری توجہ دی۔ جب اس کی ضرورت پڑی۔ اور انہوں نے اس کو ایک (مستقل) علم بنا دیا جیسے کہ انہوں نے دوسرے علوم شرعیہ کے ساتھ برتاؤ کیا (کہ جس طرح ان علوم کی طرف پوری پوری توجہ دی اسی طرح علم قراءات کی طرف بھی اتنی ہی توجہ دی۔)

اور ہم (اب) دوبارہ (اپنے پہلے موضوع کی طرف) لوٹ آتے ہیں اور (یہ) بیان کرتے ہیں کہ (مختلف) قراءتیں کیسے وجود میں آ گئیں۔

(جیسا کہ) ہم نے (گزشتہ عبارت میں) ابھی (اس بات کو) جان لیا کہ قراء کا عہد یہ صحابہ کرامؓ کے عہد سے لے کر تابعین کے عہد تک ہے اور قرآن کریم میں متفق علیہ (بات) ثقہ و رشد (اور قابل اعتبار لوگوں سے) اور امام و رواۃ ہو (قراءت

کو) حاصل کرتے اور لیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک (اپنی اخذ وتلقی کی سند کو لے جاتے ہیں) اور (پہلے) مصاحف بغیر نقطوں اور اعراب کے تھے۔ اور ان مصاحف میں (ایک) کلمہ کی صورت ان مختلف قراءات کی وجوہ میں سے ہر ممکن صورت کا احتمال رکھتی تھی اور جب کوئی کلمہ (ہر صورت کا) احتمال نہ رکھتا تو اس کو کسی ایک (حرف کی) صورت پر لکھ دیا جاتا تھا۔ پھر دوسرے مصحف میں (وہی) کلمہ دوسری صورت پر لکھ دیا جاتا۔ اور یونہی (تمام وجوہ قراءات کو لکھ دیا جاتا۔ خواہ ایک ہی مصحف میں یا الگ الگ مصاحف میں)

پس اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ روایت اور تلقی ❶ پر اعتماد کرنا یہ قرآن اور قراءت کے باب میں (نہایت) عمدہ (ترین طریقہ) ہے۔

پھر صحابہ کرامؓ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (قراءت اور قرآن کو) لینے میں اختلاف واقع ہوا۔ بعض نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے) ایک حرف پر پڑھا اور بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (قرآن کو) دو حرف پر حاصل کیا۔ اور بعض نے اس سے زیادہ لیا۔ پھر وہ اسی کیفیت کے ساتھ (اطراف واکناف عالم اور) دیار (وامصار) بلاد میں پھیل گئے۔

اور حضرت عثمانؓ نے جب مختلف شہروں میں مصاحف بھیجے تو ہر مصحف کے ساتھ اس صحابی کو بھیجا کہ جس کی قراءت اس مصحف کے اکثر کے موافق ہوتی تھی۔

اور صحابہ کرامؓ کے مختلف شہروں میں پھیل جانے پر جبکہ ان کی قراءتیں مختلف تھیں، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ نے ان سے ان قراءتوں کو نقل کیا اور صحابہ کرامؓ کی قراءتوں کے اختلاف کی وجہ سے تابعین کے (ان قراءتوں کو سیکھنے اور) حاصل کرنے میں (بھی) اختلاف ہوا اور یہ معاملہ اسی طرح پر مشہور آئمہ قراء تک جا پہنچا جو قراءات کے لئے خاص ہو گئے اور اس کے (ہی) ہو رہے۔

انہوں نے قراءتوں کو محفوظ کیا اور ان پر (پوری) توجہ دی اور ان کو (چہار دانگ عالم میں) پھیلا دیا۔

یہی بات علم قراءات اور اس کے اختلاف کا منشا ہے اور درحقیقت یہ اختلاف بہت ساری باتوں میں اتفاق کے پائے جانے کی جگہوں کی نسبت چند باتوں میں (ہی) ہے جیسا کہ یہ بات معلوم (ومشہور) ہے اور یہ اختلاف ان "حروف سبعہ" کی حدود میں ہے کہ جن پر یہ سارا کا سارا قرآن کریم اللہ عزوجل کی طرف سے اترا۔

مناسب ہے کہ اس مقام پر ہم اس تحریر کو نقل کریں کہ جو شیخ زرقانیؒ نے اپنی کتاب "مناہل العرفان" میں تحریر کی ہے اور انہوں نے اس کو (امام) "نویری" کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ کہ جو (کتب خانہ مصریہ جس کا نام) دار الکتب المصریہ (ہے) میں مخطوطہ (کی شکل میں موجود) ہے کہ جس کو امام نویری نے "الطیبۃ فی القراءات" کی شرح میں لکھا ہے۔

(وہ عبارت نقل کرتے ہوئے امام عبدالعظیم زرقانیؒ) فرماتے ہیں۔

"اور قرآن کے (نسل درنسل زمانہ درزمانہ) نقل کرنے میں (قرآن کے قراء اور) حفاظ پر اعتماد (کیا گیا) ہے۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ نے (کہ جب انہوں نے مصاحف مرتب کروالئے تھے اور ان کو بھیجنے کی نوبت آئی تو) ہر ایک مصحف کو ان

---

❶ یعنی حفاظ سے سلف لینا اور ان کا براہ راست قرآن وقراءت کو لینا۔ (مترجم)

بزرگ (صحابیؓ) کے ساتھ بھیجا کہ جن کی قراءت (ان بھیجے جانے والے) مصحف کی قراءت کے اکثر کے موافق ہوتی تھی۔ اور یہ کوئی ضروری نہ تھا۔ (کہ پوری قراءت ہی موافق ہو) اور ہر شہر کے لوگ اس قراءت کو پڑھتے کہ جو ان کے مصحف میں ہوتی تھی۔ اور وہ اس مصحف میں موجود قراءت کو صحابہؓ سے لیتے کہ جس کو انہوں نے نبیؐ سے لیا ہوتا تھا۔ پھر چند لوگوں نے ان بزرگوں سے ان قراءتوں کو لینے (اور سیکھنے کے لئے) اپنے آپ کو وقف کر دیا اور انہوں نے ان (قراءتوں) کو جمع کرنے میں اپنی راتوں کو بیدار کیا اور ان کے نقل کرنے میں اپنے دنوں کو تھکایا یہاں تک کہ (ان ان تھک محنتوں اور شبانہ روز کاوشوں اور عرق ریز مساعی کی بدولت) وہ لوگ ان قراءتوں میں (دوسروں کے لئے) پیروی کرنے کے لئے آئمہ بن گئے (کہ جن کی ان قراءتوں میں پیروی کی جاتی تھی) اور وہ لوگ (ان قراءتوں تک) رستہ پانے میں ستاروں (کی مانند) ہو گئے۔ اور (ہر) ہر علاقے والوں نے ان کی قراءت کو قبول کرنے میں اجماع کر لیا۔ اور کسی دو شخصوں نے ان کی صحت روایت و درایت اور ان کی اس قراءت کی طرف توجہ میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قراءت کی ان کی طرف نسبت کی جاتی تھی۔ اور اسی بابت ان ہی لوگوں (کی ضبط کردہ) قراءت پر اعتماد کیا جاتا تھا اور ان ہی لوگوں کی قراءت پر دار و مدار تھا۔

پھر ان کے بعد قراء کثرت سے ہوئے اور وہ لوگ (کہ جو ان آئمہ کے تعلیم یافتہ اور تربیت کردہ تھے) شہروں (اور ملکوں) میں پھیل گئے۔ اور (خود) ان کا (امت کا ایک) طبقہ کا طبقہ غائب ہوا۔ اور ان کے طبقات (در جات) ہو نے (اور پہنچنے) گئے (اور تاریخ نے ان کی تفصیل کو محفوظ کر لیا) اور ان کی صفات (باہم) مختلف ہوئیں (کہ یہ ایک فطری بات تھی کیونکہ خلقت آدمیوں کی صفات مختلف ہوا کرتی ہیں) لہٰذا ان میں سے بعض عمدہ تلاوت کرنے والے اور روایت و درایت میں مشہور تھے۔ اور بعض نے فقط ایک ہی صفت حاصل کی تھی۔ اور بعض نے ایک سے زیادہ صفات کا حصول کیا۔ اسی وجہ سے ان میں اختلاف بڑھ گیا اور (باہم توافق اور صفات میں) اتحاد (و یکانگت) دو گھٹتی گئی۔

پس اس موقعہ پر (کہ یہ اختلاف بڑھتا جا رہا تھا) آئمہ ماہرین اور اکابرین امت اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بقدر ضرورت (قراءت کے اختلاف اور ان میں تطبیق میں) اجتہاد کرنے میں مبالغہ کی حد تک کام کیا۔ اور صحیح اور باطل میں امتیاز کیا اور حروف اور قراءات کو جمع کیا اور (قراءت کے) طریقوں اور روایات کو (ان کے اصحاب کی طرف) منسوب کیا اور صحیح اور شاذ (قراءت کو الگ الگ کر کے) اور زیادہ اور اکیلی (قراءت) کو بیان کیا (اور یہ ساری محنت ایسے اصولوں کے ذریعے (کی گئی) جن کو انہوں نے اصل قرار دیا اور ایسے ارکان کے ذریعہ کہ جن کو انہوں نے ترجیح دی۔ ❶

توضیح:

حضرت مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب صدر القراء دار العلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ معانی کے سلسلہ میں جس طرح ان امور کو سند قبول حاصل ہوتی ہے جن کا ربط پیغمبر ﷺ کے قول و عمل اور تقریر سے وابستہ ہوتا ہے اسی طرح بسلسلہ تلاوت ان ہی طریقوں اور وجوں کو مرتبہ اعتبار

---

❶ : دیکھئے مناہل العرفان جلد صفحہ ۔

متواتر، مشہور، آحاد، شاذ، موضوع اور مدرج (کہ یہ اقسام مشہور) ہیں۔

قاضی جلال الدین البلقینیؒ فرماتے ہیں۔

"قراءت متواتر، آحاد اور شاذ (تین قسموں) میں تقسیم ہوتی ہے اور مشہور سات قراءتیں (یہی) متواتر (قراءتیں) ہیں۔ اور قراءت آحاد یہ وہ تین قراءتیں ہیں جو ان کو پورا کرتی ہیں (کہ ان تین کے ملنے سے قراءت سبعہ دس ہو جاتی ہیں) اور صحابہ کرامؓ کی قراءتیں ان (یعنی آحاد) قراءتوں کے ساتھ ملحق ہوتی ہیں۔

اور شاذ (قراءتیں) یہ تابعین کی قراءتیں ہیں جیسے امام اعمش، یحییٰ بن وثاب اور ابن جبیر اور دوسرے حضرات۔

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

امام سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ (قاضی جلال الدین بلقینیؒ کے) اس کلام میں نظر (اور تامل کی گنجائش) ہے اور اس نوع کے بارے میں سب سے عمدہ کلام اپنے زمانہ کے شیخ القراء امام ابو الخیر بن جزریؒ نے فرمایا ہے وہ اپنی (مشہور زمانہ) کتاب النشر فی القراءات العشر" کے شروع میں فرماتے ہیں۔

"ہر وہ قراءت کہ جو (لغت) عرب کے موافق ہو چاہے کسی طور پر بھی اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے بھی موافق ہو چاہے (موافقت کا) احتمال ہی ہو۔ اور اس کی سند صحیح ہو تو یہ وہ صحیح قراءت ہے کہ جس کا رد کرنا بھی جائز ہے اور نہ ہی اس کا انکار کرنا حلال (اور جائز) ہے بلکہ یہ ان "حروف سبعہ" سے ہے کہ جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ اور لوگوں پر اس قراءت کا قبول کرنا واجب ہے چاہے یہ سات آئمہ سے (مروی) ہوں یا دس سے یا ان کے علاوہ دوسرے آئمہ مقبولین سے (مروی) ہوں اور جب ان (تین مذکورہ) ارکان میں سے کوئی ایک رکن نہ ہوگا تو اس پر شاذ یا باطل قراءت کا اطلاق ہوگا۔ چاہے وہ (اُنہی) سات آئمہ سے (ہی) مروی ہو یا ان سے بھی بڑے امام سے مروی ہو۔ اور یہی (بات محقق اور ثابت شدہ اور صحیح ہے کہ جو سلف اور خلف کے آئمہ محققین کے نزدیک (مسلم) ہے۔" ●

(مولف کتاب فرماتے ہیں)

صاحب "الطیبہ" "قبول قراءت کے ضابطہ (کو ان منظومہ ذیل اشعار) میں فرمایا ہے۔

(۱) وکل ما وافق وجه النحو   وكان للرسم احتمالا يحوی

ہر وہ قراءت کہ جو (قوانین) نحو کے موافق ہو اور اس نے (مصاحف عثمانی کے) رسم (الخط) کو شامل کیا ہو۔

(۲) وصح اسنادا هو القرآن   فهذه الثلاثة الاركان

اور اس کی سند صحیح ہو تو وہ (قراءت) قرآن میں سے ہے۔

پس یہی تین باتیں (بنیادی) ارکان ہیں (کہ جن پر قراءت کے رد وقبول کا مدار ہے)

(۳) وحيثما يختل ركن اثبت   شذوذه لو انه من السبعة

● دیکھئے مناہل العرفان جلد ا صفحہ ۴۰۴۔

اور جب بھی کوئی ایک رکن نہ ہو تو اس کو شاذ قراءت کہتے ہیں خواہ وہ سات آئمہ سے مروی ہو۔

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

کہتے ہیں کہ قراءت سات (بھی ہیں) اور دس (بھی) اور چودہ (بھی ہیں) لیکن ان کا افضل قراءت مجموعہ القراءات العشر "القراءات الاربع عشر" کہتے ہیں:

اور ان سب قراءتوں نے "قراءات السبع" کے نام سے شہرت اور بلند عزت کو پایا۔ اور ان قراءتوں کو ان (مشہور و) معروف آئمہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو یہ ہیں۔

نافع، عاصم، حمزہ، عبداللہ بن عامر، عبداللہ ابن کثیر، ابو عمرو بن العلاء اور علی الکسائی۔

اور دس قراءتیں (ان میں سے) سات تو یہی ہیں اور ابو جعفر، یعقوب اور خلف ان تین کی قراءتیں (اس پر) مزید ہیں۔

اور چودہ قراءتیں جن کو قراءات الاربع العشر کہا جاتا ہے ان دس پر چار قراءتیں زائد ہیں اور وہ یہ ہیں۔

حسن بصری کی قراءت اور ابن محیصن اور یحییٰ یزیدی اور شنبوذی کی قراءت۔

(علم) قراءات پر جس نے سب سے پہلے تصنیف کی

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

علم قراءات پر ایک وقت ایسا بھی آیا ہے کہ جب یہ لکھی گئی (اور لوگوں میں اس کا ذکر تک نہ تھا) علم قراءت میں جن لوگوں نے سب سے پہلے (پہلی) تصنیفات کیں۔ (وہ) ابو عبید القاسم بن سلام، ابو حاتم سجستانی، ابو جعفر طبری اور اسماعیل قاضی جیسے لوگ ہیں۔

سات قراءتیں کب مشہور ہوئیں؟

(مؤلف کتاب فرماتے ہیں)

سات قراءتیں دوسری صدی ہجری کے شروع میں ممالک اسلامیہ میں مشہور ہوئیں۔ چنانچہ بصرہ میں لوگ ابو عمرو اور یعقوب کی قراءت پر تھے اور

کوفہ میں حمزہ اور عاصم کی قراءت پر اور

شام میں ابن عامر کی قراءت پر

اور مکہ میں ابن کثیر کی قراءت پر

اور مدینہ میں نافع کی قراءت پر تھے۔

(یہ) قراءات (السبعہ) کب مدون ہوئیں؟

یہ مذکورہ قراءتیں تیسری صدی ہجری کے آخر میں بغداد میں امام ابن مجاہد احمد بن موسیٰ بن عباس کے ہاتھوں مدون ہوئیں

قال فيهم صاحب الشاطبية:

وأما دمشق الشام دار ابن عامر … فتلك بعبد الله طابت محللا

هشام وعبد الله وهو انتسابه … لذكوان بالإسناد عنه تنقلا

(٢) ابن كثير: هو ابو محمد عبد الله بن كثير الداري المكي كان إمام الناس في القراءة بمكة وهو تابعي لقي من الصحابة عبد الله بن الزبير وأبا أيوب الأنصاري وأنس بن مالك وتوفي بمكة سنة مائة وعشرين.

وراوياه: البزي (ت ٢٥٠) وقنبل (ت ٢٩١ هـ)

قال فيهم صاحب الشاطبية:

ومكة عبد الله فيها مقامه … هو ابن كثير كاثر القوم معتلا

روى أحمد البزي له ومحمد … على سند وهو الملقب قنبلا

(٣) عاصم الكوفي: هو عاصم بن أبي النجود الأسدي ويقال له ابن بهدلة ويكنى أبا بكر وهو تابعي

توفي بالكوفة سنة ١٢٧هـ او ١٢٨هـ وراوياه شعبة (ت ١٩٣ هـ) وحفص (ت ١٨٠هـ) يقول فيهم صاحب الشاطبية:

وبالكوفة الغراء منهم ثلاثة … أذاعوا فقد ضاعت شذى وقرنفلا

فأما أبو بكر وعاصم اسمه … فشعبة راويه المبرز أفضلا

وذاك ابن عياش أبو بكر الرضا … وحفص وبالإتقان كان مفضلا

(٤) ابو عمرو: هو ابو عمرو زبان بن العلاء بن عمار البصري شيخ الرواة وقيل اسمه يحيى وقيل اسمه كنيته توفي بالكوفة سنة أربع وخمسين ومائة. وراوياه:

الدوري (ت ٢٤٦ هـ) والسوسي (ت ٢٦١ هـ)

قال صاحب الشاطبية

وأما الإمام المازني صريحهم … أبو عمرو البصري فوالده العلا

أفاض على يحيى اليزيدي سيبه … فأصبح بالعذب الفرات معللا

أبو عمر الدوري وصالحهم أبو … شعيب هو السوسي عنه تقبلا

(٥) حمزة الكوفي: هو حمزة بن حبيب بن عمارة الزيات الفرضي التيمي مولى عكرمة بن ربيع التيمي ويكنى أبا عمارة توفي بحلوان في خلافة أبي جعفر المنصور سنة ١٥٦ هـ وراوياه خلف (ت ٢٢٩هـ) وخلاد (ت ٢٢٠ هـ) بواسطة سليم.

ہے۔ ❶

توضیح:

حضرت مولانا ابوالحسن الاعظمی نے آپ کا نام کنیت قوم قبیلہ تابعی ہونا۔ آپ کی علم قرات میں جلالت شان اور قدر و منزلت آپ کے اساتذہ و مشائخ آپ کی دمشق میں مسجد قضا پر تقرری اور آپ کی قرات کے اختیار کرنے پر اجماع کو اور آپ کی ولادت سن ولادت جائے ولادت آپ کے سن وفات آپ کے بے شمار معتبر تلامذہ و رواۃ کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

اور اس کے بعد آپ کی قرات کے دو راویوں ابوالولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسر سلمی دمشقی اور عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان قرشی دمشقی کا بھی تعارف کروایا ہے۔

دیکھیں (علم قراءت اور قراء سبعہ از صفحہ ۸۸-۹۲)

ترجمہ: (۲) ابن کثیر:

یہ ابو محمد عبداللہ بن کثیر الداری المکی ہیں۔ آپ مکہ میں قراءت کے امام تھے۔ آپ تابعی تھے آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت انس بن مالک سے ملاقات کی ہے (اور ان کی زیارت کی ہے) اور آپ کا مکہ میں ۱۲۰ ہجری میں انتقال ہوا۔

اور آپ کے دو راوی البزی (متوفی ۲۵۰ ہجری) اور قنبل (متوفی ۲۹۱ ہجری) ہیں۔ صاحب شاطبیہ آپ کے بارے میں یہ اشعار کہتے ہیں۔

ومكة عبد الله فيها مقامه　　　هو ابن كثير كاثر القوم معتلا

"مکہ جو عبداللہ کی جائے اقامت ہے۔ یہ (یعنی) ابن کثیر (راوی) قوم (یعنی قراء) میں غالب نام آور اور بلند ہیں۔" ❷

روى أحمد البزي له ومحمد　　　على سند وهو الملقب قنبلا

"احمد البزی اور محمد نے سند کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے (وہ محمد) جن کا لقب قنبل ہے۔"

توضیح:

حضرت مولانا ابوالحسن الاعظمی نے آپ کا نام و نسب کنیت مشہور نام آپ کے مولیٰ آپ کا تابعی ہونا اور امام شافعی کا آپ کا شاگرد ہونا۔

اور شاطبی کے آپ کو "کاثر القوم" کہنے کی وجوہات آپ کی کئی صحابہ کرام سے ملاقات آپ کی عطر کی تجارت اور اس کی وجہ سے آپ کا داری (یعنی عطار) کہلانا بیان کیا ہے۔

---

❶ اس شعر کا ترجمہ "علم قراءت اور قراء سبعہ" صفحہ ۹۰ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

❷ اس شعر کا ترجمہ "علم قراءت اور قراء سبعہ" صفحہ ۷۷ سے لیا گیا ہے۔ (نسیم)

آپ کے آباؤ اجداد کو کسریٰ نے کشتی میں سوار کر کے یمن بھجوا دیا تھا۔

آپ حدیث کے امام تھے۔ اسی لئے بڑے بڑے علماء آپ سے قراءت نقل کرتے تھے۔ جیسے سفیان بن عیینہ، امام شافعی رحمہما اللہ وغیرہ۔

آخر میں آپ کی قراءت کے دو راوی ابو الحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن قاسم بن نافع بن ابی بزہ اور محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن خالد بن سعید، تفصیل تو ذکر کر دیا ہے۔

دیکھیں "علم قراءت اور قراء سبعہ" صفحہ ۷۷ تا ۸۰۔

ترجمہ: (۳) عاصم کوفی:

یہ عاصم بن ابی النجود الاسدی ہیں۔ آپ "ابن بہدلہ" کہلاتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو بکر ہے۔ آپ تابعی ہیں۔

آپ کا کوفہ میں ۱۲۷ ہجری یا ۱۲۸ ہجری میں انتقال ہوا۔ آپ (کی قراءت) کے راوی شعبہ (متوفی ۱۹۳ ہجری) اور حفص (متوفی ۱۸۰ ہجری) ہیں۔

صاحب شاطبیہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔

وبالکوفۃ الغراء منہم ثلاثۃ — اذاعوا فقد ضاعت شذا وقرنفلا

فاما ابو بکر وعاصم اسمہ — فشعبۃ راویہ المبرز افضلا

"اور ابو بکر اور عاصم (کہ جن کا نام ہے) اور شعبہ کہ جو ان کے راوی ہیں۔ کہ شہرت اور فضیلت والے ہیں۔"

وذاک ابن عیاش ابو بکر الرضا — وحفص وبالاتقان کان مفضلا

"اور یہ ابن عیاش ابو بکر الرضا اور حفص ہیں کہ جو بالاتفاق فضیلت (و برتری) والے ہیں۔"

توضیح:

مولانا ابو محسن صاحب نے ان کے تفصیلی احوال اور ان کے شاگردوں اور راویوں کی تفصیل "علم قراءت اور قراء سبعہ" صفحہ ۹۹ تا ۱۰۴ میں تفصیل سے ذکر کی ہے۔

ترجمہ: (۴) ابو عمرو:

یہ ابو عمرو زبان بن العلاء بن عمار البصری ہیں۔ کہ جو سب راویان قراءت کے شیخ ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آپ کا نام یحییٰ ہے اور کہتے ہیں کہ آپ کا نام ہی آپ کی کنیت ہے۔ آپ کا انتقال کوفہ میں ۱۵۴ ہجری میں ہوا۔

آپ کے دو راوی "دوری" (متوفی ۲۴۶ ہجری) اور "سوسی" (متوفی ۲۶۱ ہجری) ہیں۔

صاحب شاطبیہ نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے:

وأما الإمام المازني صريحهم — أبو عمرو البصري فوالده العلا

" وراق آ ئمہ میں بڑے امام ابو عمرو بصری مازنی ہیں کہ جن کے دو شاگرد ہیں۔"

افاض علی یحیی الیزیدی سیبہ   فاصبح بالعذب الفرات معللا

" امام ابو عمرو نے اپنے علم کی بارش یحییٰ یزیدی پر برسائی۔ پس وہ (یحییٰ) شیریں اور پیاس دور کرنے والے پانی سے سیراب (یعنی علم سے مالا مال) ہوگئے۔ ❶

ابو عمرو الدوری صالحہم ابو   شعیب ہو السوسی عنہ تقبلا

" ابو عمرو الدوری کہ جو ان میں نیک ہیں اور ابو شعیب کہ جو سوسی ہیں انہوں نے ابو عمرو سے قراءت کو لیا۔"

(ان کے تفصیلی احوال کے لئے دیکھیں علم قراءت اور قراء سبعہ صفحہ ۸۴ تا ۸۶)

(۵) حمزہ کوفی:

یہ حمزہ بن حبیب بن عمارہ الزیات القرشی التیمی ہیں۔ عکرمہ بن ربیع التیمی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ کی کنیت ابو عمارہ ہے۔ آپ کا انتقال ابو جعفر منصور کے (عہد) خلافت میں حلوان میں ۱۵۶ ہجری میں ہوا۔

آپ کے دو راوی خلف (متوفی ۲۲۹ ہجری) اور خلاد (متوفی ۲۲۰ ہجری) ہیں۔ جن کی قراءت سلیم کے واسطے سے ہے صاحب شاطبیہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔

وحمزۃ ما ازکاہ من متورع   اماما صبورا للقرآن مرتلا

" حمزہ کس قدر پاکیزہ ہیں پرہیزگار امام بہت صابر قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے والا ہونے کے اعتبار سے۔"

روی خلف عنہ و خلاد الذی   رواہ سلیم متقنا و محصلا

یعنی خلف اور خلاد نے (بواسطہ سلیم) حمزہ سے روایت کیا ہے کہ جس کو خود سلیم نے خود (حمزہ سے) نقل و روایت کیا ہے۔ ❷

(ان کے تفصیلی احوال کے لئے دیکھیں "علم قراءت اور قراء سبعہ" صفحہ ۱۰۵ تا ۱۱۳)۔

(۶) نافع:

یہ ابو رویم نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم اللیثی ہیں۔ آپ اصل (اور نسب کے اعتبار سے) اصفہان کے ہیں۔ مدینہ منورہ کے قراء کی سرداری آپ پر ختم ہوجاتی ہے۔ (یعنی آپ تمام قراء کے سردار ہیں)

آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۶۹ ہجری میں ہوا۔ آپ کے دو راوی قالون (متوفی ۲۲۰ ہجری) اور ورش ❸

❶ ترجمہ از "علم قراءت و قراء سبعہ" صفحہ ۸۵۔ (نعیم) ❷ ان دونوں اشعار کا ترجمہ "علم قراءت اور قراء سبعہ" ۱۰۵ اور ۱۱۳ سے لیا گیا ہے۔ (نعیم) ❸ (مصنف کتاب قالون اور ورش کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) قالون کا معنی اچھا اصل رومی میں عمدہ (اور اعلیٰ) ہے اور ورش نہایت سفید رنگ والے کو کہتے ہیں۔

(۲۱) "علم قراءت اور قراء سبعہ" مولانا قاری ابو الحسن اعظمی دیوبند ادارۂ اسلامیات لاہور۔ سن طباعت جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ بمطابق دسمبر ۱۹۸۹

(۲۲) "علوم القرآن" مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مکتبہ دار العلوم کراچی۔ طبع جدید ۱۹۹۸ء۔

(۲۳) "فضائل قرآن" شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ۔ کتب خانہ فیضی لاہور۔

(۲۴) "فہم قرآن" مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ" مولانا سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی کراچی۔

(۲۵) "مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی" مولانا سید ابو الحسن ندویؒ۔ مجلس نشریات اسلام کراچی اشاعت ۱۹۹۳ء۔

(۲۶) "معارف القرآن" حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ۔ ادارۃ المعارف کراچی طبع جدید جون ۱۹۹۳ء۔

(۲۷) "معارف القرآن" حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ/حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ۔ مکتبہ المعارف دار العلوم حسینیہ شہداد پور سندھ۔

(۲۸) "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ مجلس نشریات اسلام کراچی۔

(۲۹) نور الانوار مع شرح قمر الاقمار ملا جیون صاحبؒ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

(۳۰) "وحی الٰہی" مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی کراچی۔

☆☆☆